برگ وبار

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۱ • جنوری ۱۹۸۶ء • ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ • جلد [illegible]

ناشر: جامعہ سلفیہ [illegible]
طابع: عبد [illegible]
مطبع: سلفیہ [illegible]

ترزئین وکتابت: [illegible]

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

[illegible] SALAFIAH REORI TALAB VARANASI- 221010

تار کا پتہ: دار السلام وارانسی • ٹیلی فون: ۶۲۵۰۷۷

تہنیت نامہ

شوق اعظمی

محدث کہ در سال پنجم رسید — سرش از زمیں تا بہ انجم رسید
گرفتم ز فرطِ خوشی خامہ — نوشتم ز دل تہنیت نامہ
خوشا طرزِ تحریر دانشائے او — مصفیٰ مضامینِ زیبائے او
یکے گنجِ عرفاں ز احکام دیں — ہویدا ز ہر سطر علم و یقیں،
بظاہر ز صد حسن آراستہ — بہ باطن ز ہر گونہ پیراستہ
شگفتہ گل و گلستانِ ہدیٰ — بہ اہلِ نظر ارمغانِ ہدیٰ
بزورِ قلم قصرِ باطل شکست — بدستِ توانا رہِ کفر بست
جہاں را کند از اباطیل پاک — شد از ہیبتش سینۂ کفر چاک
بگفتا ہزار آفریں ہر کہ دید — مثالش کسے ہم نہ دید و شنید
مدیرش کہ فضلِ خدا بر سرش — کلاہِ بزرگِ ہدیٰ بر سرش
نہ زیبد ازیں بیش مدح و ثنا — تو بردار اے شوق دستِ دعا
نگہ دار یارب! ز چشمِ بدش — بہ لطف و کرم در پناہِ خودش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ جلد پنجم

ہماری منزل

الحمد للہ فاطر السمٰوات والارض جاعل الملٰئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنی وثلاث ورباع یزید فی الخلق ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر ۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم (۳۵ : ۱-۲)

اللہ تعالیٰ نے انسانی جمعیت کی طرف مختلف اوقات میں نبیوں اور پیغمبروں کو جن تعلیمات و ہدایات کے ساتھ روانہ فرمایا ہے اور ان کی بعثت کے جن مقاصد کا اس نے خود بار بار اعلان و اظہار کیا ہے، ان سے یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ یہ مشت خاک جسے انسان کہا جاتا ہے وہ محض اینٹ اور گارے کی دنیا تعمیر کرنے اور انجنوں اور موٹروں کے کارخانے بنانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ سہولیات دنیا کا یہ طوفان اور سامان عیش و عشرت کی یہ یلغار جس نے آج عقل و خرد کی نگاہوں کو چکا چوند اور فہم و ادراک کی قوتوں کو حیران و سرگرداں کر رکھا ہے یہ محض انسان کی مادی ضروریات اور تقاضوں کا نتیجہ اور تمدنی عروج و ازدہار کا حاصل ہے، جس کی حیثیت انسان کے لیے محض خدمت گار ذرائع اور وسائل کی ہے۔ ورنہ جہاں تک انسان کے مقصد وجود کا تعلق ہے تو وہ اس سے ماوراء ایک دوسری ہی دنیا کی تعمیر و آرائش سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ہے عقیدہ و عمل اور سیرت و کردار کی دنیا۔ پیغمبر کی بعثت اور کتاب کے نزول کا مقصد اللہ تعالیٰ نے جن الفاظ اور جملوں میں اور جس سیاق و سباق میں بیان فرمایا ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح اور نمایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ذریعہ انسان کو ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا چاہتا ہے، خواہ وہ عقیدہ و خیال کی گندگی ہو یا جذبات و احساسات کی، فہم و شعور کی گندگی ہو یا تصورات و توہمات کی، عمل و کردار کی گندگی ہو یا اخلاق و معاملات کی، انفرادی اور ذاتی گندگی ہو یا اجتماعی اور تمدنی۔ غرض پیغمبر کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ ہر طرح کی گندگی سے انسان کو پاک کر کے اسے ہر میدان میں ایک پاکیزہ عقیدہ

وعمل اور سیرت وکردار کے سانچہ میں ڈھال دیا جائے ۔ ارشاد ہے ۔

هو الذي بعث في الاميين رسولاً منهم يتلوا عليهم اٰيٰته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة ۔ (۲ : ۶۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں کے اندر خود ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

پیغمبر کی بعثت کا یہ مقصد پیغمبر کے بعد ان پر ایمان لانے والی امت اور خصوصاً امت کے حساس اور باشعور طبقے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ، یعنی اس کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نے جو تعلیمات و ہدایات دی ہیں وہ ٹھیک ٹھیک انھی تعلیمات کی بنیاد پر سیرت وکردار کی تعمیر کا کام اور اصلاح و تبلیغ کا مشن جاری رکھے اور اسے ہر طرح کے انحراف و تحریف اور تغیر و تبدل سے بچانے کی کوشش کرے ۔ یہی طبقہ یا اس کے افراد اپنی قوت عمل ، نوعیت اصلاح اور وسعت تاثیر کے لحاظ سے کسی مرحلہ میں داعی ، کسی مرحلہ میں مصلح اور کسی مرحلہ میں مجدد کہلاتے ہیں اور امت کے خزاں رسیدہ چمن میں انھی کی مساعی سے ایمان و عمل کی بہار آتی ہے اور سیرت و کردار کے خوشنما پودے اور پھول کھلتے ہیں اور اخلاق و انسانیت کی کلیاں مسکراتی ہیں ۔

روز اول سے ہماری یہ کوشش ہے کہ اس وسیع الاطراف ، طویل الذیل اور عظیم المقصد عمل کی پہنائیوں کے کسی گوشے میں "محدث" بھی جا شامل ہو اور وہ اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود ایک قطرۂ بے مقدار کی طرح اس سیلاب بلاخیز کا ایک حصہ بن جائے ۔ عام اسلامی ، علمی ، تحقیقی اور اصلاحی مضامین سے لے کر عالم اسلام کی خبروں کے انتخاب تک میں ہم نے اس مقصد کو کبھی اوجھل نہ ہونے دیا ۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہم جو کچھ پیش کریں وہ کسی نہ کسی راہ سے اسی مرکزی اور مقصدی نقطے تک پہنچتا ہو ۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہیں یا ناکام تو اس کے متعلق ہمارے لیے آج کچھ کہنا مشکل ہے ۔ درحقیقت کامیابی کے پیمانے الگ الگ ہیں ۔ ایک پیمانہ یہ ہے کہ حلقۂ قارئین کی وسعت و عدم وسعت دیکھی جائے ۔ یا رسالے کی مقبولیت و عدم مقبولیت پر نظر ڈالی جائے ۔ مضامین کی نوعیت اور پڑھنے والوں کے تاثرات دیکھے جائیں ۔ لیکن یہ محض عامیانہ اندازہ ہے ، جسے پیمانہ کہنا درست نہیں ۔ ہمارے مقصد کے لحاظ سے کامیابی درحقیقت یہ ہے کہ اس عمل پیہم کے ذریعہ کسی کے عقیدہ و عمل اور سیرت وکردار میں صالح تبدیلی آئی یا نہیں ۔ اور صفحۂ قرطاس پر جو سیاہیاں ہم بکھیرتے رہے ، اللہ نے اسے پسندیدگی کی نظر

دیکھا یا نہیں؟ ظاہر ہے اس میں کامیابی و ناکامی کا علم محض اللہ کو ہے۔ پس ہم آج محدث کی پانچویں جلد کا افتتاح کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام کمزوریوں سے محفوظ رکھ کر اپنی مرضیات کی بامقصد شاہراہ پر چلنے کی توفیق ارزانی کرے اور اسے شرفِ قبول سے نوازے۔ آمین۔

میرا سفرِ پاکستان:

ایک طویل عرصے کی خواہش کے نتیجے میں میں ۲۹ رنومبر ۷۵ء یوم جمعہ کو پاکستان وارد ہوا۔ میری پہلی بالاصل منزل لاہور تھی۔ مگر اپنی منزل پر پُرسکون قیام کے چند لمحے بھی میسر نہ آئے اور جذبۂ شوق نے مجھے وادیوں اور کہساروں میں رواں دواں رکھا۔ "دن کہیں رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں" کا عالم رہا۔ دوستوں اور عزیزوں سے بھی ملاقات ہوئی، علماء اور محققین سے بھی۔ مجاہدین سے بھی ملا اور وادیٔ نورستان کے حکام سے بھی۔ اور پھر گنہ گار کشاں کشاں بالاکوٹ کی رزم گاہ بھی پہنچا۔ جہاں مجاہدینِ حق کی تلواریں کفر و ضلالت اور ظلم و جبر کی تاریکیوں میں چمکیں، مگر اپنوں کی ریشہ کاریوں کے نتیجہ میں ان کی چمک ماند پڑ گئی۔ اور اب وہاں حق و انصاف اور تجدید و اصلاح کا علم بلند کرنے والے شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقائے شہادت آسودۂ خاک ہیں، میں نے اس بطلِ جلیل کا مدفن اور لوحِ مزار بھی دیکھا، جس کے آوازۂ توحید نے آج تک موحدینِ ہند و پاک کے دل و نظر کو حرارت سے ہمکنار کر رکھا ہے۔ پھر چشمِ تصور سے اس معرکۂ کفر و اسلام کا منظر دیکھا، جس کی توپوں کی گرج، بندوقوں کی ترخ اور تلواروں کی جھنکار نے قافلۂ راہِ حق کو اب تک جادہ پیما رکھا ہے۔ اس خاکِ بالاکوٹ کا ایک ایک ذرہ کتنا سعادت مند ہے کہ اسے ان قدوسی نفس انسانوں کی پابوسی اور ان کے پاکیزہ لہو سے آسودگی کا شرف بخشا گیا۔

میری آرزو ہے کہ اس سفر اور وارداتِ سفر کی روداد قلمبند کروں اور اللہ کی توفیق شاملِ حال رہی تو ان شاء اللہ اگلے شمارے سے یہ سلسلہ شروع ہوگا۔

اس ◯ دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہے۔ آئندہ کے لیے بدلِ اشتراک بھیجدیں۔ مینجر

وفات سے کچھ دن پہلے کی چند تحریریں

قلب، دماغ اور ان کے علم اور ذرائعِ علم کی حقیقت

صوفی نذیر احمد کاشمیری

(۱) قلب :- انبیاء کا محلِ علم قلب سلیم ہے، اور منشاءِ علم وحی الٰہی ہے۔ وان من شیعتہ لابراھیم اذ جاء ربہ بقلب سلیم۔ حضرت نوحؑ کے فرقے میں سے ابراہیم تھا جبکہ وہ اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔

(ب) نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من المنذرین

(ج) فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ۔

(د) خیر ما وقر فی القلوب الیقین۔ دل میں جو سب سے اچھی چیز آتی ہے، وہ یقین ہے

گویا قلوبِ انبیا محلِ علم ہیں اور ان کا منشاء العلم وحیِ الٰہی ہے۔

(۲) دماغ ۔ آزاد مفکرین کا محلِ علم دماغ ہے اور منشاءِ علم محسوس کائنات ہے، اور وہ قطعاً ظنی چیزیں ہیں۔

(۱) مالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں علم صرف یقین پر بولا جاتا ہے اور اس کے مقابل ظن کا لفظ بولا جاتا ہے۔

منطق اور علم الکلام کی حقیقت :- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے وحیِ الٰہی کی تشریح منطق کے ذریعہ کی ہے انھوں نے سب دینیات کو یقینیات کے بجائے ظنیات سے بدل دیا ہے۔ علم دین کو سمجھنے کے لیے منطق کی نہیں بلکہ تزکیہ نفس وقلب کی ضرورت ہے۔ انبیاء امی محض ہوتے ہیں، حضور امی تھے اور حضور کے سب عرب امی "امۃ امیّون" وہ دین کو منطق کے ذریعہ نہیں بلکہ تزکیہ وتصفیہ کے ذریعہ سمجھتے تھے۔ قد افلح من تزکیٰ۔

باوجود ساری کمزوری کے یہ حروف جو محض اشارات کی حیثیت رکھتے ہیں، لکھ دیے گئے۔

ایک ضروری گزارش :- ابھی حال میں "پیارے رسول کی پیاری باتیں" نام سے دیدہ ما ثورہ کی ایک کتاب چھپی ہے ضرورت ہے کہ مدارس میں اس کی اشاعت عام کی جائے تاکہ ہماری آئندہ نسل متکلم و منطقی ہونے کے بجائے جو آزاد مفکرین کی سنت ۔

(بالفاظِ دیگر بدعت) ہے، ذکاوت اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کی حامل ہو۔

دین قائم کرنے کے دو طریقے:

(۱) دین کو قائم کرنے کا ایک طریقہ وہ ہے جسے طریق انبیاء کہا جاتا ہے۔ اس میں نفی باطل مقدم ہے اور اثباتِ حق موخر ہے۔ "لاالٰہ الا اللہ" تمام انبیاء کا مشترکہ کلمہ ہے اور اس میں اکراہِ باطلہ کی نفی مقدم ہے اور الٰہِ حق کا اثبات موخر ہے۔ دین کے قائم کرنے کا یہ طریقہ کامل ہے۔

(۲) دین کو قائم کرنے کا دوسرا طریقہ مثبت طریقہ ہے، اس میں اثباتِ حق مقدم ہوتا ہے اور نفیِ باطل موخر ہوتی ہے۔ یہ عام مومنین کا طریقہ ہے۔ "ان الحسنات یذھبن السیئات۔ (نیکیاں بدیوں کو دور کرتی ہیں) جب ایک نبی نے دین کو قائم کر دیا اور مومنین کی ایک جماعت نے اسے قبول کر لیا تو یہ مومن جماعت جس قدر حسنات پر عمل پیرا ہوتی جائے گی اسی قدر یہ نیکیاں بدیوں کی جگہ لیتی جائیں گی، یہ عام مومنین کے لیے دین کے اثبات کا طریقہ ہے۔ مگر یہ طریقہ طریقۂ انبیاء کے مقابل ناقص ہے۔

امتِ اسلامیہ کا مقصدِ پیدائش کیا ہے؟

قرآن مجید کی زبان میں امتِ اسلامیہ کا مقصدِ پیدائش یہ ہے کہ اسے کائناتِ انسانی کی ہدایت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر"

(۲) طریق کار یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ وہ ساری دنیا کو ایک دینِ کامل پر لائے۔ چوں کہ خاتم الانبیاء کو ساری کائناتِ انسانی کو ایک دینِ کامل پر لانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ "وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔"

اور چوں کہ امت کو یہ حق نیابۃً حاصل ہے لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ ساری کائناتِ انسانی کو دینِ کامل و واحد پر لانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہے۔

(۳) سابقہ امتوں کی کوشش صرف اپنی ذاتی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح ہوتی تھی لہٰذا وہ اپنی محدود اصطلاحات میں رمز و کنایے کی زبان میں بات کرتی تھی۔ یہاں پہونچ کر سابقہ امتوں کا دائرۂ اصلاح ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت مسیح سے جب پوچھا گیا کہ وہ صراحت کے بجائے رمز و کنایے میں کیوں بات کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "اپنے موتیوں کو سوروں کے سامنے مت ڈالو"

لہٰذا سابقہ امتوں کی زبان صرف اپنی قومی اصطلاحات تک محدود ہوتی تھی اور چوں کہ حضرت خاتم الانبیاء کی دعوت ساری کائناتِ انسانی کی طرف ہے لہٰذا اس میں رمز و کنایے کے بجائے صراحت کا رنگ اختیار کیا گیا ہے۔ "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" تاکہ سارے دنیا کی قومیں اس کے سارے فرائض و واجبات کو سمجھ سکیں۔

یورپ کے ایک بڑے مفکر "سپنگلر" نے اس الزام کی پرزور تردید کی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسلام اپنے بیان کی صراحت سے دنیا میں پھیلا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے سارے مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اپنے بیان میں واضح ہے اور جسے دنیا جہان کے عوام و خواص سب سمجھ سکتے ہیں، بشرطیکہ سمجھنا چاہیں۔

خود حضرت خاتم الانبیاء نے اسلام کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ

سپنگلر نے غیر شعوری طور پر اسی فقرے کا ترجمہ کردیا ہے۔

ایک احتیاط: وحدتِ دین کو مقصد قرار دیا جائے اور اس کے نتیجے میں امت سب دنیا پر غالب آجائے یہ ایک طریق ہے۔ یہ دینی سیاست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سیاسی غلبے کو مقصد بنایا جائے اور دینی وحدت کو محض نتیجے کے طور پر سامنے رکھا جائے۔ یہ سیاسی دین ہے اور اس دور میں ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ طریقہ اپنایا تھا۔ وہ دینی سیاست کے نہیں بلکہ سیاسی دین کے داعی تھے۔

یہ فرق کرنا ازحد ضروری ہے، ورنہ کائناتِ انسانی تا قیامت ایک راہِ ہدایت پر نہ آسکے گا۔

میری ساری رات موت و حیات کی کشمکش میں گزر جاتی ہے اور صبح اٹھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بات دل میں ڈالی جاتی ہے وہ کسی ذمہ دار آدمی کو لکھ دیتا ہوں۔ آج کی رات کی کشمکش کا نتیجہ مدرسے کے حقائق ہیں۔

مساجد، اسلامی سوسائٹی کا مرکزی مقام

ڈاکٹر عبد العلی صاحب الدار السلفیہ بمبئی

اسلامی سوسائٹی میں مسجد کے مرکزی مقام کا اس بات سے اچھی طرح سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلم سوسائٹی قائم کرنے کا موقع ملا تو آپ نے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد ڈالی اور اپنے اس اقدام سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مسجد اسلامی معاشرہ کے قیام کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اور اسی نظریے کے پیش نظر آپ نے مدینہ پہنچتے ہی بلا کسی تاخیر کے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد کی بنیاد ڈالنے کا تھا۔ اس کے بعد اپنا گھر بنانے کی طرف توجہ کی۔ یہ مسجد مکمل ہونے کے بعد اسلام کے پیغام کی جامعیت کا آئینہ دار بن گئی، کیوں کہ اسلامی سوسائٹی کے متعلق تمام مسائل کی چھان بین اور ان کا حل اسی مسجد سے تلاش کیا جاتا تھا۔

اس طرح اسلامی سوسائٹی نے مسجد کے اندر جنم لیا۔ یہی نہیں بلکہ اگر ہم انسانی معاشرے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو قرآن کریم سے ہم کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ انسانی تمدن اللہ کے گھر ہی سے شروع ہوا۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین۔ (یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور رہنما ساری دنیا والوں کے لیے) اس طرح انسانیت نے روئے زمین پر تہذیب و تمدن کا پہلا سبق مسجد ہی سے سیکھا تھا اور اس حقیقت کی روشنی میں ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ مسجد صرف مسلم سوسائٹی ہی کا مرکز نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مشعل رشد و ہدایت ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو، جو کہ اپنے اصلی راستے سے بھٹک گئی تھی، صحیح راستے پر لگانے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے اس حقیقت کو عملی طور پر لوگوں کے سامنے رکھا اور جیسا کہ ابھی اشارہ کیا گیا۔ سب سے پہلے اس مرکز کے قیام کی طرف توجہ دی۔ مسجد کی تعمیر اور اس سے تعلق کو قرآن کریم کے اندر ایمان باللہ و الیوم الآخرۃ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ

ولم یخش الا اللّٰہ فعسی اولئك ان یکونوا من المھتدین۔ (اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، نماز قائم کرتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے ڈرتا نہ ہو، تو ایسے لوگ قریب ہے کہ ہدایت یافتگان میں سے ہوں۔)

اس آیت کی تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا رأیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان فان اللہ عزوجل یقول: انما یعمر مساجد اللہ (الآیۃ) جب تم آدمی کو دیکھو کہ وہ مسجد (میں آمد و رفت) کی پابندی کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو۔ کیوں کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے انما یعمر مساجد اللہ...

اسلامی سوسائٹی میں مسجد کی مرکزی حیثیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی مسجد کی طرف لوٹنا ہوگا اور اس مسجد کی مرکزی حیثیت اور اس کے امام کی جامع کمالات اور متصف بہ صفات حسنہ شخصیت کا جائزہ لینا ہوگا نیز مسجد کے اندر عمل میں لائے جانے والے پروگراموں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسجد کے مشن کو بروئے کار لانے اور اس کو صحیح معنوں میں عملی شکل دینے میں امام کا کردار کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر ذی بصیرت شخص یہ بخوبی جانتا ہے کہ جب مسجد کا امام اپنے عقائد میں موحد، اعمال میں مخلص اور اللہ و رسول اور عامۃ المسلمین کا ناصح ہو۔ مسجد اسلامی سوسائٹی میں روشنی کے مینار کا کام کرتی ہے۔ لیکن جب امام ہی صحیح راستے سے ہٹ گیا، اس کے عقیدے میں خرابی پیدا ہوگئی، اعمال خالصۃً لوجہ اللہ نہیں رہے اور دین کے لیے کام کرنے کا جذبہ دنیاوی ریا اور نمود اور مال و دولت پیدا کرنے کی خواہش میں تبدیل ہوگیا تو مسجد اپنا مقام کھو بیٹھی۔ اور جب قائد ہی بھٹک گیا تو قافلہ کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ اس اہم نکتہ کی روشنی میں آپ مساجد کی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ مسجد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں پلنے والا نوجوان اسلام کے لیے جاں نثاری اور وفاداری کا نمونہ ہوتا تھا۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی امارت میں بھی مسجد سے تربیت پاکر ایسے مخلص اور جاں باز سپاہی اور میدان علم و معرفت کے ایسے ایسے شہسوار نکلے کہ آج بھی دنیا ان کی نظیر پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ مسجد کے یہ مصلی اسلامی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، انھیں دیکھ کر دوسری قومیں اسلام کی تعلیمات کی جامعیت اور ان کی ہمہ گیری سے متاثر ہوتی تھیں اور ان کے کردار سے متاثر ہوکر بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اسی طرح اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے والے ائمہ مجتہدین جو کہ اپنے وقتوں میں پورے عالم اسلام کے لیے مشعل ہدایت بنے رہے اور بعد میں آنیوالوں کے لیے بھی ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے۔ جن کے افکار اور اقوال میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کی صحیح جھلک نظر آتی ہے۔ ان ہی مسجدوں سے فارغ ہوئے اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان کے ستونوں سے ٹیک لگا کر درس دیتے ہوئے گزارا۔ امام مالک مدینہ میں، امام احمد بغداد میں، سفیان ثوری کوفہ میں، امام شافعی مصر میں اور حسن بصری بصرہ میں، اپنے اپنے وقت میں مساجد یونیورسٹیوں کے مانے ہوئے پروفیسر تھے۔ مسجد کے باہر تعلیم حاصل کرنیوالا شخص، اسلام کے بنیادی اصولوں کے ادراک میں ان اماموں کے درجہ کو کبھی نہیں پہنچ سکا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد صرف ایک عبادت گاہ نہیں تھی، جس میں دن رات میں پانچ مرتبہ چند گنے چنے لوگ آکر مشینی حرکت دکھا کر چلے جاتے ہوں، بلکہ یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ تھی جس کے برجوں سے رشد وہدایت کی شعاعیں پھوٹتی تھیں، عدل وانصاف کی سکون بخش ہوائیں چلتی تھیں اور امن وسلامتی کا پیغام بلند ہوتا تھا۔ مسجد مسلمانوں کی دینی اخلاقی، معاشرتی اور تعلیمی تربیت کا سنٹر تھی۔ مسجد نبوی وہ بے مثال درس گاہ تھی جس نے چوٹی کے علماء، پایہ کے فقہاء اور بے نظیر جنگی سپہ سالار پیدا کیے۔ مسجد نبوی وہ پارلیمنٹ تھی جہاں امت اسلامیہ کو پیش آنیوالے مسائل پر بحث ومباحثہ ہوتا تھا۔ یہ وہ سپریم کورٹ تھی جہاں اللہ کے رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق اپنا فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ ملٹری کونسل تھی جہاں جنگی پلان تشکیل پاتے تھے۔

اسلام میں عبادت کے لیے کسی مخصوص جگہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔ (میرے لیے زمین کو مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔)

اس طرح پوری روئے زمین مسلمانوں کی سجدہ گاہ ہے، جس طرح انسانی زندگی کا ہر لمحہ اگر صحیح طور پر گزارا جائے تو وہ عبادت ہے۔ اسلام میں عبادت صرف فرائض ادا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نیک مقصد سے کیا جائے وہ عبادت ہے قرآن اعلان کرتا ہے:

لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن بالله والیوم

الآخر والملائكة والكتاب والنبيين وآتى المال على حبه ذوى القربى واليتامى والمساكين
وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب واقام الصلاة وآتى الزكاة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا
والصابرين فى البأساء والضراء وحين البأس اولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون ۔

(نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو۔ اور لیکن نیکی ان لوگوں کی ہے۔ جو اللہ پر آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائیں اور مال محبوب ہونے کے باوجود قرابت داروں کو یتیموں کو، مسکینوں کو مسافروں کو اور مانگنے والوں کو عطا کریں اور گردن (چھڑانے) میں (خرچ کریں) نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں اور عہد کریں تو عہد پورا کریں۔ سختی، نقصان اور مشکل میں صبر کریں ایسے ہی لوگ سچے ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی ہیں۔)

یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ قرآن نے ایمان کے بعد نماز اور روزے سے پہلے سوسائٹی کے حقوق پر زور دیا ہے۔
دوسری طرف قرآن یہ بھی اعلان کرتا ہے: وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا۔
یعنی مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کام ہونا چاہیے۔ پھر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسجد کو صرف نماز کے لیے مخصوص کرنا، اسلام کے پیغام سے جہالت ہے۔ مسجد اس لیے ہوتی ہے کہ وہ بندے اور رب کے درمیان رشتے کو مضبوط کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، فوجی، اقتصادی، تعلیمی اور دوسرے ہر طرح کے مسائل کو حل کرنے کے لیے پلیٹ فارم کا کام دے۔ اور اس کے دروازے ہر مسلمان کے لیے کھلے رہیں۔ بدقسمتی سے آج ہماری مسجدیں مسلمانوں کے لیے نہیں بنتیں بلکہ مخصوص فرقوں کے لیے بنتی ہیں، جن کی نسبت ایسے اشخاص کی طرف ہوتی ہے، جن کا وجود عہد رسالت میں نہیں تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے کم علم اور جاہل ان ہی ائمہ کی اتباع کو صحیح اسلام تصور کرتے ہیں۔ مسجدوں پر فرقے کا نام لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے کہ دوسرے لوگ اس میں داخل ہونے کی جرأت نہ کریں۔ (یہاں اہل حدیث کے بارے میں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ، اہل حدیث کسی فرقہ کا نام نہیں، یہ کسی امام کی طرف منسوب نہیں بلکہ یہ تو اماموں کے امام اور مسلمانوں کے ہادی اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ رکھنے کی کوشش کرنے والی ایک تحریک کا نام ہے اور اس کی مسجدیں سب کے لیے کھلی ہیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں، مسجد، اسلامی سوسائٹی کی مختلف سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ آنے والے وفود کا استقبال مسجد میں ہوتا تھا، حملہ آور مخالف طاقتوں کا

مقابلہ کرنے کے سلسلے میں فوجی منصوبے یہیں تیار کیے جاتے تھے ۔ معاشرے کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے بارے میں عملی قدم یہیں اٹھایا جاتا تھا ۔ آپ نے سنا ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بہت ہی غریب اور پریشان حال لوگ اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کے بدن پر صحیح کپڑے نہیں تھے اور ان کی حالت زار ان کی ناداری اور مفلسی کی ترجمان تھی ۔ آپؐ ان کی حالت دیکھ کر غمزدہ ہو گئے، چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہوئے۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دلائی اور تھوڑی دیر میں غلے اور کپڑے کی وافر مقدار جمع ہو گئی یہ دیکھ کر آپؐ بہت خوش ہوئے، آپؐ کا چہرہ کھل اٹھا اور آپؐ نے بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ اعلان کیا کہ جو شخص بھی کوئی نیک کام کرتا ہے، جس کے بعد لوگ اس کام کو کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کو اپنے کام کے ساتھ ساتھ اس کام کے کرنے والے تمام دوسرے لوگوں کا ثواب بھی ملتا ہے، اس طرح کر کسی کے ثواب میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔" یہ سب کچھ مسجد میں ہوا تھا۔

اسی طرح قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں دو صحابیوں کے درمیان ہونے والی تکرار کا فیصلہ بھی آپؐ نے مسجد میں کیا تھا۔ شادی بیاہ اور زوجین کے درمیان صلح ومصالحت کا کام بھی مسجد میں ہوتا تھا۔ ایک روایت میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ منبر پر سے ایک لڑکی کے لیے پیام کا اعلان کیا تھا، جسے حضرت عثمانؓ نے قبول کیا۔

مسجد قید خانہ کا کام بھی دیتی تھی۔ ثمامہ بن اثال کو مسجد کے ایک کھمبے سے باندھ کر قید کیا گیا تھا۔

مسجد عورتوں کو تعلیم دینے کا مرکز بھی تھی۔ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جس کو بہترین دور قرار دیا گیا ہے عورتیں نماز میں پابندی کے ساتھ حاضر ہوتی تھیں، ان کے لیے مخصوص جگہ کا انتظام تھا، جمعہ اور عیدین میں ان کی حاضری پر کافی زور دیا جاتا تھا۔ اس طرح اسلامی سوسائٹی کا ہر فرد مسجد کے چشمۂ ہدایت سے فیضیاب ہوتا تھا۔ ہماری مسجدوں میں جہاں بہت ساری خرابیاں پیدا ہوئیں، ان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ان میں خواتین کی تعلیم و تربیت اور ان کو اللہ اور رسولؐ کی باتوں سے آگاہ کرنے کا اب کوئی انتظام نہیں رہا۔ اس طرح اسلامی سوسائٹی کا آدھا حصہ اور اہم ترین جزو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ رہ جاتا ہے اور طرح طرح کی جہالتوں اور خرافاتی بدعتوں میں مبتلا ہو کر معاشرے کو تباہی کی طرف ڈھکیل رہا ہے۔ ایک عربی شاعر نے کہا ہے کہ "ماں کی تعلیم ایک پوری نسل کی تعلیم ہے" یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

آج ہماری مسجدیں اپنا امتیازی مقام کھو بیٹھیں، اب وہ صرف نماز پڑھنے کے لیے ہیں یا پھر ان میں جگہ کی

کی جاتی ہے۔ قرآن خوانی کی محفل منعقد کی جاتی ہے۔ اللہ اور رسول کا کلام چھوڑ کر پیروں اور ولیوں کا خرافاتی کلام دہرایا جاتا ہے، جسے بسا اوقات قرآن اور حدیث پر بھی فوقیت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح بدعت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا توحید و سنت کے اجالے کو اپنی لپیٹ میں لیے جا رہا ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ شرک و بدعت کے اس ہلاکت خیز طوفان کو روکا جائے اور مسجدوں کو ہر اس چیز سے پاک کیا جائے جو مسلمانوں کی ذہنی غلامی اور فکری جمود کے دور کی پیداوار ہیں اور جن کا قرآن و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں ایک بہت ضروری قدم یہ ہے۔ کہ مسجد کے اندر قبر نہ بنائی جائے۔ آج ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں اور ان کے اندر ادا کی جانے والی عبادتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ بہت سے غیر مسلم مسجد کے اندر قبر دیکھ کر اور عرس کی محفلوں میں مسلمانوں کا ہجوم دیکھ کر یہ اندازہ کر بیٹھتے ہیں کہ مسلمانوں کا مذہب قبر سے وابستہ ہے۔ ہمیں اسلام کے بارے میں اس قدر گھناؤنا تصور پیش کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

آج کی مجلس میں شرکت کرنے والے تمام علماء کرام اور ائمہ مساجد سے میری اپیل ہے کہ وہ مساجد کی اصلاح اور ان کو ان کے صحیح مقام پر لانے کے لیے جدوجہد کریں اور عہد کریں کہ اس کے پیغام کو دوبارہ عام کریں گے۔ اور مسجد کو اس طرح کی دینی اخلاقی اور تعلیمی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز بنائیں گے، جس طرح قرون اولیٰ میں ہوتا تھا۔ آج ہم میں سے ہر شخص یہ عہد کرکے اٹھے کہ اپنے اپنے علاقے کی مسجد کو مسجد نبوی کا ایک چھوٹا سا نمونہ بنانے کے لیے جدوجہد کرے گا۔ اور اگر انسان کسی نیک کام کرنے کا عزم کر لے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔

نوٹ: یہ مقالہ "ائمہ مساجد کانفرنس" منعقدہ جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ مئو ناتھ بھنجن بتاریخ ۱۷ نومبر ۱۹۸۵ء شنبہ کی اولین نشست میں سب سے پہلے پڑھا گیا۔

خطوط نگاری کی فنی حیثیت

عبد المبین ندوی ۔ ناظر کتب خانہ دار المصنفین، اعظم گڈھ

اردو میں خط نوشتہ، چٹھی لکھت، تحریر، مراسلت، مکاتبت، دستاویز، سبزہ رخسار، دستخط انسان علامت کے متعدد معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے [1] یہاں ہمیں مراسلت اور مکاتبت کے معنی سے بحث کرکے اس کی فنی حیثیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے ۔

خطوط نگاری کی ابتدا اور اس کی اہمیت: یہ ایک قدیم ترین فن ہے جو ہمہ گیر تقاضوں اور ضرورتوں کے تحت وجود میں آیا ہے ۔ علامہ سید سلیمان ندوی خط کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: خط کیا ہے؟ آپس میں دو آدمیوں کی بات چیت، اس بات چیت کو کاغذوں میں محفوظ رکھنے کا دستور پرانا ہے ۔ بادشاہ اور وزیروں کے حکم و احکام کے چھوٹے چھوٹے فقرے جو بلاغت کی جان ہوتے تھے اور توقیعات کہلاتے تھے، یاد رکھے جاتے تھے ۔ عیسائیوں میں مقدس حواریوں کے خطوط کی خاص اہمیت ہے اور وہ مجموعہ انجیل کے ضروری جزو خیال کیے جاتے ہیں اور قبول کے ہاتھوں سے لیے اور ادب کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں ۔ [2]

علامہ موصوف خطوط کی نگہداشت اور یادداشت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: جہاں تک میرا علم ہے خطوط کی نگہداشت اور یادداشت کی جو کثرت اور وسعت مسلمانوں کے دور میں ہوئی وہ اس سے پہلے نہ تھی ۔ مسلمانوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو محفوظ رکھا ۔ روایتوں میں ان کا اتنا بڑا مجموعہ ہے کہ بہت سے عالموں نے اس کو الگ الگ کرکے ان کی کتابیں بنائی ہیں ۔ [3]

خطوط نگاری کی اہمیت ہر زمانے میں رہی ہے اور اس کے ذریعہ وہ کارہائے نمایاں انجام پائے ہیں جو سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے بالمشافہ گفتگو کرنے سے بھی طے نہیں پاتے ۔ خط کی ایجاد فطرت انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا ہے اور یہی وہ معدن ہے جس سے انسان کے شبانہ روز کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں ۔ علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

انسان کی سب سے بڑی یادگار اس کے شبانہ روز کے خیالات کا ذخیرہ ہے، انسان خود فنا ہو جاتا ہے، لیکن اس کے خیالات جو بطون کاغذ میں ودیعت رکھ جاتا ہے زندہ جاوید ہیں۔ پچھلی نسلیں اگر اس کی حفاظت کر سکیں تو مصری مومیائی لگا کر اس کی لاش کو صحیح و سالم رکھنے سے زیادہ مفید ہے کہ اس سے ہم صرف اس کے بدن کا ڈھانچہ دیکھ سکتے ہیں اور ان سے ہم کو اس کے دل کے اندر کے بھید اور اسرار نظر آنے لگتے ہیں۔ ؁

جناب غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ "سوال کیا جاتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف کلیۃً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے۔ سائنس کی پرواز ارتقار انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی ہے، حتیٰ کہ چاند تک سفر کے راستہ میں نگہانے میل نصب ہونے لگے، تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار و احساسات کا شبانہ روز کا مکمل خاکہ تیار کرتا رہے، اور ایسا کوئی کیمرہ تیار نہیں ہوا جو باطن کی غیر مرئی تصویریں لے سکے۔ ہزاروں سال کی حنوط شدہ لاشیں آج بھی عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے حیرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں، مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی ہنرمندی آج بھی نہ سوجھ سکی، پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ لکھتے اور بولتے ہیں، اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں، بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں۔ ؁

ڈاکٹر سید عبداللہ خطوط نگاری کو ایک حتمی ضرورت قرار دیتے ہوئے اس کی نزاکت پر رقمطراز ہیں:

"بامشافہ ابلاغ، تو ایک قدرتی سا عمل ہے مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں، ان تک پہنچنے کے لیے کوئی سبیل ہونی چاہیے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جن کے فاصلے بعید ہیں، سماعت کی جہاں پہنچ نہیں، یا جو نزدیک ہیں مگر ان کی نزدیکی دوری کے مترادف ہے۔ ان تمام مراحل کو عبور کرنے کے لیے ذہن انسانی نے اپنی قوت مخترعہ سے خط ایجاد کیا، یہ ایک ایسا نیا وسیلہ گفتگو پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوہ بیان اور زبان سے زیادہ فصیح اللسان تھا۔ ؁

خطوط نگاری کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مکاتیب سے واضح ہوتی ہے جو آپ نے عیسائیوں کے شہنشاہِ اعظم ہرقل اور ایران کے تاجدار اکبر کسریٰ اور مصر کے فرمانروائے وقت مقوقس کے نام بھیجے تھے۔ ان مکاتیب گرامی سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے کہ وہ کس قدر فصیح، کتنے سادہ اور کیسے جامع و پُر اثر تھے کہ چند جملوں میں پوری قوت کے ساتھ مقصد کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ شاہ مقوقس اور دیگر شہنشاہانِ وقت کے نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ دین کے لیے جو مکاتیبِ گرامی ارسال کیے تھے وہ پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

خط و کتابت کی ایجاد نے انسان کے لیے فاصلے کا مسئلہ حل کر دیا۔ عربوں کے تصور میں تحریر کی بنیادی غایت محض پیغام رسانی تھی یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ عربی میں رسم تحریر کو خط کہتے ہیں جو بعد میں مکاتبت اور مراسلت کی اصطلاح میں تبدیل ہوا۔ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب و مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانے میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نگاری قرار پائی۔ جو شخص زبان و بیان، رسوم و آداب سے کامل واقفیت رکھتا تھا وہ اسلامی عہد میں فاضل اور شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور سلطنت کے بڑے بڑے مراتب اسے تفویض کیے جاتے تھے۔

خطوط میں القاب و آداب (سرنامے): خطوط میں سب سے مقدم سرنامہ ہے، جس کو القاب و آداب بھی کہا جاتا ہے، یہی سرنامہ اہل یورپ کا سرمایۂ افتخار رہے۔ کہا جاتا ہے کہ سادگی اور اختصار یوروپی خطوط کا حصہ ہیں اور کثرت مبالغہ و فرضی آداب و القاب ایشیائی خطوط کی دین ہے۔ کیوں کہ یوروپ والے بادشاہ کو بھی "سر" کے لفظ سے مخاطب کر سکتے ہیں اور اہل ایشیا کا معمولی مخاطب بھی خط میں چار سطروں کے القاب و آداب کا خواستگار ہوتا ہے۔

یہ تکلف و تصنع فارسی زبان سے اردو میں منتقل ہوا۔ کیوں کہ ایرانیوں کی تہذیب و ثقافت کا اثر ہندوستانی تہذیب پر کافی پڑا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کی ایک حکایت تاریخوں میں بیان کی جاتی ہے کہ جب نادر شاہ نے دہلی پر چڑھائی کرنے سے پہلے محمد شاہ کو خط لکھا تو محمد شاہ نے نادر کو خط کا جواب چھ مہینے تک محض اس لیے نہیں دیا کہ القاب و آداب کی بحث در پیش تھی۔ بادشاہوں کے القاب نادر کے لیے موزوں نہ تھے کیوں وہ ایک معمولی گڈریا تھا۔ اگر ادنیٰ القاب لکھتے ہیں تو بگڑنے کا ڈر۔ شہ

فارسی خطوط میں عبارت آرائی، تکلفانہ مبالغہ، بے جا لفاظی پائی جاتی ہے، ثبوت کے لیے متعدد کتابیں اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً انشا، ابو الفضل، طاہر وحید، نعمت خاں عالی ظہوری وغیرہ۔ ایرانی اثرات سے جب تک مسلمانوں کی تہذیب متاثر نہیں ہوئی تھی، اس وقت تک ان کے خطوط میں فطری سادگی اور پُرکاری تھی۔ اس کی شہادت میں حضور کے وہ مکاتیب پیش کیے جا سکتے ہیں، جو آپ نے دعوتِ اسلام کے لیے اطراف و جوانب کے متعدد سلاطین و امراء کے نام ارسال فرمائے ہیں، جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

موزوں القاب کی ضرورت: سادہ اور رنگین خطوط میں سب سے پہلے سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور موزونیت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ پرانے طریقے کے سرناموں

کا استخفاف کرتے ہیں، لیکن اگر الفاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مناسب سزلمے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے خط کا پہلا اثر بہت خوشگوار ہوجاتا ہے۔[۹] لیکن بعد

لیکن بعد میں اس اچھے اصول سے بے اعتنائی برتی گئی، جس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جدید زمانہ میں عام لوگ نہیں بلکہ بعض وقت اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی خطوط نگاری کے آداب و مراسم سے واقف نہیں ہوتے، جس سے فرق مراتب ادب و احترام درجے و رتبے کا لحاظ قائم نہیں رکھ سکتے۔ جس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اب وہ پرانی وضع کے لوگ نہیں رہے جن کی تربیت سے موجودہ نئی نسل محروم ہوتی جارہی ہے۔ دوسرے یہ کہ عام رجحان اور مذاق بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔

بہر حال القاب و آداب سزلمے و خطاب کا سوال بڑا اہم ہے، جب اس میں فرق مراتب ملحوظ نہ رہا تو جذبات و احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف و نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں، جو کسی مہذب اور شائستہ سوسائٹی میں خود بخود نکھر آتے ہیں، جہاں قدیم خطوط نگاری القاب کی طوالت اور بے جا تکلفات کے دائرے میں داخل ہوگئی تھی وہیں موجودہ بے رنگی اور فرق مراتب سے بے نیازی بھی بعض اوقات کج خلقی و درشتی کی حد تک جا پہنچتی ہے۔

خطوط نگاری کی ادبی حیثیت: جس طرح زندگی گزارنا ایک فن ہے، اسی طرح خط لکھنا بھی ایک فن ہے اور زندگی میں محبت کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لیے نہ علم سینہ درکار ہے نہ علم سفینہ، جیسا کہ ایک نقاد نے لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ خط لکھنے کے لیے صرف قلم و کاغذ کی ضرورت ہے تو نہ خط لکھنے پر حرف آتا ہے اور نہ لکھنے والوں پر۔ کاغذ و قلم، صرف کاغذ و قلم ہی تو نہیں، اس میں خون جگر بھی شامل ہے، رزمیہ تصنیف کرنے کے لیے تو مؤکلوں کو قابو میں لانا پڑتا ہے، نظم لکھنے کے لیے جذبۂ فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان ادبی کارناموں میں ہم وجود سے کام لے کر ایک نئے وجود کی تخلیق کرتے ہیں، لیکن عدم سے وجود میں لانے کا کام "نہیں" کو "ہاں" میں بدل ڈالنا "کچھ نہیں" سے "کچھ تو ہے" کا معجزہ دکھانا خطوط نگاری ہی کا کمال ہے۔[۱۰]

"خطوط نگاری ادب کی ایک صنف ہی نہیں بلکہ ادبی کارنامہ بھی ہے۔ زندگی کے لمحات قیمتی ہیں، ان لمحوں کو زندگی کے دامن سے چرالینا اور رازداروں میں تقسیم کردینا ہی حسن عمل ہے اور یہی تخلیق خطوط ہیں۔"

ہاں وہ خطوط جن میں استدلال کا زور، فلسفیانہ بحثیں ہوں۔ وہ خطوط نہیں تقریریں ہیں سامعین کی اور تحریریں

قارئین کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن خطوط نگاری میں کسی فضا کی ضرورت نہیں ہوتی، بس ایک باتیں کرنے والا ہو اور ایک باتیں سننے والا۔ [۹]

کس کی محفل کو ہم دیکھیں کہ ہم تم ہیں خود ایک محفل

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

ادب میں سیکڑوں دل کشیاں ہیں، اس کی بے شمار راہیں ہیں اور ان گنت گھاتیں ہیں، لیکن خطوط میں جو جادو ہے وہ اس کی کسی ادا میں نہیں۔ نظم ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو کوئی اور مضمون ہو، غرض تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ صرف سادگی ہی ایسا حسن ہے، جسے کسی حال اور کسی زمانے میں زوال نہیں بشرطیکہ اس میں صداقت ہو۔ [۱۰]

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ انسان جب اپنے کسی عزیز دوست کو خط لکھتا ہے تو وہاں کوئی غیریت باقی نہیں رہتی، دوئی کا پردہ اٹھ جاتا ہے، وہ اپنی رائے میں آزاد ہوتا ہے، اسے خوف نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط سے انسان کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتا ہے۔ [۱۱]

سچا ادب وہ ہے جس میں حقیقت نگاری ہو، خطوط ہی وہ دفینہ ہیں جس میں سچا اور خالص ادب جھلکتا نظر آتا ہے اور ہر قسم کے تکلف سے عاری ہوتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں، صرف ایک ہی شے انسان کی حقیقی شکل و صورت کا آئینہ ہو سکتی ہے اور وہ ہے اس کے ذاتی درنج کے خطوط اور مکاتیب کا ذخیرہ۔ چوں کہ لکھنے والے کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اس کے پوشیدہ اعترافات کبھی منظر عام پر آ دیں گے۔ اس لیے وہ نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ اپنا ہر حال بے پس و پیش حوالۂ قلم کر جاتا ہے۔ [۱۲] اس لیے اس آئینہ میں انسان ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ وہ درحقیقت ہے، خطوط کی ادبی حیثیت واہمیت کے متعلق مہدی حسن افادی نے بھی صحیح اور خوب لکھا ہے: "نج کی تحریروں میں چوں کہ اہتمام کو دخل نہیں ہوتا یعنی اظہار خیال میں صنعت گری، طبع کی جگہ صرف آمد جذبات ہوتی ہے، اس لیے لٹریچر کا ایک ایسا اضطراری حصہ ہے جو لکھنے والوں کے مرتبہ انشا پردازی کی صحیح غمازی کرتا ہے۔ اچھے اچھے بولنے والوں اور چوٹی کے شاعروں کو دیکھا کہ دو سطریں بھی سیدھی سادی نہیں لکھ سکتے۔" [۱۳]

خطوط نگاری کے مختلف مراحل: خطوط نگاری کے مختلف ارتقائی دور میں عجیب عجیب تبدیلیاں

ہوئی ہیں، ابتدا میں صرف ایجاز، اختصار، اظہار مدعا، واقعات سے کام لیا جاتا مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا بڑھتا گیا، اسی قدر خطوط میں بھی رنگینی آتی گئی جس کا سلسلہ عربی ادب کے تصنع اور تکلف کے دور سے جا ملتا ہے اور اس فن میں بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہوئے جن کا مختصر ذکر ہم آگے کریں گے معنویت کا ایک سبب فرقیت کا غلبہ تھا، جس نے خطوط نویسی کو بری طرح ملوث اور مجروح کیا اور اس کو تکلف کے راستوں پر ڈال دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی خصوصیت اور افادیت کم ہوتی گئی، القاب لمبے اور خطوط ادبی مختصر ہوگئے۔

خطوط کے دائرے کی وسعت: خط ایک ایسا فن ہے، جس کا دائرہ نہایت وسیع ہے، جس میں موضوع کی تحدید نہیں اور نہ خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری اور بنیادی طور پر اجتماعی ہو سکتا ہے اور یہ وسعت صرف خطوط نگاری ہی کو حاصل ہے کہ کاروباری تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، یہ عام بھی ہے اور خاص بھی اور خاص بھی اتنا کہ ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یہی ایک ایسا فن اور ذریعہ ہے جو روٹھے ہوئے کو منانے اور بگڑے ہوئے سے صلح کرنے اور معذرت پیش کرنے (خواہ ملکی پیمانے پر ہو یا عالمی سطح پر) میں اہم رول ادا کرتا ہے، اس میں آزادی کے ساتھ تنقید بھی کی جا سکتی ہے، جو کسی اور تصنیف سے ممکن نہیں، اس کی کاریگری، وسعت نزاکت اور مختلف النوع ہونے کا اندازہ آپ ڈاکٹر سید عبداللہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بخوبی لگا سکتے ہیں:

> خطوط نگاری بڑا ہی نازک فن ہے، یہ کاریگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی، یہ مختصر اور محدود بھی ہے اور وسیع و بیکراں بھی۔ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی، یہ ظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق بھر بھی ذرہ ہے۔ معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا یہ لکھنے والوں کے لیے تو محض سرحرف سخن ہے مگر پڑھنے والوں کے لیے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے۔ غرض خط ایک جہان راز ہے جس کے راز گر سربستہ رہیں تو سینوں کو گہرہائے دفینہ بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جوبے کی ساری دنیا مشک زار بن جائے۔[۵]

خطوط کے اقسام: خط و کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں، نجی و عوامی کے علاوہ اس سے دعوتی، اصلاحی نیز سیاسی سماجی علمی، دفتری، تجارتی انداز و تبشیر، عشق حقیقی و مجازی وغیرہ ہر طرح کا کام لیا جاتا ہے۔

طوالت کے ڈر سے تفصیل میں جانے سے گریز کرتے ہوئے چند کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

نجی خطوط: نجی خطوط میں مکتوب نگار کے لیے رازونیاز کے واقعات ہوتے ہیں، جن کے متعلق مکتوب نگار کو کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ اسے عوام پڑھیں گے، اس لحاظ سے یہ بہت اہم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ آئینہ یا کیمرہ صرف ظاہر کا فوٹو کھینچتا ہے۔ مگر یہ خطوط اندر کی بھی تصویر کشی کرتے ہیں۔ آدمی جیسا خلوت میں ہوتا ہے ویسا ہی وہ اپنے خطوط کے آئینہ میں نظر آتا ہے

عوامی خطوط: جو خطوط عوامی اور پبلک کے لیے ہوتے ہیں۔ اس میں آدمی اپنے عیوب کی پردہ پوشی پہلے کر لیتا ہے، کیوں کہ اسے عوام پڑھیں گے۔ یہی نجی اور عوامی خطوط میں فرق ہے۔ چنانچہ عوامی خطوط سے مطالعۂ سیرت کا کام نہیں لیا جا سکتا۔

دعوتی و اصلاحی خطوط: رہے دعوتی واصلاحی خطوط، تو ان سے بڑا فائدہ ہوا ہے، اس کی مثالیں ہمہ گیر اور بیشتر بہت ہیں۔ دربار نبوت سے لے کر خلفائے صحابہ تابعین حکمائے وصلحاء امراء و سلاطین واعظین قائدین سبھوں نے خطوط کے ذریعہ دعوت واصلاح اور تبلیغ وارشاد کا خوب خوب کام لیا ہے۔ حضور کے دعوتی خطوط کے علاوہ خلفاء خصوصاً حضرت عمرؓ نے اپنے سپہ سالاروں اور گورنروں کے نام جو خطوط مشورہ اور فرامین کی شکل میں ارسال فرمائے ہیں، ان سے کون واقف نہیں۔[1]

پھر امراء و سلاطین نے خطوط کو جن مختلف موقعوں پر استعمال کیا ہے اس کی ایک پوری تاریخ ہے، جس کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔[2] شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے خلفاء اصلاح وتجدید اور شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید اور ان کے خلفاء نے اپنی اپنی دعوت احیاء دین وتجدید اسلام کے دوران اس باب میں بڑا قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔

مرموز خطوط: خطوط کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مخصوص اصطلاحات اور اشاراتی الفاظ استعمال کیے جائیں جسے مکتوب الیہ تو سمجھ سکتا ہو لیکن دوسرے لوگ یا تو سمجھ ہی نہ سکیں یا کوئی ایسا مطلب سمجھیں جو اصل مقصد سے بالکل الگ تھلگ ہو۔ حکومتیں اور انقلابی تحریکیں اپنی جاسوسی رابطے کے نظام میں ایسے بڑی اہمیت دیتی رہی ہیں، اور اب بھی دیتی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید اور ان کے رفقاء، خلفاء اور جانشینوں کے یہاں خطوط نویسی کی یہ قسم بڑی منظم تھی۔ انگریزی مقبوضات میں واقع تحریک کے کارکنان اس سے بڑے اہم اہم کام لیتے تھے، خطوط میں آدمی کی تعیین اس کے اصل نام کے بجائے ہم وزن صفاتی الفاظ یا کسی مخصوص اشاراتی نام سے کر دی جاتی تھی، چاندی کے روپیے کے لیے دانۂ سفید

وراشرفی کے لیے. دانہ سرخ، جوتے کی جوڑیاں وغیرہ۔ مجاہدین کے لئے طالب علم وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں۔ تحریک کے علمبرداروں کے خلاف جب انگریز نے مقدمات کا سوانگ رچایا اور اس طرح کے انکشافات ہوئے تو انگریزوں کی توجیہات جو ان کے خوف کی آئینہ دار تھیں قابل شنید تھیں۔ مشہور کتاب تحفۃ الفکر کے متعلق کہتے تھے کہ اس سے توپ مراد ہے۔

علماء امراء وزراء اور سلاطین کے خطوط: اس ضمن میں اتنا جان لینا چاہیے کہ خطوط کے ذریعہ سلاطین و امراء و علماء، وزراء نے جو زجر و توبیخ، صلح و مصالحت، مشورے و ہدایت وغیرہ کی جو مہتم بالشان خدمات کی ہیں وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ابتدائی عہد میں صرف ضروری امور سے مطلع کیا جاتا، بادشاہ اپنے وزراء کو خطوط کے ذریعہ احکام بھیجتے، مذہبی پیشوا اپنے عقیدت مندوں کو بذریعہ مراسلت ذکر و تلقین کی تعلیم دیتے مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

دوسری صدی میں امام مالکؒ کا خط ہارون رشید کے نام اور امام لیثؒ کا خط امام مالکؒ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے دیلمیوں نے، سامانیوں، غزنیوں اور سلجوقیوں کے دور حکومت میں انشاپردازوں کو اپنے خطوط و مراسلت جمع کرنے کا خیال ہوا۔ اس خیال کی تحریک دو وجہوں سے ہوئی، ایک تو یہ کہ چونکہ ان عجمی بادشاہوں کی زبان فارسی اور ان کی حکومت کی زبان عربی تھی۔ اس لیے ان بادشاہوں کو ایسے محکمۂ انشاء کی ضرورت ہوئی جہاں ایسے اہل قلم موجود ہوں جو فارسی و عربی دونوں زبانوں میں پوری مہارت رکھتے ہوں اس ضرورت نے مانگ پیدا کی اور اس فن میں صابی، صاحب ابن عباد، صاحب اشبیلیہ اور عماد کاتب کے زمانہ سے لے کر "المثل السائر" کے مصنف ابن عبدالکریم تک بیسیوں اہل انشاء ہیں جن کے خطوط اور مراسلے ادب کے خزانوں کے بیش قیمت موتی ہیں۔ ؎

ہندوستان کے شاہی منشیوں میں علامہ ابوالفضل کے خطوط و انشاءات سے پہلے کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ میں نہیں لیکن اس کے بعد تو شاید ہی کوئی فارسی کا انشاپرداز، غالب تک ایسا گزرا ہو جس کے خطوط کو محفوظ کرنے کا خیال نہ کیا گیا ہو، غالب نے بھی ۱۸۴۹ء سے اردو میں خطوط لکھنا شروع کیے اور اس راہ میں ایک نئی طرح ڈالی اور اردو کو ایک نیا انداز دیا اور نثر کو ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔ اس طرح رقعات عالمگیری فارسی ادب میں ان گلدستوں کے سدا بہار پھول ہیں۔

علماء اور صوفیاء میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ ہجری کے ... نے جو ایسے دیرپا اثرات قائم کیے ہیں وہ کسی صاحب معرفت اور ارباب نظر سے مخفی نہیں۔ صوفیانہ مکتوبات نے ... میں بھی ... کسی سے پیچھے نہیں۔ دنیا میں تصوف کے دھارے جب تک بہتے رہیں گے، مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ اور مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کے کوثر و سلسبیل روحانی پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ (مقدمہ مکاتیب مہدی ص ۵)

اخیر میں ان کے کچھ ملفوظات اساطین کا ذکر کرنا ناگزیر ہے، جنھوں نے نہ صرف اس فن کو وسعت دی۔ بلکہ ادبی خزانہ کا بیش بہا خزانہ بھی عطا کیا اور غالب کے بعد جو ادبی دور آیا، اس میں ادباء و شعراء کے خطوط کو قدر دانوں نے تعویذ بنا کر رکھا اور چھاپ کر اس تبرک کو وقف عام کیا۔ سرسید کے خطوط، مولانا حالی کے ملے، نواب محسن الملک کے مکتوبات، مولانا نذیر احمد کے نصائح، امیر مینائی کی تحریریں، اکبر مرحوم کے عنایت نامے مولانا شبلی کے مکاتیب، داغ دہلوی، شوق قدوائی۔ ریاض خیر آبادی، سید نا صر علی وغیرہم کے خطوط اعلیٰ معیار کے ہیں، جس میں قدم رنگ کی جھلک نظر آتی ہے۔ جنگ عظیم اول ۱۹۳۶ء تک ذہن و فکر کے انقلاب سے خطوط نگاری بھی متاثر ہوئی اور اس دور کے بڑے علمبردار مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبالؒ، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، نیاز فتحپوری، رشید احمد صدیقی وغیرہم کے خطوط بھی مختلف حیثیتوں سے نہایت اہم ہیں۔ ۱۹۵۰ء اور خطوط نگاری کے نمونہ ہیں۔

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سب سے بڑے خطوط نگار ہیں، مولانا محمد علی، خواجہ حسن نظامی، ساغر نظامی، جگر مرادآبادی وغیرہ اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ ۲۰ء

بہر نوع خطوط نگاری مستقل ایک فن ہے، جس کی دلکشی سالہا سال ... بعد بھی کم نہیں ہوتی۔ اس سے نہ صرف نصف ملاقات ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ کام اس کے ذریعہ ہو جاتا ہے جو بالمشافہ ملاقات سے نہیں ہو پاتا اور اس ایک صفحۂ قرطاس کا جس شدت و بے تابی سے انتظار کیا جاتا ہے، اس سے ہر کس و ناکس واقف ہے۔ اور اس کے ذریعہ اب تک جو کام لیا گیا ہے، یقین ہے کہ جب تک زبان باقی رہے گی نہ اس کا مزہ پھیکا ہوگا نہ اس کی اہمیت میں کمی آئے گی۔ بلکہ اس کا فروغ روز افزوں ہوتا رہے گا، اور اس کی ضرورت و اہمیت بڑھتی رہے گی۔

عبدالمبین الندوی

حوالے:

[1] اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۸ ص ۹۶۰ [2] مقدمہ مکاتیب مہدی ص ۴ [3] ایضاً
[4] مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۱ [5] نقوش مکاتیب نمبر ج ۱ ص ۱۲ [6] نقوش مکاتیب نمبر ج ۱ ص ۱۵
[7] خطوط خواجہ حسن نظامی ص ۳ [8] ایضاً [9] نقوش مکاتیب نمبر ص ۲۵ ج ۱ [10] تنقیدیں ص ۱۰۹
پروفیسر خورشید الاسلام صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ [11] مشاہیر اردو کے خطوط [12] مکتوبات حالی حصہ اول
[13] مکاتیب شبلی حصہ اول صفحہ ۲ [14] اردو خطوط ص ۹ [15] نقوش مکاتیب نمبر ج ۱
[16] تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت عمر کے سرکاری خطوط مطبوعہ ندوۃ المصنفین۔ [17] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
الوثائق السیاسۃ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ [18] مقدمہ مکاتیب مہدی ص ۴، ۵ [19] جگر کے خطوط مولفہ محمد اسلام
ص ۲۲۔ [20] ایضاً ص ۲۳۔

غزل

ابو عامر رضا بدایونی

میں کہ ڈھونڈتا تھا دوائے دل، مجھے دردِ دل تو نے دے دیا
ترا ہو بھلا مرے چارہ گر تو نے ہائے مجھ کو یہ کیا دیا
میں کہ ڈھونڈتا تھا کوئی نگر وفا کیش بھی وفا آشنا
جہاں با وفا سردار ہو مجھے اس شہر کا پتا دیا
غم زندگی کی کہانیاں وہاں جاکے ہائے سنائیں کیا
جہاں ہر طرف یہی شور ہو نہ بنا سکے کہ مٹا دیا
جہاں مشعلیں تو ہزار تھیں وَلے روشنی کا پتہ نہ تھا
وہیں آکے چھوٹا سا اک دیا بڑی مشکلوں سے جلا دیا
تری ذات سے مجھے کیا گلہ مرے رہنما ترا شکریہ
ہے بجا کٹھن تھا یہ راستہ، مجھے راہ سے تو لگا دیا
نہ کسی سے مجھ کو گلہ رہا، جھکا سر بحکمِ قضا رہا
کہو کیسا ہے حالِ دل رضاؔ ؟ جو کسی نے پوچھا بتا دیا

ڈاکٹر دیوان اے کے ایم عبدالرحیم
ایم بی بی ایس ۔ بنگلہ دیش
ترجمہ :۔ عبداللہ محمد اسماعیل مرشد آبادی

اسلام میں ختنہ اور سائنسی تحقیقات

مردوں کے آلۂ تناسل کے مقدم حصہ کے بڑھے ہوئے چمڑے کو کاٹ دینے کا نام ختنہ ہے۔ یہ مسلم بچوں کے لیے سنت ہے اور اسی لیے بنگلہ دیش کے گاؤں کے عوام اس کو "مسلمانی کرنے" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

احادیث کے ذخیرے سے اس سلسلہ میں جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا تھا۔ (الموطا للامام مالک)۔ مگر اس بارے میں ایک ماہر جراح کی رائے بھی ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں:

"Apparently circumcision did not originate among the Jews, They took the custom from either the Babylonians or the Negroes, probably the latter. It has been practised in West Africa for over 15,000 years" (Charles Bowesman, Contemporary - Formerly Surgical Specialist colonial Medical Service - Kumasi. Ghana.)

یعنی اظہر یہی ہے کہ رسم ختنہ کی ابتدا قوم یہود سے نہیں ہے بلکہ انھوں اس کو اہل بابل یا حبشیوں سے

لیا ہے، غالباً حبشیوں ہی سے۔ یہ طریقہ مغربی افریقہ میں پانچ ہزار سال سے رائج ہے۔
علم طب کے مطابق مردوں کے ختنہ کرنے میں کون سی حکمت وخوبی مضمر ہے اور اس بارے میں حکماء اور ماہرین کے خیالات کیا ہیں، ان پر نظر ڈالنے سے پیشتر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام میں اس کی اہمیت کیا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کے سارے قوانین وضوابط سائنٹیفک اور مبنی برحکمت ومصلحت ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارنے کا صحیح ترین اور محکم دستورِ حیات دے کر مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن کہتا ہے:

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون

(صف) یعنی اللہ وہ ذات ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دیکر مبعوث کیا ہے تاکہ وہ رسول اس دین کو سارے ادیان پر غالب کریں اگرچہ مشرکین کو یہ چیز ناپسند ہو۔
یہ طریقہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوکر آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ مردوں کے لیے ختنہ کرنا سنت بھی ہے اور صحت بخش ودافع امراض بھی۔ اسلام نے ختنہ کے لیے عمر کی تعیین نہیں کی ہے مگر یہ کام بلوغت سے قبل ہی کرالینا زیادہ بہتر ہے۔
اس سلسلے میں قارئین کی واقفیت کے لیے مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم کے باب ختنہ سے تین حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت یحییٰ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے مہمان نوازی کی اور انہی نے سب سے پہلے ختنہ بھی کیا۔ نیز انہوں نے ہی سب سے پہلے اپنی مونچھوں کو چھوٹی کیا۔ اور جب انہوں نے اپنے سر کے بالوں کو سفید ہوتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا، "اے میرے رب! یہ کیا ہے؟" اللہ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے تو آپ نے فرمایا کہ "اللھم زدنی وقاراً"، اے اللہ تو میرے وقار کو زیادہ کر۔ (موطا مالکؒ)

(۲) حضرت ام عطیہ انصاریہ سے روایت ہے کہ مدینہ کی ایک عورت نے اپنا ختنہ کرادیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے کو تکلیف ومشقت میں نہ ڈالو، کیونکہ یہ عورتوں کے لیے اذیت دہ اور مردوں کے لیے راحت بخش ہے۔ (ابوداؤد)

(۳) حضرت ابو صالح سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت

ہے اور عورتوں کے لیے نفل۔ (احمد)

ختنہ کے طبی پہلو

جدید طبی دنیا نے بھی ختنہ کرنے کو صحت کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس فوائد کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی تاکید کی ہے۔ کیوں کہ ختنہ نہ کرنے کی صورت میں خطرناک امراض پیدا ہونے کا امکان لاحق رہتا ہے۔

Belly & loves: Short Practice of Surgery 17th Edition,

نامی جراحت کی کتاب کے ص ۱۲۸۹ میں درج ہے:

Circumcision correctly performed soon after birth confers almost total immunity against carcinoma of the penis. On the other hand (and this is difficult of explanation) circumcision after early infancy does not provide the same degree of protection. ....

for practical purposes then carcinoma of the penis occurs only in men who have not been circumcised in early infancy, ...

اس کا عام فہم ترجمہ یہ ہے کہ اگر پیدائش کے بعد ہی صحیح طریقہ سے ختنہ کرایا جائے تو آلۂ تناسل میں کینسر نہیں ہوگا۔ دوسری طرف (جس کی تشریح مشکل ہے) شروع جوانی میں ختنہ کرانے سے وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو ولادت کے فوراً بعد کرانے سے ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ مرض انھی لوگوں کو لاحق ہوتا ہے جو غیر مختون رہتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جدید ماہرین طب کے خیال کے مطابق بچے کی پیدائش کے بعد ہی ختنہ کرا دینا چاہیے، چاہے وہ مولود کسی بھی مسلک و مذہب کا پیروکار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے اسپتالوں میں پیدا ہونے والے تمام نرینہ بچوں کا ختنہ جبراً کر دیا جاتا ہے۔

کلکتہ میڈیکل کالج کے پروفیسر اور مشہور ہندو جراح کے۔ داس اپنی کتاب clinical Methods in Surgery کی پہلی فصل میں لکھتے ہیں۔

"Mohommedans owing to their religious custom of Compulsory circumcision in infancy", will naturally not suffer from phimosis, para-phimosis and sub-prepucial infection, Carcinoma of the penis is said to be less common in them possibly for the same reason."

یعنی ایام طفولیت میں ختنہ کرانا چونکہ مسلمانوں کا مذہبی وظیفہ ہے اس لیے وہ لوگ بہرحال فیموسس، پیرافیموسس اور سب پریپوشیل انفیکشن وغیرہ امراض کا شکار نہیں ہوتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے عضو تناسل میں کینسر شاذ ونادر ہی نظر آتا ہے۔

آلۂ تناسل کے آگے بڑھے ہوئے چمڑے کے اندر ہر وقت ایک قسم کی رطوبت نکلتی رہتی ہے۔ جس کو (smegma) اسمیگما کہا جاتا ہے۔ علم طب کے مطابق یہ رطوبت آلۂ تناسل کے بہت سے امراض کا سبب بنتی ہے اور اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر غیر مختون ہے تو اس عورت کے رحم کے منہ میں کینسر (Carcinoma of the Cervix) ہونے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ اور اسی لیے امراض نسوانی (Gynaecology) کے سارے ماہرین نے بہت ہی صحیح فرمایا ہے کہ:

Rarity of the disease (Carcinoma of the Cervix) in Muslim and Jewsess"

یعنی مسلمان ویہود عورتوں کے رحم کے منہ میں کینسر بہت ہی کم ہوتا ہے، جس کی علت ہم بیان کرآئے ہیں۔

ختنہ نہ کرانے کی صورت میں امراض خبیثہ

زمانۂ طفولیت میں ختنہ نہ کرانے کی صورت میں جو امراض لاحق ہوسکتے ہیں اس کی ایک مختصر فہرست قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

① Sub prepucial infection : آلۂ تناسل کے اگلے حصے میں بڑھے ہوئے چمڑے کے اندر جلن پیدا ہوتی ہے، اس سے Acute یا Chronic ہوسکتا ہے۔

② Phimosis : ذکر کے آگے کے بڑھے ہوئے چمڑے کے اندر کی جلن جب Acute یا

chronic ہوجاتی ہے تو یہ مرض لاحق ہوجاتا ہے۔ اس میں بڑھا ہوا چمڑا پیشاب کی نالی کو بالکل ڈھانپ لیتا ہے جس کی وجہ سے پیشاب کرنے میں بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ پیشاب ٹھیک طرح سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے آلۂ تناسل کا سر بیلون کی طرح متورم ہوجاتا ہے۔ بتدریج پیشاب اٹکتا رہتا ہے اور جلن کے ساتھ ساتھ سوجن بھی بڑھتی جاتی ہے۔ ایسے میں بلا تاخیر ایمرجنسی طور پر ختنہ کرالینے سے مریض کو راحت مل جاتی ہے اور مرض جاتا رہتا ہے۔

(۳) para phimosis : اس میں آلۂ تناسل کا بڑھا ہوا چمڑا (prepuce) اچانک سکڑ کر پیچھے کی طرف ہٹ جاتا ہے اور پھر سابق حالت کی طرف واپس نہیں آتا، جس کی وجہ سے ذکر کا سر متورم ہوجاتا ہے اور درد شروع ہوجاتا ہے۔ اس کو ہمارے دیہی علاقوں کے لوگ "غیبی ختنہ" کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ کوئی ختنہ نہیں ہوتا بلکہ ایک بیماری ہے، چوں کہ بظاہر مختون معلوم ہوتا ہے، اس لئے ناسمجھ حضرات اسے غیبی ختنہ تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ اگر ایسی صورت درپیش ہو تو فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے اور ختنہ کرالینا چاہیے، کیوں کہ اس کے علاج کے طریقوں میں سے ختنہ ایک اچھا طریقہ ہے۔ بسا اوقات چمڑے کے اس طرح سکڑ جانے سے کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ خود میرے سامنے اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا اور اس لڑکے کو طبی امداد کی کوئی ضرورت نہیں پیش آئی۔

(۴) preputial calculi : ایام طفولیت میں ختنہ نہ کرانے سے بڑھاپے میں یہ پتھر ذکر سے بڑھے ہوئے چمڑے کے اندر ہوسکتا ہے، یہ پتھر عموماً تین طرح سے ہوتا ہے۔

صرف اسمیگما رطوبت سے ، اسمیگما اور پیشاب کے نمک کی ملاوٹ سے، اور صرف پیشاب کے نمک سے بھی یہ پتھر بن سکتا ہے۔ اس کا واحد علاج ختنہ ہے۔

(۵) Balanoposthitis اگر آلۂ تناسل کے اگلے حصے پر بڑھے ہوئے چمڑے کے اندر جلن پیدا ہو تو اسے پوستھائی ٹس کہتے ہیں اور اگر صرف ذکر کے سرے میں جلن پیدا ہو تو اسے بیلانائٹس کہتے ہیں اور اگر دونوں حصوں میں ساتھ ساتھ جلن ہو تو اسے بیلانو پوستھائیٹس کہتے ہیں۔

(۶) لیوکوپلاکیا Lucoplakia glans (۷) پینائل پیپی لوما Penile Papilloma

(۸) پینجٹس Carcinoma of the penis (۹) پیگیٹس Pegets Disease of penis

وغیرہ امراض غیر مختون آلۂ تناسل میں لاحق ہو سکتے ہیں ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام نے جو دستورِ حیات ہم کو دیا ہے وہ پوری طرح سائنٹیفک ہے ۔ قرآن کا ارشاد ہے " والقرآن الحکیم " (یسین) یعنی قسم ہے حکمت والے قرآن کی ۔ اسلام نے سائنس کی ترقی و ترویج اور عقل و تدبر کے کاموں میں تشجیع سے کام لیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (بقرہ) ، یعنی جس کو حکمت اور عقل و فہم عطا کی گئی ہے اسے خیرِ کثیر دیدیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اقوال و افعال اور اوامر و نواہی حکمت پر مبنی ہیں ۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے ، وہ بہترین نمونہ ہے ۔ قرآن کی گواہی اس بارے میں کافی ہے : لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ یعنی بے شک تمہارے لیے آپ کی زندگی سراپا نمونہ ہے ۔ لہٰذا ختنہ ایک اہم سنت اور مکمل سائنٹیفک عمل ہے ۔ اس کو کسی بھی طریقے سے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ میری اس پانچ سالہ طبی زندگی میں جو بہت ہی مختصر اور تجربہ کے لیے قلیل مدت ہے ۔ میں نے تین مریضوں کو غیر مختون پایا حالانکہ وہ خود کو مسلمان کہہ رہے تھے اور ان کی عمریں ۲۰ سے ۳۰ سال کے درمیان تھیں ۔ ان کے ناموں سے بھی ان کا مسلم ہونا ظاہر ہو رہا تھا ۔ یہ لوگ سلہٹ ضلع کے باشندے تھے ۔ انھوں نے بتایا کہ انھیں نہیں معلوم کہ ان کے سرپرستوں نے ان کا ختنہ کیوں نہیں کرایا ۔

ضمناً یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ میڈیکل کالج میں تعلیم کی زندگی میں آلۂ تناسل کے کینسر کے جتنے مریضوں کو دیکھنے کا موقع ملا ۔ وہ سب کے سب غیر مختون ہندو تھے ۔ میں جب آٹھویں کلاس میں زیرِ تعلیم تھا تو اس وقت بھی ایک ہندو لڑکے نے اسپتال جا کر اپنا ختنہ کرایا تھا ۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس کی ترقی و کامیابی کے زمانے میں بہت سے لوگ اسپتال جا کر ختنہ کرا لیتے ہیں جو عموماً ہندو ہوتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے مامورات و منہیات کی حکمتوں کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے آمین ۔

●●●

(مولانا عین الباری عالیاوی کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے بنگلہ پرچہ " ماہنامہ اہلحدیث کلکتہ " کے ستمبر ۱۹۸۵ء کے شمارہ سے ترجمہ کیا گیا ۔)

چوتھی اور آخری قسط

علامہ محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی اور ان کی تصنیفات

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

(۲۹) السعید (ٹریکٹ ۱۲) (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ سعید المطابع بنارس
اس رسالہ میں توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی العبادات کی وضاحت کرتے ہوئے توسل، استعانت لغیر اللہ، نذر و نیاز اور فاتحہ خوانی کی تردید قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ سے کی گئی ہے۔

(۳۰) ۱۲ سوالات کے جوابات (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۳۰ھ مطبع سعید المطابع بنارس۔
اس رسالہ میں ان ۱۲ سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو شیخ کاظم حسین زردوز وغیرہ نے مولانا سیف بنارسی کے رسالہ "السعید ۱۲" پر کیے تھے۔ ان سوالات میں سے ایک مع جواب درج کیا جاتا ہے۔
سوال ۳: السعید میں لکھا ہے "اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ کہنا اور آپ کا توسل لازم کرنا بیہودگی اور فریب و دغا ہے" تو نماز میں السلام علیک ایہا النبی یا تلاوت میں یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول وغیرہ پڑھنا شرک ہے کیا؟
علامہ سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "جواباً عرض ہے کہ اسی ایہام شرک کی وجہ سے تو بعض صحابہ نے التحیات میں السلام علیک ایہا النبی کہنا بعد وفات حضرت صلعم کے چھوڑ دیا تھا بلکہ وہ بجائے اس کے السلام علی النبی کہا کرتے تھے، کیوں کہ اب آپ سامنے زندہ موجود نہیں جو ایہا النبی کہہ کر خطاب کیا جائے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف) لیکن امر واقعی یہ ہے کہ نقل امر کفر و شرک نہیں ہوتا۔ چونکہ ہم کو رسول اللہ صلعم نے السلام علیک ایہا النبی کی تعلیم فرمائی ہے۔ اسی لیے ہم یہی کہیں گے، اسی بنا پر جمہور صحابہ بھی یہی کہا کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت میں جو یا ایہا الرسول کا لفظ آتا ہے۔ یہ بھی شرک نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ تلاوت ہے اور نقل ہے، اس بعینہ خطاب کی جو آپ کی موجودگی میں جناب باری کی طرف سے آپ پر کیا گیا۔ آپ کو اس امر تک کیا تعجب ہوا کہ "ایک فعل ایک جگہ شرک

ہو دوسری جگہ طاعت ؟ ایسا بہت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ لوگوں سے فرماویں " انا ربکم الاعلیٰ " یعنی اے لوگو! میں تمہارا خدا ہوں تو یہ شرک اکبر و فرعونیت ہوگی۔ اور اسی کو آپ حالت تلاوت قرآن مجید میں پڑھتے جاویں ا فقال انا ربکم الاعلیٰ ، تو اس کے ہر ہر حرف پر دس نیکیاں مل جاویں گی ، کیا آپ نے نہیں سنا "نقل کفر کفر نہ باشد" پس یارسول اللہ کہنے سے یوں کہ صریح شرک ہوتا ہے اس لیے اس کو عقیدۃً نہیں کہہ سکتے۔ ہاں حدیث شریف پڑھتے وقت کسی صحابی کا جملہ آجاوے بعثت یارسول اللہ " تو جائز ہے ، کیوں کہ یہ نقل ہے نہ عقیدہ ا دبینهما بون بعید۔ کہیئے آیا آپکی سمجھ کے بھیجے کے نیچ میں یا کچھ کسر ہے ؟

(۳۱) مسئلہ علم غیب (السعید لڑیکٹ ۱۳/۱۲) (اردو) صفحات ۳۲ طبع اول شعبان ۱۳۳۰ھ سعید المطابع بنارس

یہ کتاب بنارس کے ایک مولوی پانی پتی کے رسالہ "کشف السر المکتوم باثبات علم ماکان و مایکون لصاحب الحجوم" کے جواب پر مشتمل ہے، مولوی پانی پتی صاحب نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان و مایکون کا علم تھا اور اس پر دلیلیں بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پانی پتی صاحب کے رسالہ میں سوائے تکلفات فاسدہ، تاویلات کاسدہ اور اجتہادات واہیہ کے کچھ نہیں۔

مولانا سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان خرافات کا جواب عقلی دلائل کے علاوہ قرآن و احادیث اور اقوال ائمہ سے دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔

(۳۲) الاصباح فی ردّ الایضاح (عربی) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۳۱ مطبع الاکسیر الاعظم بنارس

یہ کتاب "الایضاح" کے رد میں ہے جس کو ایک بنارسی عالم نے لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ "ابوہریرہ" اہل عرب کے نزدیک غیر منصرف ہے۔ مولانا سیف بنارسی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے حافظ ابن حجر، ملا علی قاری حنفی، ابوالفضل قاسم بن سعید العقبانی ابوعبداللہ بن مرزوق وغیرہ کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ "ابوہریرہ" منصرف ہے۔

(۳۳) عمدۃ التحریر فی جواب المنیر وصاحب التفسیر (عربی) صفحات ۱۲ طبع اول ۱۳۲۹ سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "ابوہریرہ" منصرف ہے اس لیے کہ اس میں دو سبب نہیں پائے جاتے ہیں۔ صرف تانیث لفظی پائی جاتی ہے، اور ابوہریرہ علم نہیں ہے بلکہ مرکب اضافی ہے اور نکرہ ہے

(۳۴) احسن التقریر فی جواب المنیر[1] (عربی) صفحات ۳ طبع اول ۱۳۲۹ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس مختصر رسالہ میں مصنف اپنے مخالف کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ "ابوہریرہ غیر منصرف نہیں ہے اس لیے کہ دو سببوں میں سے صرف تانیث لفظی ہے، جیسا کہ امام ابوداؤد و احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیرہما فرماتے ہیں، فابوهريرة ليس من هذا النوع (يعني منع الصرف) لان "هريرة" نكرة والتانيث اللفظي وحده لا يمنع الصرف الا ان يكون مع العلم سواء كان علما للذات اي الشخص او للجنس وفي "هريرة" ليس واحد منهما فيكون منصرفا۔"

(۳۵) لکچر (اردو) صفحات ۴ طبع ۱۹۱۱ء مطبع سعید المطابع بنارس

یہ مختصر رسالہ مولانا سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر پر مشتمل ہے جو ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو "انجمن تائید اسلام بنارس" کے جلسہ تقریب تاجپوشی جارج پنجم مع ملکہ میری، میں کی گئی تھی۔ اس لکچر میں "نثر" کے حصہ سے زیادہ "نظم" کا حصہ ہے۔ اس کا آخری شعر یہ ہے۔

قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں ✽ اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

---

[1] یہ تینوں کتابیں مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسیؒ کے ایک شاگرد مولانا محمد منیر کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ مگر میں مولانا سیف بنارسیؒ ہی کی لکھی ہوئی، چنانچہ مولانا خود لکھتے ہیں "یہ چاروں رسالے (۱) عمدۃ التحریر (۲) احسن التقریر (۳) عمدۃ الرفیق (۴) الاصباح فی رد الایضاح ابوہریرہ کے انصراف کی بابت ہیں جو بمصلحت میرے تلامذہ کے نام سے شائع ہوئے۔" (الزہر الباسم ص ۹) افسوس کہ مجھے تیسرا رسالہ عمدۃ الرفیق نہ مل سکا۔

[2] یہ نیک خاتون تبع تابعین کے عہد میں تھیں اور انھوں نے قرآن مجید میں حیرتناک حد تک عبور حاصل کر لیا تھا۔ ان کی ذکاوت اور ان کا وہ ملکہ جس کی بدولت وہ قرآن شریف کی ہر آیت کو نہایت مناسب موقع پر استعمال کرتی تھیں، بہت ہی [illegible] اسلام کے اعتبار سے [illegible] منفرد ثابت ہوں گی۔

(۳۶) **اللؤلؤ والمرجان فی تکلم المرأة بآیات القرآن** (اردو) صفحات ۸ طبع سوم ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء مطبع سعید المطابع بنارس

یہ مختصر رسالہ سلف کی ایک نیک خاتون اور ابن مبارکؒ کے باہم مکالمہ پر مشتمل ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام سوالات کے جوابات اس نیک خاتون نے قرآن شریف کی آیات سے دیا ہے۔ یہ رسالہ بہت دلچسپ اور عمدہ ہے۔

(۳۷) **لؤلؤ الشرع فی حدیث ام زرع** (اردو) صفحات ۸ طبع دوم ۱۳۲۹ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں ام زرع کے واقعہ سے متعلق مشہور حدیث کا ترجمہ اور اس کی تشریح کی گئی ہے۔ حدیث ایک کالم میں اور ترجمہ دوسرے کالم میں ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گیارہ عورتیں زمانۂ جاہلیت میں بیٹھیں اور سبھوں نے آپس میں ایک مضبوط عہد اقرار کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بیان کرے، اور کچھ بھی اس کی حالت نہ چھپاوے۔ اس کے بعد ہر ایک نے باری باری بیان کیا۔

(۳۸) **سفر بیت اللہ** (اردو) صفحات ۶۴ طبع اول ۱۳۳۱ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں مولانا نے اپنا سفرنامۂ حج مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں حرمین شریفین کے حالات احکام قربانی حج کے اسرار ومقاصد، مدینہ منورہ، مسجد نبوی و اطراف حرم پاک کے واقعات کے علاوہ بمبئی، جدہ وغیرہ پر بھی تاریخی حیثیت سے اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے اور موجودہ زمانہ میں جو عربی الفاظ میں تبدیلیاں ہوگئی ہیں ان کی بھی نشاندہی کی ہے اور ساتھ ہی ارکان حج کی دعائیں بھی جمع کردی ہیں۔

(۳۹) **تذکرۃ السعید یا سوشل لائف** (اردو) صفحات ۳۶ طبع اول ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں مولانا نے اپنے والد ماجد مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی کی مکمل سوانح عمری مکالمے کی شکل میں لکھی ہے۔

(۴۰) **حصول المرام** (عربی اردو) صفحات ۴۴ قلمی

حافظ ابن حجر عسقلانی کی بلوغ المرام کے طرز پر یہ کتاب (حصول المرام) ان صدہا احادیث نبویہ کا مختصر مجموعہ مع واقعہ

قسط دوم

مُصافحہ ملاقات کی شرعی حیثیت وکیفیت

شکر اللہ نعمانی اعظمی ابراہیم پوری

گزشتہ شمارہ میں احادیث، لغت اور عربی زبان کے طریقۂ استعمال کی روشنی میں یہ ثبوت پیش کیا جاچکا ہے کہ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے کرنا مسنون ہے۔ موجودہ شمارہ میں دو ہاتھ سے مصافحہ کے سلسلہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کا فتویٰ مِن وعن نقل کرکے اس کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس قسط کو پچھلے ہی شمارہ میں شائع کرنے کا ارادہ تھا اور اس کی کتابت بھی کروالی گئی تھی۔ مگر اسے عین وقت پر بعض ناگزیر اسباب سے مؤخر کرنا پڑا۔ بقیہ دلائل کا جائزہ ان شاء اللہ آئندہ شماروں میں پیش کیا جائے گا۔ (ادارہ)

علامہ عبدالحی رح فاضل لکھنوی اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

خلاصۂ سوال: دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔ مجالس ابرار میں ہے۔

والسنة ان تكون بكلتا يديه — مسنون یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو

درمختار اور جامع الرموز میں بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت امامہ سے روایت ہے

قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صافح المسلمان لم تفرق اكفهما حتى يغفرا ۔ اھ — دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھ جدا ہونے سے قبل ہی ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

. . . .

اور خود آپ کا اور آپ کے متبعین کا عمل بھی یہی تھا۔ منقول ہے۔

صافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه — حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا۔ اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر خود بخاری میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

علمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وكفى بين كفيه التشهد كما يعلمنى السورة من القرآن۔

(مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ اس حال میں کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں تھی تشہد سکھایا جیسے آپ مجھے قرآن سکھاتے تھے) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونیوالا مسنون مصافحہ نہ تھا، بلکہ یہ تعلیم کے لیے تھا۔ کیوں کہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لیے اپنے چھوٹوں کا ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں اور اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا مصافحہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں سے ہو رہا ہے اور ابن مسعود کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی و قطعی نہیں۔ بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے کیوں کہ کف واحد کے لیے نہیں بلکہ جنس کے معنی میں ہے، جس سے ایک سے زائد مراد ہوسکتے ہیں لہذا الکف سے دونوں ہاتھ مراد ہوں گے ۔ اسی طرح لفظ ید کا استعمال محاورات عرب، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں بمعنی جنس ثابت ہے تو اس صورت میں لفظ ید ایک ہاتھ اور دو ہاتھ کو متضمن و شامل ہوگا اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقع پر لفظ ید آیا ہے ۔ اس اعتبار سے جس حدیث میں "اخذ باليد" وارد ہے، اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے ۔ البتہ اگر کسی جگہ حدیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا ہوگا اور اس تصریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہیے واللہ اعلم ابو الحسنات محمد عبد الحی، انتہی ملخصاً (مبوب)

تنبیہ: چوں کہ فی الحال ہمارے پاس علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کا اصل "مجموعہ فتاوی" فارسی موجود نہیں ہے اس لیے ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ دیو بند سے شائع ہونے والے ایڈیشن کا یہ فتاوی بعینہٖ وہی ہے جو علامہ نے تحریر فرمایا ہے، لیکن چوں کہ اب اسی ایڈیشن کی اشاعت ہو رہی ہے، اس لیے اس پر تبصرہ غیر مناسب بھی نہیں۔

تبصرہ بر فتوی: حضرت علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب اس فتوی میں چند باتوں کا دعوی کیا گیا ہے۔
(۱) مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے (۲) خود آپؐ کا اور آپؐ کے متبعین (صحابہ) کا عمل بھی یہی تھا۔
(۳) حدیث ابن مسعود رضؓ میں اگرچہ ایک طریقہ تعلیم کا ذکر ہے، "مصافحہ ملاقات متوارثہ" کا ذکر نہیں، لیکن اگر اس کو مصافحہ (ملاقات) تسلیم کرلیا جائے تو دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ حدیث ہذا میں وارد لفظ کف سے جنس کف مراد ہے اور ابن مسعود کی بھی دونوں ہتھیلیوں کے شامل مصافحہ ہونے کا امکان ہے
(۴) اسی طرح باب کی حدیثوں میں وارد لفظ "ید" بھی جنس کے معنی میں ہے، فرد واحد کے معنی میں نہیں۔ وغیر ذلک۔

اقول وباللہ التوفیق۔ ہمیں حد درجہ حیرت واستعجاب ہے کہ علامہ مرحوم کا یہ فتوی ان کی علمیت و حیثیت سے بہت زیادہ فروتر ہے، لیکن چوں کہ دورِ حاضر کے متغلین کے یہاں سند کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے شرعی نقطۂ نظر سے اظہار ضروری ہے۔

(۱) علامہ مرحوم نے دعوی تو کیا ہے کہ تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں، لیکن سارے فقہاء متقدمین ومتاخرین اور ان کی ہزاروں ہزار کتابوں کے اسماء چھوڑ کر نام لیا ہے مجہول الذات والصفات کتابوں کا۔ یعنی مجالس ابرار، جامع الرموز اور درمختار کا۔ جبکہ ان کتابوں کے مندرجات پر فتوی دینا تو بڑی بات ہے ان کی مندرجہ حدیثوں پر اعتماد بھی جائز نہیں۔

درمختار میں یہ مسئلہ "قنیہ" سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار خود تحریر فرماتے ہیں۔

وفی القنیۃ: السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی۔ اھ — اور قنیہ میں ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے اور پوری عبارت میں نے "ملتقی" میں ذکر کر دی ہے۔

اور "القنیہ" و "صاحب قنیہ" کی حقیقت خود علامہ مرحوم ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

ومن الکتب الغیر المعتبرۃ تصانیف نجم الدین — اور ان کتابوں میں سے جن کا ہمارے یہاں کوئی وزن

مختار بن محمود بن محمد الزاھدی ۔ واعتبار نہیں ، نجم الدین مختار بن محمود معتزلی الاعتقاد المعتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع المتوفی سنہ ۶۵۸ھ حنفی الفروع متوفی ۶۵۸ھ کی کتابیں ہیں جیسے کالقنیۃ والحاوی ۱ھ (عمدۃ الرعایۃ ص۱۴) قنیہ اور حاوی ۔

یعنی قنیہ اور حاوی دونوں کتابیں علماء احناف کے یہاں کبھی لائق اعتبار نہیں ہیں ۔ نیز ان بزرگوار کا مذہبی جغرافیہ بھی علامہ ہی کے الفاظ میں پڑھیے ۔ فرماتے ہیں :

قال الجامع ذکر القاری وغیرہ انہ مات ۶۵۸ھ وقد طالعت المجتبیٰ شرح القدوری والقنیۃ فوجدتھما علی المسائل الغریبۃ حاویۃ ولتفصیل الفوائد کافیۃ الا انہ صرح ابن وھبان وغیرہ انہ معتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع وتصانیفہ غیر معتبرۃ مالم یوجد مطابقتھا لغیرھا لکونھا مجموعۃ للرطب والیابس وقد فصلت المرام فی رسالتی النافع الکبیر ۱ھ (فوائد بھیہ ص ۱۷۰)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ "مصافحہ بدو دست" کا موجد ایک معتزلی الاعتقاد شخص ہے ، اس کو اختراع و بدعت پسندی کا جنون تھا ، جس کی وجہ سے اپنی تصنیفات میں ہر قسم کی رطب و یابس باتیں بھرتا چلا جاتا تھا ۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ اس کی ساری کتابیں نامعتبر اور نا لائق اعتبار ہیں ۔

نیز درمختار سے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں ، "ولا یجوز الافتاء من الکتب المختصرۃ کالنھر ... والدر المختار ۱ھ (نا عمدۃ الرعایۃ)

ناظرین کرام ! یہاں یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اس نکتہ آفرینی کا اصل موجد تو "قنیہ" کا وہی معتزلی مصنف ہے جس کا ذکر خیر ابھی ہوا اور بعد کے دوسرے مصنفین اس بدعت طرازی کو "لذیذ" تصور کر کے نقل در نقل کی لغزش کرتے چلے گئے اور آج یہ بدعت پسندی مذہبی روپ دھار گئی ۔ ورنہ اسلام خالص میں اس کا سراغ نہیں ملتا ۔

اب آئیے علامہ مرحوم کے دعویٰ نمبر دوم کی طرف ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے پر تھا ۔ لیکن علامہ مرحوم اس دعویٰ کے بھی اثبات میں کوئی دلیل و شہادت نقل نہ کرسکے ۔ حالانکہ دعویٰ بلا دلیل مردود ہوا کرتا ہے ۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جس حدیث سے بعض حضرات مصافحہ بہردو دست کو مسنون ثابت کرنے کی سعی فرماتے ہیں ، اس کے بارے میں علامہ مرحوم خود ہی ارقام فرماتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو :

"وآنچه در صحیح بخاری در باب مذکور از عبداللہ بن مسعود مروی است "علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشہد کما یعلمنی السورة من القرآن التحیات للہ والصلوات والطیبت الحدیث "پس ظاہر آنست کہ مصافحہ متوارثہ کہ بوقت تلاقی مسنون است نبودہ بلکہ طریقہ تعلیمیہ بود کہ اکابر بوقت اہتمام تعلیم چیزے از ہر دو دست یا یکدست اصاغر گرفتہ تعلیم می سازند۔"

یعنی بخاری میں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس حال میں تشہد سکھلایا کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ مصافحہ متوارثہ نہ تھا، جو ملاقات کے وقت مسنون ہے بلکہ ایک طریقہ تعلیم ہے کہ اکابر کسی چیز کے اہتمام تعلیم کے وقت اصاغر کا ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم کرتے ہیں۔ اھ (مجموعہ فتاوی عبد الحی ۲/ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

اور یہ امر کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو ہاتھ پکڑ کر پڑھانا بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے، چنانچہ مسند احمد ص ۸، ۵/ ۷ میں ہے:

عن ابی قتادة وابی الدھماء ..... اتینا علی رجل من اھل البادیة فقال البدوی اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فجعل یعلمنی مما علمہ اللہ تعالیٰ انک لن تدع شیئا اتقاء اللہ عزوجل الا اعطاک اللہ خیرا منہ	ابو قتادہ اور ابو الدہماء بیان کرتے ہیں ..... ہم ایک دیہاتی کے پاس آئے تو اس نے بیان کیا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان باتوں کی تعلیم دی تھی، جو آپ کو اللہ عزوجل نے عطا کی تھی۔ آپ نے فرمایا "تو جب اللہ کے ڈر سے کوئی چیز چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو اس سے بہتر چیز دے گا۔"

۵

در حضرت سعد بن المعلی رضی بیان کرتے ہیں:

کنت اصلی فی المسجد فدعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم اجبہ ..... فقلت یا رسول اللہ انی کنت اصلی، فقال الم یقل اللہ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم	میں مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ نے مجھ کو پکارا، بعد نماز حاضر خدمت ہو کر میں نے معذرۃً عرض کیا کہ حضور! میں نماز پڑھ رہا تھا، اس لیے فوراً حاضر نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا "کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا ہے

تحفۃ الاحوذی ص ۳۶/ ۷

ثم قال لی لاعلمنك سورة هی اعظم السورة فی القرآن قبل ان تخرج من المسجد ثم اخذ بیدی (رواہ البخاری)

وقال فی الفتح ..... زادنی حدیث ابی هریرة یحدثنی وانا اتباطأ مخافة ان یبلغ الباب قبل ینقضی الحدیث۔

کہ اللہ اور اللہ کے رسول تم کو بلائیں تو فوراً حاضر ہو جایا کرو، پھر آپ نے فرمایا میں تمہارے مسجد سے نکلنے سے قبل تم کو ایک ایسی سورہ سکھاؤں گا جو قرآن کی بڑی سورہ ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حدیث بیان فرمانی شروع کی، میں قصداً چلنے میں سستی کرتا کہ آپ بات پوری ہونے سے قبل دروازہ پر نہ پہنچ جائیں۔ اھ

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ بیدی فقال یا معاذ انی احبك فی اللہ قلت وانا واللہ یا رسول اللہ احبك فی اللہ قال: فلا اعلمك كلمات تقولها فی دبر كل صلاتك اللهم اعنی علی ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔

(عمل الیوم واللیلة ص ۸۳ لابن السنی)

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ملاقات فرمائی، تو فرمایا، معاذ! میں تم کو اللہ کے لیے محبوب رکھتا ہوں، میں نے عرض کیا، اور میں بھی اللہ کی قسم یا رسول اللہ آپ کو اللہ کی رضا کی خاطر محبوب رکھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کیا میں تم کو چند کلمات ایسے نہ سکھا دوں گا، جن کو تم اپنی نمازوں کے بعد پڑھا کرو۔ الغرض آپ نے مجھ کو، "اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک" سکھایا۔

...

ان احادیث صحیحہ کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ایسی ہیں، جن کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رض کا ہاتھ پکڑ کر ان کو تشہد سکھانا تعلیم کے خاص طریقہ کے طور پر تھا۔ مصافحہ متوارثہ نہ تھا۔ اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ عبداللہ بن مسعود رض کی اس حدیث کا بھی مصافحہ ملاقات سے تعلق ہے تو ہم عرض کریں گے کہ تب بھی اس سے مروجہ "تنبیہ" کے معترلی مصافحہ کا استحباب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے حنفی اہلحدیث مصافحہ کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ معتزلی مصافحہ میں فریقین کے چار ہاتھ شامل مصافحہ ہوتے ہیں اور حدیث ابن مسعود میں صرف تین ہی ہاتھوں کی شرکت مذکور ہے۔ (۲+۱=۳)

اور یہ دعویٰ کرنا کہ اس مصافحہ میں عبداللہ بن مسعود رض کے بھی دونوں ہاتھ شامل تھے یا دونوں کے

شامل ہونے کا احتمال ہے۔ تحکم بیجا ہے، روایت میں "کفی بین کفیہ" یعنی لفظ کف جو واحد مفرد ہے مضاف ہے یائے متکلم کی طرف اور اس کے مقابل میں لفظ "کفیہ" کف کا تثنیہ مضاف بضمیر غائب ہے اور معنی واضح ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی صرف ایک ہتھیلی حضور کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ اس لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دونوں ہتھیلیوں کے شریک مصافحہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

مزید برآں اس حدیث سے کھینچ تان کر زیادہ سے زیادہ کسی کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنے کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کہ مصافحہ ملاقات مسنونہ متوارثہ۔ کیوں کہ اس حدیث میں آپ کی ایک بار کی حرکت کا ذکر ہے، حضور کی سنت مستمرہ کا ذکر نہیں، چنانچہ بعض روایتوں میں آپ کا جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنا سواری پر طواف کرنا، کھڑے کھڑے پانی پینا، پیشاب کرنا، آیا ہے لیکن ان روایتوں کی رو سے کوئی عالم اس طرح ان کاموں کے کرنے کو مسنون و متوارث نہیں کہہ سکتا۔

ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ حضرت علامہ مرحوم جیسا عالم دین بھی دلائل کی کمزوری براہین سے بے مائگی کو چھپانے کے لیے جنس و فضل کی بھول بھلیاں کی پناہ لیتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ تاریکی میں رکھتا ہے

اگرچہ حضرت علامہ مرحوم کا احترام (واحترام) ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے لیکن ان کا یہ ارشاد ہم کو تسلیم نہیں کہ لفظ کف، اور "ید" ایسے اسم جنس ہیں کہ ان کا اطلاق بیک وقت افراد کثیرہ پر ہوتا ہے اور لفظ کف بول کر دو کف اور لفظ ید بول کر دونوں ہاتھ مراد لیے جاتے ہیں، کیوں کہ علامہ مرحوم زبان خواں تھے، زبان ساز نہ تھے، اس لیے اس سلسلے میں ان کی بات بلا دلیل صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور دلیل ندارد۔

اور اگر بات یہی تھی یعنی کف و ید کفین و یدین کے معنی میں آتے ہیں تو ابن مسعود نے "کفیہ" کف تثنیہ اور اللہ نے "بل یداہ مبسوطتان" یداہ اور مبسوطۃ کا تثنیہ کیوں استعمال کیا۔ "کفی بین کفہ" اور "بل یدہ مبسوطۃ" کیوں نہیں کہا گیا۔[1]

بحث جنس و اسم جنس، قارئین حضرات! جنس و اسم جنس کے کئی قسم ہیں:

الاول: ما تشابہ اجزائہ کالماء والزیت والتراب والعسل والخل

والثانی: ما یقع مجردا عن التاء، یطلق علی القلیل والکثیر کالتمر والعرب والعلم

---

[1] لفظ ید کے سلسلے میں ہم ایک مستقل اور مبسوط تحقیق آئندہ پیش کریں گے۔

والثالث ۔ مایدل علی ذات مبہمۃ کرجل وفرس ۔ اھ (فوائد ضیائیہ ص ۱۳)

اور علامہ عبدالرحمن اپنے " حاشیہ فوائد ضیائیہ " میں لکھتے ہیں:

قولہ رجل ۔ فان الرجل لیس اسم جنس بالمعنیین المذکورین فلا یقال لرجلان رجل ، ولا لفرسان فرس ۔ بل یقال رجلان وفرسان ، فہما اسما جنس بمعنی ۔ یدل علی ذات مبہمۃ ۔ اھ

اور کافیہ وشرح جامی میں ہے

ولا یمیز واحد واثنان استغناء بلفظ التمیز عنہا مثل رجل ورجلان لافادۃ النص المقصود بالعدد فان من صیغۃ رجل یفہم الجنس والوحدۃ ومن صیغۃ رجلان الجنس والتثنیۃ ۔ فبذکرہما استغناء عن التمیز اھ ۔

(ص ۱۲۹ والایضاح ص ۲۵۳ وشرح ابن عقیل ۱۲۹ ومغنی اللبیب ۱۴۹)

اب اہل علم حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ احادیث میں وارد لفظ " ید " و " کف " اسم جنس کی کس قسم میں داخل ہیں ؟ اگر اسم جنس اول وثانی معنی میں ہیں تو ان کا اسم جنس ہونا مسلم نہیں ، اور اگر اسم جنس ثالث معنی میں ہیں تو " یدین " کو " ید " اور " کفین " کو " کف " نہیں کہہ سکتے ۔ جیسے رجلین وفرسین کو رجل وفرس نہیں کہہ سکتے ۔ پس لفظ " ید " و " کف " کا اطلاق دست واحد وکف واحد پر ہوگا ، دستہائے کثیرہ وکفہائے عدیدہ پر نہیں ہوگا ۔

شاید علامہ مرحوم کی توجہ خاطر اس طرف مبذول نہیں ہوئی کہ علماء احناف کے یہاں اسماء اجناس عدد پر دلالت نہیں کرتے ، بلکہ واحد حقیقی یا اعتباری پر دال ہوتے ہیں ، جیسا کہ " توضیح وتلویح " " وبیان اقتضاء النص " میں مذکور ہے ۔

لکنہ اسم جنس وہو اسم فرد لایدل علی العدد بل یدل علی الواحد الحقیقی او الاعتباری کسائر الاجناس ۔ الخ

اور نور الانوار میں ہے : وہو ای المصدر لفظ فرد یقع علی الواحد ، اھ (ص ۱۵۳)

اور " اصول الشاشی " میں ہے : وحکم اسم الجنس ان یتناول الادنی عند الاطلاق ویحتمل کل الجنس ، اھ والفرق بین الجنس واسم الجنس ان اطلاق اسم الجنس علی الفرد بطریق الحقیقۃ ولا یطلق علی الکثیر بل علی فرد فرد بطریق البدلیۃ کالرجل والفرس والجنس علی القلیل والکثیر علی السواء ...... وذلک لان اسم الجنس اسم فرد لیس بصیغۃ جمع ولا عدد واسم الفرد لا یحتمل العدد والتکرار لما بین الفرد والعدد منافاۃ ۔ (اصول الشاشی ص ۳۶)

الحاصل! اسم جنس کا اطلاق بطور حقیقت فرد پر ہوتا ہے، افراد کثیرہ پر نہیں، اگر کسی وقت دوسرے افراد پر ہوتا ہے تو بدلیت کے طور پر، جیسے رجل و فرس ہیں کہ ان کا اطلاق افراد کثیرہ پر نہیں ہوتا بلکہ فرد واحد پر ہوتا ہے، خواہ کوئی فرد ہو، اور جنس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ ایسا اس وجہ سے کہ اسم جنس اسم فرد ہوتا ہے، یہ نہ تو اسم جمع ہوتا ہے نہ اسم عدد۔ اور اسم فرد، عدد و تکرار کا احتمال نہیں رکھتا، کیوں کہ عدد و فردیں منافاۃ ہے۔

اس تفصیل و تشریح سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ زیر بحث لفظ "ید" دست واحد ہی پر محمول ہوگا، اور دونوں ہاتھ مراد نہیں ہو سکتے، ——— اور اگر دحلۃ حکمی کا اعتبار بھی کیا جائے تو دونوں ہاتھوں کا بیک وقت مراد ہونا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہوگا بلکہ صرف علی سبیل البدلیۃ ہی مراد ہو سکے گا۔ اس لیے جب تک ایک ہی وقت میں دونوں ہاتھوں کو شامل معانقہ کرنے کی مسنونیت پر کوئی واضح، صریح حدیث نہیں ملتی معانقہ بدست واحد کی مسنونیت اپنی حقیقت پر برقرار رہے گی، چہ جائیکہ معانقہ بیک دست پر بکثرت دلائل و شواہد اور نظائر موجود ہیں۔

چند ہدایات:

- خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں، تاکہ کارروائی جلد کی جا سکے۔
- پرچہ جاری کراتے وقت اردو اور انگریزی دونوں میں پتہ پورا، صاف اور صحیح لکھیں۔ بہت سے لوگ ادھورا یا غلط پتہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور جب پرچے نہیں ملتے تو الٹا ادارہ کی شکایت کرتے ہیں، جو ظاہر ہے غلط طریقہ ہے۔
- منی آرڈر کی کوپن پر اپنا پورا پتہ، اور پرانے خریدار ہونے کی صورت میں خریداری نمبر بھی ضرور لکھیں۔
- مدت خریداری ختم ہوتے ہی سالانہ یا ششماہی چندہ آپ از خود بھیج دیا، خواہ ادارہ سے اطلاع ملی ہو یا نہ ملی ہو۔
- بعض حضرات نے کسی کی معرفت پرچہ جاری کرالیا ہے، مگر رقم نہیں بھیجی ہے۔ وہ اب تک کی اور آئندہ کی رقم بھیج دیں، ورنہ پرچہ بند کر دیا جائے گا۔
- چند شماروں کے سوا محدث کے چار سال کے تمام شمارے ۱۵ روپے سالانہ کے حساب سے مل سکتے ہیں رجسٹری خرچ علاوہ۔
- کتاب یا کیلنڈر کا آرڈر، "منیجر مکتبہ سلفیہ" کو دیا جائے اور اس سلسلہ کی کوئی شکایت یا تحریر ایڈیٹر محدث کو نہ بھیجی جائے۔

بزمِ طلبہ

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

محمد عبید سیونوی

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے (اقبال)

اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے اور اس کی تعلیمات امیر غریب ناداں، عاقل، جاہل اور عالم، تمام کے فہم و ادراک میں آنے والی ہیں، اسلام علم و عمل کا وہ سیدھا سادہ نظام ہے جس نے عرب جیسی جنگجو قوم اور وحشی قوم کو عدل و انصاف اور تہذیب و تمدن و اخوت پسندی کا سبق سکھایا۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ گئیں آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے یہ عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔ وہ یہی اسلامی تعلیم تھی۔ اسلامی تاریخ آج بھی شاہد ہے کہ جب تک مسلمان قرآن و حدیث پر چلتے رہے دنیا ان کے قدم چومتی رہی۔ اور جب اس کے احکام سے منحرف ہونے لگے تو عروج سے انحطاط اور زوال کا دور شروع ہو گیا۔ آج ہم خیر الامم کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ جس دور سے گزر رہا ہے۔ حقیقت میں یہ دور مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ بدتر دور ہے۔ معاشرے میں وہی برائیاں جڑ پکڑ چکی ہیں جن کو رفع کرنے کے لیے اسلام آیا تھا۔ آج کا مسلمان ان تمام خصائل مذمومہ کا مرتکب ہو چکا ہے۔ ہم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ۔ کے احکام کو بالکل بھول چلے ہیں اور قرآن کی آیت کا غلط مفہوم ایجاد کر لیا گیا ہے اور اس پر تشدد سے کام لیا جا رہا ہے۔ اسلام تو عمل کا بہت آسان طریقہ بتاتا ہے آج اسے فلسفیانہ موشگافیوں اور صوفیانہ رہبانیت کے رنگ میں ڈبو دیا گیا ہے۔ آج ہمارا عمل قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اماموں اور بزرگوں کے اقوال پر ہے، لوگوں کی ذہنیت پر صد افسوس ہے کہ آج انھوں نے اپنا مسلک قرآن و حدیث سے ہٹ کر بنا لیا ہے، آج کوری تقلید نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔ تقلید در حقیقت جاہل کا عمل ہے مقلد کی دلیل اس کے مجتہد امام کا قول ہے، جس کی وہ

تردید نہیں کر سکتا اگر اپنے امام کا قول قرآن و حدیث کے خلاف بھی ہو تو صم بکم عمی کی طرح اس پر عمل کیا جاتا ہے امام کے قول پر چلنے کا نام اہل سنت والجماعت رکھا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تقلید یہود کا طرز عمل ہے۔ اگر تم یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان برے علما کو دیکھو جو دنیا طلبی میں مصروف ہیں اور ان کے اندر تقلید جامد گھر کر گئی ہے جو کتاب و سنت سے منہ موڑ کر ایک ہی امام کے قول پر جمع ہوئے ہیں اور شارع شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول چکے ہیں اور اپنے اماموں کی باتوں پر جمے ہوئے ہیں، گویا کہ یہودی ہیں۔

قارئین! صحابہ کرام ہزاروں کی تعداد میں تھے آخر وہ کس کی تقلید کرتے تھے۔ قرآن حدیث کے علاوہ ان کا کیا عمل تھا، حالانکہ تقلید کا نام قرآن و حدیث میں کہیں بھی نہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین اس کے نام سے واقف بھی نہیں تھے۔ امام ابو حنیفہ کی شخصیت کا اعتراف ہے اس سے انکار نہیں، آج جو لوگوں کے ذہن خراب ہو چکے ہیں اور حس پھیر لے۔ علم و حقیقت سے کوسوں دور کر رکھا ہے اس کی ذمہ داری امام ابو حنیفہ پر نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کی اپنی لاعلمی، جہالت اور تقلید ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ امام کی بات کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں اور بڑی شان سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔ فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفة (شامی)

امام کی بات اور ان کے قول کو جو رد کرے تو اس پر زمین کے ریت کے برابر لعنت ہو۔ افسوس ہے ایسی عقل پر، بات حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔

فتاویٰ فقہ کی بڑی اہم کتاب ہے جو کہ پانچویں صدی میں لکھی گئی یعنی امام صاحب کے تین سو سال کے بعد ہدایہ چھٹی صدی میں لکھی گئی، چار سو سال کے بعد اور اسی طرح شرح الوقایہ آٹھویں صدی میں چھ سو سال کے بعد۔ نہایہ بھی چھ سو سال کے بعد۔ یہ سب کتابیں امام صاحب کے صدیوں بعد نقل کی گئی ہیں، امام سے اور ان سے کوئی تعلق نہیں، مگر جن مسائل کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے ان پر زور و شور سے عمل بھی جاری ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی (صحیح حدیث میرا مذہب ہے) آگے فرماتے ہیں:

حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی۔ (میری دلیل جانے بغیر میرے کلام سے فتویٰ دینا حرام ہے۔)

امام صاحب کو غیر کتاب و سنت سے اتنی چڑ تھی کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے:

ایک شخص کو قبر میں دانیال کی کتاب دے کر داخل ہوا تو امام ابوحنیفہ اتنا بگڑے کہ اسے قتل کر دیتے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ یہ کیا کتاب ہے۔ (حقیقۃ الفقہ)

ائمہ نہ کسی کی تقلید کرتے تھے نہ اس کی اجازت دیتے تھے۔

امام ابویوسف سے سوال کیا گیا، آپ امام ابوحنیفہ کو کہاں تک دین میں مانتے ہیں تو فرماتے ہیں: انما کان مدرسا فما کان من قول حسن قبلناہ وما کان قبیحاً ترکناہ۔ (وہ تو بس ایک درس دینے والے تھے، ان کی جو بات اچھی تھی ہم نے قبول کر لی اور جو بری تھی چھوڑ دی۔)

اس فقرہ سے معلوم ہوا کہ آپ بھی تقلید جامد سے گریزاں تھے۔

تقلید کی ممانعت میں ائمہ اربعہ کے اقوال خاصے مشہور ہیں اور اس کی تباہ کاری کا اندازہ مولانا آزاد کے حسب ذیل بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

امام الہند مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ جب چار مذہب بن گئے اور چار امام منتخب ہو گئے تو سوال پیدا ہوا کہ چاروں میں سب سے زیادہ افضل کون ہے۔ اس میں اتنا اختلاف بڑھا کہ شکل نزاع پیدا ہو گئی۔ یہی مذہبی تعصب تھا، جب ہلاکو خان نے اسلامی ممالک پر حملہ کیا اس کو بلانے والے خراسانی تھے، جب اس نے بغداد پر حملہ کیا تو تتاری تلوار نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو اور نہ حنبلیوں کو۔

•••

باقی صے ۴۳ کا:-

با اعراب و ترجمہ ہے، جن میں طریقۂ اذان، وضو، مسح، تعمیر مسجد اور طریقۂ نماز، فرض، وتر، تراویح، جمعہ، عیدین، خسوف، استسقاء اور نماز سفر و حضر و جنازہ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ ذخائر احادیث میں سے وہ حدیثیں تلاش کر کے لکھی گئی ہیں کہ ان میں سے اکثر نہ مشکوٰۃ میں ہیں نہ بلوغ المرام میں، بلکہ بعض کتب صحاح میں بھی نہیں ہیں۔ یہ مخطوطہ مولف رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

مردِ مومن کا آخری کمال

عبد المتین ابو بکر بنارسی متعلم جامعہ ع ۳

ہر چیز کے لیے اپنی صفت کے اعتبار سے کمال کے دو درجے ہوا کرتے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ جس صفت سے متصف ہے، اس میں کمال کی انتہا کو پہنچ جائے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی ذات میں وہ صفت اتنی پختہ ہو جائے کہ دوسری چیزوں تک متعدی ہو اور دوسروں کو بھی اپنی صفت کے رنگ میں رنگ دے۔ برف کا کمال اول یہ ہے کہ وہ خود حد درجہ سرد ہے اور کمالِ ثانی یہ ہے کہ دوسری اشیاء کو بھی سرد بنا دیتی ہے۔ اسی طرح آگ بھی خود نہایت گرم ہے اور اس کا دوسرا کمال یہ ہے کہ اردگرد کی اشیاء کو بھی گرم بنا دیتی ہے۔ نیک آدمی کا پہلا کمال یہ ہے کہ وہ خود نیکی کا مجسمہ ہو اور دوسرا کمال یہ ہے کہ اپنے اثر سے دوسروں کو بھی نیک بنا دے۔ ایسے ہی کافر آدمی کا ایک کمال کفر یہ ہے کہ وہ بذات خود فسق و فجور میں غرق ہو اور دوسرا کمال کفر یہ ہے کہ اپنی کوشش سے دوسروں کو بھی اپنے ہی روپ میں ڈھال دے۔ اس قاعدۂ کلیہ کے اعتبار سے کافر اور مومن میں کمال کے دو مرتبے ہوتے ہیں۔

مومن اگر خود اپنے عقیدہ و ایمان میں راسخ اور اطاعت حق میں کامل ہو تو وہ کمالِ ایمان کے پہلے مرتبے پر فائز ہوگا، اور اگر اس میں یہ صفت اتنی پختہ ہو جائے کہ دوسروں کو بھی ایمان و اطاعت کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگے اور دوسروں میں بھی اپنی شعلہ بیانی زورِ قلمی اور کیریکٹر اور برتاؤ کے اثر سے اور دست و بازو کی جد و جہد سے اسلام اور اطاعت حق کی یہ صفت پیدا کر دے تو اس کو کمالِ ایمان کا دوسرا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا اور وہ خیر الامت کا ایک فرد کہلانے کا مستحق ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ۔ (تم خیر امت ہو جو لوگوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس آیت کریمہ میں ایمان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے موخر رکھا گیا ہے، جبکہ ایمان ہی تمام نیک

اعمال کی بنیاد اور ان کا سرچشمہ ہے تاکہ اس فریضہ کی اہمیت عیاں ہو اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ اسی سے ایمان کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ مگر اس سے منکرین حق پر اللہ کی حجت قائم ہو گی، اور مبلغینِ اسلام کے تجربہ واختیار اور بصیرت کو مدد ملے گی اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اسکیم مرتب کرنے میں صرف دماغ کی قوتِ متخیلہ پر زور نہیں دینا پڑے گا بلکہ تجربہ اور عمل کے نتائج سامنے ہوں گے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لیے جرأت لسانی کی حاجت ہے روزِ آور دست وبازو کی ضرورت ہے کہ خواہ کچھ بھی پیش آئے، کیسی ہی زحمتیں سنگِ راہ ہوں مگر آدمی اپنے مشن کو جاری رکھے اور کسی سے بھی مرعوب نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ شجاعت قلب کی ضرورت ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ دوسری تمام مخلوق پر انسان کا سارا فضل وشرف اور فوقیت وبرتری اسی کے استعداد قلبی کی رہینِ منت ہے۔ انسان اس ممتاز اور عجوبہ روزگار قلب کی صلاحیتوں کو کام میں لاکر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد کبھی حضرت صدیق وفاروق وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی صورت میں کبھی حضرت عطار حضرت جنید حضرت حسن رضوان اللہ علیہم کی سیرت میں اور کبھی علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ اس قلب کو جلا دینے والوں نے کبھی بازاروں میں فرشتوں سے مصافحہ کیا اور کبھی تختۂ دار پر فلست ابالی حین اقتل مسلما کی صدا بلند فرمائی، دل کی استعداد وصلاحیت نے ایک فقیر بے نوا کو بڑی سے بڑی جابر بادشاہتوں کے مقابلے میں نہ صرف ثابت قدم رکھا بلکہ استبداد کو حق کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا، جن کا نام نامی اسم گرامی ہے امام احمد بن حنبلؒ۔ بدعات وخرافات اور مغربی تہذیب نے دلوں میں خواہ کیسی ہی تاریکی پھیلا دی ہو، انسان انسانیت سے کتنا ہی گر گیا ہو، امتیازِ حق وباطل کی طاقتیں مردہ ہی کیوں نہ ہو جائیں تاہم حق اور حقیقت ایک ایسی شے ہے کہ اخلاق کے ساتھ موثر انداز میں جب اس کو پیش کیا جائے گا تو تخت سے تخت ظالموں کے سر بھی اس کے آگے جھک جائیں گے اور مستبدین کے غرور وجبروت اس تحریک کو روک نہیں سکتے اور اگر روکیں بھی تو حال یہ ہو گا کہ:

رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

دورِ جدید نہایت ہی فیشن پرست دور ہے، اس وقت مسلمانانِ عالم لادینیت کی رو میں بہہ رہے ہیں لہذا اس دور میں ضرورت ہے کہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوں اور مسلمانوں کو خبردار کر دیں کہ دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے، لہذا اس متاع قلیل کی رو میں بہنا درست نہیں ہے۔ یہ وحشتناک دور ہم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ:

ترے خرام میں ہے زلزلوں کا راز نہاں ؛ ہر ایک گام پہ اک انقلاب پیدا کر

صوفی نذیر احمد صاحب کاشمیری — اللہ کے حضور

قلبی رنج والم کے ساتھ یہ بات حیطۂ تحریر میں لائی جا رہی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی ایک نہایت اہم، بے باک، بے لوث اور گرانقدر شخصیت صوفی نذیر احمد صاحب کاشمیری ۵ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر عالم جاودانی ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

موصوف کی پیدائش سنہ ۱۹۰۴ء کی تھی، یعنی انتقال کے وقت آپ ۸۱ برس کے تھے ۔ راقم صوفی صاحب کی تحریرات عرصۂ دراز سے پڑھتا آرہا تھا ۔ رفقاء اور متعارفین سے تذکرے اور اوصاف بھی سنتا رہتا تھا ۔ مگر ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب موصوف چند برس پہلے سنہ ۱۹۷۹ء میں مرکزی دارالعلوم بنارس تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا۔

مختلف مواقع پر خود آپ سے اور دیگر حضرات سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے پتہ چلا کہ آپ کا اصل وطن اور مولد ومنشا پاکستانی کشمیر کا وہ مقام ہے جو درۂ حاجی پیر کے نام سے معروف ہے اور جسے سنہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجہ میں تاریخی شہرت حاصل ہو چکی ہے ۔ اس جنگ میں موصوف کا خاندان بھی متاثر ہوا تھا ۔

آپ اصلاً ایک پیرزادے تھے، اسی لیے برصغیر کے پیروں کی روایات کے مطابق ابتداءً مذہب حنفی سے وابستہ تھے اور نقشبندی طریق میں تصوف وسلوک کے مراحل بھی طے کیے تھے ۔ لیکن حق پسند طبیعت حق کی جویا رہی ۔ مبدأ فیاض نے علم و ذہانت، دقتِ فہم، فراست، بصیرت، حق پسندی اور مومنانہ جرأت و بے باکی کے اوصاف نہایت فیاضی سے ودیعت کیے تھے ۔ چنانچہ کتاب وسنت پر نظر پڑی تو تمام عوائق کو جھٹک کر اہلحدیث ہو گئے اور اسی نقطۂ نظر کو آخرین لمحۂ حیات تک سینہ سے لگائے رکھا ۔

تصوف وسلوک کی بادیہ پیمائیوں کے باوجود اس راہ کے سب سے بڑے راہرو "ابن عربی" پر بے حد خفا رہتے تھے ۔ ایک صاحب نے ایک بار ابن عربی کی ذرا سی تعریف کر دی تو بگڑ کر بولے کہ اس کی کتاب کا تو آغاز ہی کلمۂ کفر سے ہوتا ہے :

سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا۔ (اس میں اللہ کو اشیاء مخلوقہ کا عین قرار دیا ہے۔) اس کے برعکس ابن تیمیہ اور ابن قیم کے بیحد مداح تھے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ کو ایمان کی قوت و تازگی اور مومنانہ جرأت و بے باکی کا ذریعہ بتلاتے تھے، متعدد بار انھوں نے اس کا اظہار فرمایا کہ پیغمبروں کے پورے سلسلہ میں پیغمبرانہ عزیمت کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نظیر نہیں، اور امتیوں کے اندر مصلحین و مجددین کے پورے سلسلہ میں مومنانہ عزیمت کے لحاظ سے امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ کا کوئی نظیر نہیں۔ شاہ ولی اللہ کی تفہیمات کا وہ بڑا لطیف تجزیہ کرتے تھے۔ اعتصام بالکتاب والسنہ کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی جو مساعی ہیں اور اس کی طرف رجوع کے سلسلے میں انھوں نے عملاً یا تحریراً جو کچھ کیا ہے، اس کی تو تعریف کرتے۔ لیکن تصوف کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا جو نقطۂ نظر ہے۔ خصوصاً انھوں نے شریعت و طریقت کو باہم مخلوط کرکے راہ طریقت کی سطحیات بلکہ خرافات کو شریعت سے ہم آہنگ کرنے کی جو کوششیں کی ہیں، اس پر نکیر کرتے تھے۔

صوفی صاحب نے تصوف سے تعلق کے سبب راہِ حق کی تلاش میں بعض مواقع پر اس کے بعض سادہ اور شرعی اصول بھی استعمال کیے۔ بزرگان دیوبند کو علم و فضل، زہد و تقوی، خدا پرستی اور مقامات سلوک وغیرہ وغیرہ میں جو شہرت و ناموری حاصل ہے محتاج بیان نہیں۔ صوفی صاحب اسی شہرت سے متاثر ہوکر تلاش حق میں خاکدان دیوبند وارد ہوئے، ان کا بیان ہے کہ وہاں پہنچ کر وابستگی کے بجائے دحشت محسوس ہوئی۔ لہٰذا اللہ سے دعا کی کہ ان کی اصل حقیقت ظاہر فرمادے۔ اس کے بعد حالت خواب میں دیکھا کہ تمام وفات یافتہ بزرگان دیوبند میرے سامنے نیم حلقہ کی شکل میں موجود ہیں، ہر ایک کا سر پا ئین جانب کو ڈھلکا ہوا ہے۔ قدرے فاصلہ پر ایک دراز قامت انسان کھڑا ہے، جس کے چہرے سے نور برس رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ اس نے ان بزرگوں کے سروں کے اوپر سے تلوار گھماتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ ہیں تو مسلمان ہی، لیکن ان کے اسلام میں کمی ہے۔ خواب ہی میں بتایا گیا کہ یہ نورانی چہرے والا انسان امام ابن تیمیہؒ ہیں۔ اس واقعہ کے بعد صوفی صاحب نے وہاں سے رخت سفر باندھ لیا۔

اسی طرح مولانا مودودی نے جب جماعت اسلامی کی بنیاد رکھنے کے لیے برصغیر کی ملت اسلامیہ کے اکابر کو دعوت دی تو اس وقت صوفی صاحب علی گڑھ میں تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے دعوت نامے کے جواب میں عدم شرکت کی معذرت کے ساتھ تنظیم سازی کی تائید کرتے ہوئے حوالۂ ڈاک کردیا۔ مگر اس کے بعد کمرے میں پہنچا تو ذکر و اذکار کے بعد نیند آگئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جرمنی کے جنگل سے آگ کا دودھ نچوڑ نچوڑ کر بوتلوں میں بھرا جا رہا ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ

اب بازار میں اصلی دودھ کی جگہ یہی دودھ چلے گا۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ سینہ نفرت و وحشت سے بیٹھا جا رہا تھا۔ اور محسوس ہوا کہ میں نے بڑی غلطی کر دی ہے۔ لیٹر بکس کے پاس جا کھڑا ہوا اور کافی دیر بعد جب ڈاکیہ خط نکالنے آیا تو اس سے اپنا کارڈ واپس مانگ کر چاک کر دیا۔ ——— عرصہ بعد اس کی تعبیر سمجھ میں آئی کہ مولانا مودودی اصل اسلامی نقطۂ نظر کے بجائے جرمن فلسفی ہیگل کے کلی ریاست کے نظریہ کو اسلامی لبادے میں پیش کر رہے ہیں۔

صوفی صاحب اس طرف بھی بار بار توجہ دلاتے تھے کہ جماعت اہلحدیث چونکہ افراط و تفریط سے مبرا جماعت ہے، اس لیے وہ پوری امت کی فکری، اجتماعی اور اصلاحی قیادت کی ذمہ دار ہے اور اسے آگے بڑھ کر امت کے سیرت و کردار کی تعمیر کا کام انجام دینا چاہیے۔ وہ عقیدہ و فکر کی درستگی، قلب کے تزکیہ اور اعمال شرعیہ کے التزام کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اور اس مقصد اولین میں کسی بھی رخنہ کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہما اللہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے جماعت کے مزاج کو مناظرانہ بنا دیا، جس سے جماعت کے عملی مقاصد میں خلل پڑا۔

صوفی صاحب میں حق گوئی و بے باکی بلا کی تھی۔ وہ خالص برہمن سنگھیوں اور مہاسبھائیوں کے اجتماعات میں بھی بے دھڑک گھس جاتے، اور ان کے اسٹیج سے ان کے خلاف کڑی سے کڑی بات بے دھڑک کہہ ڈالتے۔ شاید اسی بے باکی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حد درجہ رعب بھی عطا کیا تھا۔ چنانچہ بڑے اونچے اونچے درجہ کے نمائندگانِ باطل، ان کی ہیبت کے سبب ان سے بات کرنے کی ہمت نہ کرتے۔ جبکہ ایک معمولی درجے کا طالبِ حق ان سے ہمکلام ہو کر پدرانہ شفقت کی خوشبو محسوس کرتا۔ گویا ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اللہ تعالیٰ نے صوفی صاحب کو سرعتِ حفظ و مطالعہ کی استعداد سے بھی بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں نہایت قلیل وقت میں دیکھ ڈالتے تھے اور پھر تمام مباحث اس طرح یاد رکھتے، گویا برسوں اسی میں کھپایا ہے۔

غلبۂ حق اور اتحادِ امت کی آرزو آپ کو بے حد تھی، اور انسانوں کے کسی طبقہ کو — خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو — مظلوم و مقہور دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس سلسلے میں وہ برہمن، شیعہ، اور یہود کی مذہبی نسل پرستی کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے خاتمے کے لیے وہ خود اس نسلی بالادستی کے قائلین و حاملین کو بھی لکھتے رہتے تھے اور دوسرے اہم افراد و شخصیات کو بھی۔ اور اس کے پہلو بہ پہلو اس نقطۂ نظر کے خلاف مدلل مضامین اور کتابچے بھی لکھتے رہتے تھے۔

غلبۂ حق کے لیے آپ میں کتنی تڑپ تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف پچھلے دنوں پاکستان گئے تھے۔ پیرانہ سالی کی اس کیفیت میں ان کے گھر کے لوگ تو انہیں روکنا چاہتے ہی تھے، مگر اس کے علاوہ اس وقت اسلام کے خلاف جو عالمی سازشیں ہو رہی ہیں، پاکستان کو اس کا جس طرح نشانہ بنایا جا رہا ہے اور پاکستان جن بنیادوں پر اس عالمی سازش کو توڑ سکتا ہے، اس پر وہاں کے لیڈروں اور قائدین سے گفتگو کی تو ان کی بھی خواہش ہوئی کہ موصوف اب پاکستان ہی میں رہ جائیں۔ مجھے صوفی صاحب نے دلی میں جب یہ تفصیلات سنائیں اور خصوصاً اسلام دشمن عالمی سازشوں کے توڑ کی حکمتیں بتائیں اور اس سلسلے کے مختلف عملی اور تربیتی مراحل کا تذکرہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ ان سب باتوں کے باوجود آپ ہندوستان تشریف لائے۔ یہ کوئی مناسب بات نہیں ہے۔ آپ کو وہیں رہ کر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہیے تھا کہ اب اسی کی اہمیت زیادہ ہے۔" فرمانے لگے: "میں نے عہد کر رکھا ہے کہ یا تو ہندوستان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کر رہوں گا یا پھر اسی راہ میں اپنی جان دے کر شہادت حاصل کروں گا۔ اس لیے ہندوستان کو چھوڑ نہیں سکتا۔"

اسی غلبۂ حق کی آرزو میں دنیا کے سیاسی نشیب و فراز پر آپ گہری نظر رکھتے تھے اور اسلام کے فائدے یا نقصان کی چھوٹی سی چھوٹی حرکت بھی نگاہ میں رکھتے تھے۔ فراست اتنی زبردست تھی کہ برسوں بعد جو نتائج ظہور میں آنے والے ہوتے ان کا اندازہ لگا لیتے۔ گنجائش ہوتی تو دخل دینے سے بھی نہ چوکتے۔ ۴۶ء کے پر آشوب دور میں پنجاب کے اندر کانگریس کی حمایت اور انگریز کی سازش سے اقلیت میں ہونے کے باوجود یونینسٹ نے جو وزارت بنائی تھی اور جس کے خلاف مسلم لیگ نے ایجی ٹیشن شروع کیا تھا۔ اسے مسلمانوں کے خون خرابے اور تباہی سے دو چار کیے بغیر توڑنا آسان نہ تھا۔ لیکن یہ صوفی صاحب ہی تھے جنہوں نے بیک وقت جناح کو ایجی ٹیشن واپس لینے اور سر خضر حیات خان کو وزارت سے مستعفی ہونے پر آمادہ کر کے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے بحران سے بچا لیا۔ مگر خلوص اور بے لوثی کا عالم دیکھیے کہ آج شاید ہی کوئی ان کے اس کارنامے سے واقف ہو۔

اللہ بال بال مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں بلند درجات سے نوازے۔ اللهم نور ضريحه واسكنه بحبوحة جنانك۔ آمین۔

صوفی صاحب کے بہت سے خطوط و مضامین ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ خاص نمبر میں ان کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ مزید کوئی صاحب کچھ پیش کریں گے تو شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ (ادارہ)

ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی

مختصر مدت میں دعوت وتبلیغ کے صوبہ گیر دورے تقریباً طے

۱۸ رجب ۱۴۰۵ھ کو دارالحدیث ہال جامعہ سلفیہ بنارس میں اضلاع مشرقی یوپی کے ۲۴ نمائندگان نے عہدیداران ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کا انتخاب جدید کیا۔ بعدازاں ۲۰ تا ۲۲ شعبان کے اجلاس عام بنگلور میں شرکت اور اس سے واپسی کے بعد راقم نے یکم رمضان تا ۱۳ شوال ریاستی جمعیۃ کے لیے ضلع بنارس، لکھنؤ، کانپور، قنوج اور بمبئی میں سفارت کا کام انجام دیا۔ ہمیں جماعت کے زلف و کاکل کو سنوارنے کے لیے دو باتنخواہ افراد کی سخت ضرورت تھی جو ایوان و انوان جماعت کے تن مردہ میں روح بیداری کا انجکشن لگا کر انھیں متحرک و فعال بنا سکیں۔

اس مقصد کے لیے ۲۵ شوال کو مولوی عظمت اللہ صاحب شنکرنگری کا تقرر بحیثیت معاون ناظم ہوا۔ اور ۲۵ ذی الحجہ کو مولوی مبارک سلفی بحیثیت مبلغ رکھے گئے اور یہ دونوں حضرات میدان دعوت وتبلیغ میں سرگرم عمل ہو گئے۔

چنانچہ ۲۵ شوال تا اواخر صفر محض ۴ ماہ ۵ یوم کی مختصر مدت میں مشرقی یوپی کے ۱۶ اضلاع بنارس، مرزاپور، اعظم گڑھ، جون پور، دیوریا، گورکھپور، بستی، گونڈہ، بارہ بنکی، لکھنؤ، کانپور، ہردوئی، الہ آباد، پرتاب گڑھ، غازیپور اور بلیا میں تنظیمی وتبلیغی دورے ہو چکے۔ دوران تبلیغ جماعت کے اغراض و مقاصد سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ بہت سے مقامات پر ضلعی و مقامی بیت المال کا قیام بھی عمل میں آیا۔ نیز درس قرآن و درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔

تبلیغ کے نتائج: انسان کی کدوکاوش کا نتیجہ کسی نہ کسی دن سامنے آ ہی جاتا ہے، الحمدللہ ہماری تبلیغ اب لوگوں کے قلوب میں جگہ بنانے لگی۔ ابھی حال ہی میں ایک شہر کے امیر اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شہر میں میں تنہا اہلحدیث تھا، اب بفضلہ ہماری تعداد تین سو سے اوپر ہو چکی ہے۔ ایک اور شہر میں کافی تعداد میں لوگ ان شاء اللہ بریلویت سے تائب ہو کر سلفیت کے جھنڈے تلے سایہ حاصل کرنے والے ہیں

اسی طرح فیض آباد کے ایک موضع کے تمام باشندگان اہلحدیث ہو چکے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ دو خوشخبریاں بشکل تحریر دفتر میں موجود ہیں۔

آئندہ پلان و منصوبہ: جہاں ہم ریاستی جمعیۃ کو متحرک اور فعال بنانا چاہتے ہیں وہیں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کو جملہ دینی و ملی نیز سیاسی و نیم سیاسی تحریکات کی طرح متحرک و فعال دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ مرکزی جمعیۃ اپنے جملہ شعبہ جات، دعوت و تبلیغ، نشر و اشاعت اور کلیہ وغیرہ میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں ہمارا کم از کم دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپئے ورنہ ۵۰۰۰ روپئے سالانہ تعاون کرنے کا پلان ہے اور اس سال اب تک ۱۲۰۰۰ روپئے مرکزی جمعیۃ کو بھیجے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں احباب جماعت سے پر زور لفظوں میں تعاون کی اپیل ہے۔ علاوہ ازیں مخصوص شہروں اور ضلعوں میں جماعتی اجتماعات کا انعقاد بھی پیش نظر ہے۔

نشر و اشاعت: مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی معرکۃ الآرا کتاب اہل حدیث کا مذہب سلسلہ ۸ بنام کریڈ آف دی اہلحدیث چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ علاوہ ازیں دو کتب (۱) زاد آخرت اور (۲) اسلام کا نظام طلاق کی طباعت ہو رہی ہے، جس پر تخمیناً ۰۰۰، روپئے کا صرفہ ہے۔ مزید اشاعت کا ایک جامع پروگرام مرتب کیا جا رہا ہے۔

جماعت کی تنظیم و احیاء پوری جماعت کے افراد کا کام ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ تنظیم جماعت و تعمیر ملت کے سلسلے میں تعاون کرکے مشکور فرمائیں اور اس رپورٹ کی خامیوں سے آگاہ کرکے اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازیں گے۔

داعی الی الخیر: ناظم اعلیٰ ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی

مساجد کانفرنس مئو:

ادارہ اصلاح المساجد بمبئی، ملک کے طول و عرض میں مساجد کی تعمیر کا جو منفرد کام انجام دے رہا ہے وہ محتاج تعارف نہیں، کچھ عرصہ سے اس ادارہ نے مادی تعمیر کے ساتھ معنوی اور حقیقی تعمیر کی جدوجہد کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ۱۶ اور ۱۷ نومبر ۸۵ء کو مئو ناتھ بھنجن میں دوسری ملک گیر ائمہ مساجد کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کے ذریعہ مساجد کے اصل پیغام کو عام کرنے اور مساجد کے مقصد وجود کو ٹھیک ٹھیک طریقہ سے بروئے کار لانے کی ایک ہمہ جہتی کوشش کی گئی۔ پروگرام کا آغاز ۱۶ نومبر کی صبح ساڑھے ۹ بجے،

مساجد سے متعلق ایک سیمنار سے ہوا۔ یہ سیمینار جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ (مئو) میں منعقد ہوا اور وقت ظہر تک جاری رہا۔ اس میں ملک کے مشہور اہل علم حضرات نے حصہ لیا۔ ڈھائی بجے مسجد اہلحدیث ڈومن پورہ پچھم میں دوسری نشست منعقد ہوئی اور عصر بعد ایک طرف جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ میں ائمۂ مساجد کا انٹرویو شروع ہوا۔ اور دوسری طرف ادارہ اصلاح المساجد کی میٹنگ ہوئی۔ عشاء بعد عالیہ جنرل اسپتال کے میدان میں اجلاس عام منعقد ہوا، جو ساڑھے بارہ بجے رات تک جاری رہا۔ دوسرے دن ساڑھے نو بجے پھر مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ میں سیمینار منعقد ہوا جو وقت ظہر تک جاری رہا۔ پھر ظہر و عصر کے درمیان عالیہ جنرل اسپتال کے افتتاح کی تقریب منعقد ہوئی، اور اس سلسلہ میں بھی مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس پروگرام کے غیر مسلم سربرآوردگان کی بھی ایک خاصی تعداد نے حصہ لیا۔ رات عشاء بعد پھر اجلاس عام ہوا۔ جو ایک بجے رات تک جاری رہا۔

تمام پروگرام بڑے مفید اور موثر رہے۔ مقررین نے وقت موقع اور ضرورت کے لحاظ سے بڑی جامع مثبت اور ٹھوس تقریریں کیں۔ ادارہ اصلاح المساجد نے اپنے مقاصد کی روشنی میں مفید اور جامع تجویزیں منظور کیں۔ ائمۂ مساجد کی ٹریننگ، مصلیوں کی تربیت اور معاشرہ کے تمام طبقات کی اصلاح و رہنمائی کی جو صورتیں تجویز کی گئیں۔ ان شاء اللہ مفید اور بارآور ہوں گی اور عملی جدوجہد کے میدان میں اترنے کے بعد ان شاء اللہ دور رس اور بامقصد نتائج برآمد ہوں گے۔

بقیہ ص ۵۶ کا: کتاب کے بہت سے واقعات اور تجربے صحیح تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ سیکولرزم کی تعبیر میں فریب خوردگی نمایاں ہے۔ وادی کے لیڈر ڈوگرہ راج سے نجات چاہتے تھے۔ شمالی اور مغربی کشمیر کی مسلح جدوجہد بھی اسی مقصد سے تھی۔ پھر اس کی ہمنوائی کے بجائے مخالفت اور وہ بھی اس درجہ کہ غیروں کی آغوش میں چلے جانا، چہ معنی دارد؟ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے ہاتھوں بعض افراد کی تباہی قابل احتجاج اور ہندوستانی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل درست یا لائق معذرت کیوں؟ ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل کے وہ معنی کیوں نہیں جو کسی مسلمان کے ہاتھ کسی ہندو کے قتل ہوئے ہیں؟ پہلی صورت سیکولرزم کے مطابق اور دوسری اس کے منافی کیوں۔؟

داستان حیات سید میر قاسم

مرتبہ: عبدالرحمن کونڈو

کتابت، طباعت، کاغذ: عمدہ۔ قیمت مجلد، ساٹھ روپے

ناشر: ادارہ ادبیات دلی ۹-۲ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

... ہوگا کہ ریاست جموں وکشمیر میں کانگریس پارٹی کے بانی اور اس پارٹی کے اولین وزیر اعلیٰ سید میر قاسم تھے
... کارنامے کے سبب کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک بنگال کے میر جعفر اور میر قاسم کی صف میں شمار
... نے شیخ عبداللہ کو برسر اقتدار لانے کے لیے اپنی وزارت سے رضاکارانہ دستبردار ہو کر کشمیر کے لیے اپنے اخ...
... گرانقدر اور ناقابل تردید ثبوت فراہم کردیا۔ پیش نظر کتاب موصوف کی داستان ہے۔

ابتدا میں خاندانی بزرگوں کا دلآویز تذکرہ ہے، جو تاریخ وادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے، اس کے بعد موصوف ... اپنے تذکرے کے ساتھ ہی کشمیر کے شعلہ بار واقعات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس ضمن میں بہت سے پس پرد... پہلی بار منظر عام پر آجاتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جب ڈوگرہ راج کے خلاف کشمیر کی جدوجہد آزادی کا آغاز ہوا ... صاحب کوئی بارہ تیرہ برس کے تھے۔ مگر جب یہ علاقہ پاک وہند کشمکش کا مرکز بنا تو موصوف نہ صرف جسمانی اور ذ... حیثیت سے سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔ بلکہ ایک سرگرم سیاسی شخصیت بن کر اس کشمکش کا ایک ہمہ جہتی جزو بن ... اس لیے یہ کتاب مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ معلومات کا ذخیرہ اتنا وافر ہے۔ ا... بیان اتنا پرکشش کہ ایک بار کتاب شروع کردیجیے تو ختم کیے بغیر رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

اس کتاب سے پہلی بار یہ تفصیلات منظر عام پر آئی ہیں کہ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق کرتے وقت کشمیری لیڈروں ... ذہن میں کیا معانی تھے۔ مگر نئی دلی میں اس کے کیا معنی لیے گئے۔ بلکہ دستاویزات کی تیاری میں الفاظ اور جملوں ... میں کیسی کیسی چابک دستی بازیوں سے کام لیا گیا، اور تہ دام آئے ہوئے شاہینوں کو اپنی فریب خوردگی کا احسا... ... حالات میں ہوا۔ قاسم صاحب اپنوں کے ساتھ تنگ نظری، ناانصافی اور ظلم کی حد تک، پارٹی ... کے وفادار اور سیکولر رہے ہیں، مگر انھوں نے نئی دلی کی طرف سے کشمیر کے ساتھ ظلم، ناانصافی، تذلیل، فریب کاری، بدعہدی وغیرہ وغیرہ کی روداد قلمبند کی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم ملک کے معاملہ ... خواہ نتیجے میں سمجھتے۔

(باقی ص ۵۵ پر)

مسلم پرسنل لا کا ایک نہایت اہم شعبہ

اسلام کا نظام طلاق عقل و نقل کی روشنی میں

طلاق کے نوع بہ نوع مسائل کے سلسلہ میں ایک جامع ، ممتاز مفید اور اردو زبان میں اپنی نوعیت کی اعلیٰ ترین کتاب ۔ قیمت پندرہ روپئے علاوہ محصول ڈاک ۔ تاجروں اور تھوک خریداروں کے لئے خصوصی رعایت ادارہ محدث کے علاوہ حسب ذیل پتوں سے بھی منگا سکتے ہیں:

(۱) مولانا شکر اللہ نعمانی مدرس مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم پوسٹ املو (مبارکپور) ضلع اعظم گڈھ ، یوپی

(۲) ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی معرفت جامعہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب بنارس (یوپی)

وفیات

◎ بقیۃ السلف شیخ الحدیث مولانا عبد الجبار صاحب شکراوی ۲۳ نومبر ۸۵ء یوم شنبہ بعمر ۹۳ سال (جامع معلومات کے لئے کوئی صاحب قلم اٹھائیں)۔ ◎ حافظ محمد صدیق صاحب بھوارہ بہار ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ بعمر ۸۰ سال ، بہترین حافظ تھے بیشتر اوقات مشغول تلاوت رہتے ۔ ◎ حاجی محمد حنیف صاحب کتھے والے (مالیگاؤں) ۲۱ نومبر ۸۵ء ، بڑے خوش اخلاق ملنسار تھے جمعیۃ اہلحدیث مالیگاؤں کے سرپرست تھے ۔ ◎ ڈاکٹر ابو العباس حریری ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۵ء یوم جمعہ ، مولانا عبد المجید صاحب حریری مرحوم کے صاحبزادے تھے ، ریاض اور مسلم یونیورسٹی وغیرہ میں تدریس کا فرض انجام دے چکے تھے ۔ ◎ فضل الرحمن بن ضیاء اللہ جونپوری ۱۵ دسمبر ۸۵ء رات تقریبا ساڑھے ۹ بجے ، جامعہ کے کارکن ماسٹر حمید اللہ صاحب کے بھتیجے تھے اور ۱۷ - ۱۸ برس کے جوان سال ۔ ◎ اہلیہ حافظ عبد الحلیم صاحب کوٹہ راجستھان ۱۰ دسمبر ۸۵ء بروز جمعہ ۔ اللہ سبکی مغفرت کرے ، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے ناظرین سے دعائے مغفرت اور جنازہ غائبانہ کی گذارش ہے ۔ (ادارہ)

ضروری تصحیح : محدث دسمبر کے ص ۲۲ کی سطر ۱۶ یوں پڑھیں: موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے انتقال اور رفع کے بعد الخ ۔

Reg. No. R N. 40352/81

January **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom

Printed by Abdul Waheed

At Salafiah Press, Roori Talab, Varanasi.

محدث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ بنارس

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ ○ فروری ۱۹۸۶ء

برگ وبار

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۲ • فروری ۱۹۸۶ء • جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ • جلد ۵

ترتیب

صفی الرحمن مبارکپوری

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس

بدل اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپئے

ششماہی: ۱۳ روپئے

فی پرچہ: ۲/۵۰ روپئے

بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

[illegible] SALAFIAH REORI TALAB VARANASI [illegible]

یہ جمالِ اسوۂ مصطفےٰ کا حساب ہے کوئی ڈر نہیں

یہ شوق میں جو اٹھ کے کوئی ایسا تیر نظر نہیں

کئی قافلے کئی راہبر، یہاں کبھی ادھر میں کبھی ادھر

تری راہ جب سے مجھے ملی گئی، کوئی اور راہگزر نہیں

ترے قول کی ادا سیکھ لی، ترے فعل کی ادا جان لی

کوئی راز ہے جو نہ پا سکا، مری شخصیت میں اثر نہیں

میں صہیب و سلماں کے بھیس میں، میں بلال و ضیف کے روپ میں

گیا اہلِ دل کی جناب میں کوئی مجھ سا اہلِ نظر نہیں

ترے راستے پہ جو چل پڑا مجھے اپنا میرِ سفر کیا

مجھے کارواں کا پتہ نہیں، مجھے منزلوں کی خبر نہیں

یہاں نکہتوں کی ہیں بستیاں، وہاں رنگ و نور کے شہر ہیں

جو دل و نگاہ کو تاب دے کوئی ایسا داغِ جگر نہیں

تو بشر تو ہے کوئی شک نہیں ہے مگر پیمبرِ آخریں!

وہ کمالِ خلقِ عظیم ہے ترے مثل کوئی بشر نہیں

ترا لفظ لفظ پیمبری، ترا معنی وحیِ الٰہ ہے

ترا قول و فعل ہے معتبر کوئی نقص زیر و زبر نہیں

زر و سیم کے تراشے ہوئے کئی سامری کے خدا ملے

تہہِ چوب میں نبھا گیا کوئی اور فتح و ظفر نہیں

یہ مثال حجازی ہے ادب ترا علم مجھ کو عزیز تر

ترے پیار نے کو مرے یہاں [illegible] کوئی در نہیں۔

عبدالوہاب حجازی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاک سرزمین پر !

عرصہ سے خیال ہو رہا تھا کہ پاکستان کا سفر کروں، دوستوں، عزیزوں اور واقف کاروں کا بھی یہی مشورہ تھا۔ بالآخر خیال نے ارادے اور عزم کا جامہ پہنا، اور عید الاضحیٰ سے ذرا پہلے دہلی جانا پڑا تو پاکستانی سفارت خانے کو ویزا کی درخواست دیدی۔ یہ درخواست کتنی پُرپیچ مراحل سے گزر کر بعد عید الاضحیٰ منظور ہوئی اور اس کی اطلاع مجھے اس وقت ملی جب جامعہ میں تعطیلِ عید کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ تعلیم کو سفر کی نذر کرنا گوارا نہ ہوا۔ لہٰذا ششماہی امتحان کی آمد کا منتظر رہا۔ امتحان کی تیاری کے لیے طلبہ کے اسباق بند ہوئے تو مئو ناتھ بھنجن کی "ائمہ مساجد کانفرنس" منعقد ہو رہی تھی۔ اس سے فارغ ہوتے ہی روانگی کا ارادہ تھا۔ مگر "محدث" کے عملہ کی نوازشوں سے دامن چھڑاتے چھڑاتے ششماہی امتحان بھی خاتمے کو جا پہنچا۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا کہ ۲۷ نومبر کو رختِ سفر باندھا۔ ۲۸ نومبر کی صبح دہلی پہنچتے ہی ضابطہ کی کارروائیوں اور ضروری ملاقاتوں میں مصروف ہو گیا۔ اور شام تک ان سب سے فارغ ہو کر سوا آٹھ بجے رات کی ٹرین سے امرتسر روانہ ہوا۔ میرے کیبن میں تین مسافر اور تھے باتوں باتوں میں معلوم ہو گیا کہ میری آخری منزل پاکستان ہے۔ ایک صاحب نے جو چہرے بشرے سے آفیسر معلوم ہوتے تھے، ازراہِ نوازش فرمایا کہ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے بتائیں۔ میں نے ضابطہ کی بعض پیچیدگیوں کا ذکر کیا تو انھوں نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا اگر سرحد پر کوئی پیچیدگی پیش آئے تو سپرنٹنڈنٹ آفیسر کو میرا حوالہ دیدیں، چند منٹ میں سارا کام ہو جائے گا۔ یا پھر آپ میرا انتظار کریں، میں بھی کوئی گیارہ بجے سرحد آ رہا ہوں۔ مزید گفتگو سے معلوم ہوا کہ موصوف سرحدی امور سے متعلق کسی اہم منصب پر فائز ہیں۔ میں نے موقع غنیمت جان کر ان سے تعارفی کارڈ مانگ لیا۔ اور انھوں نے علی الصباح عنایت کر دیا۔

۶½ بجے امرتسر اتر کر کچھ دیر بعد ایک مخدوش بس کے ذریعہ سرحد کی طرف روانگی ہوئی۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد ہم اٹاری میں ہندوستان کی آخری سرحد چوکی پر نازل ہوئے۔ جہاں سے پاکستان کا پرچم ستارہ و ہلال دکھائی پڑ رہا تھا۔ ابھی امیگریشن حکام تشریف نہیں لائے تھے

صرف چند مسافر تھے۔ اور ہشٹنڈے مشٹنڈے قلیوں کا غول دھاچوکڑی مچاتا ہوا ادھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ پھر لمحہ بہ لمحہ عازمین پاکستان آتے چلے گئے۔ مڑک کے دائیں کنارے زمین پر ایک بنچ پڑی تھی۔ اور اس کے سامنے کاؤنٹر پر لکھا تھا "یہاں پاکستانی روپئے تبدیل کیے جاتے ہیں۔" اس سرکاری "ایکسچینج" پر چند خوش پوش نمودار ہوئے، جو براجمان ہونے کے بجائے بائیں کنارے پر موجود مسافروں کے درمیان آکر تحکمانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ "پاسپورٹ دکھاؤ، روپئے بدلو۔" عام مسافروں نے اسے سرکاری کارروائی کا پہلا مرحلہ سمجھ کر، جھٹ پاسپورٹ اور روپئے نکال دیے۔ اور انھوں نے ایک سو ہندوستانی روپئے کے بدلے صرف ایک سو روپئے پاکستانی دیے۔ سرکاری "سیہ کاروں" کا یہ گروپ میرے پاس پہنچا تو میں نے بے نیازی کے ساتھ انھیں بے نیل مرام رخصت کر دیا۔

امیگریشن کا باب وا ہونے سے پہلے ڈاک خانہ کھل چکا تھا، جہاں سے دو تولیو لفافے حاصل کرکے میں اپنی خیریت تحریر کر رہا تھا کہ امیگریشن کا دروازہ بھی کھل گیا۔ چند باوردی ملازمین یا حکام اندر جانیوالوں کے پاسپورٹ چیک کر رہے تھے۔ اور ایک پرچی دے کر دس روپئے بھی وصول کر رہے تھے۔ مجھے یہاں بھی "سیہ کاری" کا شک گزرا۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ذرا غور کیا تو پتہ لگا کہ واقعی یہ "سیاہ کاری" ہے۔ چند منٹ بعد میں بھی داخل ہوا، مگر قدرے بے نیازی کے ساتھ۔ اب کی بار پاسپورٹ چیک کرنے والے نے میرا پاسپورٹ لے کر ذرا غور سے دیکھا، اور اپنے ساتھی سے سرگوشی کے انداز میں کہا، "یار! سروس کرتا ہے، جانے دو۔" میں دو قدم آگے نکل کر سرگوشی سن رہا تھا۔ پاسپورٹ لے کر آگے بڑھا تو پہلے کاونٹر کے قریب ایک وردی پوش ملا۔ میں نے اس سے کہا "مجھے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے مجھے فوراً فراخی کے ساتھ ملانے کا وعدہ کرتے ہوئے ایک نمایاں جگہ بٹھا دیا۔ اور میرا پاسپورٹ اندراج کے لیے کاؤنٹر پر دیدیا۔ ایک بار میں نے کاونٹر کے قریب جانا چاہا تو اس نے احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا، "آپ بیٹھیں، ہم خود ہی پاسپورٹ لادیں گے۔" میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرے ایک اور عزیز آپہنچے، اور میری سہولیات میں وہ بھی شامل ہوگئے۔ اسی دوران امیگریشن کے دوسرے شیڈ میں چند وردی پوش نمودار ہوئے۔ جو شخص میرا پاسپورٹ درج کرانے گیا تھا، اس نے بتایا کہ یہ لوگ آپ کو سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملائیں گے۔ میں نے ان کے پاس پہنچ کر عرض مدعا کیا تو ان کے چہروں پر فکرمندی کے آثار نمایاں ہوئے تاہم انھوں نے وعدہ کیا کہ موصوف کے آتے ہی ہم آپ کو ان سے ملادیں گے۔ میں پھر اپنی سابق جگہ آبیٹھا۔

یہاں میرے پاس ایک نوجوان آیا جو امیگریشن کے شیڈ سے باہر بھی ایک بار مل چکا تھا۔ باہر اس نے بڑے اضطراب کے ساتھ بتایا تھا کہ قلی اس سے سوا سو روپئے مانگ رہے ہیں۔ میں نے اس سے بتاکید کہا تھا کہ ایک قلی کی اُجرت دس روپئے

رکاری طور پر مقرر ہے۔ اس سے زیادہ نہ دینا۔ جب وہ اندر ملا تو اس کا اضطراب اتنا فزوں تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل بہہ ا چاہتا تھا۔ کہنے لگا میں تو لوٹ لیا گیا۔ سوا سو روپے قلی نے لیے اور ڈیڑھ سو روپے پاسپورٹ پر اندراج کرنے والے نے۔ ں سخت پیچ و تاب کھانے کے باوجود کچھ نہ کر سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ بیچارہ رقم پہلے ہی دے چکا تھا، تاہم میں نے اس کی ہمت بندھائی، ر سنبھلے رہنے کی تاکید کی۔ مگر معلوم نہیں آگے اس غریب پر کیا بیتی۔ کیوں کہ ابھی کسٹم کا اصل مرحلہ تو باقی ہی تھا۔ کچھ اور حضرات کو بھی کیا وہ کاؤنٹر پر خوشامدانہ گفتگو کر رہے ہیں اور صاحب کو منانے کی کوشش میں ہیں۔ جس سے لوٹ کھسوٹ کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔

پاسپورٹ کا اندراج ہو گیا تو ہم گیٹ پاس لینے گئے۔ یہاں بھی کسی جواز کے بغیر پانچ روپے فی پاسپورٹ وصول کیے جا رہے تھے۔ ہم سے بھی مطالبہ ہوا۔ میں نے ٹرین والے صاحب کا تعارفی کارڈ دکھایا تو یہ رقم نہیں لی گئی۔ اتنے میں اطلاع دی گئی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب آ چکے ہیں۔ ہم نے تعارفی کارڈ بھیجا تو ہمیں فوراً ہی بلا لیا گیا۔ آداب و تسلیم کے بعد مختصر تعارفی گفتگو ہوئی۔ اور اتنے میں کسٹم شیڈ کا ایک بوڑھا سفید ریش سکھ آفیسر ہمارا پاسپورٹ لے کر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اور پھر ان کے اشارے پر کسٹم شیڈ میں واپس لے لیا۔ ہم صاحب کے پاس سے واپس ہوئے تو دروازے پر وہی شخص ملا، جس نے ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ اس کی آواز اور چہرے پر لرزش تھی۔ بڑے احترام سے تعارف حاصل کیا۔ اور یگانگت آمیز باتیں کیں۔ کسٹم آفیسر کے پاس آئے تو اس نے جھٹ ساری کارروائی انجام دے دی۔ اب ہم شیڈ سے نکل کر پاکستان کی طرف بڑھے۔ ذرا آگے سڑک کے دائیں کنارے ایک وردی پوش سکھ میز لگائے کرسی پر براجمان تھا۔ اس نے ہمیں بلا کر پاسپورٹ اور ویزا فارم چیک کیا، اور ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔ یہاں تاریخ کیوں نہیں ہے؟۔ بیس روپے لاؤ۔ میں نے روپے کے بجائے وہی تعارفی کارڈ دکھلایا۔ فوراً ہی وہ شخص لہجہ بدل کر بولا۔ " اچھا صاحب! لیجیے ہم خود ہی بنائے دیتے ہیں۔ جائیے! " ہم مزید چند قدم آگے بڑھے تو سڑک پر موٹے حرفوں میں " اسٹاپ " STOP ۔ لکھا ہوا تھا۔ اور وہیں سڑک کے کنارے ترنگا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ آگے تیر کا ایک نشان تھا، پھر لکیر تھی اور پھر ادھر کے رخ پر تیر کا دوسرا نشان تھا۔ اور اس کے آگے بھی اسٹاپ لکھا تھا، اور وہیں سڑک کے کنارے پرچم ستارہ و ہلال لہرا رہا تھا۔ تیروں اور لکیروں کی شکل یہ تھی۔ ———→ I ←——— یہی درمیانی لکیر دونوں ملکوں کی سرحد ہے اور اسے پار کرتے ہی محسوس ہوا کہ ہم ہندوستان سے مختلف ایک جداگانہ ماحول میں ہیں۔ گھٹنوں تک بلکہ اس سے بھی نیچی قمیص اور شلوار میں ملبوس متعدد افراد سڑک کے بائیں کنارے بے نیازی سے کھڑے تھے۔ جن کے قد لانبے تھے اور چہرے کسی قدر ستواں۔ بورڈ بھی سب کے سب اردو میں تھے، یا پھر انگریزی میں۔ کوئی نصف فرلانگ پر ہمیں بائیں جانب مڑنے کا اشارہ کیا گیا۔ ادھر پاکستان امیگریشن کی باقاعدہ عمارت ہے۔ ایک کھڑکی پر پاسپورٹ اندراج کے لیے دے دیا گیا۔ ضابطہ ہے کہ ۳۵ ڈالر ساتھ لیے بغیر پاکستان میں داخلے کی اجازت نہیں۔

اور میں ڈالر لیے بغیر ہی چلا گیا تھا۔ اس لیے پیچیدگی پیدا ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر پاس ہی بیٹھے ہوئے آفیسر نے ضابطہ سمجھا کر آگے جانے کی اجازت دیدی۔ سامان کی پرچی جو گیٹ پاس کا کام دیتی ہے، سامان کو دیکھ کے ہم نے سامان دکھایا۔ جسے برائے نام دیکھا گیا۔ پرچی لکھنے والے ایک باریش نوجوان تھے، وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے، اور مجھ سے اسلام، عالم اسلام اور امت مسلمہ کے احوال پر دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ میں لاہور میں جمعہ پڑھنے کے لیے عجلت میں تھا، اور وہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر جب مزید مسافر آگئے تو میں نے اجازت چاہی۔ اور ہم عمارت کے پیچھے سے اس کے مغربی کنارے پہنچے، وہاں سے راستہ دائیں جانب مڑ جاتا ہے اور عمارت کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا لاہور جانے والی سڑک پر جا پہنچتا ہے۔ سڑک سے متصل ایک گیٹ ہے، جس پر لکھا ہے "داخلہ ممنوع ہے" اس گیٹ پر دو پہرے دار بیٹھے تھے۔ ایک نے پاسپورٹ اور گیٹ پاس چیک کرتے ہوئے پوچھا۔ "کتنے سامان ہیں؟" میں نے کہا "تین!" اس نے کہا "تیس روپے دیجیے!" میں نے کہا "اس کی رسید دو گے؟" اس نے گیٹ پاس کی طرف اشارہ کیا کہ "یہ رسید ہے"۔ میں نے کہا "اس پر تیس روپے کہاں لکھے ہیں، اس پر تو صرف سامان کی تعداد لکھی ہے۔ اور اگر یہ رسید ہی ہے تو تم نے رسید دی ہے، اس کو روپے ملنے چاہئیں، آپ کو کیوں دوں؟" اس پر وہ کچھ مبہوت سا ہو گیا۔ مگر پاکستان میں ہمارے داخلہ کا فارم دیکھا تو اس کے تاریخ کے خانے میں مہینہ "11" کی جگہ 12 لکھ کر پھر دو کو ایک بنایا گیا تھا۔ اس نے کہا "یہ تاریخ کیوں کاٹی گئی ہے؟" "تیس روپے لاؤ۔" میں نے کہا "آپ میرے بجائے اپنے آفیسر یا کلرک سے پوچھیے کہ انہوں نے اسے کیوں کاٹا ہے؟ کیوں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کے جوابدہ وہی ہیں ہم نہیں ہیں۔" اس پر اسے مزید پریشانی ہوئی۔ اس نے پوچھا "آپ کیا کرتے ہیں؟" میں نے بتایا کہ "میں ایک جامعہ میں استاد ہوں" اس پر اس کے ساتھی نے سرگوشی کی "یہ معزز لوگ ہیں، جانے دے۔" اور اس نے بے بسی کے ساتھ پاسپورٹ اور کاغذ ہمارے ہاتھ میں تھما دیے۔

سڑک پر ایک کالا اور موٹا شخص بیٹھا نعرہ لگا رہا تھا: "لاہور ساڑھے تین روپے میں" گیٹ سے باہر آتے ہی اس نے سامان جھپٹ لیا، اور ایک خوبصورت ٹیکسی پر لے گیا۔ مگر وہاں پہنچ کر اس نے کرایہ ساڑھے تین سو روپے کہا۔ ہم نے بیٹھنے سے انکار کر دیا اتنے میں ایک گورا اور دبلا شخص دو مسافروں کو لے کر اپنی ٹیکسی پر پہنچ گیا۔ مگر اس پر دونوں ٹیکسی والوں میں جھگڑے کا ٹورنامنٹ شروع ہو گیا۔ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ سامان لے کر کسی بس سے نکل جائیں۔ مگر اس نے کامیاب نہ ہونے دیا، اور گرانی کی تیس روپے تک اتر آیا۔ بالآخر وہی چاروں مسافروں کو لے کر اپنی خوبیوں کے گن گاتا لاہور چلا، اور ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر تیس تیس روپے وصول کیے۔ توجہ دلانے پر بولا، "کرایہ واقعی تیس تیس روپے ہے، لیکن جھگڑے کے سبب اگر وہ پانچ روپے کہتا تو میں دو ہی روپے کہتا۔"

بہرحال اب ہم نے آٹو رکشہ کیا، اور شیش محل روڈ کو چلے۔ نو وارد تھے، لہٰذا آٹو والے کو تاکید کر دی تھی کہ شیش محل شروع ہوتے ہی

ہمیں اطلاع کرے، تاہم ہماری نظریں کناروں کے بورڈوں پر تھیں۔ ایک جگہ فٹ پاتھ پر ایک شخص دو طوطے اور کارڈ لیے بیٹھا تھا۔ چھوٹا سا بورڈ بھی کھڑا تھا، جس پر دو طوطوں کی تصویر کے ساتھ لکھا تھا "اسلامی فالنامہ"۔ میں نے جھٹ اپنے عزیز کو متوجہ کیا کہ وہ دیکھو "اسلامی فالنامہ"۔ وہ تو رکشا آگے بڑھ چکا تھا۔ مگر ہمارے عزیز نے بتایا کہ بورڈ پر نیچے اس فالنامے کی شرعیت اور فوائد کے متعلق کسی بڑے مفتی صاحب کا فتویٰ اور ارشاد بھی درج تھا۔ "یا للعجب!"

شیش محل روڈ شروع ہوتے ہی ڈرائیور نے اطلاع دی۔ ذرا آگے دائیں کنارے مکتبہ سلفیہ کا بورڈ دکھائی پڑا۔ ہم نے بائیں سامنے اتر کر ایک دوکان والے سے کہا: "ہم حافظ احمد شاکر صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے ایک بچے کو بلا کر کچھ کہا۔ اور چند لمحہ بعد جوانی کی حدود کو چھوتے ہوئے ایک دوسرے بچے نے آکر ہمارا سامان تھامتے ہوئے کہا۔ "آپ فلاں صاحب ہیں، آپ نے بہت انتظار فرمایا۔ تشریف لائیے!" اور وہ ہمیں اندر مڑ کر دو تین مکان کے بعد ایک مکان کی دوسری منزل کے ایک متواضع کمرے میں پہنچایا۔ جہاں ایک اٹھتے ہوئے قامت کے نحیف الجثہ بزرگ تشریف فرما تھے۔ یہ تھے مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی حفظہ اللہ جن کی علمی عظمت وجلالت کا اعتراف عجم ہی کو نہیں عرب کو بھی ہے۔ اور جن کے ذوقِ تحقیق وتصنیف نے اہلِ علم کو نہایت گرانقدر سرمایہ فراہم کیا ہے۔ ساتھ لے جانے والا بچہ مولانا ہی کا پوتا عبادکلہ تھا، جس کے اطوار وگفتار سے سلیقہ مندی اور حسنِ ادب نمایاں تھا۔ چند لمحہ بعد ایک سنجیدہ، قدرے پستہ قد اور باوقار عالم تشریف لائے۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ آپ ہی حافظ صلاح الدین یوسف ہیں۔ موصوف ایک بلند پایہ عالم، اور ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے ایڈیٹر ہیں اور آپ کی عالمانہ تحقیقات سے قارئین محدث بھی واقف ہیں۔ اگرچہ مسلسل سفر کے بعد میں غسل کر لینا چاہتا تھا۔ مگر وقت کی تنگی کے سبب وضو ہی پر اکتفا کرنے کی ٹھہری۔ مولانا کے صاحبزادے حافظ احمد شاکر صاحب بھی تشریف لا چکے تھے۔ موصوف سے ۱۹۶۰ء میں حرم کے اندر ملاقات ہو چکی تھی۔ بڑے تپاک سے ملے۔ اور چند ہی لمحوں بعد جمعہ کے لیے روانگی ہو گئی۔

آج کا دن لاہور کے لیے ایک خاص اہمیت کا دن تھا۔ امام حرم فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ کی آمد آمد تھی۔ وہ سیرت کانفرنس منعقدہ اسلام آباد سے فارغ ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے، اور شاہی مسجد میں جمعہ پڑھانے والے تھے۔ ان کے ہمراہ عراق اور اردن کے چند علماء اور عالمِ اسلام کی دیگر اہم شخصیات بھی تھیں۔ ہم شاہی مسجد پہنچے تو مہمانانِ گرامی کے تعارف اور استقبالیہ تقریروں کا پُرجوش سلسلہ جاری تھا۔ تقریر کے دوران جب بھی پاکستان کے تحفظ وبقا کی دعا کی جاتی، مسجد آمین کی آواز سے گونج جاتی، اور اندازہ ہوتا کہ باشندگانِ پاکستان ملک کی سالمیت اور تحفظ کے سلسلے میں کتنے حساس ہیں۔ استقبالیہ تقریروں کے بعد مہمانانِ گرامی نے یکے بعد دیگرے تقریریں کیں۔ ان کا خلاصہ اردو زبان میں بیان کر دیا جاتا تھا۔ پھر اذان ہوئی تو لوگوں نے

نفلیں پڑھیں۔ اور اس کے بعد امام حرم منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ جامع بغداد کے موذن نے بڑے پُرسوز و پرکشش لہجے میں اذان جمعہ دی۔ پھر حرم کا نغمہ لاہوتی سنائی پڑا۔ امام حرم اپنے معروف وقار میں دریا کی روانی لیے، توحید اور تمسک بالکتاب والسنہ پر نہایت پُرمغز اور جامع تقریر فرما رہے تھے۔ آپ نے پاکستان اور عالم اسلام کے لیے دعائیں کیں۔ پھر نماز پڑھا کر قبلہ ہی کی جانب سے اپنی قیام گاہ تشریف لے گئے۔ کثرتِ ازدحام کے سبب ان تک رسائی ممکن نہ تھی۔ اس لیے آرزوئے ملاقات کے باوجود واپسی کی راہ لی گئی۔ مشرقی دروازے پر کافی انتظار کے بعد باہر آنے کی گنجائش مل سکی۔

شاہی مسجد ہندوستان میں مغل دورِ حکمرانی کی ایک ممتاز اور نادرۂ روزگار یادگار ہے۔ اسے مشہور مسلم حکمران عالمگیر نے تعمیر کرایا تھا۔ شکل و شباہت میں دہلی کی جامع مسجد سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ اسی کی طرح فرش اور بیرونی دیواروں کے پتھر سرخ، اور اندرونی سفید ہیں۔ در و بام اور قبہ و محراب سے تعمیری عظمت و جلال نمایاں ہے۔ ۱۹۷۴ء میں عالم اسلام کی دوسری چوٹی کانفرنس، اسی مسجد میں منعقد ہوئی تھی۔ اسی کے محرابِ امامت کے نیچے مصلی پر بیٹھ کر شاہ فیصل مرحوم نے عالم اسلام کی سلامتی و بہبودی اور خودمختاری و ترقی کے لیے رو رو کر دعائیں کی تھیں۔ یہیں سے ان کا تاریخی خطاب صادر ہوا تھا، اور اسی مسجد میں انہوں نے عالم اسلام کے سربراہوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ اب فرشِ مسجد کے کناروں کی دیواروں کے پتھر کہنگی کا شکار ہونا شروع ہو چکے ہیں۔ مگر حکومتِ پاکستان نے اس کے بدل کے طور پر پتھر چھیل کر مزائک لگوانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس سے دیواروں کا تحفظ بھی ہو جائے گا اور رونق بھی دوچند ہو جائے گی۔ مسجد کے باہر چہار جانب کھلا ہوا وسیع رقبۂ زمین ہے، اور مشرق میں اسے پارک میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جس سے مسجد کے حسن میں مزید نکھار آگیا ہے۔ اگر بقیہ اطراف میں بھی پارک بنا دیے جائیں تو یہ حسن اور دوبالا ہو جائے گا۔ احاطہ مسجد سے متصل شمال میں کشادہ سڑک ہے، جس کے کنارے ایک نہایت لمبا اور خاصا اونچا بورڈ ہے۔ رنگ سیاہی مائل ہرا ہے، اور اس پر نہایت جلی اور خوبصورت حرفوں میں تحریر ہے: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ۔" پہلے سوالیہ جملے کا رسم الخط اردو ہے اور کلمہ کا رسم الخط عربی۔ سڑک کے دوسرے کنارے یادگارِ پاکستان ہے۔ یہ درحقیقت ایک وسیع پارک اور نفیس تفریح گاہ ہے۔ وسط میں ایک اونچے چبوترے پر منارۂ پاکستان ہے، جو بالکل سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اصل منارہ تو نیچے سے اوپر تک یکساں گولائی لیے ہوئے ہے، لیکن اس کے گرد اگرد منارہ کے جزو ہی طور پر نیچے سے مخروطی بلکہ نیم کمان کی شکل میں پائے اٹھائے گئے ہیں جو کچھ اوپر جاکر اوسط گولائی کے ساتھ آخری مرحلے کے قریب تک چلے گئے ہیں۔ مگر خاتمے کے قریب انہیں پھر نیم کمان کی شکل میں سمیٹ کر ختم کر دیا گیا ہے۔ درمیان میں خاص تناسب کے ساتھ تقاطع بھی ہے۔

جس کی وجہ سے یہ منارہ ایک ممتاز اور منفرد شکل اختیار کرگیا ہے۔ نیچے منارے کی اصل گول دیوار اور کھمبوں کی کمان کے درمیان خاصی جگہ بن گئی ہے جسے برآمدہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ گول دیوار پہ نہایت نفیس اردو خط میں ایک جگہ قرارداد پاکستان نقش ہے۔ ایک جگہ ترانہ نیز کئی بعد دیگرے پاکستان کے سلسلے میں تاریخی بیانات کے اقتباسات درج ہیں۔ ایک جگہ بنگلہ زبان میں اور ایک جگہ انگریزی زبان میں قرارداد پاکستان، اور قرارداد دہلی کا اندراج ہے۔ سب کچھ نہایت نفیس اور پرکشش ہے۔ اس پارک میں انسانوں کی بڑی چہل پہل اور رونق رہتی ہے۔

ہم جمعہ سے فارغ ہوکر ٹہلتے ہوئے دارالدعوۃ السلفیہ پہنچے تو عصر کا وقت قریب تھا۔ آج لاہور میں ایک اور تاریخی کام انجام پارہا تھا۔ صوبہ پنجاب کی جماعت اہلحدیث "حرمین شریفین کانفرنس" منعقد کررہی تھی۔ حافظ احمد شاکر بھی اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ انتظامات میں منہمک تھے۔ اسی لیے وہ ہمارے ساتھ نہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب کے بڑے صاحبزادے محاد سلمہ نے (جو ایک ہوشیار، چاک چوبند اور زیرک نوجوان ہیں، اور المکتبۃ السلفیہ لاہور کو بڑی ہنرمندی سے چلارہے ہیں۔) ہمیں بھی وہیں بھیجدیا۔ تانگہ والے نے ہمیں ایک چوک پر اتار دیا، جہاں خاصی بھیڑ تھی، اور اندر کہیں سے ہونیوالی تقریر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یہ لاہور کا مشہور اور مصروف ترین مقام، چوک دالگراں تھا۔ چند لمحوں بعد گجرانوالہ کے محترم ضیاء اللہ کھوکھر صاحب دکھائی پڑے۔ بڑی گرمجوشی سے مصافحہ ومعانقہ ہوا۔ موصوف ۱۹۸۳ء میں بنارس تشریف لاچکے ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ، جمع اور طباعت کا بڑا پاکیزہ اور لطیف ذوق رکھتے ہیں، اور اس سلسلے میں ہر قیمت پر تاریخی نوادرات سمیٹنے کے قائل ہیں۔ اپنے خرچ پر نہایت عمدہ اور گرانمایہ کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اس مقصد سے آپ نے ندوۃ المحدثین کے نام سے گجرانوالہ میں ایک ادارہ بھی قائم کررکھا ہے۔ موصوف سے مل کر روحانی مسرت حاصل ہوئی۔ پھر مزید چند رفقاء بھی آگئے۔ کھانے کے لیے ایک ہوٹل کا رخ کیا گیا۔ اس وقت ٹی وی پر پاکستان اور غالباً نیوزی لینڈ کے درمیان کرکٹ میچ دکھایا جارہا تھا۔ کچھ دیر میں پاکستان کی فتح کے ساتھ کھیل ختم ہوگیا، اور پرکشش نسوانی ترنم ابھرا کہ "چلو چلو چلو کہ منزل بلا رہی ہے" اتفاقاً نظر اٹھی تو دیکھا کہ "اسلامی حسن" بے حجاب مصروف سرود ہے۔

ہوٹل سے چوک دالگراں واپس آئے تو اچانک تین چار افراد سے ملاقات ہوگئی، جن کی پوشاکیں پاکستانی پوشاک سے قدرے مختلف تھیں۔ چہرے پرنور، ایک صاحب کی داڑھی کھچڑی بقیہ دو صاحبان کی بالکل سیاہ، ایک کے ہاتھ میں مشین گن تھی، وہ بالکل نوجوان تھا۔ گرمجوشی سے مصافحے اور معانقے کے بعد تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ صاحبان نورستان سے تشریف لائے ہیں، جہاں دولت اسلامی انقلابی افغانستان کے نام سے اہلحدیثوں کی حکومت قائم ہے، اور یہ اس حکومت کے نمائندے ہیں۔ جن کی داڑھی کھچڑی تھی، وہ محترم مولانا عبداللہ ابن الفضل تھے جو اس حکومت کے قاضی القضاۃ اور وسطی نورستان کے امیر ہیں۔ دوسرے بزرگ جن کی داڑھی سیاہ مگر

عمر قدرے متجاوز تھی، وہ مولانا محمد ابراہیم تھے، جو اس حکومت کے وزیر خارجہ ہیں، اور آخر الذکر رائفل بردار نوجوان کا نام عبدالعزیز ہے، اور وہ سعودی عرب میں اس حکومت کی وزارت خارجہ کے نمائندہ ہیں۔ اس دنیائے خواب وخیال کے معتدر نمائندوں کو اچانک اپنے سامنے پاکر جو بے پایاں مسرت ہوئی، اس کا اندازہ ہر حساس آدمی لگا سکتا ہے۔ آرزو مچلی کہ ان کے ساتھ ایک مجلس گفتگو منعقد کی جائے مگر مجھ سے پہلے خود محترم وزیر خارجہ نے اسی آرزو کا اظہار فرمایا۔ اور دوسرے دن پہلے پہر ملاقات طے ہوئی۔

ان حضرات سے رخصت ہو کر ہم سامنے ہی ایک چوڑی گلی کے اندر گھسے۔ کچھ آگے جاکر کتابوں کے اسٹال نظر آئے۔ انھی میں ایک اسٹال المکتبۃ السلفیہ کا بھی تھا۔ مزید آگے جاکر ایک احاطے کے دروازے میں گھسے، اسے عبور کر چلے تو ایک وسیع وعریض اسٹیج نظر آیا یہ مسجد مبارک کا احاطہ تھا۔ غالباً اسٹیج کے جنوب میں مسجد تھی، جسے بھیڑ کے سبب دیکھا نہ جا سکا۔ مغرب بعد میری خواہش ہوئی کہ ذرا کمر ٹیک لوں کیوں کہ سفر مسلسل اور تنگ وتاز پیہم میں آج تیسرا دن گزر چکا تھا، اور ابھی رات میں تقریر بھی کرنے کا نوٹس مل چکا تھا۔ کمر ٹیکنے کے لیے دار الدعوۃ السلفیہ آنا پڑا۔ پھر کوئی ساڑھے دس بجے ہم دوبارہ چوک دالگراں پہنچے، اور قدرے توقف کے بعد مسجد مبارک کا رخ کیا، گلی کھچا کھچ بھری تھی۔ احاطے کے دروازے میں قدم رکھا تو آگے بڑھنا دشوار نظر آیا۔ مگر ہمارے میزبان ہمیں کسی قدر آسانی سے پہلا مرحلہ پار کرالے گئے۔ البتہ دوسرا مرحلہ جس کے وسط میں اسٹیج تھا، مجھے پار کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر ہمارے میزبان لوگوں کو ہٹاتے کھسکاتے اسٹیج تک اور کئی منٹ بعد اسٹیج پر پہنچانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اسٹیج پر گوشے گوشے سے آئے ہوئے علماء اور اعیان جماعت کا ہجوم تھا۔ ہمارا راستہ اسٹیج کے دائیں سے تھا، سامنے کتنا اور کہاں تک ہجوم تھا، اس کا پتہ لگانا مشکل تھا۔

اسٹیج والے احاطے میں قدم رکھتے ہی دیکھا کہ ایک شخص شلوار اور قمیص پہنے، آستین چڑھائے، انگل ڈیڑھ انگل چوڑی خشخشی داڑھی کی پٹی سجائے، ننگے سر لاؤڈ اسپیکر پر گرج رہا ہے۔ بریلویوں سے اپنا اور اپنی جماعت کا تقابل کرتے ہوئے انھیں للکار رہا ہے، تڑپ رہا ہے اور دھاڑ رہا ہے۔ اچانک اس کی گرج اور تڑپ نے آندھی اور طوفان کا خروش پکڑا، اور اس نے ایک فقرے کے آخری اجزاء ذرا کھینچ کر ادا کیے۔ اتنے میں اسٹیج کے بائیں کونے سے ایک شخص نے گولا پھینکنے کے انداز میں ہاتھ جھٹکا، اور نعرہ لگایا۔ "مسلک اہلحدیث" جواب میں شور بلند ہوا "زندہ باد" پھر نعروں پہ نعرے لگتے گئے۔ "مسلک اہلحدیث! زندہ باد"، "کتاب وسنت! زندہ باد"، "علامہ احسان الٰہی ظہیر! زندہ باد"۔ اس وقفے میں مقرر نے اچھی طرح دم لے لیا تو پھر لاؤڈ اسپیکر کا رخ کیا اور پھر وہی گرج تڑپ، للکار، چیلنج، اور نعرے۔ ہمارے پہنچنے کے کوئی نصف گھنٹہ بعد تقریر ختم ہوگئی۔ مقرر نے ٹوپی لگائی، صدری پہنی، اور بیٹھ گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ کسی کو اسٹیج پر مدعو کیا جاتا، پھر اٹھ گیا، اور بولا۔ "اگر جماعتی اتحاد کے لیے میری قربانی کی ضرورت ہے تو میں اپنے تمام جماعتی عہدوں سے مستعفی ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ اس اعلان سے اسٹیج اور عام سامعین میں تھوڑی جنبش ہوئی۔ میاں فضل حق صاحب کو آوازیں دی گئیں۔

.... انھوں نے بڑھ کر کچھ کہا ۔ اس دوران جنبش ، ہلچل میں بدل چکی تھی ۔ سامعین سب سے استعفاء اور قیام اتحاد کا مطالبہ کر رہے تھے ۔ اسٹیج سے جو کچھ کہا جاتا تھا ، اس پر ہمیں نہیں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں ۔ میاں صاحب کے بعد مولانا معین الدین لکھوی ، مولانا عبد اللہ ، مولانا عبد القادر روپڑی ، مولانا عطاء اللہ ثاقب ، غرض متعدد افراد تشریف لائے ، مگر " شورش " نہ رکی ۔ ایک صاحب نے آکر کچھ مخصوص انداز میں خطبہ اور سورۂ فیل کی تلاوت کی ، مگر انھیں تقریر کیے بغیر ہی بیٹھ جانا پڑا ۔ بالآخر ایک صاحب نے بڑی سنجیدگی سے قانونی پیچیدگیوں کا سہارا لے کر سمجھایا کہ ہم درحقیقت دل سے استعفاء دے چکے ہیں ۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے سلام اور مصافحہ کیا ، گلے ملے ، اور لیک ساتھ ہی ایک لائن میں بیٹھے ہیں ۔ آپ اطمینان رکھیں کہ ایک متحدہ جمعیۃ کا ڈھانچہ تیار کر کے بقیہ جمعیتیں تحلیل کر دی جائیں گی ، یہ ہمارا قطعی فیصلہ ہے اور ہم آپ سے اس کا پورا عہد کرتے ہیں ۔ اس پر عوام نے مطالبہ کیا کہ اس کام کے لیے مدت کی تعیین کر دی جائے ، چنانچہ بڑی رد و قدح کے بعد ایک ماہ یا پندرہ دن کی مدت طے ہوئی ، اور اس پر شورش فرو ہوئی ۔

اب پھر وہی صاحب تشریف لائے ، جنھوں نے سورۂ فیل کی تلاوت کی تھی ۔ اب بھی انداز وہی تھا ۔ خطبہ کے بعد پنجابی زبان میں تقریر شروع ہوئی ۔ رنگ و آہنگ ، للکار و پھٹکار اور چیلنج کا وہی عالم تھا ۔ جو پچھلی تقریر کا تھا ۔ احمد رضا خاں کی تحریروں کے حوالے سے ثابت کیا جا رہا تھا کہ اس مذہب کی بنیاد ، خدا کی توہین ، رسول کے ساتھ گستاخی ، قرآن کے انکار ، صحابہ کی بے ادبی ، اور مسلمانوں کی تکفیر پر ہے ۔ یعنی بریلوی مذہب کے یہی پانچ ارکان ہیں ۔ تقریر مدلل تھی ۔ ہر بات حوالے کے ساتھ کہی گئی تھی ، مگر کھال کھینچنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی جا رہی تھی ۔ اچانک میرے سامنے بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے اسراد نچا کیا ، اور دہاڑ ماری : " مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی " ! اور جواب میں شور بلند ہوا ۔ " زندہ باد " ۔ پھر اسی ردیف اور قافیہ پر کئی نعرے بلند ہوتے چلے گئے ۔ شور ختم ہوا تو میں نے پاس والے صاحب سے عرض کی کہ ابھی دو خصوصی قافیے باقی رہ گئے ہیں ۔ " ایک جوشِ ایمانی اور دوسرا نعرۂ طوفانی " وہ کچھ پٹ پٹا سے گئے ۔

مولانا کی تقریر میں عجیب عجیب لطیفے تھے ، بلکہ خود ان کا سراپا بھی لطیفہ ہی تھا ۔ وہ کبھی سمٹ کر دونوں مونڈھے یوں اچکا لیتے جیسے اڑتا ہوا کبوتر پر سمیٹ کر اتر رہا ہو ۔ عبد الستار نیازی صاحب کا ذکر خیر آیا تو نام لینے کے بجائے یوں تعارف کرایا کہ ایک صاحب جن کا طرہ مینارہ پاکستان بنا رہتا ہے ، اور ساتھ ہی چھڑی کا دستہ اپنی گردن سے چپکا کر اس کا سرا اوپر کی طرف کھڑا کر دیا ۔ اس دلچسپ منظر کشی پر کوئی شخص اپنی ہنسی کیوں کر ضبط کر سکتا تھا ۔ موصوف کی شاید ایسی ہی کچھ جارحیت تھی کہ جس کے نتیجہ میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا اتفاقاً قاتلانہ حملہ ہوا تھا ، اور وہ بُری طرح زخمی ہو گئے تھے ۔ کیوں کہ " جارحیت " تو خالص بریلوی حضرات کا " حق " ہے ۔ وہی ایمان و یقین کے اجارہ دار ، جنت و جہنم کے ٹھیکیدار اور روئے زمین پر اللہ اور اس کے رسول کے واحد خوجدار ہیں ، پھر یہ بات کیوں کر برداشت کی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص ان کے اس حقِ جارحیت میں جو ابا ہی حصہ دار بننے کی جرأت کرے ، مگر مولانا اپنی اس آپ بیتی سے عبرت پکڑ لیتے

کے بجائے بلیے علاج کے بعد شفایاب ہو کر پھر میدان میں اتر پڑے ہیں۔ خدا محفوظ رکھے۔

اس تقریر سے مجھے علم ہوا کہ کچھ عرصہ قبل بریلوی حضرات نے "مجاز کانفرنس" کے نام سے یادگار پاکستان کے میدان میں ایک بڑی زبردست اور اہلحدیثوں کے خلاف حد درجہ جارحانہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا، مگر وہ اس میدان میں منعقد نہ کر سکے، بلکہ اس سے بہت دور اپنی کسی مسجد میں منعقد کیا، اور وہاں بھی خدا جانے کیا گڑبڑ ہوئی کہ ناکام و خستہ حال واپس ہوئے۔ ان کی اسی کیفیت پر یزدانی صاحب نے سورۂ فیل تلاوت کر کے اصحاب فیل کا یہ واقعہ منطبق کیا کہ ابرہہ خانہ کعبہ تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ وادی محسر میں چڑیوں کی کنکر باری کا شکار ہو کر واپس بھاگا۔ اور تباہ ہوا۔

اخیر میں شیخ الحدیث مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری مدعو کیے گئے، دراز قامت، توانا تن و توش، گورے چٹے، پُر وقار اور بڑھاپے کی دہلیز پر قدم جمائے ہوئے۔ آپ کی تقریر اتنی ٹھیٹھ پنجابی میں تھی کہ میں بہت سی باتیں نہ سمجھ سکا۔ بیان میں زور بھی تھا اور وقار بھی، لطائف بھی تھے اور حقائق بھی۔ تلاوت کا انداز ایسا تھا کہ خاتمہ آیات پر پہنچتے تو سامعین کی زبان سے بے ساختہ اللہ اللہ اور سبحان اللہ کے الفاظ نکل جاتے۔

اسٹیج پر خاموشی کے ساتھ اعیانِ جماعت اور اکابر علماء سے میری ملاقات کا اور تعارف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ میاں فضل حق مولانا عبدالرحمٰن مدنی، مولانا عبیداللہ عفیف، مولانا محمد سلیمان انصاری، چوہدری محمد یعقوب، اور یاد نہیں کن کن بزرگان اور اکابر سے نیاز حاصل ہوا۔ خاتمۂ اجلاس کے بعد ہم کوئی ڈھائی بجے اپنی قیام گاہ واپس آئے۔

... ...

دوسرے دن (۳۰ نومبر ۱۹۸۵ء سنیچر) صبح کوئی نو بجے عباد سلمہ تشریف لائے کہ ناشتے کے لیے تشریف لے چلیں۔ ہم دارالدعوۃ السلفیہ سے نکل کر موصوف کے مکان کی طرف جا رہے تھے کہ سامنے سے آتی ہوئی ایک خوبصورت ماڈل کی سُرخ جاپانی کار ہمارے سامنے رکی۔ دیکھا تو نورستانی وفد جلوہ افروز تھا۔ ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ لوگ دارالدعوۃ السلفیہ میں ہمارا انتظار کریں اور ہم ناشتے سے فارغ ہو لیں۔ وفد نے بھی اس پر صاد کیا۔ مگر مجھے گوارا نہ ہوا کہ ایک سلفی حکومت کے وزیر خارجہ اور قاضی القضاۃ کے اوقات کو اپنے ناشتے پر قربان کروں۔ اس لیے چند ہی قدم بعد میں پلٹ آیا، اور پھر سبھی لوگ پلٹ آئے۔ غزنوی خاندان کا قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام یہیں ہے۔ طے ہوا کہ اسی کے ہال میں بیٹھ کر گفتگو ہو کہ یہی پُرسکون جگہ ہے۔ تھوڑی ہی دیر گفتگو ہوئی تھی کہ ایک طالب علم نے آکر کہا کہ مولانا اسحاق صاحب آپ سب حضرات کو اپنے پاس بلا رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ یہیں آکر گفتگو کریں۔ موصوف ضعیف العمر ہیں۔ علوم و فنون خصوصاً حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اس مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ موصوف نے بڑی خاطر تواضع کی، ناشتے کا بدل بلکہ نعم البدل بھی پورا کر دیا۔ ان کے پاس کھلی فضا اور نرم گرم دھوپ میں بیٹھ کر گفتگو کا بھرپور لطف آیا۔ تفصیل اسی شمارے کے عالم اسلام میں ملاحظہ فرمائیں۔

سلیمان علیہ السلام کا واقعہ خلاف عقل نہیں ہے

مولانا محمد امین اثری علی گڈھ :-

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قال سلیمان بن داؤد لا طوفن الليلة على سبعين امرأة تحمل کل امرأة فارسا يجاهد فی سبيل الله فقال له صاحبه قل ان شاء الله فلم يقل فلم تحمل الا واحدة ساقطا احد شقيه فقال النبی صلی الله علیه وسلم لو قالها لجاهدوا فی سبيل الله . (صحیح البخاری کتاب الانبیاء الجلد الاول الجزء ۱۳ ص۴۸۶ مطبوعہ دہلی باب واذکر عبدنا داؤد الآیۃ انہ اواب)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد نے کہا کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے ان سے کہا کہ آپ انشاء اللہ کہیں مگر انہوں نے نہیں کہا (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی خواہش اور تمنا کے مطابق بچے پیدا ہوتے اور وہ سب اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے۔ (بخاری)

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اس حدیث کی بابت فرمایا ہے کہ سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر

کرتے ہوئے کسی موقعہ پر اسے لطور مثال بیان فرمایا ہوگا۔ اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لطور واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں ہوتا اگر بیویوں کی تعداد (۶۰) ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات لغیر دم لئے فی گھنٹہ چھ بیویوں کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا گیارہ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ عقلاً ممکن ہے اور کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واقعہ کے طور پر بیان کی ہوگی۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم ص۳۳۷)

مولانا مرحوم کا یہ کہنا کہ " حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے " قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اگر عام انسانوں کی صحت جسمانی قوت، قوت جماع اور انزال کے سرعت و لطوء پر صاحب تفہیم غور فرماتے تو یقیناً اسے خلاف عقل نہ بتاتے، خصوصًا انبیاء علیہم السلام جن کو کمال صحت اور ضبط نفس کے باوجود عام انسانوں کی بہ نسبت جسمانی قوت، قدرت جماع زیادہ ہوتی ہے۔ اور جماع کی غیر معمولی قدرت وقوت اور اس کے دواعی ہوتے ہوئے، پاکدامنی اور عفت کے ساتھ زندگی گذارنا معجزہ ہے۔ انبیاء میں سے کسی کا قوت تولید (مادہ منویہ) اور انزال میں خصوصیت کے باعث پانچ منٹ یا اس سے کم میں ایک گھنٹہ میں دس بیویوں یا دس گھنٹوں میں یا اس سے کچھ کم میں مذکورہ تعداد سے ملاقات و جماع بعید از عقل نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

وفيه ماخص به الانبياء من القوة على الجماع الدال ذلك على صحة البنية وقوة الرجولية وكمال الرجولية مع ماهم فيه من الاشتغال بالعبادة والعلوم وقد وقع للنبي صلى الله عليه وسلم من ذلك ابلغ المعجزة لانه مع اشتغاله بعبادة ربه وعلومه ومعالجة الخلق كان متقللا من المأكل والمشارب المقتضية لضعف البدن عن كثرة الجماع ومع ذلك ابلغ المعجزة فكان يطوف على نسائه في ليلة بغسل واحد وهن احدى عشرة مرأة وقد تقدم في كتاب الغسل ويقال ان كل من يتقي الله فشهوته اشد لان الذي لا يتقي يتفرج بالنظر ونحوه۔ (فتح الباری انصاری پ۱۳ ص۲۹۲)

ترجمہ :- اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قوت جماع کے معاملہ میں ایک امتیازی خصوصیت
ئی گئی ہے جو ان کی صحت بدن، قوت مردانگی اور کمال رجولیت پہ بین دلیل ہے باوجودیکہ انہیں عبادت اور علوم
انی میں پوری مشغولیت ہوتی تھی اور یہ شان تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں معجزہ کی حد تک پہونچی ہوئی نظر آتی
کیونکہ آپ رب کی عبادت اور علوم دینیہ کی تبلیغ و اشاعت اور خلق خدا کی اصلاح میں ہمہ تن مشغول رہنے
باوجود کم خوراک و کم نوش تھے اور کم خوری بدن کے کمزور ہونے کی مقتضی ہے اور جسمانی کمزوری کثرت جماع سے قاصر
ہنے اور اس کے عدم تحمل کی مقتضی ہے۔ باایں ہمہ آپ ایک شب میں ایک غسل سے اپنی گیارہ بیویوں سے ہم کنار ہوتے
ں کا ذکر کتاب الغسل میں گذر چکا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص جتنا متقی اور پرہیزگار ہوگا اتنا ہی اس کی شہوت
ی تر ہوتی ہے اس لئے کہ جو متقی اور پرہیزگار نہیں ہوتا وہ نظر بازی وغیرہ کے ذریعہ لذت اور مزہ حاصل کرتا رہتا
۔۔اور عینی نے بھی اس کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھا ہے۔

ترجمہ:- اور اس حدیث میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو صحت بدن اور کمال رجولیت کی
صوصیت عطا فرمائی گئی ہے۔ حالانکہ انہیں عبادات کی کوششوں اور محنتوں میں بڑا انہماک ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام
علاوہ دوسرے لوگوں کو اس قسم کے معاملہ میں جماع سے ضعف پیدا ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام
جسموں میں اس قوت کو عام لوگوں کے خرق عادات ودیعت فرمایا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات و دیگر
ت سے حالات میں عام لوگوں سے ممتاز رکھا ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت اس درجہ حاصل ہوگئی کہ آپ
ب رات میں اپنی محبوبیوں سے جماع کریں۔ اور ہر بیوی سے جماع کرنے میں ہر بیوی کے ساتھ انزال بھی ہو۔ روایات
ں ان کے سوا کسی اور شخصیت کے بارے میں اس قسم کی بات صراحتاً وارد نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ
لیہ وسلم کو چالیس آدمیوں کے برابر قوت جماع مرحمت فرمائی گئی تھی اور طبقات میں چالیس لکھا ہے اور مجاہد نے
ہے کہ آپ کو چالیس جنتیوں کی قوت دی گئی۔ اور یہ قوت حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سے بہت زیادہ
ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز سے فراغت حاصل فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات سے ایک غسل سے
قات فرماتے اور پھر جن کی باری ہوتی ان کے پاس رات گذارتے اور آپ کا یہ معمول اس وجہ سے تھا کہ آپ
فوق ازدواج کی ادائیگی پر پوری طرح قادر تھے۔ حالانکہ دوسرا شخص اس کم خوری اور کم نوشی کے ساتھ اس پر

قادر نہیں ہو سکتا اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ازو
پاس تشریف لاتے اور ہر بیوی سے بغیر جماع و مباشرت. بوس وکنار فرماتے جیساکہ دارقطنی نے ابن
سے اور انہوں نے ہشام سے اور ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کیا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ ر
ضعیف ہے اور میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ ہر نبی کو چالیس آدمیوں کے برابر قوت دی گئی
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس نبیوں کی قوت دی گئی تھی. تو یہ قوت سولہ سو آدمیوں کی قوت کے
ہو جاتی ہے اس سے آپ کے صبر و زہد کا اندازہ فرمائیے کہ آپ نے تو بیویوں پر کس طرح قناعت فرمایا ا
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ انبیاء و امم سابقہ کے حالات پر مطلع کئے
(عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۱۶)

اس حدیث سے ایک فائدہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس واقعہ کی بذ
اطلاع دی گئی تھی۔

یہ واضح رہے کہ تھوڑے سے وقت میں اتنا بہت زیادہ کام ہو جانا کسی خاص شخص سے جو ا
نہیں ہوا کرتا ہر گز خلاف عقل اور بعید از امکان نہیں ہے. بالخصوص کسی نبی سے. حضرت داؤد علیہ السلا
متعلق مشہور ہے کہ سواری پر پالان کسنے کے مختصر وقت میں پوری زبور ختم کر لیا کرتے تھے. نیز ہم ا
سے طی زمان و مکان کی صورتیں نئی نئی ایجادات کی بدولت دیکھتے رہتے ہیں. پس حدیث میں حضرت س
السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی ہے اس کے وقوع میں کوئی عقلی استحالہ نہ
ہے. مولانا مودودی مرحوم کا اس کو خلاف عقل کہنا محض اس امر پر مبنی ہے کہ انہوں نے انبیاء کو عام ا
پر قیاس کیا ہے اور ان کے لئے حسی معجزات کے شائد قائل نہیں ہیں۔ عفا اللہ عنہ

یہ پیش نظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے انتہائی خیر خواہ تھے اور آپ کو جوامع الکلم
کیا گیا تھا. آپ کے انداز بیان میں کمال درجہ کی فصاحت اور بلاغت تھی، تاکہ امت آپ کے کلام بلا
التیام کے سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کرے. اور نہ کسی غلط فہمی اور اشتباہ کا شکار ہو۔ نہ آپ
میں کوئی ندولیدگی اور الجھاؤ ہوتا تھا اور نہ آپ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں قاصر و عاجز تھے اور ا
شریف کے راوی خالص عرب تھے تو انہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سمجھنے میں کیسے غلطی ہو سک

ختنہ :
ایک دینی شعار

غازی عزیر ۔ سعودی عرب

ختنہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم : ختنہ (CIRCUMCISION) کا لغوی معنی قلفہ یعنی عضو تناسل کے اگلے حصہ کی جلد جس کو انگلش میں (PREPUCE) کہتے ہیں۔ کاٹ کر علیحدہ کرنا ، ہے ۔ عام اصطلاح میں یہ لفظ جلد کے اس حصہ کے لیے بولا جاتا ہے جو حشفہ (GLANS PENIS) کے نچلے حصہ میں کھسکی ہوئی ہوتی ہے ۔ جسے وہاں سے کاٹ کر جسم سے جدا کیا جاتا ہے ۔ ختنہ ایک معمولی عمل جراحی ہے ۔ کسی آلہ یا معدنی سلائی کی مدد سے حشفہ کے اوپر کی تمام جلد کو آگے کی جانب کھینچ کر استرے سے کاٹ دیا جاتا ہے ۔ خون روکنے اور جلد زخم بھرنے کے لیے کوئی دوا ، یا پاؤڈر یا مرہم لگا کر پٹی باندھ دی جاتی ہے ۔ یہ زخم عموماً ایک ہفتہ میں مندمل ہو جاتا ہے ۔ برصغیر ہندوستان و پاکستان کے اکثر مقامات پر یہ خدمت حجام ، عام جراح یا ہسپتال کا عملہ انجام دیتا ہے ۔

شریعت میں ختنہ یا ختان اس عمل جراحی کے علاوہ اعضائے پوشیدہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے متعلق ہمیں سنتِ نبوی میں واضح طور پر مرتب شدہ احکامات بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : " اذا التقى الختانان فقد وجب الغسل " (رواہ احمد و ترمذی و نسائی) ترجمہ " جب (مرد اور عورت کے) ختنے مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا ۔" ایک اور روایت میں ہے : اذا التقى الختانان وغابت الحشفة فقد وجب الغسل ، انزل او لم ينزل ۔ " (رواہ طبرانی) یعنی " جب (مرد و عورت کے) ختنے اس طرح مل جائیں کہ حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو گیا ، خواہ انزال ہو یا نہ ہو ۔" امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ایک باب اس ضمن میں مقرر فرمایا ہے " اذا التقى الختانان " (صحیح بخاری ، کتاب الغسل) یعنی " جب (مرد و عورت کے) ختنے مل جائیں ۔"

برصغیر ہندوستان وپاکستان میں عموماً ختنہ کو کسی شخص کے مسلمان ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں، بعض عیسائیوں میں بھی ختنہ کروانے کا رواج ہے۔ بعصر حاضر میں اکثر غیر مسلم قومیں بھی اس کے طبی فوائد کے پیش نظر ختنہ کرواتی ہیں۔

اسلام میں ختنہ کی مشروعیت :

احادیث میں جہاں فطرت[1] کے خصائل کا بیان آیا ہے، وہاں ختنہ کا ذکر موجود ہے۔ اس کی مشروعیت پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ :

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : الفطرة خمس او خمس من الفطرة الختان، والاستحداد ونتف الابط وتقليم الاظفار وقص الشارب۔" (صحیح بخاری کتاب اللباس)

ترجمہ : "فطرت پانچ چیزیں ہیں یا پانچ چیزیں فطرت کے تقاضوں سے ہیں، ختنہ کروانا، موئے زیر ناف صاف کرنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھیں چھوٹی کرنا۔"

عمار بن یاسرؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "من الفطرة : المضمضة والاستنشاق وقص الشارب والسواك وتقليم الأظفار ونتف الإبط والاستحداد والاختتان۔"

یعنی (یہ چیزیں) فطرت میں سے ہیں : کلی کرنا، ناک صاف کرنا، مونچھیں چھوٹی کرنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف صاف کرنا اور ختنہ کروانا۔"

ختنہ کی دینی حکمت اور اہمیت :

(۱) ختنہ کروانے میں عظیم دینی حکمت کے ساتھ، صحت و تندرستی کے فوائد بھی شامل ہیں، جن کو علماء اور اطباء نے مفصل طور پر بیان کیا۔

(۲) دینی اعتبار سے ختنہ کروانا اولی واہم ترین فطرت، شعار اسلام اور عنوان شریعت ہے۔

(۳) بعض اہل علم حضرات نے اسے اتمام حنیفیت میں سے قرار دیا ہے، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک پر مشروع فرمایا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ثم اوحينا اليك ان اتبع ملة ابراهيم

---

[1] علمائے اسلام نے فطرت کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک فطرت ایمانیہ، جو قلب سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اور اس پر قطعی و کامل ایمان، دوسری قسم فطرت عملیہ ہے۔ پہلی قسم روح کے تزکیہ اور طہارت قلب سے متعلق ہے، جبکہ دوسری جسمانی طہارت اور تزئین مظہر ہے۔ جسمانی فطرت میں اولیٰ ختنہ کروانا ہے۔ ان احادیث میں فطرت کی اسی دوسری قسم کا بیان ہوا ہے۔

النحل : ۱۲۳) ترجمہ :- "پھر ہم نے وحی نازل کی تم پر (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اتباع کرو دینِ ابراہیم کی جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھے تھے۔" (ترجمہ بمطابق مختصر انگریزی معانی القرآن الکریم لابن کثیرؒ ص ۱۸۰، مترجم ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی المراکشی و ڈاکٹر محمد محسن خان طبع ثانی الفرقہ)

(۴) ختنہ کروانا بدن کی صبغت میں سے ہے، جس طرح کہ مونچھیں چھوٹی کرنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیرِ ناف صاف کرنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا وغیرہ، اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے جس رنگ میں رنگنا چاہے، بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اسی رنگ میں رنگ جائیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ قرآن میں خود ارشاد فرماتا ہے۔ :

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ، (البقرۃ - ۱۳۸) ترجمہ :- "(ہم دین کی) اس حالت پر ہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور ہم اسی لیے ہم اسی کی غلامی اختیار کیے ہوئے ہیں۔" (قرآن کریم مع اختصار شدہ ترجمہ و تفسیر بیان القرآن از اشرف علی تھانوی ص ۱۸ طبع ۱۹۸۳ء)

(۵) ختنہ کروانا اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت کا اقرار و اعتراف، اس کی ہمہ گیر سلطانیت کے اوامر و احکام کا انسانی زندگی میں مکمل نفاذ، اس کی منشا و رضا جوئی میں خضوع کی بہترین مثال ہے۔

(۶) اگر اولاد نرینہ ہو تو اس کا ختنہ کروانا نومولود کے حقوق میں شامل ہے۔" (ماہنامہ میثاق لاہور ج ۳۰ عدد ۱۷۱، شمارہ ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ، مضمون : اسلام اور حقوقِ اطفال، مرتبہ: غازی عزیر)

(۷) ختنہ کروانا مسلمانوں کو غیر مسلم قوموں اور ادیانِ مختلفہ کے طور طریقوں سے ممیز و ممتاز کرتا ہے۔

ختنہ کروانا سُنّت ہے یا واجب؟ فقہاء کی آراء کی روشنی میں :

فقہاء کے مابین اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ختنہ کروانا آیا سنت ہے یا کہ واجب؟ جو فقہاء ختنہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں، ان میں امام حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور بعض ائمہ حنابلہ ہیں اور جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں، ان میں امام شعبیؒ، امام ربیعہؒ، امام اوزاعیؒ، امام یحییٰ بن سعید انصاری، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ہیں۔

سید قاسم محمود صاحب، مدیر شاہکار فاؤنڈیشن کراچی لکھتے ہیں : "امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے علماء کے

نزدیک ختنہ واجب ہے۔ امام مالکؒ اور اکثر علماء کے نزدیک سنت ہے ؎ "موصوف کی تحقیق امام مالکؒ کے متعلق غلط اور ناقص ہے۔ امام مالکؒ نے ختنہ کے وجوب کے موقف میں اس قدر شدت اختیار فرمائی ہے کہ ان کے نزدیک غیر ختنہ شدہ شخص کی نہ امامت جائز ہے اور نہ اس کی شہادت مقبول ہے"

ختنہ کے سنت ہونے کے دلائل اور ان کا جائزہ :

ذیل میں ہم ان فقہاء کی دلیلیں پیش کرتے ہیں جو ختنہ کروانے کو سنت قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان کی دلیلوں کا علمی جائزہ بھی پیش خدمت ہے۔

ان کی پہلی دلیل شداد بن اوس کی وہ روایت ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الختان سنة للرجال، مكرمة للنساء" (رواہ امام احمد) ترجمہ " ختنہ مردوں کے لیے سنت اور عورتوں کے لیے مکرمت (عزت) ہے"

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کو حدیث فطرت میں مسنونات مثلاً ناخنوں کو تراشنا بغل کے بالوں کو اکھاڑنا اور موئے زیر ناف صاف کرنا وغیرہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ختنہ بھی ان دوسری مسنونات کی طرح سنت ہے نہ کہ واجب۔

ایک تیسری دلیل امام حسن بصری کے اس قول سے پیش کی جاتی ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، رومی ہوں یا فارسی اور حبشی .... لیکن (یہ ثابت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو مسلمان کرتے وقت اس امر (یعنی ختنہ) کی تحقیق و تفتیش کی گئی ہو۔" چنانچہ اگر ختنہ کروانا واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب لوگوں کا اسلام قبول نہ فرماتے حتیٰ کہ وہ سب لوگ ختنہ کروا لیتے۔ یہ بات بھی ختنہ کے سنت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اگر ختنہ کے سنت ہونے کی ان تینوں دلیلوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی قطعی حکم ثابت کرنے کے لیے قوی نہیں ہے۔ حدیث: "الختان سنة للرجال مكرمة للنساء" کے متعلق محدثین اور محققین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور تمام فقہاء کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ ضعیف احادیث سے احکام شرعیہ کے استنباط میں احتجاج نہیں کیا جائے گا۔ بعض لوگ اس حدیث کے ضعف سے انکار کرتے

؎ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۸۴۴ مطبع شاہکار فاؤنڈیشن کراچی۔

ہیں شاذ۔ اگر ان کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس حدیث سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کو سنت بتایا ہے لیکن چوں کہ اس کا حکم بھی دیا ہے، اس لیے آپ کا حکم فرمانا اس کے وجوب کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

ختنہ کو سنت قرار دینے والوں کی دوسری دلیل بھی زیادہ قوی نہیں ہے کیوں کہ محولہ حدیثِ فطرت میں چند ایسی چیزیں بھی مذکور ہیں جو واجب ہیں مثلاً "غسل کے دوران کلی کرنا اور ناک کی صفائی کرنا۔ ان واجبات کے ساتھ اس حدیث میں بعض چیزیں مستحب بھی ہیں، مثلاً مسواک کرنا اور ناخن تراشنا وغیرہ۔ پس جس حدیث سے احتجاج کیا گیا ہے اس میں دونوں قسم کے امور مذکور ہیں، یعنی جو واجب ہیں وہ بھی اور جو مستحب ہیں وہ بھی۔ علاوہ ازیں طہارت کی حکمت کے لیے بھی ختنہ وجوب کا متقاضی ہے، کیوں کہ ختنہ نہ ہونے کی صورت میں اکثر اوقات قلفہ کے اندر غلاظت باقی رہ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

ختنہ کے سنت ہونے کی تیسری دلیل جس میں امام حسن بصریؒ کے قول سے احتجاج کیا گیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا تھا وہ تمام ختنہ کی تحقیق و تفتیش سے مستغنی تھے۔ مستند ماخذ سے ثابت ہے کہ سب عرب "قاطبۃ" دورِ جاہلیت میں ختنہ کرواتے تھے۔ اسی طرح یہود میں بھی قاطبۃً ختنہ کرایا جاتا تھا[2]۔ چنانچہ سوائے بعض عیسائیوں کے کوئی بھی شخص غیر مختون نہیں ہوتا تھا۔ کیوں کہ عیسائیوں

---

[1] جو لوگ اس حدیث کے ضعف کو تسلیم نہیں کرتے ان کی دلیل محض حافظ ابو العلاء ہمدانی کا وہ مشہور قول ہے کہ: "مسند احمد میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔" لہٰذا یہ روایت بھی صحیح ہے۔ لیکن امام ابن الجوزیؒ مسند احمد کے متعلق کہتے ہیں کہ "اس میں بھی بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں، جن کے متعلق حتمی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں۔" امام ابن الجوزیؒ کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جس کے بطلان پر دلیل قائم ہو جائے اگرچہ اس کے راوی نے عمداً غلط بیانی نہ بھی کی ہو، بلکہ سہو کا شکار ہوا ہو۔ جبکہ حافظ ابو العلاء ہمدانی کی اصطلاح میں موضوع وہی حدیث ہے جس کے راوی نے اسے قصداً گھڑا ہو۔ امام ابن الجوزیؒ حنبلی بغدادی نے اپنی مشہور کتاب "موضوعات" میں بہت سی موضوع احادیث کے ساتھ مسند امام احمدؒ کی بھی بعض حدیثیں لکھی ہیں اور حق یہ ہے کہ موضوعات کے باب میں ابن الجوزی کی رائے باتفاق علماء صحیح ہے۔

[2] امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت بحوالہ ابو سفیان بن حرب نقل کی ہے جس میں ابن ناطور اور ہرقل کا مکالمہ مذکور ہے، جس سے اہل عرب اور یہودیوں کا ختنہ کروانا واضح ہوتا ہے: ←

میں بھی دو فرقے تھے ۔ ایک فرقہ ختنہ کرواتا تھا، دوسرا اس کو ضروری تصور نہیں کرتا تھا ۔

امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " عہد نبوی میں جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا، وہ بھی اور جو نہیں ہوتا تھا وہ بھی، دونوں اسلام کے بنیادی اور ابتدائی علوم سے واقف ہوتے تھے ۔ ختنہ کو شعار اسلام اور غسل کو اسلام کا بنیادی و ابتدائی فریضہ تصور کرتے تھے ۔ اگر قبول اسلام سے قبل واقف نہ بھی ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان چیزوں کو جان لیتے تھے ۔ " (تحفۃ المودود فی احکام المولود للامام ابن القیم ؒ ص ۱۰۴ بالاختصار)

امام ابن القیم ؒ کے مندرجہ بالا قول کی تائید ھشیم بن کلیب اور الزہری کی روایات سے بھی ہوتی ہے، جن کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا ۔ فی الحال یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمیشہ امت کی خیر و سعادت اور امت مسلمہ کو دوسری امتوں سے ممیز و ممتاز ہو سکنے کی جانب رشد و ہدایت فرمائی ہے لہذا آپ کا طریق و منہج بجائے بحث و تنقیب یا تحقیق و تفتیش کے یہ تھا کہ جو شخص آپ کی دعوت پر لبیک کہتا، آپ اس کے ظواہر پر اس کا اسلام لانا قبول فرماتے اور اس کے دل کے باطنی احوال یا پوشیدہ راز اور عزائم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے تھے ۔

← فقال لهم حين سألوه إني رأيت الليلة حين نظرت في النجوم ملك الختان قد ظهر فمن يختتن من هذه الامة قالوا ليس يختتن الا اليهود فلا يهمنك شانهم واكتب الى مداين ملكك فليقتلوا من فيهم من اليهود فبيناهم على امرهم اتى هرقل برجل ارسل به ملك غسان يخبر عن خبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما استخبره هرقل قال اذهبوا ، فانظروا امختتن هو ام لا فنظروا اليه فحدثوه انه مختتن وسأله عن العرب فقال هم يختتنون فقال هرقل هذا ملك هذه الامة قد ظهر الخ ۔ (صحیح بخاری کتاب الوحی) ترجمہ : " ہرقل، نے اپنے مصاحبین کے استفسار پر بتایا کہ میں نے جب رات کو تاروں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ایک ختنہ کرنے والا بادشاہ غالب آگیا ہے ۔ (یہ پتہ چلاؤ) کہ اس زمانے میں کون ختنہ کرواتا ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے لیکن یہود سے آپ کوئی خطرہ محسوس نہ کریں اور اپنے ملک کے تمام بڑے شہروں میں اطلاع کر دیجیے کہ تمام یہودی قتل کر دیے جائیں ۔ ابھی وہ لوگ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ہرقل کی خدمت میں ایک شخص حاضر کیا گیا، جسے والیٔ غسان نے بھیجا تھا ۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ بیان کیا تو ہرقل بولا ، جاؤ اور دیکھو کہ کیا وہ ختنہ کیے ہوئے ہے ؟ لوگوں نے اس کو دیکھا تو بیان کیا کہ وہ ختنہ شدہ ہے ۔ ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ لوگ بھی ختنہ کرتے ہیں ؟ اس نے بتلایا کہ ہاں، تب ہرقل بولا کہ یہی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آج کے دور کا بادشاہ ہے جو ظاہر ہو گیا ہے ۔ الخ "

ختنہ کے واجب ہونے کے دلائل :

اب ان فقہاء کی چند دلیلیں پیش ہیں جو ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

(۱) عثیم بن کلیب اپنے دادا کے متعلق اپنے والد کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے فرمایا : الق عنک شعر الکفر واختتن » (رواہ احمد و ابوداؤد) یعنی « اپنے عہدِ کفر کے (سر کے) بال منڈاؤ اور ختنہ کراؤ۔ »

(۲) زہری سے روایت ہے کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : « من اسلم فلیختتن وان کان کبیراً (رواہ حرب فی مسائلہ) یعنی « جو شخص اسلام قبول کرے وہ ختنہ بھی کرالے اگرچہ کبیر السن ہی ہو۔ »

(۳) وکیع نے سالم ، عمرو بن ہرم ، جابر اور زید کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ « ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : الاقلف لا تقبل لہ صلاۃ ولا تؤکل ذبیحتہ » یعنی غیر ختنہ شدہ شخص کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ اس کا ذبیحہ کھانا چاہیے ۔

(۴) موسیٰ بن اسماعیل نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے : ان الاقلف لا یترک فی الاسلام حتی یختتن » (رواہ البیہقی) یعنی « غیر ختنہ شدہ شخص کا اسلام میں کوئی ترکہ نہیں ہے تا آنکہ وہ ختنہ کرالے ۔ »

(۵) خطابی کا قول ہے : « ختنہ ایک ایسی شے ہے جو جملہ کتب سنن میں مذکور ہے ۔ کثیر تعداد میں علماء کے نزدیک یہ واجب اور دینی شعار ہے ۔ یہ وہ چیز ہے جس سے مسلم کو غیر مسلم سے پہچانا جاسکتا ہے ۔ اگر کسی ختنہ شدہ شخص کی نعش غیر ختنہ شدہ مقتول اشخاص کی جماعت کے درمیان پائی جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس نعش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا ۔ »

(۶) ختنہ کے وجوب کے لیے فقہاء نے یہ علت بھی بیان کی ہے کہ : « چوں کہ قلفہ عضوِ تناسل کے تقریباً اگلے نصف حصہ کو اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے ۔ اس لیے جب غیر ختنہ شدہ شخص پیشاب کرتا ہے تو قلفہ کے اندر لگے ہوئے پیشاب کے باقی قطرات کا پانی یا مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کیا جانا ممکن نہیں ہے ۔ کیوں کہ ایسی صورت میں نہ تو پانی ہی قلفہ کے اندر پہنچ کر نجاست کو دور کرتا ہے اور نہ ہی مٹی کا ڈھیلا قلفہ کے اندر کی نجاست کو جذب کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ پس ایسے شخص کی طہارت موقوف ہونے کے باعث اس کی نماز میں فساد واقع ہوتا ہے ۔ چنانچہ بہت سے سلف و خلف نے ایسے شخص کی امامت سے منع کیا ہے ، مگر بحیثیت مقتدی اس کی نماز کو معذور کی نماز تصور

کیا ہے اور اس کی طہارت کی عدم صحت کو سلس البول[1] کی بیماری پر قیاس کیا ہے۔"

(۷) عبدالرحمٰن الجزیری بیان کرتے ہیں: "حنفیہ کے نزدیک غسل کے دوران غیر ختنہ شدہ شخص کے لیے قلفہ کی جلد کے اندر پانی داخل کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرے تو یہ اس کے لیے مستحب ہے[2]۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک قلفہ کے نیچے پانی کا پہنچنا واجب ہے..... اگر کوئی شخص غیر ختنہ شدہ مرجائے تو اس کو بغیر نماز (جنازہ) کے دفن کیا جائے، لیکن بعض شوافع کا قول ہے: کوئی شخص تیمم کرکے اس کی نماز (جنازہ) پڑھ لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک ختنہ کروانا واجب ہے۔ اس دور میں یہ منتقیات صحت میں سے بھی ہے۔ لہٰذا جو شخص ختنہ نہ کروائے وہ نرا جاہل ہے[3] اور حنابلہ کے نزدیک غسلِ جنابت کے دوران ظاہری بدن میں قلفہ کے اندر بھی پانی پہنچانا شامل ہے۔"[4]

(۸) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ (النحل: ۱۲۳) یعنی "پھر ہم نے وحی نازل کی تم پر (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اتباع کرو دینِ ابراہیمؑ کی جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھے تھے۔"

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی تمام امت دینِ ابراہیم کی اتباع پر مامور ہیں۔ چونکہ ختنہ کروانا دینِ ابراہیم علیہ السلام میں سے ہے، اس لیے اس امر کی اتباع بھی امتِ محمدیہ پر واجب ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ختنہ کے متعلق امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ بالقدوم۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء) ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں[5] بسولے سے اپنا ختنہ کیا تھا۔"

---

[1] سلس البول ایسی بیماری کو کہتے ہیں، جس میں مثانہ کی کمزوری کے باعث مریض کو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پیشاب کے چند قطرات باوجود ضبط کرنے کے نکلتے رہتے ہیں۔ [2] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۱۱۲ طبع استنبول۔ [3] ایضاً ص ۱۱۴ ج ۱ [4] ایضاً ص ۱۱۵ ج ۱۔ [5] سید قاسم محمود صاحب نے حضرت ابراہیمؑ کے ختنہ کے وقت ان کی عمر کے متعلق لکھا ہے: "ابن سعد نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں ہو چکا تھا۔" (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۴۲۴ مطبع شاہکار فاؤنڈیشن کراچی) یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے : "آپ حضرت ابراہیمؑ ، ہی وہ پہلے شخص تھے جس نے مہمان کی میزبانی کی ، آپؑ ہی پہلے شخص تھے جس نے پاجامہ زیب تن فرمایا اور آپ ہی پہلے شخص تھے جس نے ختنہ کیا ۔ آپؑ کے بعد تمام رسولوںؑ اور ان کی امتوں میں جنھوں نے آپ کی اتباع کی ختنہ کی یہ سنت جاری رہی ، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ۔ "

(۹) ابو ایوب سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں سنن المرسلین ہیں : ختنہ کروانا[1] عطر لگانا ، مسواک کرنا اور نکاح ۔ " (رواہ ترمذی واحمد)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ختنہ کروانا سب سے اہم فطرت ، شعار اسلام ، عنوان شریعت اور تمام مسلم مردوں پر واجب ہے ۔ جو شخص مسلم ہونے کے باوجود اس بات کا علم نہ رکھے اور بلوغت سے قبل اپنے اوپر اس حکم کا نفاذ نہ کرے ، وہ گنہ گار ، معصیت کا مرتکب ، ناپاکی اور حرام در زمیں واقع ہو گا ۔ ۔ ۔ (باقی آئندہ)

---

[1] بعض نسخوں میں "ختنہ" کی جگہ "الحیاء" اور بعض میں "الحنا" وارد ہوا ہے ، لیکن ابو الحجاج المزی کی تحقیق کے مطابق ان نسخوں میں "الحیاء" اور "الحنا" دونوں غلط ہیں ۔ شیخ محاملی سے ثابت ہے کہ انھوں نے حدیث میں لفظ "الختان" اپنے شیخ سے روایت کیا ہے ، جس سے امام ترمذی نے بھی روایت لی ہے ۔ تفصیل کے لیے تحفۃ المودود فی احکام المولود مصنفہ امام ابن القیمؒ ص ۹۳ ملاحظہ فرمائیں !

کل نفس ذائقۃ الموت

یہ خبر بڑے حزن وملال کے ساتھ دے رہا ہوں کہ حافظ مقتدیٰ حسن ازہری وکیل الجامعۃ السلفیہ بنارس کے والد بزرگوار جناب الحاج محمد یسین صاحب مورخہ ۷ جنوری ۱۹۸۶ء بوقت صبح سات بجے اس دار فانی سے دار البقاء کی جانب رحلت فرماگئے ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ انتقال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی اور ہر خاص وعام پر اداسی کی لہر دوڑ گئی اور ایک کہرام بپا ہو گیا ۔ کیوں کہ آپ کا وجود نیکیوں کا وہ شیریں چشمہ تھا ، جس سے ہر عقیدہ وخیال کے لوگ سیراب ہو رہے تھے ۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے ۔ ہر نیک کام میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے ۔ دینی کتابوں کا مطالعہ آخری دم تک جاری تھا ۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے فرزندان ولواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ۔

مرسلہ : مقصود وفوزان احمد ازہر لائبریری
ڈومن پور ، مبہ ۔ مئو ناتھ بھنجن

قسط (۳)

مُصافحہ مُلاقات

کی شرعی حیثیت وکیفیت

مُصافحہ حمّاد بن زید کی حقیقت: قدرت الٰہیہ کا بھی دستور نرالا ہے۔ بڑے بڑوں سے بھی موٹی موٹی غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں۔ اور کوئی بھی انسان خطاء و نسیان سے پاک نہیں، حضرت علامہ مرحوم نے بخاری شریف کے "باب الاخذ بالیدہ سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے:

صافح حماد بن زید ابن المبارك بيديه۔ حماد بن زید نے ابن المبارک سے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اور اس سے ثابت کیا ہے کہ:

"تابعین کے دور میں بھی یہی "تثنیہ والا" طریقہ رائج تھا۔" (مجموعہ فتاویٰ)

حالانکہ حماد بن زید نہ تو صحابی ہیں نہ ہی تابعی۔ اور عبداللہ ابن المبارک بھی نہ صحابی ہیں نہ تابعی۔ بلکہ یہ دونوں ائمۂ اسلام "تبع تابعین" ہیں۔ چنانچہ حماد بن زید ۹۸ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ آخر وقت میں نابینا ہوگئے تھے شاید اسی وجہ سے انہوں نے ہاتھ ملاقات کے وقت استعمال کیے نہ کہ بیناؤں کی طرح مصافحہ کی غرض سے۔ نیز عبداللہ بن المبارک بھی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

تنبیہ: امام بخاریؒ کا اس واقعہ کو اپنی جامع میں درج کر دینا اس کے قابلِ استدلال ہونے کی دلیل نہیں اولاً یہ حضرات "ہم رجال ونحن رجال" کے قبیل سے ہیں۔

غور کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے اس واقعہ کو تردیداً نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ سہارنپوری اپنے حاشیہ بخاری کے ص ۹۲۶ پر رقم فرماتے ہیں: وقوله. صافح حماد بن زید ابن المبارك .... مات سنة ۱۸۱ھ وله (۹۳) ....

وقال البخاري في ترجمة عبد بن سلمة المروزي حدثني اصحابنا يحيى وغيره عن اسمٰعيل بن ابراهيم قال رايت حماد بن زيد وجاءه ابن المبارك بمكة فصافحه بكلتا يديه ويحيى المذكور ابوجعفر البيكندي وقد اخرج الترمذي من حديث ابن مسعود رفعه من تمام التحية الاخذ باليد وفي سنده ضعف. ا ه

یعنی امام بخاری نے عبد بن مسلمہ المروزی کے ترجمہ میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے ہمارے ساتھی یحیی وغیرہ نے اسمٰعیل بن ابراہیم کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حماد بن زید کو دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک ان کے پاس مکہ میں آئے تو انھوں نے عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور یحیی مذکور ابوجعفر البیکندی ہے اور حال یہ ہے کہ امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ "سلام کا تکملہ ہاتھ پکڑنا ہے۔" اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ اھ

ناظرین کرام! حضرت محدث سہارنپوری کے طرز بیان اور امام بخاری کے طرز ترتیب پر غور کرو! جملہ "صافح حماد بن زید الخ" میں مصافحہ اور اس کی کیفیت کا بیان ہے۔ لیکن امام بخاری اس کو باب المصافحہ میں نہیں لاتے بلکہ لاتے ہیں "باب الاخذ بالید" میں۔ کیوں کہ یہ واقعہ باب مصافحہ میں ذکر کے لائق نہیں۔ ایک تو تبع تابعی کا عمل، دوسرے امر محدث۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری کے نزدیک حماد کا عبداللہ بن مبارک کو پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے پکڑنا مصافحہ ہے ہی نہیں، بلکہ "اخذ بالید" ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس کو "الاخذ بالید" میں بیان کیا۔

نیز پڑھنے والوں کو یہ بھی گمان ہو سکتا ہے کہ جب اسلاف میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا دستور تھا تو اسماعیل کو اتنی صراحت کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ "عبداللہ بن مبارک حماد بن زید کے پاس مکہ میں آئے تو حماد نے عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔" یہ تصریح و وضاحت اسی وقت زیب دیتا ہے جبکہ اسلاف میں مصافحہ متوارثہ کی طرح ایک ہاتھ ہی سے مصافحہ ہوتا رہا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ "صافح حماد" کے بعد "فذا فرج الترمذی" سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہی کہ یہ مقصد تو نہیں کہ حماد بن زید کا یہ عمل حدیث مرفوع کے خلاف ہے، کیوں کہ سلام کی تکمیل دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنے سے ہوتی ہے۔ دونوں ہاتھوں سے پکڑنے سے نہیں۔

بعض لوگوں نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے استحباب پر ابوامامہ رض کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں "لم تفترق اکفہما" کا لفظ وارد ہے، ان کا کہنا ہے کہ لفظ "اکف" "کف" کی جمع ہے، جس کا اطلاق کم از کم تین ہتھیلیوں پر ہوگا اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ملاقاتی جب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی چاروں ہتھیلیاں آپس کے اتصال سے جدا ہونے کے قبل ہی ان دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے، لہذا مصافحہ میں کم از کم تین ورنہ چار ہتھیلیوں کا باہم اتصال ضروری ہے ورنہ لفظ "اکف" کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں وارد لفظ "اکف" اگرچہ لفظ جمع ہے مگر معنیً یہ تثنیہ ہے۔ کیونکہ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ جب تثنیہ کو تثنیہ کی طرف مضاف کرنا ہوتا ہے تو پہلے لفظ تثنیہ کو لفظ جمع سے بدل کر مضاف کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا" اور "فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کے اندر ہوا ہے کہ لفظ قلوب اگرچہ لفظاً جمع ہے مگر معنیً تثنیہ ہے، اور لفظ "ایدی" جمع ہے مگر معنی کے اعتبار سے تثنیہ اور صرف دونوں ہاتھ کے معنی میں ہے۔ ——— اور یہ مسئلہ بدیہی اور عام فہم ہے کہ کسی بھی انسان کے اندر دو دل نہیں ہوتے اور نہ ہی چور کے سارے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث الرحمانی المبارکفوری دامت برکاتہ الفاظ حدیث "ترفعان اصواتکما فی مسجد" کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

عبر باصواتکما بالجمع دون صوتیکما بالتثنیة لان المضاف المثنی معنی اذا کان جزء ما اضیف الیه فالاصح الاجود الافصح ان یذکر بالجمع کقوله تعالیٰ:
"فقد صغت قلوبکما" ویجوز افراده نحو اکلت رأس شاتین والتثنیة مع اصالتها قلیلة الاستعمال وان لم یکن جزءه فالاکثر مجیئه بلفظ التثنیة نحو سل الزیدان سیفیهما وان امن اللبس جاز المضاف بلفظ الجمع کما "یعذبان فی قبورهما" قاله المالکی، انتهی ([illegible] ۴۸۹)

اس سلسلے میں حضرت علامہ عبدالحی مرحوم سے ایک بات مضحکہ خیز نکل گئی ہے، وہ یہ ہے کہ:

اگر کسی جگہ حدیث صحیح صریح سے یہ ثابت ہو جائے کہ "ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے" تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا ہوگا اور اس تصریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہیے۔

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیے۔

ایرے غیرے، مجہول الذات والصفات دو ایک فقیہوں کے قول کو چھوڑنے کے لیے تو "حدیث صحیح صریح" کی مانگ کرتے ہیں لیکن صاحب قنیہ "جیسے مجہول الدین والمذہب، دیانت وامانت" کی بات کی ترجیح دکھنے کی خاطر سارے ائمۂ لغات وشراح حدیث کی تشریحات اور قرائن ونظائر اور شواہد پس پشت پھینک کر "حدیث صحیح صریح" کا مطالبہ۔؟

ایں ہمہ بوالعجبی است۔

محزومنا! صلوٰۃ الرغائب، نماز غوثیہ، صوم چشتیہ، زکوٰۃ قادریہ وغیرہ جیسی بدعتوں اور ایجادوں کو کن "احادیث صحیحہ صریحہ" کی بنا پر مردود قرار دیا جاتا ہے۔؟

تثویب، اعلام بعد اعلام، قبروں پر اذان، مردوں کو تلقین وغیرہا منکرات کی حرمت میں کتنی آیتیں، کتنی حدیثیں صحیح وصریح ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس قسم کے تنکے کے سہارے مسائل شرعیہ کی بنیاد نہیں ہوا کرتی اور: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مروجہ کی مسنونیت ومشروعیت کے لیے ہی حدیث صحیح صریح کی ضرورت ہے، قنیہ ومنیہ والوں کا قول شرعیات میں حجت نہیں:

تکملہ وتدارک: اسلاف میں سے تو نہیں، ہر اخلاف الاخلاف، سے بعض لوگوں نے "مصافحہ بہردو دست" کی مسنونیت ثابت کرنے کی غرض سے بخاری شریف کا ترجمہ ابواب بھی "تحفۂ دمشق" بنا رکھا ہے، لکھتے ہیں:

"باب مصافحہ کے بیان میں!

"حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے کر مصافحہ کیا۔

"باب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے بیان میں اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اس حدیث میں جو مصافحہ کا ذکر ہے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے بیان میں ہے۔ اس کو اہلحدیث صاحبان کیوں نہیں مانتے، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کا باب باندھا ہے اور اس کے بعد مصافحہ کی حدیث کو بیان فرمایا ہے، اس کے بعد دوسرا باب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے بیان میں باندھا ہے۔ یہ کتاب حدیثوں کی تمام کتابوں میں فضیلت رکھتی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تمام محدثین میں ممتاز ہیں۔ پھر بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ نہ کرنا ضد نہیں تو اور کیا ہے؟" (ص ۶۷ اہلسنت، اہلحدیث کا اختلاف۔) [1]

یہ چند سطریں مولف رسالہ کے رشحات قلم کا نمونہ ہیں بس ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

جائزہ: خوبصورت کتاب، مشہور مولف کی وجہ سے اس مضمون کو پڑھنے والے عام حضرات تو یہی سمجھے ہوں گے کہ مولف و مرتب کتاب نے باتیں جچی تلی، ٹھوس اور حقیقت لکھی ہوں گی، انھیں کیا معلوم کہ اس "کمال پھل" کی حقیقت کیا ہے! ــــــ جہل مرکب لا علاج مرض ہے، البتہ جہل سادہ، کا نسخہ شفاء ہدیۂ ناظرین ہے۔

تذکرہ ترجمۃ الباب بخاری: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الجامع الصحیح" میں ایک باب منعقد کیا ہے "باب المصافحہ" اور اس باب کے تحت ذکر کی ہیں دو حدیثیں تعلیقاً اور دو حدیثیں موصولاً۔ حدیث اول ہے "وقال ابن مسعود علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد وکفی بین کفیہ۔ الحدیث۔

اور حدیث ثانی ہے "وقال کعب بن مالک دخلت المسجد فاذا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام الی طلحۃ بن عبید اللہ یہرول حتی صافحنی۔

اور حدیث ثالث ہے: "قتادۃ قال قلت لانس اکانت المصافحۃ فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم!

اور حدیث رابع ہے: "عبد اللہ بن ہشام قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو آخذ بید عمر بن الخطاب۔

ان حدیثوں میں سے پہلی حدیث کا مفہوم صرف یہ ہے کہ "حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضور ؐ نے تشہد ان کا ایک ہاتھ

---

[1] خط کشیدہ الفاظ مولف کے اپنے ہیں۔ امام بخاری کے نہیں۔

اپنے دونوں ہاتھ کی گرفت میں لے کر سکھایا اور بس! اس حدیث کو مصافحہ سے کوئی لگاؤ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی کیفیت و طریقہ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ائمہ احناف نے تشریح فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہوں ہدایہ۔ فتح القدیر وغیرہ)

اور دوسری حدیث میں صرف اثبات مصافحہ کا ذکر ہے نہ کمیت کا نہ کیفیت کا!۔

البتہ چوتھی حدیث "وهو آخذ بيد عمر بن الخطاب" میں حضور کے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑنے کی کیفیت کا ذکر ہے، جس سے صراحۃً "مصافحہ بیک دست" کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن محترم..... صاحب اس کو گول کر گئے اور اور امام بخاری کو سبق پڑھانے لگے کہ حدیث ابن مسعود میں یہ جملہ بھی آپ کو تحریر کرنا چاہیے تھا "لے کر مصافحہ کیا" اس باب اور اس کے تحت حدیثوں کے ذکر کے بعد امام موصوف ایک اور باب منعقد فرماتے ہیں:

"باب الاخذ باليدين" "دونوں ہاتھوں سے پکڑنے کا بیان"

اور اس کے تحت لاتے ہیں وہی ملفوف العبرا بیا "حماد بن زید کے عبداللہ بن مبارک کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پکڑنے کا واقعہ" اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہی سابق حدیث "علمنی رسول الله" موصولاً، جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک حدیث ابن مسعود اور "صافح حماد" کا تعلق مصافحہ ملاقات سے نہیں ہے بلکہ "الاخذ بالید" ہاتھ پکڑنے سے ہے۔"

ہم اس کو موصوف صاحب کی جرأت رندانہ نہیں تو اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ موقع بہ موقع تحریف سے نہیں چوکتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی چال چل گئے اور (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ) کا لفظ اپنی طرف سے ٹھونس دیا۔

بخاری شریف کا ترجمۃ الباب حضرت محدث سہارنپوری کی نظر میں

حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ علماء دیوبند کے مستند مقتدا ہونے کے ساتھ ساتھ عام اہل علم کی نظروں میں بھی معزز و محترم ہیں گویا اہل علم و دانش کے مجمع علیہ۔ صاحب علم و فضل ہیں۔ اس لیے ابواب و تراجم کی شرح و تفصیل میں حضرت مولانا کی تشریحات نقل کر دینا کافی ہے۔

حضرت مولانا بخاری شریف مطبوعہ اصح المطابع دہلی جلد ثانی ص ۹۲۶ پر ارقام فرماتے ہیں۔

باب المصافحة وهی المفاعلة من صفح الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه، وقال .... الكرماني المصافحة الاخذ باليد وهو مما يوكد المحبة فالمصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقي۔ قس

الاخذ بالید کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ میں ہاتھ لپیٹ کر بھی مصافحہ ہوتا ہے۔

دیکھیے! مصافحہ کا معنی کیسا واضح اور صاف ہے، "ہتھیلی سے ہتھیلی ملانا"، پس اگر کوئی شخص اپنے ملاقاتی سے ہاتھ ملاتا ہے اور دونوں شخصوں کے دائیں ہاتھوں کی ہتھیلیاں متصل ہو جاتی ہیں تو مصافحہ کا معنی و مفہوم متحقق ہو جاتا ہے۔ مزید کسی زیادتی کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

وقوله رهو أخذ بيد عمر بن الخطاب، اقتصر منه على الغرض ههنا لان الاخذ باليد التقاء صفحة اليد بصفحة اليد غالبا وسابقه بتمامه فى الايمان والنذور، قس۔

باب الاخذ باليدين بالتثنية - ولابى ذر عن الحموى والمستملى بالافراد وفى نسخة ...... باليمين وهو غلط ولما كان الاخذ باليد يجوز ان يقع من غير مصافحة افرده بهذا الباب كذا فى الفتح والقسطلانى ا ه

وقوله "صافح حماد بن زيد ابن المبارك" هو عبد الله بن المبارك مات ۱۸۱ھ وله (۶۳) ...
وقال البخارى فى ترجمة عبد بن سلمة المروزى حدثنى اصحابنا يحيى وغيره عن اسماعيل بن ابراهيم قال رأيت حماد بن زيد وجاء ه ابن المبارك بمكة فصافحه بكلتا يديه، ويحيى المذكور ابو جعفر البيكندى وقد اخرج الترمذى عن ابن مسعود رفعه "من تمام التحية الاخذ باليد" وفى سنده ضعف، ا ه

یعنی بخاری شریف کے بعض نسخوں میں "الیدین" کا لفظ ہے لیکن ابو ذر نے حموی سے اور المستملی نے مفرد "الید" ذکر کیا ہے۔ یعنی انھوں نے "باب الاخذ بالید" لکھا ہے، اور ایک نسخہ میں "باب الاخذ بالیمین" ہے۔ چونکہ "اخذ بالید" بغیر مصافحہ کے ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس "اخذ بالید" کو علیحدہ باب میں بیان کیا۔ فتح الباری و قسطلانی میں اسی طرح ہے۔

حضرت مولانا کے ارشاد کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ امام بخاری رحمہ نے "باب الاخذ بالید" میں ہاتھ پکڑنے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، نہ کہ "مصافحہ ملاقات" کی مسنونیت کو ذکر فرما رہے ہیں۔ اور "صافح حماد بن زید ابن المبارک" کے بارے میں مولانا رحمہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ اس کا تعلق باب مصافحہ سے ہے ہی نہیں بلکہ اس کا لگاؤ "اخذ بالید" ہاتھ پکڑنے سے ہے۔

تنبیہ: "صافح حماد بن زید ابن المبارک" سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ حماد بن زید نے عبد اللہ بن مبارک کو پکڑنے میں اپنے دونوں ہاتھ استعمال کیے۔ لیکن اس کے اندر یہ مذکور نہیں کہ عبد اللہ بن مبارک نے بھی دونوں ہاتھ

لگائے تھے۔ اس لیے گمانِ غالب یہی ہے کہ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ نہیں استعمال کیے تھے۔ اس کی تائید خود ان کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو انھوں نے حضرت انس رضا سے نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے ملاقات فرماتے تو اپنا دستِ مبارک اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔ (کتاب البر والصلہ، فتح الباری ج۲ ص ۶۵۸)

کیوں کہ اس حدیث میں مصافحہ بدستِ واحد کا ذکر ہے تو وہ اپنی مروی حدیث کے خلاف دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیسے کر سکتے ہیں؟۔

ایک صاحب نے تشبہ بالہنود کا بھی ذکر کیا ہے اور دائیں ہاتھ سے مصافحہ کو مشابہت غیر مسلم کی بنا پر اَمَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُم،، کا مورد وعید ٹھہرایا ہے ـــ ہم محترم قائل کے بلیغ علم کے پیشِ نظر صرف اتنا کہیں گے کہ مشابہت ممنوعہ میں اتنا عموم نہیں ہے کہ مسلمانوں کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا حتیٰ کہ لیٹنا اور اٹھنا اور کھانا پینا وغیرہ حرام ہو جائے۔ پھر آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ غیر مسلموں میں ہاتھ ملانے کا رواج قبل اسلام سے قومی شعار کی حیثیت سے چلا آرہا ہے۔"

ہمارے یہاں مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" سے ابتدا کرے اور فوراً ہی دایاں ہاتھ بڑھا کر ملاقاتی کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو ملائے، مزاج پرسی کرے، خیر و عافیت دریافت کرے۔ "یغفر اللہ لنا ولکم" کی دعا کرے۔ کیا یہی طریقہ غیر مسلموں میں بھی رائج ہے؟۔ اگر نہیں تو اس راگ الاپنے سے فائدہ ـــ؟

استدراک: مصافحہ ہو یا کوئی اور کارِ خیر، سب میں دستِ راست کا استعمال مستحب و مسنون ہے۔ حضرت عائشہ رضا کا بیان ہے۔

کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لطھورہ وطعامہ وکانت یدہ الیسری لخلائہ وما کان من اذی۔ (رواہ ابوداؤد ج۱)	آپ کا دایاں ہاتھ طہور و طعام (وغیرہ) کے لیے تھا۔ اور بایاں ہاتھ پیشاب و پاخانہ اور جو کام خلافِ نظافت ہیں۔ ان سے طہارت و صفائی کے لیے ہوتا تھا۔

نیز انھی کا بیان ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدور بھر اپنے سارے کاموں

ما استطاع فی شانہ کلہ وطهوره و ترجلہ وتنعلہ ۔ (متفق علیہ مرعاۃ ص ۲۷۱ ج ۱)
وقال فی شرحہ: لا کلہ وشربہ وما کان من مکرمہ کالاعطاء واللبس والسواک والتنعل والترجل والمصافحۃ والاکتحال ۔
(مرعاۃ ج ۱ ص ۲۷۴)

میں رتیامن ، کو پسند فرماتے تھے ، وضو، غسل، کنگھا کرنے جوتا پہننے ، ہر ایک میں دائیں جانب سے ابتدا فرماتے ۔
آپؐ کھانے پینے ، اور جو کام بھی مجدو شرف والے ہیں جیسے داد و دہش ، پہننا اوڑھنا ، مسواک کرنا، جوتا پہننا ، کنگھا کرنا ، سرمہ لگانا، سب میں دایاں ہاتھ استعمال فرماتے، اور دائیں جانب سے ابتدا فرماتے ۔

چوں کہ دائیں ہاتھ کا استعمال امورِ نظافت و کارِ خیر میں متداول و متعارف ہے ، اس لیے دائیں ہاتھ کا احترام و توقیر بھی اسلام میں ضروری ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

ونھی ان یستطیب الرجل بیمینہ ۔ ص ۲۴۲ ج ۱ م
دائیں ہاتھ سے استنجا کو آپؐ نے منع فرمایا ہے ۔

اور حضرت ابوقتادہ ؓ سے مروی ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔

واذا اتی الخلاء فلا یمس ذکرہ بیمینہ ولا یتمسح بیمینہ ۔ متفق علیہ ص ۲۴۲ ج ۱ م
تم میں سے کوئی پاخانہ میں اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے ۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ :

ان نستنجی بالیمین ۔ ص ۲۴۲ ج ۱ م
ہم استنجا دائیں ہاتھ سے کریں ۔

ع وبضدھا تتبین الاشیاء
ہر ایک شے کی قدر و منزلت اس کے مخالف سے ہوتی ہے ۔

ان احادیث سے حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ مصافحہ میں کون سا ہاتھ استعمال ہوتا ہے ؟

خلاصۂ کلام : ہماری ان معروضات سے یہ مسئلہ پوری طرح منقح اور واضح ہو جاتا ہے کہ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے ہی مسنون ہے اور مصافحہ کا یہی وہ طریقہ ہے جو متوارث رہا ہے ۔ اس کے برخلاف دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا مروجہ طریقہ نہ تو مسنون ہے اور نہ ہی متوارث ، بلکہ ساتویں صدی کے ایک معتزلی الاعتقاد ، نجم الدین مختار بن محمود صاحب قنیہ کی ایجاد و اختراع ہے جس کو بعض مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں بلا غور و فکر درج کر دیا اور عوام الناس نے اس کو سر چڑھا لیا ۔
ورنہ متقدمین فقہاء و ائمہ کرام کی کتابوں ، احادیث نبویہ کے ذخائر میں بھی ضرور اس کی نشاندہی ملتی ۔
چوں کہ کسی بھی امر شرعی میں ، عوام کس شمار میں ہیں ، خواص کی بھی تقلید جامد جائز نہیں اور نہ ہی جم غفیر اور بھیڑوں کے اژدحام کا اعتبار ، اس لیے کسی بھی علاقہ کے لوگوں کا عمل ہمارے لیے حجت نہیں ۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے ۔ تفصیل نظر انداز کیجیے ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

خیرسگالی کا جذبہ فطری ہے

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

۱۶؍ نومبر کی شام کو عصر کے بعد جامعہ سلفیہ کے ایک طالب علم کے ہمراہ تین نو وارد اشخاص میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ اور علیک سلیک کے بعد بتایا کہ آگرہ سے ایک شادی میں شرکت کے لیے بنارس آئے تھے۔ یہاں آکر خیال ہوا کہ جامعہ سلفیہ ضرور دیکھیں۔ جب یہ مہمان جامعہ کی عمارتوں اور طلبہ کی تعداد وغیرہ سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کر چکے تو پھر تھوڑی دیر تک مصر کی مشہور عالم یونیورسٹی الازہر کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ اور ایک مہمان چونکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایل، ایل، ایم پاس تھے، اسی لیے انھوں نے جامعہ ازہر کی لا فیکلٹی میں فقہی مذاہب کی تعلیم سے متعلق سوالات کیے۔ جب انھیں یہ بتایا گیا کہ جامعہ ازہر نے تنظیم جدید کے بعد شیعہ فقہ کی تعلیم کا بھی انتظام کر دیا ہے تو کہنے لگے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے بعد اگر مختلف فقہی مذاہب کو تقابلی طور پر پڑھایا جائے تو یقیناً اس سے شرعی احکام کے بہت سے اسرار و رموز منکشف ہوں گے اور طلبہ کو مزید غور و خوض کا موقع ملے گا۔

پھر مہمانوں نے یہ سوال کیا کہ اس ادارہ میں کس طرح کا نصاب پڑھایا جاتا ہے؟ انھیں جامعہ کے نصاب تعلیم سے متعلق مختصر طور پر بتایا گیا اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ یہ جماعت اہلحدیث کا مرکزی ادارہ ہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک مہمان نے فرمایا کہ جامعہ کے مطبخ سے تھوڑی سی روٹی منگا دیجئے، ہم لوگ ایک لقمہ کھا کر واپس ہوں گے۔ روٹی مطبخ سے آئی اور مہمانوں نے اسے کھایا، پھر ہر ایک نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم ادارہ کو اپنا مالی تعاون دینا چاہتے ہیں۔ دفتر سے رسید لائی گئی اور مہمانوں کے تعاون کا اس پر اندراج ہوا۔ اس کے بعد تینوں مہمان رخصت ہوئے۔ جاتے جاتے ایک مہمان نے دفتر استقبال میں ایک کمی کی جانب اشارہ کیا، ان کے جذبۂ اخلاص و ہمدردی کی قدر کرتے ہوئے انھیں یقین دلایا گیا کہ ان شاء اللہ یہ کمی دور کر دی جائے گی۔

یہ ایک بہت معمولی سا واقعہ ہے، اور اس طرح کے واقعات اس ادارے میں اور دیگر تعلیمی اداروں میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔

بلکہ کبھی کبھی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ اس قدر طویل و مسلسل ہو جاتا ہے کہ دوسرے کام اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اداروں کا مقصد اخلاقی و عملی تربیت بھی ہے، اس لیے اداروں کے ذمہ دار مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے وقت کی قربانی دیتے ہیں اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔

لیکن اس چھوٹے سے واقعہ میں ہمارے لیے ایک بڑا درس مضمر ہے، اور اسی کی جانب اشارہ کرنے کے لیے یہ سطور قلمبند کی جا رہی ہیں۔ یہ واقعہ اس بات کی زندہ مثال ہے کہ مسلم عوام کے دل و دماغ تعصب و تنگ نظری اور عداوت و کینہ پروری سے پاک ہیں۔ وہ گروہ بندی و منافرت کے بجائے تعاون و ہمدردی اور مودت و قربت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ دینی تعلیم و تربیت کا کام انجام دینے والے اداروں سے کلیں محبت ہے، اور عام طور پر وہ یہ چاہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کا کام باہمی تعاون سے اس طرح انجام دیا جائے کہ مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی پسماندگی دور ہو، اور الحاد و بے دینی کی بڑھتی ہوئی لہر کا مقابلہ آسان ہو سکے۔

اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف پر غور کریں، جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو فطرت پر پیدا کرتا ہے تو اس جذبہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حدیث نبوی سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ پیدائشی طور پر ہر شخص صاف ستھرا ذہن اور سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ اور قبول حق کی فطری استعداد اس کے اندر اس وقت تک موجود رہتی ہے جب تک کہ کسی خارجی موثر کا اثر نہ ہو، جب کوئی خارجی موثر ذہن و فکر پر غلط اثر ڈالتا ہے تو پھر انسانی طبیعت کے اندر انحراف پیدا ہوتا ہے اور فکر و عمل کی ناہمواری و بے راہ روی کا ظہور ہوتا ہے۔

لیکن الم انگیز امر یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا مفاد دشمنی پھیلانے اور نفرت کی چنگاری کو ہوا دینے سے وابستہ ہے۔ اس لیے وہ جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی جگہ ملت اسلامیہ کے افراد خود ساختہ دیواروں کو ڈھا کر باہم شیر و شکر ہونا چاہتے ہیں، تو بڑی چابک دستی سے کوئی ایسی حرکت کر گزرتے ہیں، جس سے محبت و یگانگت کی موجودہ فضا ختم ہو جاتی ہے اور لوگ نفرت و عداوت کی بھٹی میں جلنے لگتے ہیں۔ ایسا محض اس لیے کیا جاتا ہے کہ گروہ بندی کا ماحول برقرار رہنے کی صورت میں مفادات کا حصول آسان ہو جاتا ہے اور زعامت و سربراہی کے جذبات کو تسکین دینے کے لیے وسیع تر امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ملت کو اس مرض سے بچانے کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ عوام کی فکری سطح بلند کی جائے، جمود و تقلید کی بندشیں ختم کی جائیں اور ہر شخص کے اندر ایسی سوجھ بوجھ پیدا کی جائے کہ وہ اسلام کی روح اور اس کے اعلیٰ مقاصد کو سمجھ سکے، اور اپنے مفاد کے لیے نفرت پیدا کرنے والے عناصر سے محفوظ رہے۔ تجربات کی روشنی میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اتفاق و تعاون کی ہر کوشش ہر جگہ کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن جن دلوں کے آئینے ابھی پوری طرح داغدار نہیں ہوئے ہیں وہ اس طرح کی ہر اک صدا پر لبیک کہیں گے اور نفرت و عداوت کی

بلکہ دوستی و محبت کی فضا قائم کرنے کی کوشش کرینگے ۔

جامعہ سلفیہ دیکھ کر مذکورہ تاثر ایسے چند افراد کا تھا جن کے دلوں میں اسلام کی محبت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کی تمنا ہے ۔ لیکن دین کی تبلیغ و تعلیم ان کا مشغلہ نہیں ۔

اب میں ایک ایسی شخصیت کے تاثرات و جذبات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس کا عالم اسلام کے چوٹی کے علماء میں شمار ہے، جس نے دینی علوم کی طویل مدت تک خدمت کی ہے۔ مسلمانوں کی نفسیات اور ان کے امراض کو سمجھا ہے اور ان مشکلات کو جھیلا ہے جو تبلیغ و تعلیم کا کام کرنے والوں کو پیش آتی ہے ۔ میری مراد مصر کے ماہر علوم اسلامیہ شیخ محمد احمد شاکر رحمۃ سے ہے جو برصغیر میں مسند احمد کے شارح و محقق کی حیثیت سے بیحد معروف ہیں ۔ مسند احمد کے علاوہ موصوف کے دوسرے علمی کارنامے بھی اہل علم و تحقیق سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں ۔ ان کارناموں میں ایک اہم کارنامہ اصول فقہ کی اولین تصنیف یعنی امام شافعی کی کتاب "الرسالۃ" کی تحقیق و تشریح ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۰ء میں مصطفیٰ البابی الحلبی نے قاہرہ سے شائع کیا ہے ۔

موصوف مرحوم کا یہ علمی کام کس مقام و مرتبہ کا ہے، اس سے فی الحال بحث نہیں، البتہ اس کے مقدمہ میں انھوں نے مذہبی عصبیت سے متعلق جو سطور تحریر کی ہیں، ہم انھی کو یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ اس سے فقہی مکتب فکر کی پابندی سے متعلق ان کے نقطۂ نظر کا اندازہ ہو سکے گا اور یہ بھی واضح ہوگا کہ ملت کے ائمہ و علماء کے بارے میں مسلمانوں کا نقطۂ نظر کیسا ہونا چاہیے ؟ ۔

علامہ موصوف اپنے مقدمہ کی ابتدائی سطروں میں لکھتے ہیں :

"یہ شافعی" کی کتاب "الرسالہ" ہے۔ اور شافعی" کی تعریف کے لیے شافعی ہونا کافی ہے ۔ اور "الرسالہ" کی تعریف کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ شافعی" کی تصنیف ہے، اور میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ میں شافعی" کا علم لوگوں میں نشر کر رہا ہوں، ان کو یہ بتاتے ہوئے کہ شافعی" نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے روکا ہے ۔"

"اگر کسی عالم کے لیے کسی عالم کی تقلید جائز ہوتی تو میں تقلید کے لیے شافعی کو اولیٰ قرار دیتا، کیوں کہ بلا مبالغہ مجھے یقین ہے کہ علماء اسلام میں کتاب و سنت کے فہم و فقہ، نظر کی گہرائی، استنباط کی دقت، دلائل کی قوت، بصیرت کے نور حجت قائم کرنے میں مہارت، اور مقابل کو خاموش کرنے کی قدرت کے لحاظ سے شافعی" جیسا کوئی ظاہر نہیں ہوا ۔"

"حجاز کے علماء روایت و سنت کے لیے سرخ خلائق تھے، قرآن کے فہم و تفقہ میں بھی ان کا مرتبہ فائق تھا، لیکن

لہ امام شافعی" نے اپنی اس تصنیف کا نام الرسالہ نہیں بلکہ "الکتاب" رکھا تھا۔ لیکن انھی کی زندگی میں لوگ اسے "الرسالہ" کے نام سے یاد کرنے لگے تھے، کیوں کہ انھوں نے اسے لکھ کر عبدالرحمان بن مہدی کے پاس بھیجا تھا۔

علم میں سے اکثر لوگ لسانی اور جدال سے ناواقف تھے۔ اس لیے اہل الرائے سے مناظرہ نہیں کر پاتے تھے۔ جب امام شافعی کا ظہور ہوا تو انھوں نے دفاع و مناظرہ کا میدان سنبھالا، انھیں حجت قائم کرنے اور اہل الرائے کو سنت کا پابند بنانے کا طریقہ معلوم تھا، خبر واحد کی حجیت اور فہم قرآن کے طریقے بھی انھوں نے بیان کیے۔ کتاب و سنت کے نصوص میں جہاں تعارض بتایا جاتا تھا، اسے بھی دفع کیا، کتاب و سنت کی انھیں خدمات کی وجہ سے مکہ والوں نے امام شافعیؒ کو "ناصر الحدیث" کے لقب سے یاد کیا۔"

"امام شافعیؒ آخری بار ۱۹۹ھ میں مصر گئے اور تا وفات وہیں مقیم رہے۔ یہاں کے اکثر علماء امام مالک کے پیرو اور ان کے مذہب کے لیے متعصب تھے۔ امام شافعیؒ نے ان سے تبادلہ خیال کیا اور کتاب و سنت کی اہمیت ان کے سامنے واضح کی۔ بہت سے لوگوں نے امام شافعی سے متاثر ہو کر مذہبی تعصب و تشدد سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور کتاب و سنت کی پابندی پر ثابت قدم ہو گئے۔"

"امام شافعیؒ نے مصر میں ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی شخصیت ایسی نہیں کہ چند صفحات یا اجزاء میں ان کے حالات کا احاطہ ہو سکے۔ ہمیں اگر توفیق ہوئی تو ان کے حالات پر مستقل کتاب تالیف کریں گے۔"

"میرے اس طرز تخاطب اور امام شافعی سے متعلق تاثرات سے بعض لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ میری بات تقلید یا تعصب پر مبنی ہے۔ کیوں کہ گروہ بندی کے اس دور میں صدیوں سے لوگ اسی چیز کے عادی ہیں اور اسی عصبیت اور تنگ نظری نے انھیں مغلوب و بے وزن بنا دیا ہے۔ آج بھی بہت سے علماء اپنے تقلیدی مذہب سے ہٹ کر فیصلہ کے لیے تیار نہیں۔"

"لیکن معاذاللہ! میری رائے تقلید و تعصب پر مبنی نہیں، میں جس چیز کو دوسروں کے لیے پسند نہیں کرتا اسے خود کیوں کر اختیار کر سکتا ہوں۔ میں غور و فکر کرتا ہوں، اور دلیل سے مطمئن ہو کر اسی کی پیروی کرتا ہوں۔ ایام طفولیت سے میں نے حنفی فقہ پڑھی اور ازہر سے "عالمیۃ" کی سند بھی بحیثیت "حنفی" حاصل کی۔ بیس سال تک قاضی رہا اور حنفی فقہ کے مطابق فیصلہ کرتا رہا، کیوں کہ اسی کی اجازت تھی، لیکن ساتھ ہی میں سنت نبوی کا مطالعہ بھی کرتا رہا۔ تیس سال کے عرصہ میں میں نے بہت کچھ پڑھا اور ائمہ کے اقوال و ادلہ پر غور بھی کیا۔ مجھے خود اپنی غلطیوں کا امکان بھی معلوم ہے، مجھے ہر شخص کی رائے کا احترام ہے، لیکن حق کا احترام سب سے بالا ہے اور اسی لیے میں نے امام شافعیؒ کے متعلق اپنے مذکورہ تاثرات کا اظہار کیا ہے۔"[1]

---

[1] مقدمۃ الرسالۃ ص ۵ - ۸

ؔ ایک جگہ قیاس پر گفتگو کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے لکھا ہے کہ : ولکن قد یجھلُ الرجل السنۃ فیکون لہ قول یخالفھا ، لا انہ عمد خلافھا ، وقد یغفل المرءُ ویخطیٔ فی التاویل [1] ۔ یعنی کبھی انسان حدیث کو نہیں جانتا ، اس لیے اس کی بات حدیث کے مخالف ہو جاتی ہے ، لیکن وہ قصداً حدیث کی مخالفت نہیں کرتا اور کبھی آدمی غفلت سے تاویل میں غلطی کر بیٹھتا ہے ۔

امام شافعیؒ کی اس توجیہ پر علامہ احمد شاکرؒ اپنی عقیدت و مسرت کا یوں اظہار کرتے ہیں ۔

" اللہ اکبر ! یہ ہیں امام برحق ، اہل مکہ نے بجا طور پر انھیں " ناصر الحدیث " کا لقب دیا ہے ۔ "

اس مسرت کا سبب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے ان لوگوں کے لیے عذر تسلیم کیا ہے ۔ جن کی کوئی بات حدیث کے خلاف موجود ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سنت سے ناواقفیت کی وجہ سے انسان ایسی بات کہتا ہے ، دانستہ کوئی سنت کی مخالفت نہیں کر سکتا ۔ اور یہ توجیہ بلاشبہ امام شافعی کی بالغ نظری اور وسعت قلبی کی دلیل ہے ۔

آج گروہ بندیوں میں شدت اور باہمی تعلقات میں تناؤ اسی لیے ہے کہ ہر آدمی اپنے عقیدہ و خیال کے خلاف کوئی بات دیکھ کر اس کے سبب یا محرک پر غور کرنے کے بجائے ، اس بات کے کہنے والے پر لوٹ پڑنے کی سوچنے لگتا ہے ۔ اس کے دل میں ایسے شخص کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی ، جس کا کوئی قول یا عمل خلاف ہو جائے ۔ اس طرح کے تنگ نظر اور جاہل لوگ اپنے کسی بھی مخالف کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔ اور ستم یہ ہے کہ سب کچھ اپنے امام کی تائید و تتبع میں کرتے ہیں ، لیکن امام کا حال کیا ہے ۔ اس کی ایک مثال ابھی مذکور ہوئی ۔ قرآن کریم میں اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ائمہ اپنے متبعین سے برأت کا اظہار کریں گے ۔ (البقرہ : ۱۶۶) لہٰذا اگر کوئی شخص کسی امام کی پیروی کا مدعی ہے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس تعصب و تقلید سے اسے فائدہ ہوگا یا نقصان ؟

امام ابو بکر ابن العربی جب اپنے مشرق کے سفر میں بغداد پہنچے تو انھیں فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد الشاشی الشافعی ـــــ (۴۲۹ ـ ۵۰۷ ھ) ـــــ کے درس میں حاضری کا موقع ملا ۔ یہ اپنے دور میں شافعی مذہب کے سب سے بڑے امام تھے ۔ ابن العربی نے ان کی ایک خوبی کا ذکر کیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ " میرے یہ استاد قرآن کی آیت ۔ (ولا تقربوھن حتی یطھرن ") یعنی حائضہ عورتوں کی پاکی سے قبل ان کے قریب مت جاؤ) کے سلسلہ میں اپنی منفرد رائے رکھتے تھے ، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اس آیت میں امام ابو حنیفہؒ نے لا تقربوھن کی واؤ کو زبر پڑھ کر یہ معنی مراد لیا ہے کہ ایسی حالت میں عورتوں سے صحبت نہ کرو ! اور امام شافعی نے راء کو پیش پڑھ کر یہ معنی مراد لیا ہے کہ اس جگہ (مابین السرۃ والفخذ) سے قریب نہ جاؤ ، یعنی مجرد قربت

سے بھی منع کیا گیا ہے۔

دونوں اماموں کی ان دو مختلف تفسیروں میں شافعی مذہب کے امام نے وسعت قلب اور حق پسندی کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کیا اور اپنے امام کی تفسیر کو مرجوح قرار دیا۔ یہ رویہ یقیناً اسی شخص کا ہو سکتا ہے، جس کے دل میں تنگی و تعصب نہ ہو۔

اسی طرح دیگر مذاہب کے یہاں بھی ہمیں اس طرح کی وسعت اور انصاف پسندی کی مثالیں ملتی ہیں۔ امام محمد اور امام ابویوسف رحمہا اللہ کے بارے میں مذکور ہے کہ انھوں نے حنفی مذہب کے تقریباً ایک تہائی مسائل میں اپنے نامور شیخ امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے کہ امام محمد موطا میں یہ لکھنے کے بعد کہ امام ابوحنیفہ استسقاء میں نماز کے قائل نہ تھے۔ آگے لکھتے ہیں کہ: لیکن ہمارا قول یہ ہے کہ امام دو رکعت نماز پڑھا کر دعا کرے گا اور چادر کو پھیرے گا۔ (موطا امام محمد ص ۱۵۸)

امام محمد کے شاگردوں میں عصام بن یوسف بلخیؒ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اکثر امام ابوحنیفہ کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ امام صاحب کے قول کی دلیل ان کے علم میں نہ تھی۔ اور مخالف قول کی دلیل واضح رہتی تھی۔ اس لیے وہ نماز میں رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین بھی کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ سنت متواترہ سے ثابت ہے۔

یہ اور اسی نوعیت کے بہتیرے واقعات سیر و تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن ائمہ اور ان کے مذاہب و آراء کے نام پر آج گروہ بندی کے رجحان کو تقویت دی جارہی ہے وہ تو دراس طرح کی کسی تنگ نظری یا تعصب میں گرفتار نہ تھے۔ اور نہ کبھی انھوں نے افتراق و انتشار کی حوصلہ افزائی کی۔ آج جو لوگ ان کے نام پر ایسا ماحول پیدا کر رہے ہیں وہ ان کی عقیدت و پیروی کے دعوی میں کس طرح سچے مانے جاسکتے ہیں؟ افتراق و اختلاف بذاتِ خود ایک بری چیز ہے اور جب اسے دین کے نام پر کیا جائے تو اس کی قباحت دوچند ہو جاتی ہے اور اگر عوام کے جاہے بغیران کو ورغلا کر اور ان میں ناپسندیدہ حمیت و غیرت پیدا کر کے اس رجحان کو بڑھایا جائے تو اس کی خرابی ناقابلِ بیان ہو جاتی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ اختلاف کی مضرتوں کے آشکارا ہونے اور اس کی مذمت میں لمبی لمبی باتیں کرنے کے باوجود یہ مرض امت کے وجود سے ختم نہیں ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ گھڑی کب آئے گی جب دینِ اسلام کے ماننے والوں کے مابین وہ اتحاد و اخوت مجسم بن جائے گی جس کی تعلیم ہم کتاب و سنت میں پڑھتے ہیں۔

اللھم الف بین قلوبنا واھدنا سبل السلام

• • •

عالم اسلام

نورستان کی آزاد سلفی حکومت

دولت اسلامی انقلابی افغانستان

کے وزیر خارجہ اور چیف جسٹس سے ملاقات

صفی الرحمن

چھ سال قبل روسی استبداد نے افغانستان پر گہرائی کے ساتھ پنجے گاڑ کر عالم اسلام کو جس درد مسلسل میں مبتلا کر رکھا ہے اس کی ٹیس ہمارے ملک کے مسلمان بھی برابر محسوس کر رہے ہیں۔ قتل و غارت، تباہی و بربادی، وحشت و بربریت، ظلم و درندگی، سفاکی و خون آشامی کا وہ کون سا نادر سے نادر فن ہے جو اس سرزمین پر آزمایا نہ گیا ہو لیکن اللہ کے ان شیروں نے جس بے جگری و بے باکی سے اس ناپاک حملے کا مقابلہ کیا ہے اور اب تک کر رہے ہیں اور جس مؤمنانہ جرأت و پامردی سے پہاڑوں اور وادیوں، بیابانوں اور آبادیوں، جنگلوں اور دریاؤں اور میدانوں اور سرنگوں میں انہیں زک پہنچا رہے ہیں وہ بھی تاریخ انسانی کا ایک عجوبہ اور تاریخ اسلام کا ایک تابناک باب ہے۔

ان شیران خدا کے ان ہی کمالات ایمانی کی وجہ سے میری آرزو تھی کہ مجھے کبھی ان کا روئے زیبا دیکھنا نصیب ہو، اور میں بھی کبھی ان وادیوں اور بیابانوں کی سیر کروں۔ ممکن ہے اللہ کی راہ میں کچھ کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو جاؤں۔ اگرچہ یہ آخر الذکر تمنا پوری نہ ہو سکی مگر پچھلے دنوں جب میں نے پاکستان کا سفر کیا تو بے نشان دگان اس قافلے کے چند مخلص ترین قافلہ سالاروں سے میری ملاقات ہوگئی۔ یہ تھے وادی نورستان میں قائم سلفی حکومت " دولت اسلامی انقلابی افغانستان " کے مقتدر وزیر خارجہ مولانا محمد ابراہیم صاحب وسطی نورستان کے امیر اور پوری حکومت کے رئیس القضاۃ (چیف جسٹس) مولانا عبداللہ بن الفضل صاحب اور سعودی عرب میں اس حکومت کی وزارت خارجہ کے نمائندوں کے جواں عزم و جواں سال صدر الحاج عبدالعزیز صاحب

حفظہم اللہ تعالیٰ وادامہم فی کنفہ ورعایتہ ۔

دین وعقیدہ کے رشتے اعلاء کلمۃ اللہ کے مشترک جذبے اور اخوت اسلامی کی تپش نے بالکل ابتدائی ملاقات میں بھی اجنبیت کا احساس ابھرنے نہ دیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ ہم مدتوں کے ساتھی ہیں۔ ۲۴ر نومبر بروز سنیچر کی صبح اسی احساس اخوت کے ساتھ مدرسہ تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں ہماری مجلس منعقد ہوئی۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب نے داستان نورستان کے اوراق الٹنے شروع کئے۔ خاموش طبع مولانا عبداللہ بن الفضل پاس ہی بیٹھے تھے۔ جن کے لبوں پر رہ رہ کر ابھرنے والی ہلکی ہلکی مسکراہٹ خوش آمدید کا پیام کہہ رہی تھی۔ انہیں کے متصل مجاہدین کی وردی میں ملبوس الحاج عبدالعزیز بھی تھے جن کے ہاتھ میں تسبیح گولیوں سے بھری ہوئی مشین گن ان کے مجاہدانہ عزائم کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ رہ رہ کر بیٹی الگ کرتے اور گولیوں سے کھیلنے لگتے۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ دشمن سے محاذ آرائی اس قوم کے لئے بازیچۂ اطفال کی حیثیت رکھتی ہے۔

میری آنکھیں اللہ کے ان شیروں کو دیکھ رہی تھیں جنہیں دیکھنا یقیناً ایمانی سعادت کا ایک حصہ تھا کیونکہ انہوں نے اس روئے زمین پر سب سے بڑی فوجی طاقت کو پسپا کر کے اللہ کے بندوں پر خالص اللہ کا قانون جاری وساری کر رکھا ہے۔

کان مولانا ابراہیم کے ارشادات پر لگے ہوئے۔ مولانا موصوف نے بتایا کہ دسمبر ۱۹۷۹ء میں روسی افواج کی یلغار کے بعد سب سے پہلے جس خطہ سے ان کے خلاف جدوجہد کا آغاز ہوا وہ ہمارا خطہ نورستان ہے ہم نے سب سے پہلے ہتھیار اٹھایا۔ اور زبردست معرکہ آرائیوں کے بعد اپنے علاقہ کو روسی افواج سے پاک کر دیا اور ایک بار یہاں سے حملہ آوروں نے ڈیرہ ڈنڈا اٹھایا تو دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ نورستان صوبہ کنڑ اور لغمان کے مختلف اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور قدرتی طور پر تین حصوں پر بٹا ہوا ہے۔ (۱) شرقی (۲) وسطی (۳) اور غربی ہر ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے پہاڑوں کا قدرتی سلسلہ جدا کرتا ہے۔ اس کے مشرق میں چترال اور دیر کے پاکستانی علاقے ہیں۔ شمال میں بدخشان کا صوبہ ہے مغرب میں پنجشیر کی وادی اور جنوب میں کنڑ اور لغمان کے کچھ خطے ہیں۔

موصوف نے بتایا کہ اس وقت افغانستان میں تین طرح کے علاقے ہیں۔

(۱) ۔ ایک وہ جو مکمل طور پر مجاہدین کے قبضے میں ہیں۔ اور مجاہدین کی مختلف جماعتوں نے مختلف جگہ ان کا انتظام سنبھال رکھا ہے۔

(۲) ۔ دوسرے وہ جو مکمل طور پر روسیوں کے قبضے میں ہیں۔ اور وہاں مجاہدین اپنی کارروائیوں کے لئے چھپ چھپا کر اور بچ بچا کر جاتے ہیں۔ یہ علاقے زیادہ تر بڑے بڑے شہروں، ہوائی اڈوں، فوجی بارکوں، چھاؤنیوں اور چوکیوں سے عبارت ہیں۔

(۳) ۔ تیسرے وہ علاقے جو عموماً میدان کارزار بنتے ہیں۔ یہ وہ میدانی علاقے اور دیہات وغیرہ ہیں جہاں کسی کا مکمل کنٹرول نہیں۔ جب روسی فوجیں مجاہدین کے زیر انتظام مقامات کی طرف بڑھتی ہیں تو مجاہدین آگے بڑھ کر انہیں علاقوں میں ان کا "استقبال" کرتے ہیں۔ اسی طرح روسی فوجیوں کے قافلے بھی جب اپنے کسی ایک "محفوظ" اڈے سے نکل کر دوسرے "محفوظ" اڈے کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو عموماً انہیں علاقوں میں ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ مولانا نے بتایا کہ نورستان تک تو روسیوں کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ البتہ جب وادی پنجشیر پر حملہ ہوتا ہے تو ہمارے مجاہدین آگے بڑھ کر جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے بتایا کہ نورستان کی حکومت خالص اہلحدیث حکومت ہے۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مکمل پابندی کرتی ہے۔ یہاں کسی شخص کو اسلام کے خلاف کچھ کرنے کی نہ اجازت ہے نہ جرأت۔ اس حکومت کی انتظامی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پورے دائرہ حکومت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہو۔ یا جس کے چہرے پر بھرپور ڈاڑھی کا مسلمہ اسلامی شعار نہ ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے دائرہ حکومت میں ڈاڑھی ترشوانا ہی نہیں بلکہ چھوٹی کرانا بھی جرم ہے۔ اسی طرح صرف نشہ آور چیزیں ہی کا نہیں بلکہ سگریٹ اور بیڑی کا استعمال بھی جرم ہے۔ اور ہر ایک کی باقاعدہ سزا مقرر ہے، جو پوری پابندی کے ساتھ نافذ کی جاتی ہے۔

اس موقع پر محترم رئیس الفضفاۃ مولانا عبداللہ بن الفضل نے بھی گفتگو میں شرکت کی۔ آپ نے بتایا کہ نسوار کے استعمال پر چالیس کوڑے حد جاری کی جاتی ہے، یہ نشہ آور اشیاء استعمال کرنے کی کم از کم حد ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مقدار سزا کا ثبوت ہے بسگریٹ کے استعمال پر بطور تعزیر دس کوڑے لگائے جاتے ہیں زنا اور تہمت زنا کی شرعی سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اب تک مختلف اوقات میں زنا کے جرم میں ایک مرد

اور دو عورتوں کو رجم کیا جا چکا ہے۔ اور خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے ازخود عدالت میں آکر اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اس بدکاری کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں۔ تاکہ پاک صاف ہو کر اپنے رب حضور پہنچیں۔ آہ! کس قدر پاکیزہ تھا یہ ایمان کہ خدا کے حضور پاک صاف ہو کر جانے کے لئے اپنی خوشی سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اور ماعز اسلمی صحابی کی سنت زندہ کر دی جنہوں نے بشری تقاضے کے سبب اس لغزش سے دوچار ہونے کے بعد اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اہل ایمان کے لئے کردار و عمل کی مشعل روشن کر دی۔

قاضی صاحب نے مزید بتایا کہ زنا کی تہمت لگانے کے جرم میں اب تک چالیس آدمیوں پر حد قذف جاری کی جا چکی ہے۔ حد قذف اسّی کوڑے ہے، جو اس صورت میں زنا کی تہمت لگانے والے پر جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ اس تہمت کا شرعی ثبوت فراہم نہ کر سکے۔ قتل کی سزا یعنی دیت اور قصاص بھی نافذ ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ ہم اپنے دوسرے تمام افغانی بھائیوں کے ساتھ تعاون جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور ہمارا عزم مصمم ہے کہ ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے انشاء اللہ روسی فوجوں کو افغانستان سے نکال کر رہیں گے۔ البتہ ہمیں اس کام کے لئے ہتھیاروں کی شدید ضرورت ہے۔ خصوصاً طیارہ شکن توپوں، میزائلوں اور ٹینک شکن راکٹ لانچروں کی سخت کمی ہے۔ بھاری اسلحے ہمارے پاس نہ ہونے کے برابر ہیں۔ علاوہ ازیں ہم اقتصادی طور پر بھی تباہ حال ہیں۔ اس لئے ہمیں مختلف اشیاء کے کارخانے قائم کرنے اور زراعت کو ترقی دینے کے لئے بھی آلات اور وسائل کی ضرورت ہے اور خاص نورستان کا یہ المیہ ہے کہ افغان مہاجرین اور مجاہدین کو جو امداد دی جاتی ہے۔ نورستانی اس سے بھی محروم رہتے ہیں۔

گفتگو کے اخیر میں مولانا ابراہیم نے مجھے تین کتابچے اور چند مطبوعہ اوراق عطا فرمائے۔ وہ کتابچے اردو میں تھے (۱) آئینہ نورستان (۲) اور دولت اسلامی انقلابی افغانستان۔ تیسرا کتابچہ آئینۂ نورستان کا عربی ترجمہ تھا۔ مذکورہ دونوں اردو کتابچے محدث ماہ جون جولائی ۱۹۸۴ء کے مشترکہ شمارے میں شائع کئے جا چکے ہیں صرف بعض مختصر اجزاء کو ساقط کیا گیا ہے۔ لہٰذا قارئین اس شمارے میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مطبوعہ اوراق میں حکومت نورستان سے متعلق جریدہ فریدہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے دو مضامین

کی فوٹو کاپیاں تھیں ان کے علاوہ " دولت اسلامی انقلابی افغانستان " کے لیٹر ہیڈ پر ٹائپ شدہ دو خطوط بلکہ اعلام نامے تھے۔ ایک سربراہ حکومت مولانا محمد افضل کا جاری کردہ، اور دوسرا مولانا محمد ابراہیم کا جاری کردہ ۔ آخر الذکر اعلام نامہ دو ورقہ ہے۔ مگر افسوس کہ پہلا ورق معلوم نہیں کس کے تسامح سے میرے پاس نہیں ہے۔ ذیل میں یہ چاروں تحریریں ترتیب وار ہدیہ قارئین ہیں۔

(۱) الاعتصام لاہور ۶ر اپریل ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں صـ۱۶ پر محترم عبدالغفور صاحب نون رکن ارتباط خارجی دولت اسلامی انقلابی افغانستان کی حسب ذیل تحریر شائع ہوئی ہے۔

تحریر: عبدالغفور نون

موحدین نورستان کی قائم کردہ

دولت انقلابی اسلامی افغانستان

«کے دو تعزیری فیصلے»

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ۔

قرار رپورٹ جو مرکزی اطلاعات " دولت اسلامیہ انقلابی افغانستان " سے ہے۔ جو اللہ کے فضل و کرم سے روسی استبداد سے آزاد ہو کر گذشتہ تین سال سے قائم ہے۔ اور اپنے نصب العین پر عمل پیرا ہے اس کا مقصد اللہ کی سرزمین پر اس کے بنائے ہوئے اصولوں کو اللہ کی مخلوق پر نافذ کرنا ہے۔ گذشتہ دنوں یہاں دو تعزیری فیصلے کئے گئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ۱۵ر فروری ۱۹۸۳ء کو ایک آدمی جس کا نام بہلول ولد عبدالحمید سکنہ منڈگل (نورستان شرقی) نے دن دہاڑے ایک شخص مسمیٰ علی خان ولد بہادر کو چھری مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کی اطلاع جب دولت اسلامیہ

کی پولیس (Police) کو ملی تو اس نے قاتل کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ قاضی محمد اسحاق کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو قاضی کی اپنی تحقیق اور گواہان کے بیان کے مطابق جرم قتل ثابت ہوگیا اس کے بعد قاتل کے ورثا نے دیت دینے کی بہت کوشش کی لیکن مقتول کے ورثا معاف کرنے سے انکاری تھے اور قصاص پر مصر تھے لہذا "دولت اسلامیہ" کے قاضی صاحب نے ان کے حق میں قصاص کو نافذ کردیا اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

۲ - ۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو ایک شادی شدہ مرد اور ایک شادی شدہ عورت زناکاری کے جرم میں گرفتار ہوئے۔ ان دونوں کو مرکزی نورستان کے علاقہ کانتوا کے قاضی مولانا عبد اللہ ابن الفضل کے سامنے پیش کیا گیا۔ دونوں کے اقرار پر علاقہ کے لوگوں کے اجتماع میں رجم کی حد نافذ کی گئی اور دونوں کو ایک میدان میں سنگسار کر دیا گیا۔ بعد میں جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کر دیا گیا۔ واللہ علی مانقول وکیل۔

(۲) ۲۵ مئی کے الاعتصام کا اداریہ یہ ہے۔

نورستان

دولت انقلابی اسلامی افغانستان

یہ سلفی ریاست پاکستان کے سلفیوں کی منتظر ہے

گذشتہ پانچ سال (دسمبر ۱۹۷۹ء) سے افغانستان پر روس کی کٹھ پتلی سوشلسٹ ترہ کئی حکومت اور روس کی مشترکہ افواج قاہرہ نے اسلامیان افغانستان کو جبر و استبداد کے پنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ افغان باشندوں کی ایک کثیر تعداد اس تشدد سے جانیں بچانے کے لئے عورتوں اور بچوں سمیت پاکستان میں پناہ گزیں ہے ان مہاجرین کی مدد پاکستان کی حکومت اور عوام کر رہے ہیں اور دیگر ہمدرد اور ہم موقف ممالک بھی مہاجرین کی امداد میں دلچسپی لے رہے ہیں بلکہ ان کی طرف سے ہر قسم کا سامان ضرورت مہاجرین کی خیمہ بستیوں میں پہونچایا جارہا ہے۔

ہمارے بیشتر احباب ابھی تک شاید اس بات سے بے خبر ہیں کہ افغانستان کا صوبہ نورستان ہمارے سلفی

برادران کا اکثریتی علاقہ ہے، جس طرح افغانستان کے دیگر علاقوں پر روسی یلغار نے خانہ ویرانی کی حالت پیدا کر رکھی ہے نورستان بھی ان حوادث سے گذر چکا ہے۔ مگر ان سرفروشوں نے باطل کے سامنے سینہ سپر ہو کر نہ صرف اپنا علاقہ ان ملحدین و کفار سے محفوظ رکھا ہے بلکہ وہاں خالص کتاب و سنت کی بنیاد پر "دولت انقلابی اسلامی افغانستان" قائم کر رکھی ہے اور خالص سلفی عقائد پر اپنے معاشرے کو استوار کر دیا ہے۔ بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے۔ منشیات کو ملک بدر کر دیا ہے اور افراد کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ عورتوں میں بے پردگی کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ ہر شخص کے چہرے پر نورانی ڈاڑھیاں قرون اولیٰ کا منظر پیش کرتی ہیں تعلیم و تعلم میں قدیم و جدید علوم کی تدریس و تربیت جاری ہے۔ ہر شخص جہاد فی سبیل اللہ کے نشے سے سرشار ہے اور سرفروشی کے دلفروز مناظر قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔

اس سلفی اسٹیٹ کے امیر مولانا محمد افضل اور وزیر خارجہ مولانا محمد ابراہیم سلفی مسلک اہل حدیث کے روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی مساعی جمیلہ نے پورے نورستان کو توحید و سنت کی مشعل سے روشن کر رکھا ہے وہ ایک طرف حکومت و سیاست کے خارزاروں کو گل و گلزار بنانے میں جان و مال کی بازی لگائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف میدان جہاد کے آتش و آہن سے برسرپیکار ہیں۔ ان کے آتش بجاں مبلغ اور منّاد تمام مسلمان ملکوں خصوصاً توحید و سنت کی دعویدار ریاستوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں مصروف ہیں پاکستان جو افغانستان کا قریبی ہمسایہ ہے وہ مجموعی طور پر افغانستان کی ہر ممکن مدد کر رہا ہے۔ اور سیاسی میدانوں میں بھی اس کے موقف کی وکالت و کفالت کا بار اٹھائے ہوئے ہے مگر ہماری نظر میں افغان بھائیوں کو ملنے والی امداد میں سے نورستان کو کما حقہ حصہ نہیں مل رہا ہم سمجھتے ہیں کہ مہاجرین کی امداد ان مہاجرین کے لئے ہے جو سرحد پار کر کے پاکستان کے اندر پناہ گزین ہیں جب کہ نورستان کے باشندے اپنے علاقے میں بیٹھے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا نورستانیوں نے جنگ و جدال میں کوئی نقصان نہیں اٹھایا؟ کیا وہاں مائیں اپنے بچوں سے محروم نہیں ہوئیں؟ کیا وہاں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم نہیں ہوئے؟ کیا وہاں ہنستے بستے گھر ویرانوں میں تبدیل نہیں ہوئے؟ کیا وہاں لہلہاتی فصلیں آتشیں بموں سے جل کر راکھ نہیں ہوئیں؟ . . . . . یہ سب کچھ ہوا بلکہ ہمارے بیان سے کہیں بڑھ کر ہوا۔ بستیوں کی بستیاں وہاں تہس نہس ہو گئی ہیں مگر اس کے باوجود ان سخت جان مجاہدوں نے اپنی سرزمین پر کافر و جابر روسیوں اور ملحد و مرتد کارملیوں کے ناپاک قدم نہیں جمنے دیئے خدائے واحد

کے ان پرستاروں کو نصرت الٰہی حاصل ہوتی رہی یہ ہر حملہ آور کی گردن توڑتے رہے۔ فللّٰہ الحمد۔!!

ہم ان کالموں میں اپنی حکومت سے نہیں اپنی سلفی جماعت سے مخاطب ہیں اور نہایت ادب سے اپنے تمام ــــ ہاں تمام ــــ اکابر سے التجا کرتے ہیں کہ وہ نورستان کی آواز پر کان دھریں ــــ سلفی نورستان اپنے پاکستانی سلفی بھائیوں کو پکار رہا ہے ــــ وہ آپ کی توجہ کا منتظر ہے وہاں مجاہدین بھی ہیں ــــ مہاجرین بھی ہیں ــــ لٹے پٹے خانماں برباد قبیلے بھی ہیں ــــ قال اللہ و قال رسول اللہ سے گونجنے والے مدرسے اور مسجدیں بھی ہیں ــــ یتیم بچے، بیوہ عورتیں، نحیف بوڑھے، بیمار اور زخمی جوان، شہیدوں کی عمزدہ بیویاں اور معصوم بچیاں، محاذوں پہ ہنستے مجاہدین، کھیتوں میں جفاکش کسان، کھلے آسمان کے نیچے بے خانماں گھرانے ــــ یہ سب زبانِ حال سے پکار رہے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللہ ــــ یہ نصرت گو الحمد للہ ان کے شامل ہے مگر ہمیں بھی اس پر لبیک کہنا چاہیئے ــــ اس وقت پاکستان کے اہل توحید کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ان مجاہد بھائیوں کی امداد پہ کمربستہ ہو جائیں جو اس وقت حق و باطل کی جنگ بھی لڑ رہے ہیں اور کتاب و سنت کا جھنڈا بھی بلند کئے ہوئے ہیں۔

ہمارے عوام اور ہماری تمام جماعتوں اور جمعیتوں کا فرض ہے کہ وہ ہر جگہ "نورستان فنڈ" قائم کریں۔ زندگی کی تمام ضروریات مہیا کرنے کا سامان کریں اور متعلقہ افراد سے رابطہ قائم کرکے اس سامان کی ترسیل کریں۔

ہمارے اکابرین جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت سے نوازا ہے وہ نہ صرف اپنی ذاتی امداد بہم پہنچائیں بلکہ اپنے حلقہ ہائے اثر و رسوخ (ملکی و غیر ملکی) سے نورستان کے لئے ہر قسم کی امداد بلا تاخیر حاصل کرنے کی سعی فرمائیں اور دینی و دنیاوی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔

یاد رہے کہ اہل حدیث مجاہدوں کی جماعت ہے۔ آج بالاکوٹ کا میدان جہاد اس سے بھی بلند و بالا نورستان کے کوہ و دمن میں گرم ہوا ہے۔ اور پاکستان کے جہاد آزادؤں کی کمک کا منتظر ہے جس طرح اس زمانے میں تھانیسر سے چاٹگام تک مجاہدوں کے لئے زر و مال اور نان و خورش کا سامان رات دن رواں دواں رہتا تھا آج بھی اسی جذب و شوق کی ضرورت ہے ــــ آگے بڑھیئے اور اپنے حصے کے جہاد کا فریضہ انجام دیجئے ــــ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری آواز صدا بالصحرا ثابت نہیں ہو گی ــــ خدا ہمارا، آپ کا اور نورستانی مجاہدینا

کا حامی و ناصر ہو ——— !!

اس سلسلے میں احباب صدقات وتبرعاتِ نافلہ کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم سے بھی نورستان کے مجاہدین و مہاجرین کی امداد فرما سکتے ہیں۔ یہ امداد • نقدی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ • زرعی اجناس وگندم چاول والیں وغیرہ کی صورت میں بھی • اور دیگر اشیائے ضرورت، ادویات کپڑے، کمبل وغیرہ کی صورت میں بھی۔

تعاون کے لئے حسب ذیل دو پتوں پر رجوع فرمایا جائے۔

۱ ۔ مولانا خالد گرجاکھی، جامع مسجد اہلحدیث مین روڈ۔ گرجاکھ۔ گوجرانوالہ ۔

۲ ۔ مولانا عبدالعزیز نورستانی۔ الجامعۃ الاثریہ ۔ اترآباد یونیورسٹی روڈ۔ پشاور۔ سرحد۔

(۳) سربراہ حکومت مولانا محمد افضل صاحب کے عربی اعلام نامے کا ترجمہ یہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دولت انقلابی اسلامی افغانستان

تاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

مکرم جناب حفظہ اللہ واتباعہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اما بعد۔ ہماری دعا ہے کہ آپ اپنے قرآن وسنت کے جملہ پیروکار رفقاء سمیت با عافیت وسلامت ہوں۔

محترم! اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے سلسلے میں آپ کی وافر مساعی تعریف اور قدر افزائی کی مستحق ہے۔ ہمیں اللہ سے توقع ہے کہ وہ ہمیشہ آپ کو توفیق دے گا۔

آپ کی واقفیت کے لئے عرض ہے کہ ارتباطات اور خارجیہ (بیرونی معاملوں کے تعلقات) کے صدر مولوی محمد ابراہیم صاحب حصول تعاون کے معاملہ میں ہماری طرف سے ذمہ دار مقرر کئے گئے ہیں۔ لہذا ان سے مجاہدین کی اولین ضروریات کے سلسلے میں مشورہ کریں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ اول۔ جنگی اسلحہ کی صنعت، مثلاً بندوقوں، گولیوں اور کارتوسوں کی صنعت کے لئے کارخانہ قائم کرنے میں اعانت۔

۲۔ دوم۔ بمبار طیاروں کے مقابلہ کے لئے طیارہ شکن توپوں کی ہمیں بے حد ضرورت ہے۔

۳۔ سوم۔ جرح وتعدیل اور حدیث وتفسیر کی کتابیں مثلاً فتح البیان نواب صدیق حسن خاں۔ فی ظلال القرآن، تفسیر المنار، تفسیر جواہر القرآن للطنطاوی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ابن قیم اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تمام مؤلفات۔ ابن حزم، علامہ ناصر الدین البانی اور خود آپ کی مؤلفات۔

۴۔ چہارم۔ قرآن وحدیث اور ندائے جہاد نشر کرنے کے لئے ایک ریڈیو اسٹیشن کی تعمیر۔

۵۔ پنجم۔ مختلف قسم کے کوئی ایک لاکھ موزے، جوتے اور فوجی دفاعی وردیاں جو سب کے سب برف اور ٹھنڈک سے حفاظت کرسکیں۔

اخیر میں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ترى المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (متفق علیہ) تم اہل ایمان کو باہمی محبت۔ رحمت اور لطف وعنایت میں ایسا ہی دیکھو گے جیسے ایک جسم کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو بقیہ جسم اس کے لئے بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہماری قدر افزائی و احترام قبول فرمائیں۔

محمد افضل امیر دولت اسلامی افغانستان

ڈاک کا پتہ: شاہین ٹاؤن گلی نمبر ۴ ۲۸۸۳ (T.2983) پوسٹ بکس ۷۹۱ یونیورسٹی ٹاؤن۔ پشاور (پاکستان)

ٹیلیفون نمبر: 40727

(۴) وزیر خارجہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کے عربی اعلام نامہ کا چونکہ پہلا ورق میرے پاس نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مولانا نے اس میں کیا تحریر فرمایا ہے۔ البتہ دوسرے ورق پر جو کچھ تحریر ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے پہلے ورق پر غالباً یہ بیان کیا ہے کہ دین اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر دین ہے

اس کی تعلیمات مسائل زندگی کے کسی ایک یا چند دائروں تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر میدان ۔ اور شاہراہ تمدن کے ہر موڑ پہ پوری پوری رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ دوسرے ورق پہ یہ تحریر ہے کہ: "اسلا ایسا نہیں ہے جیسا کہ آج نام کے مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام محض عبادت کا نام ہے اور سیاست، نظام اور اداری امور میں اس کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ نبوت کے منہاج اور خلفاء راشدین کے طریق پر حکومت بنانا اسلام اور مسلما کا حق ہے۔ اور اسی لئے ہم نے افغانستان میں ایک اسلامی حکومت بنائی بھی ہے۔

یہ حکومت درحقیقت فوری قوت رسانی اور نصرت وامداد کی زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ کمیونسٹ دباؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور حکومت اسلامی کی تباہی وتخریب کاری کے لئے سرخ وسفید طاقتوں کے آلۂ کارد کی یلغار زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔

اخیر میں گذارش ہے کہ آپ حضرات نورستان میں علی الفور اپنے نمائندے روانہ فرمائیے۔ تاکہ ہم نے اس علاقے کو آزاد کرانے، یہاں اسلامی حکومت تشکیل دینے، اور اس حکومت کے تحت اسلامی حدود قائم کرنے اور شرعی احکام نافذ کرنے کے جو کام انجام دئے ہیں ان کا وہ بچشم خود مشاہدہ کریں۔ اسی طرح ہم نے اللہ علی ونصیر کی مدد سے خون آشام کمیونسٹ فوجوں کو جس تباہی سے دوچار کیا ہے، اور مختلف معرکوں میں ان سے جو رائفلیں، توپخانے، گولیاں اور تباہ کن سرنگیں چھینی ہیں انہیں بھی دیکھیں۔ یہ سب محض توفیق دینے والے اللہ کی توفیق سے ہوا ہے۔ اور اللہ علی وعظیم کے سوا قوت وطاقت کا کوئی سرچشمہ نہیں۔

رئیس ارتباط امور خارجیہ
محمد ابراہیم بن عبد اللہ نورستانی

یہ مکتوب رئیس ارتباط امور خارجیہ محمد ابراہیم نورستانی نے
سربراہ مملکت کے نائب کی حیثیت سے جاری کیا۔

اخیر میں پتہ درج ہے جو پیچھے گذر چکا

بزمِ طلبہ

"امتحاں عاشق کا ہوتا ہے منافق کا نہیں"

ابو الکلام ع ہ

جب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس عالمِ رنگ و بو میں آنکھ کھولی، دنیا گمراہی، ضلالت، فسق و فجور، اور تمام قسم کی برائیوں اور خرابیوں کا اڈہ بنی ہوئی تھی۔ حالات بہت ابتر اور ناگفتہ بہ تھے۔ اصلاح و تجدید کے لیے کسی نبی، رسول کی ضرورت تھی، ایسی حالت میں دستورِ خداوندی کے مطابق آپؐ دنیا میں تشریف لائے اور چالیس سال کے بعد نبوت سے سرفراز کیے گئے، تاکہ ظلم و ستم اور ضلالت و گمراہی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ نبوت کا ملنا تھا کہ آپ کی جان نثار بیوی خدیجۃ الکبریٰ آپ کی دعوت پر ایمان لے آئیں۔ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا، پھر عاشقانِ رسول کی دھیرے دھیرے ایک فہرست تیار ہوتی گئی جس میں حضرت علیؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، زید بن ارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ، خباب بن ارتؓ، بلال حبشیؓ، اسامہ بن زیدؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ام ہانیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی اور خاندان بھی آپ کی دعوت کے زیرِ سایہ آئے جو مکہ سے دور ایک الگ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

ابھی مکی دور ہی چل رہا تھا کہ یکایک مدینہ کی گلیوں میں دعوتِ اسلام کی خوشبو پھیلنی شروع ہوئی پھر کچھ مدت کے بعد ہجرت کا حکم دیا گیا، اور مدینہ اسلام کا گہوارہ بن گیا، وہاں سے اسلام کی شعاعیں دنیا کے اطراف تک پھیلتی گئیں۔

مدینہ میں قدم رکھے ہوئے ابھی دو تین سال بھی نہ ہوئے تھے کہ صحابہ کرام کا ایک جمِ غفیر نظر آنے لگا۔ راہِ خدا میں جان و مال قربان کرنے والے فدائیوں کی ایک جماعت وجود میں آگئی، اور اس نے راہِ حق میں مصائب و آلام برداشت کرنے کے نادر نمونے دنیا کے سامنے پیش کیے، ایک کردار پیشِ خدمت ہے۔

صحابۂ کرام غزوۂ تبوک کے لیے زادِ راہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ رومی عسکر سے پنجہ آزمائی کے لیے بڑی گرمجوشی پائی جاری تھی، تاہم بعض مخلص صحابہ شریک جنگ نہ ہوئے، جن کے نام یہ ہیں :
کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔

اس وقت کعب بن مالکؓ کی مالی حالت بہت ٹھیک تھی۔ آپ نے اپنے لیے سواری بھی تیار کر رکھی تھی، جب فدائیانِ اسلام نے غزوۂ تبوک کے لیے کوچ کیا تو آپ سوچتے رہے کہ میری سواری تیز رفتار ہے ان کا ساتھ پالوں گا، لیکن خدا کی مصلحت کہ امروز و فردا میں وہ پیچھے ہی رہ گئے، سفر پر نہ نکلے۔ یہی حال حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ کا بھی ہوا۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ کعب بن مالکؓ نہیں ہیں۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج و ملال ہوا۔ پھر جب اسلامی فوجیں مشقتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتی ہوئی مدینہ واپس آئیں تو منافقین کی ایک جماعت نے آنحضور کی خدمت میں حاضر ہو کر حیلہ اور کذب گوئی کے ذریعہ عذر پیش کیا، اور آپؐ نے درگزر کرتے ہوئے ان کی باتیں مان لیں۔ لیکن عاشقانِ رسول جو اپنی غلطی پر ندامت و شرمندگی میں ڈوبے تھے، حاضر خدمت ہوئے تو یہ کہا کہ ہماری غیر حاضری کاہلی و سستی کا نتیجہ ہے، اور اس کی بنا پر معاشرہ اور سماج سے ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا، حکم ہوا کہ ان سے کوئی بات تک نہ کرے، لین دین کی بات دور کی رہی، پھر حکم ہوا کہ وہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں۔ کیفیت یہ تھی کہ کعب بن مالکؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تو آنحضور ان کی طرف رُخ مبارک کیے ہوتے لیکن جیسے ہی وہ آپؐ کے چہرے کی طرف دیکھتے آپؐ اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیتے۔ اپنے چچیرے بھائی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے سلام و کلام کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے جواب تک نہ دیا۔

اسی دوران غسان کے بادشاہ نے آپ کو خط لکھا کہ اگر آپ میرے یہاں چلے آئیں تو آپ کی خاطر مدارات کی جائے گی، لیکن حضرت کعب بن مالکؓ کے عقیدہ و ایمان میں فتور نہ آیا، آپ نے اس کے خط کو چولھے میں ڈال دیا۔

حضرت کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ جس طرح منافقین کی جماعت نے حیلہ اور دروغ گوئی سے چھٹکارا حاصل کیا تھا، اسی طرح مجھے بھی حاصل کرنا ہوتا تو مجھ سے زیادہ سخن سازی کوئی نہ کر پاتا، لیکن غیرتِ ایمانی نے اسے گوارا نہ کیا۔

بالآخر آپ کی کوتاہی پر رب پاک نے قلم عفو پھیرا، خطا بخش دی اور وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع فرمائی۔ مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ خوش خبری سن کر حضرت کعب خدمت اقدس میں تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حضرت ابو طلحہؓ نے مبارکباد دی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے، پہلے پہل خوشخبری سنانے والے کو اپنا لباس دیدیا۔ اور اب مبارکبادوں کے ہجوم میں خدمت اقدس میں بیٹھنے کے بعد اپنی پوری جائداد وقف کرنے کا اعلان فرمایا، جس میں سے کچھ قبول کی گئی اور کچھ ان کے لیے چھوڑ دی گئی۔ لیکن اس کے برعکس جب منافقین کا راز فاش ہوا تو تلملا اٹھے اور ان کے لیے منہ چھپانا مشکل ہو گیا اور پوری زندگی رسوائی کی زنجیر گلے میں لٹکائے پھرتے رہے۔ ؎

امتحاں عاشق کا ہوتا ہے منافق کا نہیں۔

صفحہ ۱۶ کا بقیہ

جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول بصراحت نقل فرما رہے ہیں کہ "آج رات کو اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا" لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان کا ہر فرزند جہاد کرتا۔ اور سلیمان علیہ السلام حانث نہ ہوتے۔" اور راوی کے بارے میں یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس طرح نہ فرمائی ہوگی۔ جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے غالباً "یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ آپ اس بات کو خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔" بڑی دیدہ دلیری اور جسارت ہے اپنے غلط انداز فکر اور خواہش نفس کی پیروی میں اس طرح کی بات کہنی حدیث کے معنی کی تحریف ہے اور یہ صحابی رسول کی شان میں گستاخی اور طعن ہے۔ محض اپنے مزعومات کی بناء پر جو حدیث کہ عین عقل و فہم کے مطابق ہے تحریف اور مخالفت کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بدظنی ہے۔

جماعت وجامعہ

کلکتہ میں شیخ الجامعۃ السلفیہ کا ورود مسعود

یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس عازم کلکتہ ہوئے کلکتہ کے احباب اور اعیان جماعت نے اس موقع کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہوئے تقریروں کے متعدد پروگرام رکھے مولانا نے مسجد نور علی لین کلکتہ میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز بھی پڑھائی۔ آپ کی ایک تقریر کا خلاصہ روزنامہ اخبار مشرق کلکتہ نے اپنی ۶ر جنوری ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ وہ اپنے نمائندہ خصوصی کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبدالوحید رحمانی نے مسجد اہلحدیث نور علی لین میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دین کی سربلندی کے لئے جد وجہد اور ایثار و قربانی کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے ہماری تاریخ کے روشن باب اس کے شاہد ہیں کہ اس کائنات کی سب سے برگزیدہ شخصیت نے دین کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور سختیاں برداشت کیں۔ مولانا نے ہجرت کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ وطن کی محبت انسانی فطرت کا داعیہ ہے ہر انسان کو اپنے پیدائشی مقام سے فطری طور پر انسیت اور لگاؤ ہوتا ہے۔ وطن سے بے وطن ہونا اور دیش سے نکل کر پردیس میں زندگی گذارنا آسان نہیں ہوا کرتا اس کا تھوڑا بہت اندازہ وہ لوگ کرسکتے ہیں جنہیں وطن سے دور رہنے اور زندگی گذارنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دین کی خاطر وطن کو خیرباد کہا اور غربت کی زندگی صرف دین کی سربلندی کی خاطر اختیار فرمائی۔ آپؐ کا یہ طرز عمل اپنی امت کے لئے مشعل راہ ہے کہ وہ بھی دین کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار رہے۔ مولانا نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آج مسلمان اندرونی اختلاف اور انتشار کا شکار ہیں۔ یہ صورت حال برصغیر ہند و پاک ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی ہے۔ ہمارے اس اختلاف اور انتشار سے اسلام دشمن قوتیں ہر محاذ پر فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں تاکہ مخالفین اسلام کے ناپاک عزائم ناکام ہوجائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہمارا اتحاد جس منشور پر ہوسکتا ہے اور جو ہر کلمہ گو مسلمان کے لئے قابل قبول بھی ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ ہماری دینی اور دنیوی فلاح انہی دو چیزوں پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ خدا کرے ہم وقت کی اس اہم پکار پر لبیک کہیں۔

ہماری نظر میں

مسلم پرسنل لاء کا ایک اہم شعبہ، اسلام کا نظام طلاق عقل ونقل کی روشنی میں

تصنیف : مولانا شکر اللہ نعمانی

کتابت ، طباعت ، کاغذ ، عمدہ ، قیمت : پندرہ روپئے

ملنے کے پتے (۱) (مصنف سے) مدرسہ انوار العلوم پوسٹ املو (مبارک پور) ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

(۲) ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی، معرفت جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب بنارس

مولانا شکر اللہ صاحب نعمانی منجھے ہوئے صاحب قلم اور بہترین محقق ہیں۔ ابتدائی دور ہی میں ان کے سامنے [illegible] کے بعض ایسے واقعات آئے کہ انہوں نے اس موضوع پر تقریباً تمام احادیث و آثار اور اقوال و آراء کو کھنگال [illegible] مختلف مکاتب فکر کے دلائل وبراہین کو سامنے رکھ کر اپنی فکری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے نہایت جانفشانی اور دقت پسندی سے تحقیق کی۔ الجواہر الغالیۃ کے نام سے موصوف کی تحقیقات کے کچھ حصے منظر عام پر آئے تو ملک کے بڑے بڑے اہل علم نے اس سے استفادہ کیا۔ اور احمد آباد کے سیمینار میں اکابر اہل علم نے اسے اپنے [illegible] کا جزو بنایا بعض غلو پسند لوگوں نے اس پر کھلے حملے اور جرح وتنقید بھی کی۔ مگر مولانا نے ان کے ارشادات کا جائزہ لے کر [illegible] کو مزید مدلل کیا۔ اور اب ان کی انہی کاوشوں کو مذکورہ بالا کتاب کی شکل میں منظر عام پر لایا گیا ہے۔

اس کتاب میں مسائل طلاق کے مختلف پہلوؤں کا ہمہ جہتی جائزہ لیتے ہوئے مجموعی طلاق ثلاثہ کے ایک یا تین ہونے کے [illegible] میں دونوں فریق کے جملہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور کسی بھی پہلو سے کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے۔

[illegible] کے دعوے کی حقیقت واضح کرنے کے لئے مجتہدین صحابہ وتابعین وغیرہم کی فہرست دیدی گئی ہے نیز اثنا عشری شیعوں [illegible] بیان کیا جاتا ہے اس بیان کی فریب کاری کا پردہ چاک کرنے کے لئے خود اثنا عشری ائمہ کے فتاوے بھی نقل کر دیئے گئے [illegible] کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ تین طلاق یکجائی دینا شرعاً حرام ہے۔ حالت حیض کی طلاق، مطلقہ کے لئے نفقہ [illegible] جیسے مسائل پر بھی داد تحقیق دی گئی ہے۔

[illegible] مسلمان جو اپنی ازدواجی زندگی کے اس نازک ترین پہلو کے سلسلے میں شرعی احکام وہدایات جاننا [illegible] کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

عظیم الشان تبلیغی و تعلیمی کانفرنس

زیر اہتمام جامعہ سراج العلوم بونڈھیار (گونڈہ)

ان شاء اللہ ادارہ اصلاح المساجد کے زیر اہتمام تعمیر شدہ جامع مسجد سراج العلوم بونڈھیار کی تقریب افتتاح کے موقعہ پر ۲۵/۲۶/ جمادی الآخری ۱۴۰۶ھ مطابق ۷/۸/ مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعہ وسنیچر ایک علمی مذاکرہ اور اجلاس عام منعقد ہوگا، مذاکرہ علمی کا موضوع ہے:

مدارس اسلامیہ میں منہج سلف کا احیاء

اجلاس عام ومذاکرہ علمی میں ہند وبیرون ہند کے ممتاز علماء کرام خطاب فرمائیں گے ہم بلا اختلاف مذہب و مسلک تمام لوگوں کو اس عظیم الشان تبلیغی وتعلیمی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

اس موقعہ پر ایک سوینیر (یادگار مجلہ) شائع کرنے کا پروگرام بھی ہے لہذا جامعہ سراج العلوم بونڈھیار کے تمام مستفیدین و فضلاء سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے نام وپتہ، مدت استفادہ وسن فراغت اور مختصر حالات نیز علمی ودینی سرگرمیوں سے جامعہ کے پتہ پر ہمیں مطلع فرمائیں۔ احسان اللہ

ناظم مجلس استقبالیہ اجلاس عام جامعہ سراج العلوم بونڈھیار

پوسٹ سکھوئیا۔ ضلع گونڈہ۔ یوپی۔ انڈیا

مولانا عبد الحمید صاحب شوپیانی

موصوف کشمیر میں مسلک اہلحدیث کے داعی اول مولانا محمد انور شوپیانی کے فرزند تھے، اور خود بھی بڑے عالم وداعی تھے، خاندان غزنویہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، ۱۵ دسمبر ۸۵ء کو انتقال کرگئے انا للہ، اللہ مغفرت کرے۔

خبریں اور گذارشات

(۱) شہر رانچی میں پہلی بار ایک باقاعدہ جمیعۃ قائم ہوئی ہے، جسکی نشست ہر پندرہ دن پر منعقد ہوتی ہے۔ (عبد الغفار جنرل سکریٹری)

(۲) جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر بلرام پور ضلع گونڈہ کے تحت مدرسۃ البنات کا باقاعدہ قیام عمل میں آگیا ہے۔ (محمد یوسف ناظم اعلی)

(۳) قصبہ صید پور ضلع بدایوں میں ۱۶/ دسمبر ۸۵ء کو مدرسہ محمدیہ کا افتتاح ہوا۔ (عبد الرحمن خاں ناظم)

(۴) پمگنور اہلحدیث مسجد کمیٹی نے مسجد کی توسیع کے لئے درخواست ہے۔ (پتہ: پمگنور اہلحدیث مسجد کمیٹی۔ پمگنور۔ اے پی)

Reg. No. R. N. 40352/81

February **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

ہماری اردو مطبوعات

(۱) قادیانیت اپنے آئینہ میں	Rs. 16/00
(۲) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری	Rs. 16/00
(۳) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	Rs 10/00
(۴) " " (حصہ دوم)	Rs. 15/00
(۵) وسیلة النجاة	Rs. 7/50
(۶) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	Rs. 28/00
(۷) " " " " (جلد دوم)	Rs. 30/00
(۸) رسالت کے سائے میں	Rs. 15/00
(۹) کتاب الکبائر	Rs. 30/00
(۱۰) رمضان المبارک کے فضائل واحکام	Rs. 3/00
(۱۱) اتباع سنت اور تقلید	Rs. 12/00
(۱۲) قیاس ایک تقابلی مطالعہ	Rs. 10/00
(۱۳) رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف	Rs. 1/25
(۱۴) جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات	Rs. 9/00
(۱۵) جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات	Rs. 11/00
(۱۶) قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام	Rs 15/00
(۱۷) تقلید اور عمل بالحدیث	Rs 8/50
(۱۸) خاتون اسلام	Rs. 9/00

مکتبہ سلفیہ ، ریوری تالاب ، بنارس

Published from Markazi Darul-Uloom

Printed by Abdul Waheed

At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi

محدث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

برگ و بار

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۳ • مارچ ۱۹۸۶ء • رجب المرجب ۱۴۰۶ھ • جلد ۵

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارا…

ترئین وکتابت: انور جا…

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے

ششماہی: ۱۳ روپے

فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے

بیرونِ ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

AKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-2210..

ٹیلیگرام: دارالسلام۔ وارانسی • ٹیلی فون: ٦٣٥٧٧

سوزِ دروں

حریمِ قلب میں ہے کون محوِ جلوہ گری / نفس نفس میں ہے رقصاں تموّجِ شرری
حریمِ ناز کے پردوں میں ارتعاش ہوا / یہ جذبِ سوزِ دروں ہے کہ نالۂ سحری
وہ سامنے ہے یہ محرومِ سیرِ دید ہوں میں / کہاں وہ حسن! کہاں تابِ دیدۂ بشری
کسے یہ ہوش کہ وہ عرضِ مدعا کرتا / وصالِ یار بھی ہے اِک طلسمِ بے خبری
ہر ایک شے میں عیاں بھی ہے وہ نہاں ہو کر / حجاب ہے کہ پسِ پردہ مشقِ جلوہ گری
مرا جنوں بھی ہے تمکینِ پیرہن اے دوست / نہ چاکِ جیب و گریباں نہ شوقِ جامہ دری
طریقِ عشق میں یہ کون سا مقام آیا؟ / کہ لب پہ آہ و فغاں ہے نہ آنکھوں میں ہے تری
بساطِ لالہ و گل ہو کہ بزمِ ماہ و نجوم / ہر انجمن میں ترے حسن کی ہے جلوہ گری
ترے حضور میں دونوں ہی باریاب ہوئے / وہ آہِ نیم شبی ہو کہ نالۂ سحری
چمک اٹھا ہے ہر اک شے میں آج حسنِ ازل / بہ ایں حجاب یہ تیری ادائے جلوہ گری
تری تڑپ ہے مری زیستِ شوق کا حاصل / سکونِ دل کا سبب ہے یہ سوزشِ جگری
ہزار شکر کہ یہ دردِ جاں نواز ترا / نہیں رہا کبھی منت پذیرِ چارہ گری
یہ سر جھکا نہ کہیں تیرے آستاں کے سوا / ہو عقل و ہوش کا عالم کہ دورِ بے خبری
دلِ حزیں میں نہیں نقشِ ماسوا کوئی / چراغِ راہ گزر تو، میں خاکِ رہگزری
نگار خانۂ عالم میں دیکھیے جس سمت / اسی کی جلوہ طرازی، اسی کی جلوہ گری
میں تشنہ لب ہوں پلادے مجھے مرے ساقی / وہ جامِ نیم شبی ہو کہ بادۂ سحری
ہے تیرے درد کی دل میں جو اک لطیف خلش / محال ہے کہ ہو لفظوں میں اس کی معنی گری
سما گیا ہے وہ کچھ اس طرح دیدہ و دل میں / اب اضطراب ہے دل میں نہ شورشِ نظری
جمالِ یار کے جلووں میں کھو گیا تابشؔ / متاعِ ہوش و خرد سب نثارِ بے خبری

نہ مال و زر میں ہے تسکین نہ عز و جاہ میں ہے
سکونِ شورشِ دل ذکرِ لاالٰہ میں ہے

تابشؔ حجازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک سرزمین پر!

(قسط ۲)

شنبہ ۳۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو نمائندگانِ نورستان سے گفتگو ختم ہو چکی تو ایک صاحب نے فیصل آباد چلنے کی دعوت دی۔ یہاں کا ارادہ تو پہلے ہی سے تھا، مگر میری مشکل یہ تھی کہ ابھی لاہور میں میری آمد درج نہیں کرائی گئی تھی۔ اور ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں جاری امتحان کی دوپہر کی نشست میں نگرانی کے لیے فی الفور جانا چاہتے تھے۔ بالآخر طے ہوا کہ دوپہر بعد روانگی عمل میں آئے۔ اس کے بعد میں محترم حافظ احمد شاکر صاحب کی رہنمائی میں سول لائن گیا۔ موصوف اندر اندراج کر رہے تھے، اور میں باہر کی دنیا دیکھ رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس "جرائم کش مرکز" کے عین سامنے سڑک کے اُس پار اسلامیہ کالج کے گیٹ کی پیشانی پر ایک سیاہ بینر کی پٹی لگی ہوئی ہے، اور اس پر لکھا ہوا ہے کہ "اسلامی جمعیۃ الطلبہ کے کارکن شاہنواز کے قاتل کو پھانسی دو"۔ جرائم کی روک تھام میں ناکامی اور حصولِ انصاف میں دشواری و نامرادی کا یہ "سیاہ اعلان" کتنا واضح ثبوت ہے اس کا کہ ان لوں کے لیے ایک روزِ حساب اور یومِ جزا کی شدید ضرورت ہے، جہاں عدل و انصاف کے تقاضے ٹھیک ٹھیک طور سے پورے کیے جا سکیں۔ **لتجزی کل نفس بما تسعی۔**

کوئی چار بجے ہم نے رختِ سفر باندھا۔ لاہور میں نوع بہ نوع سواریاں بہت نظر آتی ہیں۔ تانگوں کی تو گویا وہاں فصلِ بہار ہے۔ مگر رکشے کا کہیں وجود نہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پورے پاکستان میں کہیں رکشہ نہیں چلایا جاتا۔ پاکستان نے اپنے شہریوں کی گردن اس ذلت سے آزاد کر دی ہے۔ کاروں، بسوں اور نیم بسوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دور دراز کے لیے فلائنگ کوچ کا بڑا معقول انتظام ہے۔ اس کا ہیولیٰ قدرے لبک ہوتا ہے۔ ماڈل خوبصورت، رفتار انتہائی تیز، اندر سرد و گرم رکھنے کا سسٹم، سیٹیں ہوائی جہاز جیسی۔ ایک اور بس بڑی دلچسپ ہوتی ہے، دائیں بائیں سے اس کی باڈی قدرے پھیلی ہوئی کمان کی شکل میں

ں طرح (   ) نیم گولائی لیے ہوئے ہوتی ہے۔ کھڑکی کا شیشہ بھی اسی طرح گول ہوتا ہے۔) ۔ کونوں پر ٹین یا کسی سفید دھات کی ڈ چڑھی ہوتی ہے، اور اس پر دہلی کے المونیم کے برتنوں پر بنے ہوئے نقش و نگار کی طرح بیل بوٹے منقش ہوتے ہیں۔ بعض بعض بسوں پر کاری اور پچی کاری بھی کی ہوتی ہے، جسے دیکھ کر نوابوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ پیچھے کے شیشے پر عموماً مالک یا کمپنی کے نام کے ساتھ ں بس کو طیارہ بھی لکھا جاتا ہے، مثلاً "باجوہ طیارہ" "بلوچ طیارہ"۔ دیکھنے میں تو یہ بس کھلونا معلوم ہوتی ہے، مگر رفتار بے حد تیز۔ سنا ہے اب یہ ماڈل رخصت ہو رہا ہے۔ ہمارا سفر ایسی ہی ایک بس سے ہوا۔

فیصل آباد میں ہم محلہ حاجی آباد اتر کر جامعہ سلفیہ پہنچے تو وہاں عشاء کی نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ضیافت کا انتظام ہو گیا، اور ر ہم خواب گاہ پہنچے۔ مگر وہاں سونے کے بجائے لاہور سے ساتھ آنے والے میزبان کے ساتھ ڈھائی بجے رات تک گفتگو ہوتی رہی۔ موصوف اسم گرامی مولانا اشرف جاوید ہے۔ نئے اہلحدیث ہیں، سرگرم جوان ہیں۔ اپنے خاندان اور گاؤں میں مسلک کی کامیاب نشر و اشاعت بھی رہے ہیں۔ جامعہ سلفیہ کے مدرس اور لائبریرین ہیں۔ تاریخ اہلحدیث، خصوصاً تاریخ مجاہدین سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس تحریک کے عض بقیۃ السیف سے مل کر بہت کچھ معلومات بھی جمع کر چکے ہیں، اور اسی سلسلے میں ہندوستان آکر بنگال کے مراکز تحریک دیکھنے کے آرزومند ہیں۔

فجر بعد (یکم دسمبر ۱۹۸۵ء یوم یکشنبہ) مولانا عبدالحمید نت علی کو اپنی آمد سے مطلع کیا گیا۔ موصوف مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء میں سے ں اور کتابوں کی نشر و اشاعت کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ دورِ طالب علمی میں ایک بار بنارس بھی تشریف لا چکے ہیں۔ مدینہ میں ان سے ربار کی ملاقات رہی ہے۔ وہ اطلاع ملتے ہی جامعہ سلفیہ تشریف لائے، اور ہم سب کو اپنے گھر لے گئے۔ جو محلہ نشاط آباد میں واقع ہے۔ یہاں نشاط مل کی بلند و بالا چمنی ہر آنے والے کے استقبال کے لیے ہمہ وقت مستعد بھی رہتی ہے اور نشانِ راہ کا کام بھی دیتی ہے۔ یہ ے کی بہت بڑی مل ہے اور فیصل آباد میں اس طرح کی بہت سی ملیں ہیں۔ یہ شہر درحقیقت ایک بہت اہم صنعتی مرکز ہے جس نے پاکستان کو مختلف مصنوعات کے اندر خود کفیل بنانے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ یہاں کے بنے ہوئے کمبل اور نوع بنوع کپڑے دنیا کے اچھے اچھے صنعتی ممالک کی مصنوعات کے ہم پلہ ہیں، اور پاکستان کے اندر نہایت ارزاں بھی۔ اسی لیے باشندگانِ پاکستان اس شہر پر ناز کرتے ہیں۔ ور اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم نشاط آباد کی ایک گلی میں مڑے تو بالکل مئو ناتھ بھنجن کا سماں تھا۔ ہر طرف سے پاور لوم کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مولانا عبدالحمید صاحب کے مکان پہنچے تو ان کے برادر عزیز مولانا عبیداللہ بھی آگئے، جو حسنِ اتفاق سے ان دنوں سعودیہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ میری ان سے اس وقت اچانک ملاقات ہوئی تھی جب میں رابطہ کے تقسیم انعامات سیرت کے اجلاس میں شرکت کے لیے پہلی بار سعودی عرب گیا تھا۔ پھر مکہ میں وہ مسلسل ساتھ رہے۔ اب پاکستان میں اچانک ان سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ بے تکلف

ناشتے کے بعد قدیم شہر کا رُخ کیا گیا۔ اس شہر کا اصل نام اپنے آبادکار کے نام کی مناسبت سے لائل پور تھا۔ اور اس کی عیسائیت پرستی کا یہ تھا کہ بیچ شہر میں گھنٹہ گھر قائم کرکے مختلف زاویوں سے اس طرح سڑکیں نکالیں کہ یونین جیک کا نقشہ بن گیا۔ مگر شاہ فیصل کے سانحۂ شہادت کے بعد اس کا نام فیصل آباد رکھ دیا گیا۔ میں نے لاہور میں پہلے ہی دن اپنے عزیز سے پوچھا تھا کہ شہر لاہور کی کو خصوصیت ہندوستان کے بڑے شہروں سے مختلف نظر آتی ہے؟ تو اس نے فوراً کہا تھا کہ یہاں کی سڑکیں بہت کشادہ ہیں، واقعی سڑکیں اتنی کشادہ تھیں کہ میدان معلوم ہوتی تھیں۔ مگر جب دوسری خصوصیت پوچھی تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ بالآخر میں نے ہی کہا کہ یہاں کی عمارتیں کشادہ جگہ لے کر بنائی گئی ہیں اور بلند ہونے کے بجائے عموماً ایک منزلہ اور دو منزلہ ہیں، جس سے شہر پھیلا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں خصوصیتیں فیصل آباد میں بھی نظر آئیں۔

ہم نشاط آباد سے روانہ ہو کر گھنٹہ گھر کے قریب اترے، اور بائیں ہاتھ ایک گلی میں چل پڑے، جو اتنی کشادہ تھی کہ اسے سڑک کہنا چاہیے۔ دائیں بائیں گاڑیوں پر مختلف مصنوعات کے ڈھیر لدے ہوئے تھے۔ ہمارے یہاں شہروں میں غلہ لادنے کے لیے بیل گاڑی ہوتی ہے۔ جس میں پہیوں کے اوپر ترتیب سے پٹرے جمائے رہتے ہیں اور وہ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف بالکل کھلی رہتی ہے۔ یہاں بالکل ایسی گاڑیاں تھیں، مگر سائز ذرا اونچائی کم کر۔ اور ان میں بیل کی جگہ گدھے جُتے ہوئے تھے۔ ہوا کہ اس گاڑی کو یہاں کی زبان میں ریڑا کہتے ہیں۔ ان میں جتے ہوئے گدھے اتنے بلند قامت تھے کہ پوچھنا پڑا کہ گدھے ہی ہیں یا کسی خاص قسم کے خچر اور گھوڑے؟ بتایا گیا کہ یہ گدھے ہی ہیں۔ اور یہاں ان کا قد و قامت یہی ہوتا ہے۔ دراز قامت گھوڑوں کے مشاہدے کے بعد اس جدید مشاہدہ پر کتنا تعجب کرتا۔

چند گلیوں (یعنی سڑکوں) سے گزر کر ہمارے میزبان ایک گھر کی سیڑھی پر بلا اجازت چڑھنے لگے۔ ہم نے بھی اقتدا کی۔ ہی مرحلے کے بعد ایک متوسط حجرے میں ایک جوان عالم تشریف فرما تھے۔ تابناک چہرے پر سیاہ داڑھی۔ بڑے تپاک سے ملے، معلوم ہوا مولانا ارشاد الحق اثری ہیں، اور یہ ادارہ علوم اثریہ کا ایک گوشہ ہے، جہاں وہ اور علوم حدیث کی کتابوں کی تحقیق کا نہایت گرانقدر کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ چہرے کی نورانیت غالباً اسی پُرخلوص کا نتیجہ ہے۔ کثّر اللّٰہ فینا امثالہ۔ موصوف سے غائبانہ واقفیت تھی۔ مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ ہم دیر تک بیٹھے رہے، اور مختلف موضوعات کا گویا صحیفہ کھلا رہا۔ دورانِ گفتگو مولانا اثری نے مسند حمیدی کی ایک حدیث میں مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی خیانت دکھلائی۔ اس کا علم راقم کو کئی سال پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن مولانا اثری نے ثبوت کے لیے مجھے مکتبہ کے اس مخطوطے کا فوٹو بھی دکھلا دیا جس سے مولانا حبیب الرحمٰن نے مسند حمیدی کا متن لیا ہے۔ اس سے تقابل کیجیے تو حضرت

خیانت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے۔ میری خواہش پر مولانا اثری نے اس کی ایک فوٹو کاپی مجھے عنایت فرما دی۔ تفصیلات اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اثنائے گفتگو ایک اور بزرگ تشریف لائے۔ چہرہ عمر کے ساتھ ساتھ کردار و عمل کی پختگی اور تجربات کی وسعت کا پتہ دے رہا تھا۔ معلوم ہوا مولانا محمد اسحاق صاحب چیمہ ہیں جو کبھی جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے نظم و نسق کے ذمہ دار رہ چکے ہیں۔ مولانا بھی شریک محفل ہو گئے۔ مجھ سے مقاصد سفر دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ بس یہی جماعتی اداروں کا عموماً اور رزم گاہ بالاکوٹ کا خصوصاً مشاہدہ کرنا، جماعتی شخصیات سے ملنا ملانا۔ فرمایا قریب ہی ماموں کانجن میں ایک ادارہ جامعہ تعلیم الاسلام ہے، اسے دیکھ لیں۔ یہ بھی بالاکوٹ ہی کی ایک کڑی ہے۔ اسے دیکھے بغیر بالاکوٹ کا سفر ادھورا رہے گا۔ اس اطلاع نے سمند شوق کے لیے مہمیز کا کام دیا، اور وقت کی تنگ دامانی کے باوجود اگلے دن وہاں چلنے کا پروگرام میں نے قبول کر لیا۔

نیچے سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی، اور ہم ظہر کی نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ فرض کے بعد مجھے کچھ اپنے دیار کے احوال سنانے کا حکم دیا گیا۔ تعمیل میں میں نے چند جملے عرض کیے۔ اور اس کے بعد ہم نے شہر کے بعض دوسرے مقامات سے گزر کر واپسی کی راہ لی۔ تاہم جب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز پڑھ کر پر تکلف کھانا تناول کیا گیا۔ اور اس کے بعد ہم اگلے پروگرام کے لیے تیار ہو گئے۔ میری خواہش تھی کہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب رحمانی مدظلہ اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے ملوں۔ اور جامعہ تعلیمات اسلامیہ کا مشاہدہ کروں۔ میزبان فیصل آباد زرعی کالج یا یونیورسٹی بھی دکھلانا چاہتے تھے۔ مگر ہماری روانگی میں قدرے تاخیر ہو گئی۔ مغرب کی نماز جامعہ سلفیہ ہی میں پڑھی گئی۔ اس کے بعد ہماری پہلی منزل مولانا عبدالغفار حسن صاحب رحمانی مدظلہ کا دولت کدہ تھا، مگر وہی آخری منزل بھی ثابت ہوا۔ مولانا بڑے تپاک سے ملے اور احوالِ پاکستان اور یادِ ماضی کا دفتر کھول دیا۔

مولانا نے پاکستان میں قوانین کے "اسلامیزیشن" کے عمل کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے بڑے نپے تلے الفاظ میں مسلم جماعتوں کے خیالات اور کردار و عمل کا نقشہ کھینچا۔ فرمایا کہ اس وقت ہمارے یہاں تین طرح کی باتیں پائی جا رہی ہیں۔ (۱) غالیانہ شدت (۲) ظالمانہ شدت (۳) مجرمانہ غفلت۔ پھر ہر ایک کی تشریح کی۔ فرمایا کہ غالیانہ شدت دیوبندی اور بریلوی حضرات میں پائی جا رہی ہے۔ ان کا بہت شدت سے اصرار ہے کہ پاکستان میں خالص فقہ حنفی نافذ کی جائے اور حرف بحرف نافذ کی جائے۔ اس ضمن میں مولانا نے کہا اسلامی نظریاتی کونسل میں قسامت کے قانون پر گفتگو ہو رہی تھی۔ (قسامت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان کسی جگہ مقتول پایا جائے، لیکن قاتل کا پتہ نہ ہو۔ تاہم مختلف ذرائع سے بعض افراد کا ملوث ہونا بالکل ظاہر ہو۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر مقتول کے اولیاء اور متعلقین میں سے پچاس آدمی ایسے شخص کے متعلق قاتل ہونے کی قسم کھا لیں تو اس سے مقتول کا خون بہا

لینے کے حقدار ہو جائیں گے، لیکن اگر وہ قسم کھانے پر آمادہ نہ ہوں تو جس شخص پر قاتل ہونے کی تہمت ہے، اس کے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا علم ہے، اور وہ [illegible] کے الزام سے بری ہو جائیں گے۔ اور بری ہونے کے معنی ظاہر ہیں کہ ان سے خون بہا نہیں لیا جا سکتا۔) لیکن معلوم نہیں کس بنیاد پر علما، احناف کا اصرار تھا کہ اس کیس میں اگر قتل کے ملزم کے پچاس آدمی قسم کھالیں تب بھی ان سے خون بہا لیا جائے گا۔ مولانا نے بتلایا کہ اس معاملہ پر ان لوگوں نے فضا کو سخت جذباتی بنا دیا تھا اور اس تجویز کو قبول نہ کرنے کے معنی وہ یہ قرار دے رہے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام فقہا احناف کی تذلیل و توہین کی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود قانون دانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس تجویز کو اپنی حلق سے اتار نہیں پا رہا تھا، اور فضا جذباتی ہوتی جا رہی تھی۔

مولانا نے بتلایا کہ عام کتب احادیث کو لیے لیے تو سفر کیا نہیں جا سکتا، اس لیے میں بلوغ المرام رکھ لیا کرتا ہوں کہ اختصار کے باوجود وہ بہت جامع کتاب ہے۔ میں نے اس کتاب کے حوالے سے عبداللہ بن سہل کے قتل کا واقعہ پیش کیا، جس کا الزام یہود پر تھا۔ مگر ان کے قرابتدار قسم کھانے پر آمادہ نہ تھے (کیوں کہ انھوں نے کسی یہودی کو قتل کرتے دیکھا نہیں تھا) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تب یہود قسم کھائیں گے۔ مگر وہ یہود کی قسم پر راضی نہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے اس کی دیت ادا کر دی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کو پیش کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہی ہے اور آپ کا فیصلہ قبول کرنے میں کسی کی توہین نہیں۔ قانون داں طبقے نے اس بات کو بڑے انشراح صدر کے ساتھ قبول کیا اور کہا کہ یہ بات جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ البتہ قانونی ضابطوں اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوا۔

ملحدانہ بدعت کی توضیح کرتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ اسلامی قانون سازی کے عمل میں ایک ایسا طبقہ پوری قوت کے ساتھ دخیل ہونے کے لیے کوشاں ہے جو مغرب کے تمام الحادات کو اسلامی جامہ پہنا کر اسلامی قانون کا نام دے رہا ہے۔ یہ طبقہ قرآن و حدیث میں حیرت انگیز قسم کی تراش خراش سے کام لے رہا ہے۔ اس نے اپنے گھڑے گھڑائے ضابطوں سے حدیث کا بڑا حصہ تو یوں ہی ناقابل حجت قرار دے رکھا ہے۔ تھوڑا سا حصہ جو اس کے نقطۂ نظر سے احتجاج و استدلال کے دائرے میں آ سکتا ہے، اس کی ساری حیثیت پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق چودہ سو برس پہلے کے عرب کے خاص صحرائی ماحول سے تھا، یہ وقتی حکم تھا اور زمانہ کے تغیر اور تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس کی قانونی حیثیت ختم ہو گئی۔ مولانا نے بتلایا کہ اس اصول کی بنیاد پر صرف حدیث ہی نہیں بلکہ قرآن کے صریح اور منصوص احکام و قوانین تک کو بدلنے کی بات کہی جا رہی ہے۔

مولانا نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اس انداز فکر کی ساخت پرداخت میں مولانا امین احسن اصلاحی کے غیر متوازن فکری رجحانات کا

بڑا دخل ہے۔ اور آجکل انہی کا ایک نہایت تیز، طرار، ذہین، ہوشیار اور چالاک شاگرد اس کج فکری کی قیادت کر رہا ہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے بعض افراد کا بھی یہی رجحان ہے۔ کراچی کے بعض اکابر دیوبند کے صاحبزادگان بھی اس میں پیش پیش ہیں۔ اور ڈاکٹر اسرار احمد کی دعوت بھی فکری اتھل پتھل کا شکار ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہ بھی غلط ڈگر پر نہ چل پڑے۔

مولانا نے کہا کہ یہ لوگ غیر مقلد تو ہو گئے مگر اہلحدیث نہ ہو سکے۔ غیر مقلدیت اور اہلحدیثیت میں عموم خصوص مطلق ہے۔ غیر مقلد عام ہے۔ یعنی غیر مقلد تو ہر وہ شخص ہو جاتا ہے جو تقلید ترک کر دے، مگر اہلحدیث اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ محدثین کے مکتب فکر کو اپنا لے۔ اور عقیدہ و عمل سے لے کر قوانین و ضوابط تک ہر چیز کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھے۔ اسی لیے مولانا امین احسن اصلاحی ـــ کسی حد تک مولانا مودودی ـــ ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا حنیف ندوی وغیرہ یہ لوگ غیر مقلد تو ہیں مگر اہلحدیث نہیں۔

مولانا نے کہا کہ اس وقت پاکستان میں اس طبقہ کی طرف سے جو فکری انارکی یا ملحدانہ جدت ابھر رہی ہے، اور علماء احناف کی طرف سے جس غالیانہ شدت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، اس کا جواب صرف اور صرف جماعت اہلحدیث کے پاس ہے۔ اسی کے پاس ایسا مضبوط ٹھوس اور پائیدار اصول ہے کہ ایک طرف وہ اس الحاد کا بھی قلع قمع کر سکتی ہے اور دوسری طرف اس شدت اور جمود کو بھی توڑ سکتی ہے ادھر جو طبقہ اسلام کو نافذ کرنے اٹھا ہے، اس نے اہلحدیث کے اصول کو یعنی کتاب و سنت کو ماخذ قانون بنایا ہے، اور وہ کسی جانبداری اور عصبیت میں مبتلا ہونے کے بجائے خالی الذہن ہو کر سنجیدگی کے ساتھ کتاب و سنت کی باتیں سننے اور ماننے کو تیار ہے۔ بلکہ ان کی فطری ساخت اسی کا تقاضا کر رہی ہے، جیسا کہ قصاص اور دیگر قوانین کے تعلق سے واضح ہو چکا ہے۔ مگر یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس وقت جماعت اہلحدیث اس فیصلہ کن رول کو ادا کرنے کے بجائے مجرمانہ غفلت کا شکار ہے۔ اور اس جماعت کے علماء، حکمراں، قانون ساز اور قانون داں طبقہ کی اس فکری ہمواری سے فائدہ اٹھا کر ان کے اندر اس صحیح مکتب فکر کو فروغ دینے اور اس کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے بجائے قصے کہانیوں پر مشتمل وعظ گوئی اور غیر معقول کشمکش اور کشاکش میں مبتلا ہیں، اور اصل میدان کار سے الگ تھلگ ایک بالکل ہی دوسرے کام میں اپنی صلاحیتیں کھپا رہے ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے بنارس کا تذکرہ کیا۔ موصوف عرصہ ہوا، جامعہ رحمانیہ میں چھ سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے دور کے ایک ایک شخص کی خیریت دریافت کی۔ اپنی رہائش کی جگہوں اور گلی کوچوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ یادداشتوں کی گویا پٹاری کھول دی۔ اور ماضی کے اوراق پارینہ الٹتے رہے۔ خاصی دیر بعد ہم واپس ہونے لگے تو گاڑی نے چلنے سے انکار کر دیا، ہر چند کوشش کی گئی مگر بے سود۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مولانا نے ہماری شام کی ضیافت کر دی، جس کے لیے وہ پہلے سے مصر تھے۔ اس دوران ان کے طلباء دھکے لگانے کے [illegible] شور مچاتے گئے گاڑی کو تیار ہونے میں وقت نہ لگا۔ رات ڈھل رہی تھی اور ہم حکیم اشرف صاحب سے ملے بغیر اور جامعہ تعلیمات اسلامیہ نیز [illegible] یونیورسٹی دیکھے بغیر ہی واپس ہو گئے۔ جسے اس سفر میں دیکھنا نصیب نہ ہو سکا۔ •••

رشوت

اسلامی معاشرے کا ناسور

تحریر: رفیق مصری   ترجمہ و تلخیص: امتیاز احمد اعظمی

رشوت کے معنی اور مفہوم سے تقریباً اکثر لوگ واقف ہیں، رشوت بلاشبہ شریعت کے نزدیک ایک حرام شئے ہے۔ رشوت کا استعمال عموماً دو طرح سے ہوتا ہے، آدمی طول خاطر ہو کر اسے نقد، سامان، ہدیہ اور تحفہ کی صورت میں احقاق باطل یا ابطال حق کی غرض سے دیتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رشوت کا دینا بعض جگہ واجبی حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت میں کسی مصلحت کے پیش نظر بھی کی خدمت گزاری بھی و اخل ہے۔ رشوت لینے والا کبھی اسے ناپسندیدگی سے بھی لیتا ہے، یا راشی و مرتشی دونوں کی رضامندی کسی مصلحت اور منافع پر مبنی ہوتی ہے۔

رشوت کی تعریف: ابن عربی نے کہا ہے کہ رشوت ہر وہ مال ہے جو ذی مرتبہ شخص کو ناجائز کام لینے کے لیے دیا جائے۔ (فتح الباری: ۵/۹۱۷)

امام غزالی نے رشوت کی یوں تعریف کی ہے کہ جو مال کسی حرام کام کے لیے خرچ کیا جائے وہ رشوت ہے۔ (الاحیاء: ۵/۹۱۷)
رشوت کو بعض لوگوں نے دوسرے الفاظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ مثلاً کسی کو ہدیہ و تحفہ دینا یا کسی کا عزت و احترام اور مہمان نوازی وغیرہ

رشوت کی بابت حکم: رشوت ہر شخص کے لیے حرام ہے خواہ رشوت دینے والا ہو، یا رشوت لینے والا یا ان کے درمیان کا کوئی تیسرا شخص ہو، جبکہ ظلم کی اعانت یا حقدار کے حق کو ہڑپنا مقصود ہو۔ امام قرطبی نے اسلاف کا متفقہ فیصلہ بیان کیا ہے کہ ابطال حق یا ناجائز چیز کے لیے رشوت لینا انتہائی حرام اور خبیث قسم کا کام ہے۔

علماء کے اس فیصلہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ رشوت کا لین دین اور اس سے حصول نفع سب حرام ہے لیکن اگر رشوت لے لی گئی ہے

تو اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے اور مسلمانوں کے کسی اجتماعی کام میں صرف کیا جائے۔ اور راشی کو لوٹانا بھی جائز ہے، جبکہ اس نے استحقاقِ حق کے لیے رشوت ناپسندیدگی کی صورت میں دی تھی۔

مرتشی کے لیے رشوت قطعاً حرام ہے۔ اس سلسلہ میں جو آیات واحادیث وارد ہیں، ان سے رشوت کی حرمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها الى الحكام لتاكلوا فريقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ (البقرہ: ۱۸۸)۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ اس کو حکام تک پہنچاؤ کہ ناحق لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جان بوجھ کر کھا جاؤ۔ یعنی حاکم وقت کو رشوت اس مقصد سے دی جائے کہ وہ ناحق فیصلہ نافذ کرے کہ یہ بھی لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانا ہوا۔ (فتح القدیر: ۱/۱۸۸)

تفسیر قرطبی میں اس آیت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکام وقضاۃ کو اپنے مال میں سے رشوت مت دو کہ وہ زیادتی کا فیصلہ تمہارے حق میں کردیں۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذمت کی ہے اور ان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی اور حرام خوری کے خوگر ہیں۔: سماعون للكذب اكالون للسحت (مائدہ: ۴۲)۔

سحت کا معنی رشوت، ناجائز کمائی۔ عبد اللہ ابن مسعود سحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرے تو اس سلسلہ میں اگر وہ کوئی ہدیہ پیش کرے تو اسے قبول کرنا حرام اور رشوت میں داخل ہے۔

اسی طرح اس آیت سے بھی کچھ اسی قسم کے احکام مستنبط ہوتے ہیں: (یاخذون عرض هذا الادنى / الاعراف: ۱۶۹) (غلط طریقے سے دنیا کا مال حاصل کرتے ہیں، یعنی احکام ومعاملات کے فیصلہ میں رشوت لینا اور دنیا ساز وسامان اور مال واسباب کو غلط طور سے حاصل کرنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبیلہ ازد کے ایک شخص کو صدقہ کا عامل بنایا جس کو ابن اللتبیہ کہا جاتا تھا، جب وہ صدقہ کی وصولی کے بعد واپس آئے تو کہا یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ میرا ہے جو بطور ہدیہ مجھے ملا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی چنانچہ آپ نے ایک خطبہ دیا، اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: میں نے تم میں سے ایک شخص کو صدقہ کا عامل بنا کر بھیجا تو اس نے واپسی کے بعد کہا: هذا لكم وهذا هدية لي۔ افلا جلس في بيت ابيه وامه۔ (یہ آپ لوگوں کا ہے، اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ اچھا تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا۔

پھر دیکھا جاتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ خبردار کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ لے، ورنہ قیامت کے روز وہ اسے اٹھائے ہوئے آئے گا۔ خبردار اس وقت مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملے جو بلبلاتا اونٹ یا چلاتی گائے یا بکری لادے ہوئے آئے۔ پھر آپ نے اپنا دونوں ہاتھ بلند کیا، اور فرمایا: اللھم ھل بلغت۔ اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

معلوم ہوا کہ رشوت حرام ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی وعید بیان کی گئی ہے، اور حرام کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی عمل غیر مشروع پر اسی وقت وعید ہوتی ہے۔ جبکہ وہ کوئی بڑا گناہ ہو۔

ذیل میں مزید دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ رشوت لینے والا، رشوت دینے والا اور ان کے بیچ کا دلال سبھی سب باعث لعنت وملامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برستی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما۔ رواہ احمد (مسند)

دوسری حدیث میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ راشی اور مرتشی قضایا اور فیصلوں میں یا اسی طرح احقاق باطل وابطال حق کے لیے رشوت میں اور دیں تو یہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی زبردست پھٹکار اور دھتکار کے موجب بنتے ہیں۔ حدیث یوں ہے: لعن اللہ الراشی والمرتشی فی الحکم (احمد، ترمذی وغیرہ)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ رشوت کا لین دین شریعت کے نزدیک انتہائی قابل مذمت شئ ہے، اس پر وعید شدید ہے۔ رشوت کا مرتکب قیامت کے دن سخت ذلت ورسوائی کا شکار ہوگا۔

رشوت اور تالیفِ قلوب میں فرق:

امت کا ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ قرآن نے زکوٰۃ کے حقداروں میں تالیفِ قلوب کے لیے بھی ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اور مالی حیثیت سے بھی وہ مضبوط نہیں ہیں، ان کی دلجوئی کے لیے زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے کہ مبادا وہ مرتد نہ ہو جائیں۔ لیکن بعض حضرات نے رشوت کو تالیفِ قلب پر قیاس کر کے اسے جائز اور مباح قرار دیا، حالانکہ ان دونوں میں بہت واضح فرق ہے اور ان کی حیثیت ایک دوسرے سے جداگانہ ہے۔

تالیفِ قلب کے لیے جو مال خرچ کیا جاتا ہے، اس سے اسلام کے فروغ اور ترویج واشاعت کی توقع ہوتی ہے۔ خواہ اس کے حقدار مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اگر وہ غیر مسلم طبقہ ہے تو قبولیتِ اسلام کی امید اس سے وابستہ ہوتی ہے، اور اگر نو مسلم طبقہ ہے تو اسلام پر ثابت قدمی کی توقع ہوتی ہے۔ اس طرح غیر مسلم کے شر وفساد سے حفاظت، جنگ میں ان سے مدد اور تعاون کی امید بھی رکھی

چمکتا ہے ۔ معلوم ہوا کہ تالیفِ قلب ، اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کا موجب ہے ، اس کے برخلاف رشوت میں دین ومذہب اور اس کے ماننے والوں کی ذلت ہے ۔

تالیفِ قلوب احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا ذریعہ ہے جس سے حق وانصاف اور خیر کی اشاعت ہوتی ہے ۔ اور رشوت احقاقِ باطل اور ابطالِ حق کا ذریعہ ہے ، جس سے لوگوں کے مال کا غلط استعمال اور باطل کے پروان چڑھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے اسی وجہ سے علماء نے رشوت کے استعمال کو ایسی جگہ مباح قرار دیا ہے جہاں پر حق وانصاف کو پھلنے پھولنے کی راہ ملے ۔

تالیفِ قلب کی اجازت شرعاً نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور اس کو زکوٰۃ کا ایک مصرف بتایا گیا ہے ۔ اس کے برخلاف رشوت کو شرعاً حرام اور خبیث کمائی قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے لینے دینے والے حتیٰ کہ ان کے مابین کا پارٹ ادا کرنے والے کو بھی مطعون وملعون کہا گیا ہے ۔

رشوت نفوس وضمائر کی تخریب کا موجب ہے ، اس سے ضمیر مردہ ہوتا ہے ، اس لیے کہ جب آدمی کو بغیر ہاتھ پیر ہلائے پیسہ ملتا ہے تو وہ جان چوری ، کاہلی اور سستی کا عادی ہو جاتا ہے ، اور اس سے حرام وحلال ، جائز وناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے ۔ اس کے برعکس تالیفِ قلب سے ضمیر کی بیداری اور معاشرہ میں بااصول زندگی گزارنے کا ماحول پنپتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت وخیر خواہی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے ، اور اس بات کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے لیے جو پسند کرتا ہے ، وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے ۔

جامعہ سلفیہ میں ایک اہم علمی سیمینار

ان شاء اللہ مورخہ ۴/۵/۶ اپریل ۱۹۸۶ء کو جامعہ سلفیہ بنارس میں

" علومِ اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصّہ "

کے عنوان سے ایک اہم علمی سیمینار منعقد ہوگا ۔ جس میں یونیورسٹیوں ، جامعات اور مدارس کے فضلاء ، ماہرینِ تعلیم اور دانشوران حصہ لیں گے ۔ عرب ممالک سے بھی بعض اہم شخصیات کی شرکت متوقع ہے ۔

دفتر جامعہ سلفیہ ،

ریوڑی تالاب ۔ بنارس ۔

قسط نمبر (۲)

ختنہ : ایک اسلامی شعار

غازی عزیز ۔ سعودی عرب

ختنہ کروانا واجب ہے : اکثر اسلامی ممالک میں ختنہ پیدائش کے بعد سات سے لے کر تیرہ سال تک مختلف عمروں میں کیا جاتا ہے ۔ مکۃ المکرمہ میں جہاں رسم ختنہ کو طہار کہا جاتا ہے ؛ بچوں کا ختنہ تین سے سات سا کی عمر میں ہو جاتا ہے ۔ بعض کے نزدیک ولادت کے بعد ساتویں دن ختنہ کروانا مستحب اور زیادہ افضل ہے ۔ ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے : عق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن والحسین وختنھما لسبعۃ ایام " (رواہ البیہقی) ۔ یعنی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے اور ان کے ختنے (پیدائش کے بعد) ساتویں دن کیے ۔ " لیکن امام محمد غزالی رح بیان کرتے ہیں کہ ختنوں کے باب میں یہودیوں کی عادت ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز کر دیتے ہیں ، اس باب میں ان کی مخالفت کرنی اور اگلے دانت نکلنے تک تاخیر کرنی مستحب ہے ۔ " (احیاء العلوم للغزالی ج ا ص ۳۴ مترجم محمد احسن صدیقی نانوتوی طبع اول از دار الاشاعت کراچی ۔)

ختنہ کتنی عمر میں کرنا واجب ہے ؟ اس سلسلہ میں اہل علم حضرات میں سے ایک کثیر تعداد اس طرف گئی ہے کہ ختنہ اس وقت واج ہے جب بچہ سن بلوغ سے مشرف ہو ، کیوں کہ اس وقت وہ خداوند تعالیٰ کے احکامات اور احکام شرعیہ سے واقف اور شرعاً اس کا مکلف ہوتا ہے ۔ اگر بچہ سن بلوغ میں داخل ہوتے وقت ختنہ شدہ ہو تو اس کی عبادات اسلامی طور طریقہ اور شرع حنیف کے مطابق صحیح ہوں گی ۔ ولی کے حق میں افضل ہے کہ ختنہ کا آپریشن بچہ کی پیدائش کے بعد ساتویں دن یا شروع کے ایام ہی میں کروادے تا جب اس میں عقل آئے اور فہم امور کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ بھلے برے کی تمیز کرنے کے مرحلہ میں داخل ہو تو اپنے آپ کو ختنہ شدہ پا

ختنہ شدہ پیدا ہونیوالے بچے : اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ بعض نومولود قدرتی طور پر پیدائش کے وقت بغیر قلفہ ، یا نصف قلفہ یا بہت قلیل قلفہ کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں ۔ اگر ان بچوں کا حشفہ مکمل کھلا ہوا ہو تو ایسی صورت میں ان کے ختنہ کی حاجت نہیں ہوتی ہے ، لیکن جن بچوں کا قلفہ نصف حشفہ سے کچھ کم یا نصف یا نصف سے

بھی کچھ اوپر تک ہوتا ہے، ایسے بچوں کا ختنہ ضرور کروانا چاہیے، کیوں کہ حشفہ پر قلفہ کی موجودگی سے غلاظت رہ جانے کا احتمال باقی رہتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو بچے اس طرح یعنی ختنہ شدہ پیدا ہوتے ہیں، ان کا ختنہ جائز کرتا ہے ۔ علامہ ابن قیمؒ نے ایسے لوگوں کا ابلہ اور خرافات قرار دیا ہے۔ [۱] قدرتی طور پر مختون پیدا ہونے والے بچوں کی یہ صفت ان کے کسی جسمانی عیب یا ان کی کسی خصوصیت یا بزرگی کی علامت نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لاعلم لوگوں کا خیال ہے۔ یہ محض ایک امر رب اور مشیت الٰہی ہے۔ بہت سے غیر مسلم بچے بھی اسی کیفیت میں پیدا ہوتے دیکھے گئے ہیں۔

برصغیر میں ختنہ پر تقریب کا اہتمام اور مروجہ رسومات : ہندوستان و پاکستان میں عام طور پر غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں بچے کے ختنہ اور عقیقہ کے مواقع پر بعض بری رسومات دیکھنے میں آتی ہیں، مثلاً ناچ، رنگ، ڈھول، گانے باجے، یا مجلس میلاد کا اہتمام، گھوڑے پر بچے کو سوار کر کے کسی مسجد یا بزرگ کے مزار تک لے جانا۔ بچے کے سر پر پھول و سہرا باندھنا، نظر بد سے بچانے کے لیے اس کے چہرے پر کالا ٹیکہ لگانا، منت کے طور پر لڑکے کا کان چھیدنا، سرخ و پیلے رنگ یا کالے رنگ کا دھاگا گلے میں لٹکانا، بازو اور کمر پر باندھنا، کوئی سکہ، یا ہڈی کا ٹکڑا یا لوہے یا چاندی یا سونے کا چاند گلے میں لٹکانا۔ بچے کے سر کے چاروں طرف روپیہ کئی بار گھما کر اس کا صدقہ اور بلائیں اتارنا، بچے کے بازو پر امام ضامن باندھنا، کمر میں پٹہ اور تلوار لٹکانا، نیاز فاتحہ کرنا، اور اس کی شیرینی تقسیم کرنا وغیرہ۔ سب غیر شرعی اور جاہلانہ رسوم و اختراعات ہیں ان سے خود بچنا اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیے۔ [۲] البتہ ختنہ کے موقع پر اللہ کے نام پر ذبح کر کے دوست و احباب اور اعزا و اقرباء کی دعوت (جس کو طعام العذیرہ یا طعام الختان بھی کہتے ہیں) کے اہتمام، اور فقراء و مساکین میں اس کا صدقہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

کیا عورتوں پر بھی ختنہ ہے [۳] ؟ کیا مردوں کی طرح عورتوں یا بچیوں کا ختنہ کروانا واجب ہے ؟ اس مسئلہ میں اکثر فقہاء و ائمہ مجتہدین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عورتوں یا بچیوں کا ختنہ کروانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ عورتوں کا ختنہ کروانے کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کی دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت میں انھوں نے مردوں اور عورتوں

---

۱ : زاد المعاد للامام ابن القیم، مرج ۱ ص ۵۰ مطبعۃ السنۃ المحمدیہ۔

۲ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون "اسلام اور حقوق اطفال" دوسری قسط ماہنامہ "میثاق" لاہور ص ۴۳، ج ۳۰، عدد ۲، ۳ جنوری فروری ۱۹۸۱ء

۳ عورتوں کا ختنہ مردوں کے ختنہ سے شکلاً و حکماً بلکہ ہر لحاظ و اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کے پوشیدہ عضو بالائی ایک مخصوص حصہ کو جسے انگلش میں CLITORIS کہتے ہیں کاٹ دیا جاتا ہے جبکہ مرد میں پوشیدہ عضو کی اگلی فاضل جلد (PREPUCE) کو۔

دونوں پر ختنہ کروانا واجب قرار دیا ہے۔ دوسری روایت میں صرف مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ امام موصوفؒ کی یہ دوسری روایت اہل علم فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے اجماع اور ان باتوں کے موافق ہے جو ائمہ کرام نے اس ضمن میں بیان فرمائی ہیں اور امت مسلمہ میں نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہیں۔

یہ بات معروف ہے کہ مردوں پر ختنہ کروانا اس وقت سے واجب قرار پایا جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداتعالیٰ اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کروایا۔ لیکن عورتوں کے ختنہ کا رواج کب اور کس طرح پڑا ہے اس کے متعلق مختلف کتبِ اسلامیہ میں ایک واقعہ تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ اس طرح مذکور ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کی نسبت منقول ہے کہ: جب (حضرت) سارہ نے دیکھا کہ (حضرت) اسمٰعیل کی والدہ (حضرت ہاجرہ) سے (حضرت) ابراہیمؑ محبت کرنے لگے تو ان کے دل میں شدید غیرت پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ قسم کھا بیٹھیں کہ وہ (حضرت) ہاجرہ کے اعضاء میں سے کوئی عضو ضرور کاٹ دیں گی۔ جب یہ اطلاع (حضرت) ہاجرہ کو ہوئی تو انھوں نے ذرہ پہننا شروع کردی، جس کے دامن طویل رکھے، اور یہ دنیا کی پہلی عورت ہے جس نے دامن لمبا بنایا۔[۱] اور ایسا اس لیے کیا تاکہ چلتے وقت دامن کی رگڑ سے قدموں کے نشانات مٹ جائیں، اور (حضرت) سارہ اُن کے آنے جانے کو نہ پہچان سکیں۔ (حضرت) ابراہیمؑ نے (حضرت) سارہ سے فرمایا کہ کیا تم یہ خیر حاصل کرسکتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اپنے آپ کو راضی کرلو، اور (حضرت) ہاجرہ کا خیال چھوڑ دو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے جو قسم کھائی ہے، اب اس سے عہدہ برآ ہونا کیسے ممکن ہوگا۔ آپ نے اس کی یہ ترکیب بتائی کہ تم (حضرت) ہاجرہ کے پوشیدہ جسم کے اوپر کا حصۂ گوشت (جو ایک مستقل عضو ہے) کاٹ دو، عورتوں میں یہ ایک سنت جاری ہوجائے گی اور تمھاری قسم بھی پوری ہوجائے گی، تو وہ اس پر رضامند ہوگئیں اور اس کو کاٹ دیا اور یہ طریقہ عورتوں میں جاری ہوگیا۔

(کتاب الاذکیاء علامہ ابن الجوزیؒ، اردو ترجمہ لطائف علمیہ بترجم اشتیاق احمد صاحب ص ۲۷ مطبع دار الاشاعت کراچی ۱۱۸)

اسلام نے جب امتِ مسلمہ پر ختنہ کو مشروع کیا تو اسے صرف مردوں کے لیے خاص کیا۔ لیکن عورتوں کو اس طریقہ سے روکا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ آج بھی مصر، بلادِ یمن اور بعض عرب قبائل میں عورتوں کا ختنہ کیے جانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کہ آپؐ نے کبھی عورتوں کو ختنہ کروانے کا حکم دیا ہو، اس ضمن میں، شدادؓ کی اس حدیث کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور مروی نہیں ہے، جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ یعنی " الختان سنة للرجال مكرمة للنسا " (رواہ امام احمد) ترجمہ: ختنہ مردوں کے لیے سنت اور عورتوں کے لیے مکرمت ہے۔ " امام محمد غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں اس حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔[۲] اس حدیث سے عورتوں کے ختنہ کروانے کا اشارہ اور جواز ملتا ہے، نہ صرف جواز بلکہ اسے تکریم و مرتبہ

---

[۱] رواہ البخاری کتاب الانبیاء　[۲] ایضاً عن ابن عباس　[۳] احیاء العلوم للغزالی، ج ۱ اردو ترجمہ محمد احسن صدیقی نانوتوی ص ۲۳۴ مطبع دار الاشاعت کراچی۔ [۴] اس حدیث کے ماخذ بیان کرتے ہوئے مترجم اور حاشیہ نویس نے ان الفاظ میں صراحت

ـعت بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں محدثین کو کلام ہے۔ لیکن بعض لوگ اس کے ضعف کو تسلیم ـیں کرتے ہیں۔ اگر حدیث کی صحت فرض کر لی جائے تو بھی اس صورت میں اس حدیث سے محض عورتوں کے ختنہ کا استحباب ثابت ہوتا ہے ـجوب نہیں۔ اس کے مستحب ہونے کے لیے خود حدیث کے الفاظ "مکرمة للنساء" دلیل قاطع ہیں۔

امام محمد غزالی عورتوں کے ختنہ کے متعلق مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور چاہیے کہ عورتوں کو ختنہ کرنے میں مبالغہ ـکیا جائے۔ اُمّ عطیہ جو ختنہ کیا کرتی تھیں، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے اُمّ عطیہ! ذرا سی بو سونگھا دے ـور زیادہ مت کاٹ کہ اس قدر سے چہرہ کی آب زیادہ ہوگی اور خاوند کو اچھی معلوم ہوگی۔"[1]

(احیاء العلوم للامام محمد الغزالی ج ۱ اردو ترجمہ از محمد احسن صدیقی نانوتوی ص ۲۴۳ مطبع دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۹ء)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے؟

اس امر میں محدثین، اصحاب سیر و تاریخ کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ ـکہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے، بعض کا گمان ہے کہ پیدائش کے بعد آپ کا ختنہ شق صدر ـکے دن ملائکہ کے ہاتھوں ہوا تھا اور بعض کا قول ہے کہ آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے قریش قبیلہ کے رواج کے مطابق آپؐ کا ـختنہ خود کیا تھا۔

سید قاسم محمود صاحب مدیر "شاہکار" فاؤنڈیشن لکھتے ہیں: "رسول اللہ صلعم مختون پیدا ہوئے تھے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ـص ۸۳۴ مطبع شاہکار فاؤنڈیشن) اور اکبر شاہ خاں نجیب آبادی فرماتے ہیں: "ابن سعدؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی ـاللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے تو آپ کے ساتھ کچھ آلائش نہ نکلی، جیسی کہ اور بچوں کے ساتھ بوقت پیدائش نکلتی ہے۔ آپ ماں ـکے پیٹ ہی سے مختون پیدا ہوئے تھے۔"[2] (تاریخ اسلام مصنفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج ۱ ص ۹۰ مطبع ادارہ مرکز ادب جامع ـمسجد دیوبند۔)

اسی طرح ایک مشہور عالم دین کمال الدین بن طلحہ نے اس بات کی تائید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے ـتھے، مستقل ایک کتاب تصنیف کی اور اس میں اس باب کی تمام احادیث و روایات کو جمع کیا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ـ فرمائی ہے: "احمد و بیہقی بروایت اسامہ بسند ضعیف" (احیاء العلوم للغزالی اردو ترجمہ محمد احسن صدیقی نانوتوی ـج ۱ ص ۲۴۳) [1] امام غزالی کی بیان کردہ یہ حدیث بھی صحت کے اعتبار سے ضعیف ہے چنانچہ خود احیاء کے مترجم و حاشیہ نویس لکھتے ہیں: ـابوداؤد بروایۃ ام عطیہ بسند ضعیف (احیاء العلوم للغزالی ج ۱ ۲۴۳ اردو ترجمہ محمد احسن صدیقی نانوتوی)

[2] مشہور مصری سیرت نگار ڈاکٹر محمد حسین ہیکل "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۰ عیسوی" کے زیر عنوان لکھتے ہیں: "حضرت

مختون پیدا ہونے کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ "اس باب میں جو بھی حدیث مروی ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔" چنانچہ امام ابوالفرج ابن الجوزیؒ نے ایسی روایات کے ضعیف ہونے کا ذکر اپنی مشہور کتاب "الموضوعات" میں کیا ہے۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آپؐ کا مختون پیدا ہونا آپؐ کے خواص میں سے ہے، کیوں کہ بہت سے انسان مختون پیدا ہوتے ہیں ..... بیت المقدس کے استاد حدیث ابوعبداللہ محمد بن عثمان الخلیلی فرماتے ہیں کہ "وہ اسی طرح (یعنی مختون) پیدا ہوئے تھے، اور ان کے اہل خانہ میں سے کسی نے ان کا ختنہ نہیں کیا تھا۔

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مصنفہ امام ابن القیمؒ جزء ۱ ص ۳۵ مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

کمال الدین ابن عدیم نے کمال الدین بن طلحہ کی مذکورہ بالا تصنیف پر، جس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کی تائید میں اس باب کی کافی روایات اور احادیث جمع کی ہیں، سخت نقد و جرح کی ہے اور ان جمع کردہ تمام روایات و احادیث کا علمی جائزہ لے کر یہ واضح کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحقیقت غیر ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ آپؐ کا ختنہ اہل عرب کی عادت اور عرب قاطبہؓ کی سنت کے مطابق پیدائش کے بعد کیا گیا تھا۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ڈھائی سال کی عمر میں جس دن ملائکہ نے آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا تھا، اس دن آپ کا ختنہ بھی ملائکہ کے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔ ان کے اس گمان کی بنیاد وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو سفید پوش میرے پاس آئے مجھے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا، اور اس میں سے کچھ نکال کر پھینک دیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی۔[1] اس "چیز" سے لوگوں نے آپ کا ختنہ کیا جانا سمجھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔

محققین کا ایک تیسرا قول جو زیادہ راجح اور صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ "آپؐ کی پیدائش کے ساتویں دن آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپؐ کا ختنہ کیا۔ آپؐ کی پیدائش کی خوشی اور اعزاز میں قبیلہ والوں کی دعوت کی اور آپؐ کا نام محمد رکھا[2]۔" امام ابن الجوزیؒ اور امام ابن قیمؒ بھی اسی تیسرے قول کو ہی صحیح بتاتے ہیں۔ ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب[3] میں موجود ہے جسے

← آمنہ کے حمل اور وضع حمل (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش) میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔" (حیوٰۃ محمدؐ مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری ص ۴۷ انگریزی ترجمہ اسماعیل لے راغب الفاروقی مطبع نارتھ امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز ۱۹۷۶ء)

[1] ابن اسحاق وغیرہ وانگلش ترجمہ حیوٰۃ محمدؐ مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری ص ۵۰ طبع امریکہ۔ [2] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد للامام ابن القیمؒ جزء ۱ ص ۳۵ و تاریخ اسلام مصنفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج ۱ ص ۹۰ و انگریزی ترجمہ حیوٰۃ محمدؐ: ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری ص ۵۱

[3] اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس روایت کو طلب کیا تو اہل الحدیث میں سے کسی ایک شخص کے پاس بھی نہ پایا بجز ابن ابی السری۔

مد بن محمد بن احمد، محمد عیسیٰ، یحییٰ بن ایوب علاف، محمد بن ابی السری عسقلانی، ولید بن مسلم، شعیب عطاء خراسانی اور عکرمہ نے
ن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ ساتویں دن کیا۔ ان کی (پیدائش
خوشی اور) اعزاز میں (اہلِ قبیلہ) کو دعوت دی اور ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ "

تنہ کے صحت اور تندرستی سے متعلق فوائدِ جلیلہ :

(۱) یہ صحت کی ایک عظیم تدبیر ہے جو ختنہ شدہ شخص کو بہت سے امراض سے بچائے رکھتی ہے۔ ان امراض کی تفصیل
ختنہ نہ کروانے کے باعث پیدا ہوتے ہیں، ڈاکٹر صبری القبانی نے اپنی کتاب "حیاتنا الجنسیۃ" میں بعض دوسرے ماہرین
طب و جراحت نے اپنی اپنی تصانیف میں لکھی ہیں۔ ؎
(۲) ختنہ کروانے سے تحسین و تزئینِ خلقت اور تعدیلِ شہوت پیدا ہوتی ہے۔ (۳) ختنہ کے مقام پر سرطان پیدا ہونے کے امکانات
ت کم ہو جاتے ہیں۔ اکثر ایسے لوگوں کو سرطان حشفہ یا سرطانِ قلفہ کی شکایت میں مبتلا دیکھا گیا ہے، جو غیر ختنہ شدہ ہوتے ہیں۔
(۴) اگر بچہ کا ختنہ کروانے میں عجلت کی جائے تو ایسے بچوں میں نیند کی حالت میں پیشاب کرنے کی شکایت کم پائی جاتی ہے۔
(۵) ختنہ کروانے سے انسان سیلان شحمی، اور مفرزاتِ دھنیہ کے مسلسل خروج سے چھٹکارا پایا جاتا ہے، جو اکثر غیر شادی شدہ
جوانوں کو بیمار بنائے رکھنے کے خاص اسباب ہیں۔ (۶) ختنہ کروانے سے حشفہ و قلفہ کی معقول صفائی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے
اس کے پکنے یا سڑ جانے کا خدشہ نہیں رہتا۔ (۷) ختنہ کروانے سے تمدد کے دوران انحباس حشفہ کا خطرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ وغیرہ،

محدث :

حال ہی میں اس مسئلہ پر ایک طبی شہادت ایک ایسے ادارہ سے فراہم ہوئی ہے جو ختنہ نہ کرانے والوں کا نمائندہ اور عظیم تعلیمی ادارہ ہے۔ روزنامہ قومی مورچہ بنارس اپنی ۲۶ دسمبر ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

"سلام محض ایک طریقۂ عبادت نہیں، ایک مکمل ضابطہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
پنی شریعت کے ذریعہ زندگی کا جو دستور العمل ہمیں دیا ہے وہ حکمت و دانائی سے بھرپور ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چودہ سو سال
ی شریعت آج کی بدلی ہوئی دنیا میں کیوں کر قابلِ عمل ہو سکتی ہے، جب کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے غیر معمولی ترقی کر لی ہے۔ لیکن اس غیر معمولی
ی کے باوجود سائنس والوں نے کسی ایک معاملے میں بھی اسلامی شریعت کو ناقص نہیں پایا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لیباریٹریوں میں تحقیق و
ریسرچ کا کام کر رہے ماہرین نے اکثر معاملات میں اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی تازہ مثال اس وقت سامنے آئی، جب
س ہندو یونیورسٹی کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر ایل رستوگی نے کینسر کی شناخت اور اس کی روک تھام کے موضوع پر پڑھے جانے والے
بنار میں انکشاف کیا کہ مسلم عورتوں میں بچہ دانی کا کینسر بالکل نہیں دیکھا گیا، اور اس کی وجہ مسلمانوں میں ختنہ کا رواج ہے۔ (بقیہ ص ۲۶ پر)

؎ قدرے تفصیل محدث جنوری ۱۹۸۶ء کے شمارے میں بھی گزر چکی ہے۔

مولانا شبلی متکلم ندوی

ابو علی

جب مولانا شبلی نے ندوہ کی اندرونی چپقلش سے تنگ آکر ندوہ کے معتمد تعلیمات کے عہدہ سے استعفاء دے دیا، اور اپنے وطن اعظم گڈھ میں اپنے ہی بنائے ہوئے مکان "شبلی منزل" میں آکر بیٹھ گئے، اور اسی کو اپنی علمی، قومی، ملی اور تصنیفی سرگرمیوں کا مرکز بنانا طے کرلیا، تو ان کے پیش نظر جہاں اور بہت سے کام تھے، جن کو یہاں رہ کر انجام دینا چاہتے تھے۔ ان میں ان کی خاص برادری کا مدرسہ سرائے میر کا انتظام و اہتمام بھی تھا۔ جس کو انھی کی برادری کے چند ارباب علم نے قائم کیا تھا، جن کے سرخیل مولانا محمد شفیع صاحب تھے، جو اسی مدرسہ کے قریب کے ایک گاؤں بیدھا سے رہنے والے تھے اور بانکی پور پٹنہ کے اہلحدیثوں کے ایک مدرسہ سے فارغ تھے۔ بڑے ہی دردمند اور صاحب ورع و تقویٰ۔ ندوہ کے تعلق کے زمانہ میں اس کے ایک سالانہ جلسہ میں ندوہ کے دو ہونہار طالب علموں کو لے کر مولانا شرکت بھی فرما چکے تھے۔ ان طالب علموں نے بھی اس میں تقریریں کی تھیں۔ جس کی بہت زمانہ تک لوگوں کو یاد آتی رہی۔ ان میں سے ایک مولانا عبدالرحمن نگرامی ندوی تھے جو مولانا شبلی کے انتقال کے برسوں بعد اسی مدرسہ میں عربی زبان و ادب کے استاد ہو کر آئے اور اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے چند ہی دن میں پورے مدرسہ پر چھا گئے۔ اور اس کا بست و کشاد ان کے ہاتھوں میں آگیا۔ مولانا شبلی اپنی برادری کے اس مدرسہ سے اس کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے بعد ہی سے بہت زیادہ متاثر تھے، اور جوں جوں ندوہ سے بیزار ہوتے گئے، ان کی اس مدرسہ سے دلچسپی اور لگاؤ بڑھتا گیا۔ گو پھر کسی تقریب سے اس مدرسہ میں ان کے آنے کا اتفاق تو نہیں ہوا، لیکن اس کی خدمت کا، اپنے مخصوص دینی و مذہبی و تعلیمی تصورات و نظریات کے تحت اس کے چلانے کا خیال ان کے دل میں بڑھتا چلا گیا۔ مولانا حمیدالدین فراہی کے نام کے خطوط میں جو اس مدرسہ کے شاید انھی کی زندگی میں اعزازی ناظم ہو گئے تھے۔ جا بجا اس مدرسہ کا ذکر ہے۔ ایک خط میں ان کو لکھتے ہیں۔

"کیا تم چند روز سرائے میر کے مدرسہ میں قیام کر سکتے ہو؟ میں بھی شاید آؤں اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے اس کو گروکل کے طرز پر خالص مذہبی مدرسہ بنانا چاہیے۔ یعنی (طلبہ کی) سادہ زندگی، قناعت پسندی اور مذہبی خدمت

مطمح نظر ہو۔ "

اس کو وہ اپنے آئیڈیل کے مطابق مسلمانوں کا گروکل بنانا چاہتے تھے، جس میں آریہ اپدیشکوں کی طرح نوجوان دیہاتی طالب علموں کو اسلام کی تبلیغ کے لیے تیار کیا جائے اور ہندوستان کے ان علاقوں میں بھیجا جائے جہاں آریہ مبلغین اپنا مذہب پھیلا رہے ہوں، اور مسلمانوں کو ان کے فریب میں آجانے اور مرتد ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہو۔

وہ اس سے پہلے اسی غرض سے خود ندوہ میں جبکہ وہ اس کے معتمد تعلیمات تھے "خدام دین" کے نام سے ایک مجلس کی تشکیل کا تجربہ کر چکے تھے، جس میں ان کو بڑی کامیابی ہوئی تھی، اور لڑکے بے محابا سنسکرت اور ہندی میں اس طرح تقریر کرنے لگے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسلم زادے نہیں برہمن زادے ہیں جو اتنا عمدہ ہندی اور سنسکرت میں بولتے ہیں۔ یہی تربیت یافتہ لڑکے ندوہ کے ایک اجلاس میں ہندی اور سنسکرت میں اسلام کی حمایت میں بولے، تو لوگوں پر حیرت طاری ہوگئی۔ اس طرح کی ٹریننگ اس مدرسہ کے طلبہ کو بھی دینا چاہتے تھے، جہاں ان کو ہر طرح کی آزادی تھی۔ اور کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ اور برادری کے سب سے زیادہ باعزت و بااثر بزرگ مولانا حمید الدین فراہی کو خط کے ذریعہ اپنا ہمنوا بھی بنالیا تھا اور وہ ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے دل وجان سے تیار بھی ہوگئے تھے۔

لیکن ان کا منصوبہ بروئے کار آیا بھی نہیں تھا کہ وہ دفعۃً بیمار ہوگئے اور بالآخر چند روز کی بیماری میں اپنی زندگی کی آخری کتاب — سیرۃ النبی — اور دوسرے بہت سے علمی و تعلیمی کاموں کو ناتمام چھوڑ کر رہ گرائے عالم جاودانی ہوگئے۔

ان کے انتقال کے بعد تیسرے دن مولانا حمید الدین فراہی نے مولانا کے ان چند شاگردوں پر مشتمل جو اُس وقت شبلی منزل میں موجود تھے، اور استاد کی عیادت کے لیے آئے تھے، ایک مجلس اخوان الصفا کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ مولانا کے تمام ادھورے کاموں کی ایک ایک کرکے تکمیل کی جائے۔ اس مجلس کے، مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے علاوہ حسب ذیل اشخاص ممبر ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، اور یہی مولانا کے ہم نام و ہم وطن و ہم برادری مولانا شبلی متکلم ندوی جو آخر الذکر بھی مولانا شبلی کے بڑے چہیتے شاگرد تھے، اور ان کو درس و تدریس کے لیے خاص طور سے تیار کیا تھا۔ یہ مولانا کی وفات سے تین روز پہلے مولانا کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ مولانا نے ان کو دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میری زندگی کے حاصل تمہی لوگ ہو جہاں رہو، میری فکر اور طریقۂ تعلیم کو پھیلاتے رہو۔ مذکورہ مقصد کے تحت انہی مولانا شبلی متکلم ندوی کو، جن کو فن کلام میں مہارت کی وجہ سے زمانۂ طالب علمی ہی میں متکلم کا خطاب دیا گیا تھا، جو بعد میں ہمیشہ کے لیے ان کے نام کا جزو لاینفک ہوگیا — مدرسۃ الاصلاح کی صدر مدرسی و اہتمام اور مولانا مسعود علی ندوی کو اس کی نگرانی اور اس کا انتظام سپرد کیا گیا۔ مولانا مسعود علی تو کچھ

دنوں کے بعد مدرسہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے اور اعظم گڈھ آ کر دار المصنفین کا انتظام سنبھال لیا۔ لیکن مولانا شبلی متکلم ندوی اپنے شفیق استاد کی وصیت کے مطابق اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اور مدرسہ کا چلانا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور رفتہ رفتہ ایک معمولی مدرسہ کو اپنی محنت، جانفشانی، دلسوزی اور ایثار و قربانی سے ملک کا ایک ممتاز مدرسہ بنا دیا، اور اس کا نام بھی ندوہ، دیوبند، مظاہر العلوم، مدرسہ رحمانیہ وغیرہ عظیم و قدیم مرکزی درسگاہوں کے ساتھ لیا جانے لگا۔ اور اس میں وہ تمام خصوصیات پیدا ہو گئیں جن کا ندوہ حامل تھا۔ دار المطالعہ قائم کیا، تقریر کی مشق کے لیے ہفتہ وار جلسوں کا اہتمام کیا قلمی رسالہ کا اجراء کیا۔ ورزش کے لیے جدید انگریزی مدرسوں کے مختلف کھیلوں کا بندوبست کیا۔ غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا۔

یوں تو وہ سرائے میر کے نصاب کی ہر فن کی کتاب پڑھا سکتے تھے، اور پڑھاتے بھی تھے، لیکن ان کا اصلی ذوق فلسفہ و معقولات و علم کلام کا تھا، اور علم کلام ہی میں انھوں نے ندوہ میں تخصص مکمل کیا تھا۔ اور تعلیم سے فراغت کے بعد علم کلام ہی پڑھانے کے لیے ندوہ میں ان کا تقرر بھی ہوئی تھا۔ اس مدرسہ میں مہتمم و صدر مدرس کی حیثیت سے آئے تو فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں کی تعلیم و تدریس اپنے ذمہ لی۔ ان میں بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ جو سراسر بحث اور کلام و عقائد میں ہے، خوب پڑھاتے تھے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ پورے ہندوستان میں ان سے بڑھ کر اس کا کوئی مدرس نہ تھا۔ مولانا حمید الدین فراہی ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "مولوی شبلی اس صلاحیت کے مالک ہیں کہ درسی کتابوں کے مباحث و مطالب کو ان کے اصل مصنفین سے بھی بہتر طور پر بیان کر سکتے ہیں، اس سے بڑھ کر ان کی قابلیت کے لیے خراج تحسین اور کیا ہو سکتا ہے۔

مولانا شبلی متکلم کو بہت زیادہ قوت بیانیہ تو نہیں تھی، لیکن حجۃ اللہ البالغہ کے درس کے وقت ایسی دلکش، دلنشین اور دلچسپ تقریر کرتے تھے کہ طلبہ کو اس کتاب کے مباحث کے مشکل اور حد فہم سے باہر ہونے کا سارا احساس ہی ختم ہو جاتا تھا، اور وہ بڑی دلچسپی شوق اور لگن سے اس کتاب کو پڑھتے تھے۔

اس کی زبان اتنی مشکل اور اس کے مباحث اتنے ادق ہیں کہ کسی کو اس کے اردو میں منتقل کرنے کی ہمت نہیں ہوئی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی کے مطالعہ میں برابر رہتی تھی اور معانی و مطالب کے فہم و ادراک ان کو بڑا ملکہ ہو گیا تھا۔ ان بزرگوں کو بھی اپنی پوری زندگی میں اس کے ترجمہ کا خیال نہیں پیدا ہوا۔ میں ذرا مولانا عبد السلام صاحب سے بے تکلف تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے تو "سیو لیا" کی کتاب کے عربی ترجمہ سر تطور الامم کا ترجمہ کیا۔ تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ کیا۔ ابن خلدون کی عربی سوانح عمری کا ترجمہ کیا اور امام رازی کی سوانح حیات کا ترجمہ کیا، ابھی تک شاہ ولی اللہ

صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ اردو میں نہیں ہوا ، حالانکہ وہ ایک زمانہ سے ندوہ اور مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں شامل ہے طلبہ کو اس کے ادق مباحث کی وجہ سے اس کے مطالعہ اور پڑھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے ۔ ان کی آسانی کے لیے مہربانی کرکے اس کتاب کا بھی اپنے خاص اسلوب میں اردو ترجمہ کردیجیے ، تاکہ اس کا افادہ اور وسیع ہوجائے ، اور اردو داں بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں ۔ لیکن میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی ، اور مولانا عبدالسلام اس کے ترجمہ کے لیے آمادہ نہیں ہوئے ۔ کیا عجب ہے کہ سید صاحب فرماتے تو وہ اس کا ترجمہ کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ۔ اس کے بہت عرصہ کے بعد پاکستان سے ۱۷
جلدوں میں اس کا ترجمہ ہوکر آیا ۔ اس طرح سے یہ کمی تو پوری ہوگئی ، لیکن اس ترجمہ میں وہ برجستگی ، سلاست ، روانی ، دلکشی کہاں سے پیدا ہوسکتی تھی جو مولانا عبدالسلام کے ترجمہ میں ہوسکتی تھی ۔

علامہ شبلی کو شاہ ولی اللہ صاحب سے ، امام غزالی ، امام رازی ، ابن رشد اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ سے بھی کہیں زیادہ شغف تھا ۔ ان کے متعلق اپنی کتاب علم الکلام میں لکھتے ہیں :

" ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا ، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں ہوتی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا ، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ آخر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا ، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا ، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی ، رازی و ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑگئے ۔ "

ان کی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے متعلق گہرافشانی فرماتے ہیں :

" شاہ صاحب نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اور اس بنا پر ان کو متکلمین کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں ہے ۔ لیکن ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ، جس میں انھوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کیے ہیں درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے ۔ "

مولانا اپنی زندگی میں جن مصنفین اور ارباب علم سے متاثر ہوئے ، ان کی سوانح عمریاں تو بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لکھیں ، مثلاً الغزالی لکھی سوانح مولانا روم لکھی ۔ سیرۃ النعمان لکھی اور سوانح نگاری کا حق ادا کردیا ، لیکن اس شخص کی سوانح عمری کیوں نہیں لکھی ، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے ان کے سب سے بڑے ممدوح امام غزالی ، امام رازی اور علامہ ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑگئے ۔ یعنی شاہ ولی اللہ صاحب کی سوانح عمری جو ہندوستان میں مغل خاندان کے زوال کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی سوانح عمری کے لیے ان کے سحرنگار قلم کے سب سے زیادہ مستحق تھے ۔ وہ اگر لکھتے تو ان کی لائف بھی الفاروق ، المامون ،

الغزالی ہی کے پایہ کی ہوتی اور ارباب ذوق ان کتابوں کی طرح اس کو بھی ذوق و شوق سے پڑھتے اور استفادہ کرتے۔

ان کے شاگرد رشید اور علمی جانشین مولانا سید سلیمان ندوی بھی انھی کی طرح شاہ صاحب سے بہت زیادہ متاثر تھے، بلکہ ان کی تصنیفات ازالۃ الخفاء اور حجۃ اللہ البالغہ برابر مطالعہ میں رہتی تھیں۔ ان کی تصنیفات میں بکثرت ان کتابوں کے حوالے بھی ملیں گے۔

شاہ صاحب سے ان کے تاثر کا اندازہ انھی کی ذیل کی چند سطور سے ہو سکتا ہے۔

" دنیا کی کسی زبان میں بھی ایسے مصنف کم گزرے ہیں، جن کی تصانیف میں خواہ وہ کسی موضوع پر ہوں، ماحول اور زمانہ، اور اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات و حادثات کا اثر نہ ہو، یہ صرف شاہ ولی اللہ صاحب ہیں، جن کی تصنیفات میں اپنے دور کے سیاسی و معاشی و اقتصادی حالات کا شائبہ تک نہیں آنے پایا ہے۔ حالانکہ ان کا دور نہایت ہی پُر آشوب اور ہنگامہ خیز تھا، سارے ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ دلی کی سیاسی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ پورے ملک میں بدامنی اور ہر طرح کا شور و شر اور تباہی و بربادی تھی۔ ہر شمشیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ سکھ، مرہٹے جاٹ اور روہیلے، ملک میں اودھم مچائے ہوئے تھے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ملک کے اس اندرونی خلفشار کو دیکھ کر جب چاہتے آندھی طوفان کی طرح آتے اور خون خرابہ کر کے چلے جاتے۔ اس درمیان میں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ دلی کتنی دفعہ لٹی اور برباد ہوئی۔ یہ سب کچھ دلی کے اس تاجدار علم کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا۔ اس کے دل میں اس کو دیکھ کر اضطراب، اضطرار، انتشار، کرب، پریشانی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی رہی۔ لیکن صبر و رضا کے اس پیکر نے اپنی کسی تصنیف میں اپنے اس رنج دہ، اضطراب انگیز اور کرب آفریں ماحول کا ذرہ برابر اثر آنے نہیں دیا۔ یہ اس کی تصنیفی زندگی کا کتنا بڑا معجزہ ہے۔

شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے، آپ کو احساس بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہیں۔ لیکن ہزار ضبط و سکون کے باوجود بھی شاہ صاحب کی آنکھوں سے بالآخر آنسوؤں کے چند قطرے گر ہی گئے، اور اسی مایۂ ناز کتاب — حجۃ اللہ البالغہ — کے آخری باب میں ملک کے ان حالات پر ان کے ذہنی کرب کا اظہار ہو ہی گیا۔

انھوں نے بھی بہت سی سوانح عمریاں لکھیں اور وہ پورے علمی حلقہ میں پسند بھی کی گئیں۔ مثلاً سیرت عائشہؓ، حیات امام مالک، خیام اور حیات شبلی، لیکن ان کو بھی شاہ صاحب جیسے بزرگ سے اتنا توغل عقیدت رکھنے کے باوجود ان کی سوانح عمری

لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ وہ اپنی علمی شہرت کے لحاظ سے ان کی توجہ والتفات کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور یقیناً وہ لکھتے تو وہ بھی بہت بڑے پایہ کی کتاب ہوتی، اور اس کا مطالعہ بھی لوگ ذوق وشوق سے کرتے۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ خود قدرت کی طرف سے یہ فرض مولانا شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی ہی کے حلقہ کے ایک شہرۂ آفاق مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے لیے اٹھا رکھا گیا تھا۔ جن کے سلیقۂ سوانح نگاری کے مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے ارباب علم اور صاحب طرز انشا پرداز قائل اور مداح تھے۔

ان کے سلسلۂ تاریخ دعوت وعزیمت "کی پانچویں جلد تمام تر شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات وسوانح، خصائل وکمالات، دعوت وعزیمت کی راہ میں ان کے مصلحانہ ومجددانہ کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس طرح سے ان کی ذات سے ایک دیرینہ تمنا پوری ہوگئی، جس کے لیے ان کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے، اس کی صحیح داد وہی حضرات دے سکتے ہیں، جو اب دنیا میں نہیں رہے، لیکن ان کی ارواح کو اس سے ضرور خوشی ہوگی کہ جو کام ان سے گوناگوں مصروفیتوں اور مشغولیتوں کی وجہ سے نہیں ہو پایا، انھی کے حلقہ کے ایک صاحب عزیمت فاضل نے انجام دیدیا، اور وہ اپنے اس کارنامے پر بے تکلف کہہ سکتے ہیں کہ ؎

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

مولانا شبلی متکلم، جن کا ذکر پچھلی سطور میں آچکا ہے، وہ مولانا شبلی اور مولانا فراہی کی فکر اور طریقۂ تعلیم کے مجسم نمونہ تھے۔ جس طرح دیوبند کی تاریخ سے مولانا قاسم اور ان کی اولاد واحفاد کا، ندوہ کی تاریخ سے مولانا محمد علی مونگیری، مولانا شبلی مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، اور مولانا حکیم سید عبدالحئی، اور ان کے لائق صاحبزادوں، ڈاکٹر عبدالعلی اور مولانا سید ابوالحسن علی کا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے سرسید، محسن الملک، وقار الملک کا نام خارج نہیں کیا جاسکتا، بالکل اسی طرح مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے مولانا شبلی کے شاگرد رشید مولانا شبلی متکلم ندوی کا نام بھی خارج نہیں کیا جاسکتا جن کے دامن تربیت میں مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی وغیرہ متعدد علماء تعلیم پاکر نکلے اور انھوں نے تمام دنیا میں اپنے مدرسے کا نام روشن کیا۔

مولانا اعظم گڈھ کے ایک مردم خیز گاؤں بھہور کے رہنے والے تھے، وہاں کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے آباء واجداد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے مقابلہ میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور انگریزی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے، اور دار ورسن کو لبیک کہا ہے۔ مولانا کو بھی یہی جذبہ وراثت میں ملا تھا اور

وہ انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے۔ اصل میں ان کا ذوق خالص علمی اور تعلیمی تھا۔ اس لیے ۱۸۵۷ء کے بعد مختلف صورتوں میں آزادی کی جو تحریکیں اٹھیں، ان میں انھوں نے اپنے ذوق کی وجہ سے عملاً حصہ نہیں لیا، لیکن وہ دل سے ان تمام تحریکوں کے حامی تھے۔ ان کے تمام لڑکے اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں سب سے بڑے جناب ابوسالم سوڈان کی خرطوم یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر ہیں اور اس موضوع پر ہ ز ر ہ کے نام سے ایک کتاب بھی انگریزی میں لکھی ہے۔ دوسرے ابو حاتم صاحب پہلے بہار میں کلکٹر تھے اور اب مرکز میں کسی وزارت کے سکریٹری ہیں۔ ایک لڑکی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ میں لائبریرین ہے۔

ان کا گاؤں بمبور جغرافیہ کے اعتبار سے مبارکپور کے سواد میں شامل ہے، اس لیے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب تذکرہ علماء مبارکپور میں ان کا بھی تذکرہ لکھا ہے، اور ان کی تدریسی صلاحیت اور علمی قابلیت کی خاص طور سے تعریف کی ہے، اور ان کو مولانا شبلی نعمانی کے اجلہ علماء معتمدین میں شمار کیا ہے۔ لکھا ہے کہ بڑے ہی بے تکلف، ملنسار اور بااخلاق تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کر کے مدرسہ حنفیہ جونپور گئے، اور وہاں سے درسیات کی کچھ کتابیں پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ایک مدت تک تدریسی و تعلیمی و انتظامی خدمات انجام دیں۔ آخری عمر میں وہاں سے علیٰحدہ ہو گئے تھے۔ کچھ دنوں جونپور کی بڑی شاہی مسجد کے مدرسہ میں رہے۔ اس کے بعد پنجاب کے ایک شہر جھنگ میں بھی معلمی کی خدمات انجام دیں۔ لیکن سرائے میر کا مدرسہ چھوڑنے کے بعد کہیں ان کا دل نہیں لگا اور درس و تدریس، نظامت و اہتمام کی خدمت سے ہمیشہ کے لیے سبکدوش ہو گئے۔

جب تک باحیات رہے، دارالمصنفین آتے رہے اور یہاں کے لوگوں سے بڑے اخلاص و محبت کے ساتھ ملتے رہے۔ ان کو یہاں سید صاحب کے بعد مولانا مسعود علی ندوی سے بھی بڑا تعلق رہا، وہ بھی ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ مولانا شاہ معین الدین ندوی سے بھی ان کے بڑے مخلصانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب "حیات سلیمان" میں احباب کے ذیل میں ان کا بھی خاص طور سے ذکر کیا ہے، اگرچہ ان کا تعیال بہت بعد میں آیا۔ لکھا ہے کہ: "مولانا شبلی نے ان کو درس و تدریس کے لیے تیار کیا تھا۔ انھوں نے اعظم گڈھ میں اپنے کاموں کی تکمیل کا جو نقشہ بنایا تھا، اس میں مولانا شبلی کو مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی صدر مدرسی کے لیے تجویز کیا تھا، جس کے وہ ہر لحاظ سے مستحق تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے تلامذۂ خاص نے جب کاموں کی تقسیم کی تو مولانا شبلی متکلم کو مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی صدر مدرسی سپرد کی۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی مدرسہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اس ایثار و قربانی اور سادگی و قناعت سے عمر گزاری کہ اس کی مثالیں اس زمانہ میں کم ملیں گی۔

ان کی اور ان کے رفقاء کی کوشش سے مدرسۃ الاصلاح ایک معیاری درس گاہ بن گیا، لیکن آخر میں داخلی اختلافات کی وجہ سے اس سے علیٰحدہ ہو گئے تھے جب تک زندہ رہے، دار المصنفین اور اس کے تمام کارکنوں سے تعلقات قائم رکھے اور ان پر شفقت فرماتے رہے۔"

ان کے ساتھ متکلم کا لفظ محض امتیازی کے لیے نہیں تھا بڑھایا گیا تھا، بلکہ وہ واقعی علم کلام کے ماہر اور متکلم تھے اور اس فن کا مطالعہ بہت وسیع تھا، اور اس کو وہ بہت ہی ماہرانہ، مبتحرانہ، متکلمانہ حیثیت سے پڑھاتے تھے۔ جب تک درس کا حصہ طلبہ کے ذہن نشین نہیں ہو جاتا تھا، اُن کو تسکین نہیں ہوتی تھی، اور طرح طرح سے ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب وہ یہ سمجھ لیتے کہ طلبہ بالکل مطمئن ہو گئے ہیں تو درس کا سلسلہ بند کر دیتے۔

پڑھانے اور مدرسی کا وہبی ذوق تھا۔ سرائے میر کی مہتمی کے زمانہ میں از خود انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور سیلف اسٹڈی سے رفتہ رفتہ اس میں اتنی استعداد پیدا کرلی کہ اونچے درجہ کے عربی کے لڑکوں کو آٹھویں درجہ کی انگریزی کی ریڈر پڑھانے لگے تھے۔ اور اس طرح پڑھاتے، گویا یہ عربی کے عالم نہیں، انگریزی کے بہت اچھے ماسٹر ہیں۔

وہ اصطلاحی معنی میں اگرچہ اہلحدیث نہیں تھے۔ مگر مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے اثر سے ان کے گاؤں کے بہت سے لوگوں کی طرح، جن میں مولانا امین احسن اصلاحی کے والد حافظ مرتضیٰ بھی شامل ہیں۔ ان کا رجحان بھی اہلحدیثیت اور سلفیت ہی کی طرف تھا۔ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے اور آمین بھی بالجہر کہتے تھے، البتہ میں نے ان کو رفع یدین کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

• • •

بقیہ "ختنہ"

انھوں نے بتایا کہ بچہ دانی کے کینسر کی تین ہزار مریضاؤں کی چھان بین سے ظاہر ہوا کہ کبھی عورتیں ہندو یا سکھ تھیں۔ ڈاکٹر رستوگی نے دعویٰ کیا کہ دنیا میں بچہ دانی کے کینسر کے سب سے زیادہ واقعات ہندوستان میں ہوتے ہیں۔

اگر یہ انکشاف کوئی مسلمان ڈاکٹر کرتا تو کہا جاتا کہ اسلامی شریعت اور دستور حیات کی برتری ثابت کرنے کے لیے اس نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ شہادت ایک ہندو ڈاکٹر دے رہا ہے اور کسی حسن ظن کی بنیاد پر نہیں بلکہ برسوں کی تحقیق و ریسرچ کی بنیاد پر۔

•••

آخری قسط

مصافحہ کی شرعی حیثیت وکیفیت

مُصافحہ سے متعلق بعض جزوی مسائل

مولانا شکر اللہ نعمانی

ہندوستان کے بعض علاقوں میں عام طور پر مسلمانوں کے اندر رواج ہے کہ نماز فجر کے بعد مصلیان مسجد باہم مصافحہ کرتے ہیں۔
نیز یہ بھی رواج ہے کہ عیدگاہ میں خطبۂ عیدین کے بعد آپس میں گلے ملتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں۔
نیز یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ملاقات کے بعد مجلس سے رخصت ہوتے ہوئے الوداعی مصافحہ کرتے ہیں۔
حالانکہ حدیثوں کی رو سے ان مواقع میں مصافحہ مسنون نہیں، بلکہ اختراع و بدعت ہے۔
ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال النووی "اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وما اعتاده الناس بعد صلوٰة الصبح والعصر- لا اصل له فی الشرع علی هٰذا الوجه ولكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة، و كونهم محافظين عليها فی بعض الاحوال مفرطين فيها فی كثير من الاحوال لا يخرج ذلك عن كونه سنة، وهی من البدعة المباحة، انتهى -

ولا يخفى ان فی كلام الامام نوع تناقض، لان اتيان السنة فی بعض الاوقات لا يسمى بدعة مع ان عمل الناس فی الوقتين المذكورين ليس على وجه الاستحباب المشروع - فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة ثم اذا صلّوا يتصافحون - فاين هٰذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة. وحينئذ انها من البدع المذمومة - نعم لو دخل احد فی المسجد والناس فی صلوٰة او على ارادة الشروع فيها- فبعد الفراغ لو صافحهم لكن بشرط سبق السلام على المصافحة

فھذا من جملۃ المصافحۃ السنیۃ بلا شبھۃ۔ (کذا فی حاشیۃ المشکوٰۃ۔ ص ۴۰۲)

اسی طرح تبلیغی جماعت کے لوگوں کا وہ مصافحہ بھی خلاف سنت واکرام مسلم کے خلاف ہے جو وہ مجمعوں کے اندر چھانٹ چھانٹ کر لوگوں کی گردنیں پھاند پھاند کر مخصوص لوگوں سے کرتے پھرتے ہیں اور جھک جھک کر اپنے الٹے منہ کو دوسروں کے پیٹ سے ٹکراتے ہیں۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا۔

تحقیق لفظ و معنی "ید"

لفظ "ید" اسم مصدر ہے، معنی ہے "ہاتھ، ہتھیلی"، کلمہ مونث ہے، اس کا لام کلمہ محذوف ہے، اصل ہے "یدیٌ" یاء ماقبل کے فتحہ کی وجہ سے الف ہو کر اجتماع ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے۔ مفرد و واحد ہے۔ تثنیہ "یدان" اور جمع "ایدی" و "یدیٌ" جمع الجمع "الایادی" ہے۔

قرآن مجید میں لفظ "ید" متعدد مقامات پر مختلف معنی میں آیا ہے۔ کہیں پر "ید" سے مراد ہاتھ ہے، کہیں قبضہ و قدرت اور تصرف، کہیں جود و سخا اور کسی مقام پر ذات و شخص، کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں آیات کریمہ حسب ذیل

(۱) قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ، غلت ایدیھم۔ الآیۃ پارہ (۶) رکوع (۱۳)

(۲) انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم الآیۃ پارہ (۲۶) رکوع (۹)

(۳) ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنّٰظرین، الآیۃ پارہ (۹) رکوع (۳)

(۴) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک الآیۃ پارہ (۱۵) رکوع (۳)

(۵) واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء الآیۃ پارہ (۱۶) رکوع (۱۰)

(۶) اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا الآیۃ پارہ (۱۸) رکوع (۱۱)

(۷) وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء پارہ (۱۹) رکوع (۱۶)

(۸) اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء پارہ (۲۰) رکوع (۷)

(۹) او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح، الآیۃ پارہ (۲) رکوع (۱۵)

(۱۰) من اغترف غرفۃ بیدہ۔ الآیہ پارہ (۲) رکوع (۱۷)

(۱۱) بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر الآیۃ پارہ (۳) رکوع (۱۱)

(۱۲) قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ الآیۃ پارہ (۳) رکوع (۱۶)

(۱۳) لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک ۔ پارہ (۶) رکوع (۹)

(۱۴) وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ پارہ ۲۳ رکوع (۱۳)

(۱۵) ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم پارہ (۲۷) رکوع (۲۰)

(۱۶) تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیءٍ قدیر پارہ (۲۹) رکوع (۱)

(۱۷) حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون پارہ (۱۰) رکوع (۱۰)

(۱۸) ما قدمت یداہ ، پارہ (۱۵) رکوع (۲۰)

(۱۹) ذلک ما قدمت یداک وان اللہ لیس بظلام للعبید ۔ پارہ (۱۷) رکوع (۸)

(۲۰) تبت یدا ابی لھب وتب پارہ ۳۰ (سورۃ لھب)

ان تمام آیتوں میں جہاں جہاں لفظ "ید" بمعنی ہاتھ (عضو جسمانی) آیا ہے بلا کسی اشتباہ والتباس کے "دست واحد" مراد ہے ۔ جیساکہ " واضمم او اسلک یدک فی جیبک " میں ہے ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ سے سوال کیا ہے ، " ما تلک بیمینک یا موسیٰ ؟ " اور اس کے بعد فرمایا ہے : " اسلک یدک فی جیبک " الآیۃ اور اس کے اندر دستہائے کثیرہ ، کا احتمال نہیں ، اور جہاں کہیں بھی ایک ہاتھ سے زائد دو یا اور زیادہ ہاتھ مراد ہیں وہاں " یدان و ایدی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔ ملاحظہ ہوں مقامات مندرجہ ذیل :

پارہ ۸/۱ ، ۱۰/۴ ، ۴ و ۸/۵ ، ۶/۶ ، ۳/۷ ، ۴/۹ ، ۴/۱۰ ، ۹/۱ ، ۸/۱۰ ، ۱۲/۱۲ ، ۱۷/۱۹ ، ۸/۲۱ ، ۲۰/۲۳ ، ۱۱/۲۹ ، ۴/۲۶ اور ۵/۳

نیز احادیث نبویہ میں بھی لفظ ید دست واحد ہی کے لیے آیا ہے ۔ مثلاً مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۵۰ میں ایک طویل حدیث کے اندر یہ الفاظ وارد ہیں ۔

" قال اخذ علقمۃ بیدی قال اخذ عبد اللہ بیدی قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فعلمنی التشھد فی الصلوٰۃ التحیات للہ والصلوات والطیبات "

اس حدیث میں تین جگہ لفظ "ید" آیا ہے اور ہر جگہ ایک ہی ہاتھ مراد ہے ، دستہائے کثیرہ مراد نہیں ہیں ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ہاتھ پکڑ کر تعلیم دینا ، اہتمام تعلیم کا خاص طریقہ ہے جو اسلاف میں ہمیشہ رائج رہا ہے ۔

نیز مسند احمد کے ج ۱ ص ۴۵۱ پر ایک حدیث مذکور ہے کہ :

دخلت علی ابن مسعود انا وعمی بالهاجرة قال فاقام الصلوٰة فقمنا خلفه، قال فاخذ بی بید واخذ عمی بید قال ثم قد منا حتی جعل کل رجل مناعلی ناحیة الحدیث ۔

وفی روایة قال دخلت انا وعمی علقمة علی عبد اللّٰه بن مسعود بالهاجرة قال فاقام الظهر فقمنا خلفه فاخذ بیدی وید عمی ثم جعل احدنا عن یمینه والاخر عن یساره ثم قام بیننا فصففنا خلفه صفاً واحد ... فصل بنا فلما رکع طبق والصق ذراعیه لفخذیه وادخل کفیه بین رکبتیه، الحدیث - ۱/۴۵۹ احمد

نیز ۱/۴۴۴ پر ہے :

فاصیب یده فندر سیفه فاخذته فضربته به حتی قتلته .... قال هل هو الارجل قتله قومه الخ

قال لا، ولکنها هکذا ووضع یده فوق، وبسط یده علی یده، حاشیه ۱ ص ۵۳۴ مسند

فاتی بماء فصبه فی اناء ثم وضع کفیه فیه فجعل الماء یخرج من بین اصابعه ۔ ا ص ۴۶۰

خط رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خطا بیده ثم قال هذا سبیل اللّٰه ۔ ا ص ۴۶۵،

الصلوة مثنی، تشهد فی کل رکعتین و تضرع وتخشع و تمسکن ثم تقنع یدیك یقول ترفعها الی ربك مستقبلا ببطونها، وجهك تقول یارب، یارب ۔ ا ص ۲۱۱ احمد

حقیقت یہ ہے کہ جہاں پر ایک سے زائد ہاتھ مقصود ہوتے ہیں وہاں پر قرآن میں بھی اور احادیث میں بھی "ید" کو تثنیہ و جمع لایا جاتا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

"بل یداه مبسوطتان" "تبت یدا ابی لهب" "وایدیکم الی المرافق" و "فاقطعوا ایدیهما" و "ارجلکم الی الکعبین" و "ایدیکم منه"

و لیضع احدکم یدیه بین فخذیه اذا رکع (۱ ص ۴۴۷) احمد

فضرب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بکفیه الارض و نفخ فیهما، ثم مسح بهما وجهه وکفیه ، .....

ان تضرب بیدیك ثم تمسح بهما وجهك وکفیك ثم وضع یدیه علی الجدار فمسح وجهه وذراعیه (۱۳۰، ص ۳۴۷، ۳۴۸ مسلم)

نیز ملاحظہ ہوں احادیث باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین " رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ الحدیث نووی ۴/۹۳

رفع یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیہ ..... فروع اذنیہ ، ۴/۹۴ نووی

وبالی اراکم رافعی ایدیکم کاذناب شموص دھم " ــــــ میں " ید " ذراع " منکب " اذن ، وغیرہ لفظوں کو تثنیہ وجمع لانا ، اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ الفاظ ایسے اسم جنس ہیں کہ ان کا اطلاق فردِ واحد پر ہوتا ہے ، افرادِ کثیرہ پر نہیں ہوتا ۔ اسی طرح لفظ رجل و فرس کا بھی اطلاق ، رجلین ، و فرسین ، پر نہیں ہوتا بلکہ رجل واحد ، فرس واحد پر ہی ہوتا ہے ، چنانچہ احادیثِ ذیل میں دیکھو ۔ :

ما تقول فی ھذا الرجل ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ)

قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... فقال رجل من القوم ص۴۱ احمد

ان ابن مسعودؓ اتی فی امرأۃ تزوجھا رجل فلم یسم لھا صداقا ، ۱/۴۴۷ "

قال رجل من الانصار و اللہ لئن وجد رجل رجلا مع امرأتہ ۔ ۱/۴۴۸ "

قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... فذھب الرجل فقال عمرؓ ۱/۴۴۹ احمد

ان احادیث میں وارد لفظ " رجل " شخصِ واحد کے لیے متعین ومخصوص ہے ۔ تعدد وکثرت کا امکان عقلی بھی نہیں ۔ پس جب صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی لب ولہجہ میں " ترون یدی ھذہ ، صافحت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " کہتے ہیں تو لفظ " ید " میں تعدد وتنہا وکثرتِ ایدی کا امکان وتوہم کیسے ہوسکتا ہے ؟ کیا شری " سرسوق " جی کی طرح حضرت انسؓ کے بھی ستر ہزار مثالی ہاتھ تھے کہ انھوں نے لفظ " ھذہ " سے انہی ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا تھا ۔

تنبیہ : واضح رہے کہ حضرت انسؓ نے اپنا دایاں ہاتھ دکھا کر راوی سے کہا تھا " ترون یدی ھذہ " الحدیث ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ " باب المصافحہ " میں وارد لفظ " الید " ، " بیدہ " اور " بیدہ " کو " یدین " و " ایدی ، وبایدی " پر محمول کرنے والے اہلِ علم بخاری و مسلم میں شروع سے آخر تک ہزاروں بار آنے والے لفظوں " الید " ، " یدہ " و " بیدہ " کو کتنے ہاتھوں پر محمول کرتے ہیں ، اور کیا معنی ومفہوم لیتے ہیں ۔ ؟

• • • •

مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی
کی
حدیثِ رسولؐ میں ناروا خیانت اور جعلبازی

ابوہشام اعظمی

مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی معروف دیوبندی عالم ہیں، جنھیں "علامۂ شہیر" اور "محدث کبیر" جیسے پُرعظمت خطابات
ے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلک کے معاملے میں آپ ابتداء ہی سے غیر معمولی غلو و تشدد کا شکار رہیں، اور اسی لیے آپ سے مجادلات کا ظہور ہوتا
ہا ہے۔ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے اجلاس عام منعقدہ مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں مولانا ابو القاسم صاحب سیف
ارسی رحمہ اللہ نے "تاریخ اہلحدیث اور مسلک اہل حدیث" پر ایک مختصر اور جامع تاریخی خطبۂ صدارت لکھا تو مولانا اعظمی صاحب
وصوف نے بحیثیت اس کی تردید میں "تحقیق اہلحدیث" لکھ مارا جس میں اپنی مخصوص صلاحیتوں کا کھل کر مظاہرہ کیا ـــ بلکہ مولانا
بنارسی نے "سواء الطریق" کے نام سے اس کا ایک علمی جائزہ لیا کہ آج تک مولانا اعظمی اور ان کے مکتب فکر کی دنیائے تحقیق مہر بلب
ے۔ مجموعی طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک اہلحدیث عالم نے فتویٰ دیا کہ وہ ایک ہی ہے تو مولانا اعظمی کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، اور اس کی
د میں ایک کتاب لکھ ماری۔ جس کا رد مولانا محمد عبداللہ شائق مرحوم نے کیا۔ مگر مولانا اعظمی نے ایک اور کمال دکھلایا کہ شائق صاحب
حوم کی تردید تو یہ لکھ کر شائع کر دی کہ اپنے حلقۂ ارادت کو مطمئن کر دیا کہ جواب ہو گیا۔ مگر اس کے بعد مولانا محمد سلیمان صاحب مرحوم نے حساب
باق کر دیا۔ آٹھ رکعت تراویح کے سلسلے میں اہلحدیث علماء کی تحقیقات بھی مولانا کے لیے خار بستر بنی ہوئی تھیں۔ مگر مولانا سیف کے
اتھ اٹھ کا تجربہ سامنے تھا اس لیے ہمت نہ ہوتی تھی۔ البتہ جب محسوس کر لیا کہ میدان خالی ہے تو "رکعات تراویح" کے نام سے اپنی
یقات کا ایک مجموعہ شائع فرما دیا۔ مگر۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

میدان خالی نہ تھا، چنانچہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی مرحوم نے "انوار مصابیح" کے نام سے ان تحقیقات کی اس طرح کمر توڑ دی کہ دوبارہ اُٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ تاہم مولانا اعظمی نے رکعاتِ تراویح کو "ذیل بر انوار مصابیح" کی بیساکھی لگا کر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ تکنیک وہی تھی کہ بعض جزوی اور نام نہاد تردیدات کے ذریعہ حلقۂ ارادت کو مطمئن کر دیا جائے کہ جواب ہوگیا۔ مگر مولانا رحمانی مرحوم نے "انتقادِ صحیح" کے نام سے اس بیساکھی کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، اور مولانا اعظمی زمین بوس ہوگئے۔[1]

مولانا اعظمی نے اپنی مذکورہ تصانیف میں علمائے اسلام کی جو عبارتیں نقل کی ہیں، ان میں کتر بیونت اور تحریف و خیانت کا ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے کہ قادیانی بھی منہ تکتے رہ جائیں تاہم توقع نہ تھی کہ مولانا اعظمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پاک میں اس حرکت کا ارتکاب کرنے کی جرأت کریں گے۔ مگر "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

واقعہ یہ ہے کہ عالم عرب میں، کچھ عرصہ سے قدیم علمی مخطوطوں کی تحقیق و اشاعت کی ایک لہر چل رہی ہے۔ ایم اے، اور پی ایچ، ڈی کے طلبہ اپنی ڈگری کے لیے عموماً کسی قدیم علمی مخطوطے کی تحقیق کرتے ہیں۔ جس میں ہوتا یہ ہے کہ مخطوطہ، اور مصنف کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ کتاب کے متن کا متعدد مخطوطوں، مطبوعات (اگر ہوں) اور اصل مصادر سے مقابلہ کرکے اسے صحیح سے صحیح تر، اور جامع سے جامع تر انداز میں مرتب کیا جاتا ہے، نسخوں کے اختلافات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ احادیث، آثار، اقوال، اور عبارتوں کی حتی المقدور تخریج کی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اچھی تحقیقات پر ڈگری کے علاوہ بھاری رقوم بھی دی جاتی ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے بھی مخطوطات کی تحقیق کے اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ اور ابتک ان کی تحقیق سے مسند حمیدی مصنف عبدالرزاق، اور فتح المغیث کے بعض اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔ موصوف کی اول الذکر تحقیقات تو قدرے غنیمت ہیں، یعنی عرب یونیورسٹیوں کے عام طلبہ کی تحقیقات سے ملتی جلتی ہیں، گو من وجوہ ناقص بھی ہیں، لیکن آخر الذکر کی تحقیق تو صدرجہ گھٹیا ہے۔ تاہم ہندوستان کے دیوبندی کتب فکر کے لیے موصوف کی یہ کاوش بے نظیر تاریخی کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ مسند حمیدی کی اشاعت پر اس حلقے کے جرائد نے مولانا کی ثناخوانی میں اس انداز سے تبصرے لکھے کہ گویا امام حمیدی کے بجائے خود مولانا ہی امام بخاری کے استاد ہیں۔ مگر جب اہل نظر نے اس کے حواشی پر نظر ڈالی تو صرف یہی نہیں کہ تبصروں کے زور سے پیدا کی جانے والی خوش فہمی کا خاتمہ ہوگیا، بلکہ یہ صدرجہ المناک منظر سامنے آیا کہ مولانا اعظمی نے دیانت و امانت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے

---

[1] آج کل مولانا موصوف کے زیر سایہ ان کا مولد و مسکن مئو ناتھ بھنجن مسلکی اختلافات کا جہنم کدہ بنا ہوا ہے۔ موصوف زیر نقاب رہ کر ہر تیسرے دن کوئی نہ کوئی اشتہار اور پمفلٹ چھاپ رہے ہیں، اور دوسرا فریق منہ نہیں لگاتا تو خود ہی جواب چھاپ کر اس کا جواب الجواب لکھتے ہیں۔

پوری ڈھٹائی سے حدیثِ رسولؐ میں خیانت و تحریف کر ڈالی۔

آپ مولانا اعظمی کی تحقیق سے شائع شدہ مسند حمیدی کا ص ۲۷۷ ملاحظہ فرمائیے، جس کا فوٹو حسب ذیل ہے۔ اور اس کی آخری حدیث جس کا نمبر ۶۱۴ ہے بغور پڑھیے:

مسند الحميدي (احاديث عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما) ۲۷۷

ابيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمعوا اذان ابن ام مكتوم[١]۔

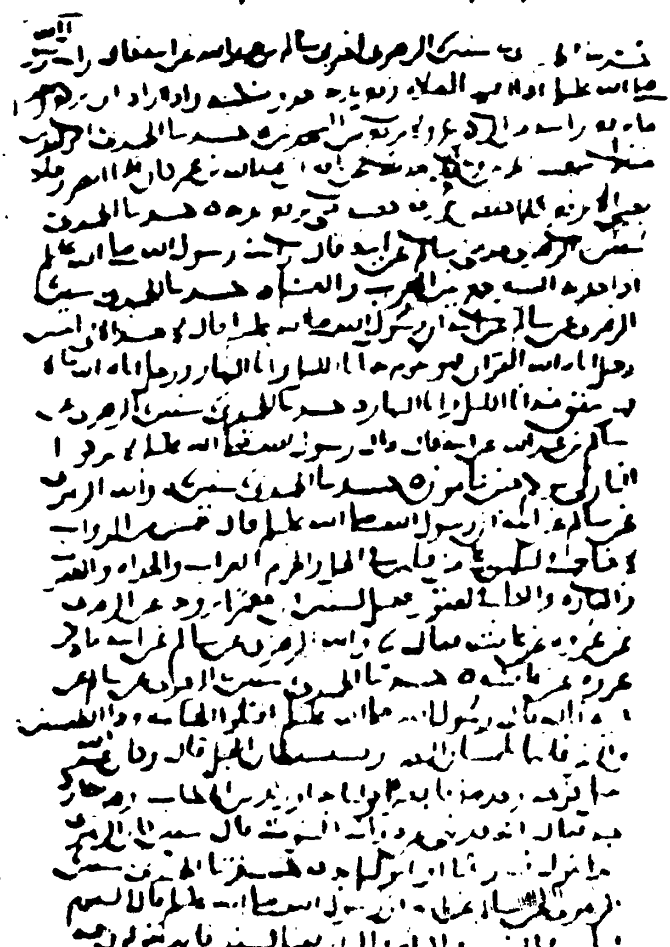
٦١٢ــ حدثنا الحميدي قال: ثنا سفيان قال: ثنا الزهري عن سالم عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا استاذنت احدكم امرأته الى المسجد فلا يمنعها[٢] قال سفيان: يرون[٣] انه بالليل۔

٦١٣ــ حدثنا الحميدي قال: ثنا سفيان قال: ثنا الزهري وحدي (وليس معي)[٤] ولا معه احد قال: اخبرني سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من باع عبداً وله مال فماله للذي باعه الا ان يشترط المبتاع، (ومن باع نخلا بعد ان تؤبّر فثمرها للبائع الا ان يشترطه المبتاع)[٥]۔

٦١٤ــ حدثنا الحميدي قال: ثنا الزهري قال: اخبرني سالم بن عبد الله عن ابيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حذو منكبيه، واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدتين[٦]۔

آخری حدیث کے ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں مونڈھوں تک اٹھاتے۔ (مگر) جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہ اٹھاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی ہاتھ نہ اٹھاتے۔

لیکن کیا واقعی اس حدیث کے الفاظ وہی ہیں جو مولانا اعظمی نے شائع کیے ہیں، یا کچھ اور ؟ اسے جاننے کے لیے مسند حمیدی کے مکتبہ ظاہریہ والے اس مخطوطہ کا فوٹو ملاحظہ فرمائیے جو مولانا اعظمی کے پیش نظر تھا۔ اور جس کی صراحت خود موصوف مسند حمیدی پر اپنے لکھے ہوئے مقدمہ کے ص ۴ پر کی ہے ——— فوٹو یہ ہے۔



زیر بحث حدیث ان فوٹو کی پہلی سطر سے شروع ہو کر تیسری سطر میں نصف کے بعد ختم ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ مخطوطہ پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والا ہر شخص بآسانی پڑھ سکتا ہے۔ جو یہ ہیں۔

حدثنا الحمیدی ثنا سفیان نا الزہری اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ

لی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما
رفع رأسہ من الرکوع، ولا یرفع بین السجدتین۔

ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز
وع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے
ب بھی ۔ (البتہ) دونوں سجدوں کے درمیان (ہاتھ) نہ اٹھاتے۔

دیکھیے! حدیث کے ان صحیح الفاظ میں — مولانا اعظمی کے ذکر کردہ الفاظ کے برعکس — کس قدر دو ٹوک انداز میں بیان
گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ یعنی مولانا اعظمی نے
الفاظ میں حدیث ذکر کی ہے، اور اس سے جو مفہوم نکلتا ہے، اس حدیث کے صحیح الفاظ اس کی پوری پوری تردید کرتے ہیں۔

درحقیقت آپ زیر بحث حدیث میں مولانا اعظمی کے شائع کردہ الفاظ کا تقابل مخطوطہ کے الفاظ سے کریں تو واضح ہوگا کہ
لانا اعظمی نے تین جگہ گڑبڑ کی ہے۔

(۱) مخطوطہ میں حدثنا الحمیدی کے بعد ثنا سفیان ہے۔ مگر مولانا نے سفیان کو ساقط کر دیا ہے۔ اس کے بعد
الزھری ہے۔ مگر مولانا نے ثنا کو گرا دیا ہے اور الزہری کو سفیان سے قبل والے ثنا کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اس طرح امام
ہری کو امام حمیدی کا براہِ راست استاد بنا دیا گیا ہے اور امام زہری سے امام حمیدی کے لیے سماع بھی ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ امام
ہری رمضان ۱۲۴ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور امام حمیدی امام شافعی (پیدائش ۱۵۰ھ) کے شاگرد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام حمیدی
اپنی پیدائش سے پہلے ہی امام زہری سے ملاقات، شاگردی اور سماع کا شرف حاصل ہو گیا۔ بھلا ایسی با کمال تحقیق مولانا اعظمی
نے محدث جلیل ۔ کے سوا اور کس کے حصہ میں آ سکتی تھی؟۔

(۲، ۳) مخطوطہ میں واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع کے بعد صرف ایک فقرہ
ہے۔ ولا یرفع بین السجدتین جس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ واذا اراد سے من الرکوع تک کا ٹکڑا
پہلے جملے کے لفظ رفع یدیہ سے وابستہ ہے، اور اس سے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھنے کے بعد رفع یدین
ثابت کرنا مقصود ہے اور ولا یرفع بین السجدتین ایک علیحدہ جملہ ہے اور اس سے دونوں سجدوں کے درمیان،
یدین کی نفی کرنا مقصود ہے۔ اس اعتبار سے جدید اصول کتابت کے مطابق من الرکوع کے بعد قاعدہ ہونا چاہیے۔
لیکن مولانا نے یہیں اصل اور بامقصد تحریف کی ہے۔ یعنی آخری جملہ میں ولا یرفع کے واو کو ف سے بدل کر

فلایرفع کردیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تحریف کے بعد فلا یرفع کا تعلق واذا اراد ان یرکع تا من الرکوع سے ہوگیا ہے ۔ اور معنی یہ بن گیا ہے کہ جب آپ رکوع جانے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ نہ اٹھاتے پھر اس تحریف سے پیدا ہونے والے اس معنی کو یقینی بنانے کے لیے مولانا نے جدید فن کتابت کا سہارا لیتے ہوئے حذو منکبیہ کے بعد واذا اراد سے پہلے قامہ لگا دیا تاکہ اس کا تعلق ماقبل سے کٹا ہوا سمجھا جائے ۔ مگر اس کے نتیجہ میں لفظ بین السجدتین مہمل ہوا جا رہا تھا ، اس لیے اس تحریف کی آبرو سلامت رکھنے کے لیے موصوف نے ایک اور تحریف کی یعنی بین السجدتین سے پہلے لفظ ولا بڑھا دیا ۔ بس ع کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

تنبیہ : مولانا اعظمی نے زیر بحث حدیث کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں ، حدیث کا کوئی واقف کار انہیں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بھی تردد ذکرے گا کہ ان میں یقیناً تحریف یا غلطی ہوئی ہے ۔ کیوں کہ امام زہری نے مذکورہ طریق سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو روایت بیان کی ہے ، اس میں باتفاق رواۃ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرنے کا ذکر ہے ۔ چنانچہ اس روایت کو امام بخاری نے امام زہری کے تین شاگردوں امام مالک ، یونس اور شعیب کے ذریعہ امام زہری سے روایت کیا ہے اور ہر ایک نے زہری سے یہی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے ۔ (دیکھیے بخاری ج ۱ ص ۱۰۲)

علاوہ ازیں مسند حمیدی کی زیر بحث روایت کو بعینہٖ اسی سند سے امام احمد نے مسند احمد (ج ۲ ص ۸) میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن (ج ۱ ص ۱۰۴ مطبوعہ رشیدیہ دہلی) میں ، اور امام بیہقی نے السنن الکبریٰ (ج ۲ ص ۶۹) میں روایت کیا ہے ۔ (ابوداؤد میں زبیدی عن الزہری کے طریق سے بھی مروی ہے) ۔ ان میں سے کسی بھی جگہ وہ بات نہیں ہے جو مولانا اعظمی کے نقل کردہ الفاظ میں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہر جگہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفعیدین کرنے کا ثبوت ہے ۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے : فان الروایۃ عن الزہری بھذا السند بالغۃ مبلغ القطع باثبات الرفع عند الرکوع وعند الاعتدال وھی فی الموطا وسائر کتب اھل الحدیث (لسان المیزان ج ۵ ص ۲۸۹) یعنی اس سند سے زہری کی روایت رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھنے کے بعد رفعیدین کے ثابت کرنے میں قطعیت کے مقام کو پہنچی ہوئی ہے ۔ اور یہ (امام مالک کی) موطا اور اہل الحدیث کی تمام کتابوں میں ہے ۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حنفیہ امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کے درمیان رفعیدین کے موضوع پر جس مزعومہ مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں ، اس میں بھی امام اوزاعی کی طرف سے رفعیدین کے ثبوت میں امام زہری کی اسی روایت کے پیش کیے جانے کا ذکر ہے ۔ (فتح القدیر لابن ہمام ، مرقاۃ القاری ، حاشیہ مشکوٰۃ)

ان حقائق کا تقاضا تھا کہ اگر مولانا اعظمی کو یہ حدیث ان الفاظ میں ملتی بھی، جنہیں موصوف نے شائع کیا ہے تو بھی بحکم ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین۔ اس تحریف پر متنبہ کرتے اور تمام حقائق کو سامنے رکھ کر صحیح کیفیت بے کم وکاست تحریر فرما دیتے۔ مگر معلوم نہیں کیوں مولانا نے ایسی برگزیدہ صف میں شامل ہونے کے بجائے ان اہل تحریف سے وابستہ ہونا پسند کیا، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید مولانا کو یقیناً معلوم ہوگی۔

تنبیہ: مسائل کی تحقیق میں تمام مسلکی عصبیتوں اور گروہی جانبداریوں سے کنارہ کش ہو کر خالص حق گوئی اور حق پسندی اور انصاف کی طلب کے جذبۂ صادق کو کلیدی حیثیت دینی چاہیے۔ کیونکہ ایک مسلمان اپنے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا پابند ہے، اور اس کے بغیر اس کے لیے فلاح وکامرانی کی تمام راہیں مسدود ہیں۔ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فانہ لایضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئاً۔ (یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت کی راہ پائی، اور جو ان کی نافرمانی کرے گا۔ وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچائے گا، اور اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔) اس لیے یہ تو ہو سکتا ہے کہ متلاشیانِ حق کے درمیان کسی مسئلہ کی شرعی نوعیت وکیفیت کی تعیین میں اختلاف پڑ جائے۔ (اور ایسے اختلافات کو پورے انشراح صدر اور کشادہ ظرف کے ساتھ قبول اور برداشت کیا جانا چاہیے) لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی حق کا متلاشی کسی شرعی مسئلہ کی نوعیت کی تحقیق کے ضمن میں اس حرکت کا ارتکاب کرے جس کا صدور مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی سے ہوا ہے۔ مگر یہ کتنی المناک حقیقت ہے کہ صرف مولانا اعظمی ہی نہیں بلکہ ان کے پیشرو بعض اکابر دیوبند نے بھی بعض خلافی مسائل میں اپنا مسلکی اور گروہی نقطۂ نظر ثابت کرنے کے لیے حدیث نبوی بلکہ قرآن کی آیت تک میں پوری ڈھٹائی سے تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ

(۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسئلہ تقلید میں اپنا نقطۂ نظر ثابت کرنے کے لیے قرآن کی ایک آیت ۔ ۔ : فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول میں اپنی طرف سے والی اولی الامر منکم کا اضافہ کر دیا۔ (دیکھیے ایضاح الادلۃ ص ۱۰۳ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی)، اور بعد کے بڑے بڑے بزرگان دیوبند اس کو اسی شکل میں چھاپتے رہے۔ حالانکہ یہ قرآن میں صریح اضافہ اور تحریف ہے۔

(۲) ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱۱۸/۲ باب من صلی صلوٰۃ مرتین میں ایک روایت یوں ذکر کی ہے وہذا حدیث صریح اخرجہ الدارقطنی عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا

صلیت فی اھلک ثم ادرکت فصلھما الا الفجر و المغرب ۔ حالانکہ سنن دارقطنی میں یہ الفاظ کہیں نہیں اگر "محدث جلیل" علامہ اعظمی صاحب اپنے سلف کے ذکر کردہ یہ الفاظ سنن دارقطنی میں دکھلا دیں تو دنیا یقیناً ان کی ممنون ہوگی ۔

(۳) علامہ احمد علی سہارنپوری نے رسالہ الدلیل القوی میں دارقطنی کے حوالہ سے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے ۔ لا یقرءن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقرآن ، قال الدارقطنی رجالہ ثقات ۔ حالانکہ دارقطنی میں یہ حدیث اس طرح ہے : فلا یقرءن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقراءۃ الا بام القرآن ھذا اسناد حسن ورجالہ ثقات کلھم ۔ (سنن الدارقطنی ص) مولانا نے لفظ الا بام القرآن کو حذف کرکے پورا حکم ہی الٹ دیا ہے ۔

(۴) وتر کی حدیث میں درمیانی جلسے کے اثبات کے لیے جو تحریف احناف نے کی تھی ، مولانا اعظمی کو اس کا تصفیہ بھولا نہ ہوگا ۔ اور ذرا پیچھے پلٹ کر جائزہ لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

چنانچہ امام زیلعی حنفی کی نصب الرایہ سامنے رکھ کر ہدایہ میں ذکر کردہ احادیث کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ صاحب ہدایہ نے احادیث نبوی میں کتنی ناجائز مداخلت کی ہے ۔ اسی لیے فقہاء کی ذکر کردہ روایات پر اعتماد نہیں کیا جاتا ۔

اور جب بزرگوں کا یہ حال ہو تو خردوں سے اس کے سوا اور کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے ۔ ابھی چند برس ہوئے مکتبہ رحیمیہ دیوبند نے حافظ ابن حجر کی مشہور کتاب بلوغ المرام چھاپی تو جس حدیث میں اذان کے بعد والی دعا مذکور ہے ۔ اس کے اندر آتِ محمد الوسیلۃ والفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ کا اضافہ کر دیا ۔

حقانی کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے ، جس میں چند مسائل کے اندر خلفائے راشدین سے اہل حدیث کا اختلاف دکھا کر مضحکہ خیز کوشش کی گئی ہے ۔ اس کی تالیف کے پیچھے متعدد دیوبندی علماء کی صلاحیتیں کارفرما ہیں ، اس میں جگہ جگہ دل کھول کر تحریف کی گئی ہے ۔ بخاری اور موطا کی طرف ایسے ایسے ابواب منسوب کیے گئے ہیں ، جن کا سرے سے ان کتابوں میں وجود ہی نہیں ، کہیں بعض الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں اور کہیں ترجمہ کچھ کا کچھ کر دیا گیا ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ●●●

عزیزانِ جامعہ کے نام

حبیب الرحمٰن[1] اعظمی عمری
ادارہ تحقیقاتِ اسلامی جامعہ دارالسلام عمرآباد

عہدِ نو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے — ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے — ملتِ ختمِ رسل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

یہ پیغام جامعہ کے فرزندوں کے لیے بھی ہے اور ان تمام عزیزوں کے لیے بھی جو کسی نہ کسی دینی درس گاہ سے وابستہ ہیں، یہ پیغام ان سارے عزیز القدر مجاہدوں کے نام ہے جو ان اسلامی قلعوں کے اندر تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ یہ ننھے مجاہد قوم کی متاعِ بے بہا اور ملت کی امانتِ گرانمایہ ہیں جو آگے چل کر ملت کے قائد، اسلام کے بے لوث خادم اور حدودِ اسلام کے فرض شناس محافظ بننے والے ہیں۔ یہ وارثانِ علومِ نبوت یہ مجاہدانِ کاروانِ اسلام، یہ سالارانِ قوم و ملت فخرِ روزگار و مایۂ صد افتخار ہیں۔ یہ قوم کی تمناؤں کا مرکز اور دین و ملت کا وقار ہیں۔ ایک روشن ترین مستقبل جن کا منتظر ہے، اور عظیم الشان کامیابیوں کے دروازے جن کی دستک کا انتظار کر رہے ہیں۔ میدانِ عمل جس گروہ کے لیے چشم براہ ہے اور وقت کا تھکا ماندہ قافلہ اس مردِ میدان کی راہ تک رہا ہے،

عزیز طلبہ! آپ حضرات کی زندگیاں قابلِ صد رشک ہیں، کیونکہ مقدس فرشتے آپ کے راستے میں پر بچھاتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں اور بلوں میں پناہ لینے والی ننھی منی چیونٹیاں آپ کی کامیابی کی آرزومند ہیں۔ آپ حضرات اس لیے بھی خوش نصیب ہیں کہ آپ کو ایسے مخلص، نیک اور دیندار والدین ملے، جنھوں نے دنیا اور دنیا کی بے شمار ترقیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دینی تعلیم کے لیے آپ کو منتخب کیا، کس قدر خوش بخت ہیں وہ ماں باپ جن کی اولاد راہِ حق کے سپاہیوں میں شامل ہو چکی ہو۔ یہی اولاد ہوگی جس کے متعلق حضور نے فرمایا کہ مرنے کے بعد جب اعمال کے دفتر بند ہو جائیں گے تو اس وقت بھی بعض لوگوں کے دفتر

کھلے رہیں گے، اور اپنی نیک اور صالح اولاد کی وجہ سے ان دفتروں میں نیکیوں اور ثواب کا برابر اندراج ہوتا رہے گا۔

آپ کے بزرگ چاہتے تو آپ کو کسی ملازمت کے چکر میں ڈال سکتے تھے۔ یا تعلیم ہی دلانی تھی تو کسی عصری علوم کی درس گاہ میں بھی بھیج سکتے تھے۔ صنعت و حرفت کے کسی شعبہ میں آپ کو داخل کرا سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ ان کی نظروں میں دین کی سب سے زیادہ اہمیت تھی، اور ان کے دلوں میں مذہب کی سب سے زیادہ محبت تھی، لہٰذا انھوں نے اپنی اولاد کے لیے وہی چیز پسند کی جو خود ان کو پسند تھی۔ اس طرح خود بھی فائدے میں رہے اور آپ لوگوں کو بھی فائدے میں رکھا۔ اس اعتبار سے آپ ان بزرگوں کے جس قدر بھی شکر گزار ہوں کم ہے۔

عزیز بھائیو! آپ نے ایک دینی درس گاہ میں قدم رکھ کر اللہ کے اس فرمان کی بجا آوری کا ثبوت دیا ہے۔ "فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (توبہ ۱۲۲)

یعنی ہر طبقے میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑی ہو اور پھر واپس لوٹ کر اپنے لوگوں تک دین کا وہ پیغام پہنچائے تاکہ لوگ چوکنے ہو جائیں۔ آج آپ حضرات نے اسی حکم خداوندی کے پیشِ نظر اپنے گھروں کو چھوڑ کر، عیش و آرام کی زندگی کو ترک کر کے، کئی قسم کی قربانیاں دے کر، اور صعوبتِ سفر جھیل کر، یہاں تک آنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ حضرات نے والدین اور عزیزوں سے دوری، اور آپ کے بزرگوں نے آپ کی جدائی کی کلفت محض اللہ کی خاطر اور اس کے دین کی خاطر برداشت کی ہے۔ آپ لوگوں نے ایک بہت بڑی ذمہ داری کے لیے خود کو پیش کر کے غیر معمولی جرأت مندی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کی پہنائیاں اور پہاڑوں کی عظمت سامانیاں جس بارِ امانت کی متحمل نہیں ہو سکیں، اس عظیم بارِ امانت کو اپنی ناتوانی اور کمزوری کے احساس کے باوجود آپ حضرات نے اپنے کندھوں پر اٹھا لینے کا عزم کر کے یقیناً بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس راہ میں آپ کو استقامت و استقلال عطا فرمائے۔

برادرانِ عزیز! یہ درس گاہیں، یہ دینی مدارس و مکاتب حقیقت میں اسلامی قلعے ہیں۔ یہ دین کی پناگاہیں ہیں، یہ دین کے عظیم الشان مراکز ہیں، جہاں مستقبل کے بے نفس رضاکار، جانباز سپاہی، اور سرفروش مجاہد ڈھالے جا رہے ہیں۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ ایسے قلعے جگہ جگہ تعمیر کرے، تعمیر کرائے، اور تعمیر شدہ قلعوں کو مزید مستحکم کرے۔ قوم اپنے ذہین، چالاک، اور سمجھدار بچوں کو اس کثرت سے اس میں داخل کرائے کہ سمائی مشکل ہو جائے۔ ان ننھے مجاہدوں کو قوم کی نظروں میں وہی مقام اور مرتبہ حاصل ہونا چاہیے جو ہر زندہ قوم اپنے جانباز سپاہیوں کو دیتی ہے۔ ان مجاہدوں کی زندگی پوری قوم کی زندگی اور ان کا وقار پوری قوم کا وقار ہے۔ یہ نوجوان قوم کا حاصل، ملت کا جوہر اور دنیائے علم کی آبرو ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور اس کا عظیم احسان ہے کہ اس نے آپ حضرات کو اس زبردست اعزاز کے حصول کا موقع عنایت فرمایا ہے۔ یہ درس گاہیں جہاں آپ کے شب و روز حصول علم کے لیے وقف ہیں، جہاں صبح و شام علوم و فنون کے نئے نئے شگوفے کھلتے اور اپنی عطر بیز ہواؤں سے مشام جاں کو معطر کرتے رہتے ہیں۔ "قال اللہ" اور "قال الرسول" کی وجد انگیز اور ایمان افروز صدائیں کانوں میں رس گھولتی ہیں، حکمت علم و دانش کے جوہری جہاں اپنی دکانیں سجاتے ہیں، اس اہم مقام کو پاکر آپ نے بہت کچھ پالیا لیکن اس حقیقت سے آپ ایک لمحے کے لیے غافل نہ ہوں کہ آپ کا ان درس گاہوں میں بھیجا جانا، یہاں آپ کا آنا اور زندگی کی بیش قیمت ساعتوں کا یہاں صرف کرنا اپنے ساتھ ایک ٹھوس مقصد بھی رکھتا ہے، اس مقصد کو آپ نے سمجھا اور ہمیشہ اس کو نگاہوں میں رکھا تو یقیناً آپ خوش نصیب ہوں گے۔ راستے کی کلفتیں بھی آپ کو راحتیں محسوس ہوں گی۔ راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے بہتر ثابت ہوں گے، اور متصادم ہونے والی ہر رکاوٹ آپ کے لیے حوصلہ مندیوں کے نئے باب کھولے گی۔

خدانخواستہ ایک لمحے کے لیے بھی اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوا تو یہ وقت کا سب سے بڑا گھاٹا اور ناقابل تلافی خسارہ ہوگا۔ اگر کہیں آپ نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ درس گاہیں، یہ مدارس اور یہاں کے شب و روز کے مشاغل ہی آپ کی منزل مقصود ہیں۔ تو اس وقت بھی آپ نقصان ہی کا سودا کریں گے، کیوں کہ یہ مرکز اور یہاں کی مشغولیات تو اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

نظر کی منزل مقصود مہر و ماہ نہیں
یہ جلوہ گاہ کے پردے میں جلوہ گاہ نہیں

آپ کا مقصود اصلی تو بہت بلند اور بے حد عظیم ہے۔ آگے چل کر آپ کو قوم کی قیادت سنبھالنی ہے۔ ملت کی سرداری اور پیشوائی آپ کو ملنے والی ہے۔ امامت و سیادت کا بلند منصب آپ کے حصے میں آنے والا ہے۔ یہ درس گاہیں اصل میں آپ کے لیے تربیت گاہیں ہیں، جہاں آپ کو مستقبل کی ذمہ داریوں کا اہل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جہاں خام سونے کو اس قدر تپایا جاتا ہے کہ کندن بن جائے ناتراشیدہ پتھروں کو اس قرینے سے تراشا جاتا ہے کہ وہ کوہ نور اور دریائے نور بن کر ایک عالم کی نگاہوں کو خیرہ کر سکیں۔ راستے کو منزل سمجھ لینا کارواں کی موت ہے۔ اس کے برعکس منزل کی جستجو مسافر کو نئے عزم اور حوصلے سے ہمکنار کرتی ہے۔

عزیزان محترم! آئندہ چل کر جس میدان میں آپ کو کام کرنا ہے اور جس وادی میں آپ کو قدم رکھنا ہے، وہ میدان بڑا ہی صبر آزما اور وہ وادی بڑی ہی پرخار ہوگی۔ قدم قدم پر رکاوٹیں حائل ہوں گی، ٹھوکریں لگیں گی، تلوے لہولہان ہوں گے، جذبات مجروح ہوں گے احساسات زخمی ہوں گے۔ ذہنی اذیت ناقابل برداشت ہوگی۔ ان سب باتوں کا آپ کو مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا، اور ہر لمحہ اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ حوصلے پست نہ ہوں، ولولے پژمردہ نہ ہوں؛ وقت کے سانچے میں ڈھل کر ہی نکھرتی ہے حیات

فرمانِ رسالت ہے کہ اس راہ کی دشواریوں کے سخت ترین مراحل انبیاء کے حصے میں آئے ہیں، پھر اس کے بعد ان لوگوں کا مقسوم ہیں جو ان کے وارث ہوں گے، اور جو دعوت و تبلیغ کا فریضہ انبیاء و رسل کے نہج پر انجام دینا چاہیں گے۔ مقصد کی راہ میں پوری لگن کے ساتھ آگے بڑھنے والوں کے لیے راستے کی ہر رکاوٹ مہمیز کا کام دیتی ہے۔ ؏

بڑھتا ہے ذوقِ جرم مرا ہر سزا کے بعد

راہِ طلب میں مسافر نہ کسی خطرے کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ خوفناک صورتحال سے کبھی خائف ہوتا ہے بلکہ نامساعد حالات، نئے عزائم اور نئے حوصلوں کو جنم دیتے ہیں، بشرطیکہ طلب صادق ہو۔

آپ جب میدانِ عمل میں آئیں گے تو آپ کو طرح طرح کے لوگوں سے پالا پڑے گا۔ اگر کچھ لوگ آپ کے مشن کو نظرِ استحسان سے دیکھنے والے ہوں گے تو ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی تنقیدی نگاہیں آپ کو ہر زاویہ سے ٹٹول رہی ہوں گی۔ آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بننا پڑے گا، اور طنز و نشتر کے تیر بھی سہنے ہوں گے۔ مگر اس وقت آپ نہ پست ہمت ہوں، اور نہ حوصلہ ہاریں، بلکہ اس اصول کو پیشِ نظر رکھیں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

راستے کے ہر پتھر کو ٹھوکر سے نہیں، بلکہ حکمتِ عملی سے دور کرنا ہوگا۔ ہر ایک مشکل گتھی کو حسنِ تدبیر سے سلجھانا ہوگا اور ایک ایک گرہ کو ناخنِ تدبیر سے کھولنا ہوگا۔ کبھی آپ کی پیشانیوں پر بل نہ آئے، کسی کے خلاف آپ کے دل میں نفرت و کدورت کا جذبہ نہ ابھرے، کوئی آپ کی دشمنی پر آمادہ ہو تو آپ اسکو دوست بنانے کی فکر کریں، کوئی آپ کے درپئے آزار ہو تو آپ اس کی خیر خواہی پر کمربستہ ہو جائیں کوئی آپ سے دور بھاگنا چاہے تو آپ اس سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں، کوئی آپ کو گالیاں دے تو آپ اس کو دعائیں دیں، کوئی آپ پر خشت باری کرے تو آپ کہیں: "اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" اگر آپ پر کوئی تنقید کرے تو آپ اس کا برا ماننے کے بجائے خود اپنی کمزوریوں کا احتساب کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی طرف مائل ہوں۔

ایک مبلغ اور داعی کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ وہ فراخ دل اور فراخ حوصلہ ہو، ہر قسم کی تنگ نظری، کوتاہ بینی، غلط اندیشی جانبداری اور تعصب سے اس کے دل و دماغ پاک و صاف ہوں۔ تعصب نے ہمیشہ نفرتوں اور کدورتوں کو جنم دیا ہے، حقائق پر خود فریبیوں کے دبیز غلاف چڑھائے ہیں۔ اخوت و محبت کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوا ہے، دماغوں کی آزادی کو سلب کیا ہے اور دلوں کو نورِ بصیرت سے محروم کیا ہے۔ یہ شجرِ خبیث ہمیشہ ہی سے انسانی معاشرہ میں وہ تباہ کاریاں لایا ہے کہ الامان والحفیظ۔

شجر ہے فرقہ بندی اور تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

جب آپ عوام کے سامنے بحیثیت داعی جائیں گے تو آپ صرف داعی اور داعی اسلام ہوں گے، آپ کا مذہب اسلام ہوگا اور آپ کا مسلک اتباع سنت رسول ﷺ۔ کتاب وسنت کے پیغام کو کتاب وسنت کے نہج پر آپ پیش کریں گے۔ اور یہ روح پرور صدائے قرآنی آپ کے سامع قلوب سے ٹکرا رہی ہوگی۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۔ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۔ أَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۔ قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۔ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ مَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۔ ساتھ ہی یہ فرمودات رسالت سامعہ نواز ہو رہے ہوں گے: بلغوا عني ولو آية ۔ الداعي محمد فمن أطاع محمداً فقد أطاع الله ومن عصى محمداً فقد عصى الله ۔ مَن أحبّ سُنّتي فقد أحبّني ومَن أحبّني كان معي في الجنة ۔ تركتُ فيكم أمرين كتاب الله وسُنّتي ۔ مَن تمسّك بسُنّتي عِندَ فسادِ أمّتي فلهُ أجرُ مائةِ شهيد۔

داعی حق کی حیثیت سے نہ آپ کسی مخصوص فقہی مسلک کے نمائندے ہوں گے اور نہ کسی قسم کی خاندانی روایات و معتقدات کے محافظ و علمبردار۔ بلکہ آپ خدا کے مخلص بندے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی اور اسلام کے بے لوث خادم ہوں گے۔ کتاب وسنت کی تعلیمات آپ کے لیے مشعل راہ ہوں گی۔ آپ کی تبلیغی و اصلاحی کوششوں کے لیے یہی مبداء و مرجع ہوں گی۔ آپ کا یہ فرض ہوگا کہ خالص کتاب وسنت کی تعلیمات کو پیش کرتے ہوئے کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کریں، کوئی ہچکچاہٹ آپ کا راستہ نہ روکے، اور کسی طرح کی مصلحت پسندی آپ کے لیے سد راہ نہ بنے۔ اس راہ میں آپ "لا یخافون لومۃ لائم" کا عملی نمونہ پیش کریں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ مسائل کے حل کے لیے لڑائی جھگڑے کے بجائے حکمت عملی اور حسن مجادلہ کو کام میں لایا جائے۔ آپ کی زبانوں میں تلوار کی کاٹ کے بدلے شہد کی شیرینی کارفرما ہو۔ اور آپ کا قلم نوک سناں بننے کے بجائے راحت جاں ثابت ہو۔

داعی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایک ہمدرد ڈاکٹر اور مشفق طبیب کی طرح نفسیاتی پہلوؤں کو نظر انداز نہ کرے۔ علاج کے ساتھ ساتھ مریض کی دلجوئی کا بھی خیال رکھے۔ اپنے حسن اخلاق، حسن کردار اور مشفقانہ رویہ سے مریض کا اعتماد حاصل کرنے اور اس کا دل جیتنے کی کوشش کرے۔ بحث ومباحثہ اور زور منطق کے بل پر دماغ تو جیتے جا سکتے ہیں۔ مگر دلوں کو جیتنے کے لیے خلوص ومحبت کی ضرورت ہے۔

داعی کے لیے اس امر کا خیال رکھنا ہے کہ اس کی زبان و قلم سے کسی کے جذبات و احساسات مجروح نہ ہوں۔ کسی کے دل کو بے وجہ ٹھیس نہ لگے اس لیے اس کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے وہ منفی پہلو سے ہٹ کر مثبت طریقے پر کام کرے۔ اصلاح کی راہ میں وہ اپنے بھائی کے سامنے آئینے کا کردار ادا کرے، جو عیب کو اسی شکل میں بتاتا ہے جیسا کہ وہ ہے، اور اتنا ہی بتاتا ہے جتنا وہ ہے، پھر اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں بتاتا، اور نہ باہر اس کا پروپیگنڈہ ہی کرتا ہے۔ ساتھ ہی نہ اس کا مذاق اڑاتا ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت کرتا ہے جس سے اسے شرمندگی ہو۔

عزیزانِ مکرم! آج اسلامی دنیا کو جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ "اصلاحِ نفس" اور "باہمی اتحاد" ہے۔ آپ حضرات کی توجہ سب سے پہلے اسی جانب مبذول ہونی چاہیے۔ یہ دونوں چیزیں اس قدر اہم ہیں کہ ان کے بغیر نہ دنیا ہی میں کوئی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں کوئی سرخروئی کی امید کی جا سکتی ہے۔ ان ہی دو باتوں سے متعلق قرآن مجید نے کئی مقامات پر مختلف انداز میں ہم سے خطاب کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ یعنی اے ایمان والو! تم اس بات کی پوری کوشش کرو کہ تمہاری زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری کا نمونہ ہو اور پوری زندگی اطاعت و انقیاد کی تصویر ہو اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور کسی حال میں تمہارے اندر افتراق نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ آج چوں کہ ملتِ اسلامیہ ان دونوں ہدایات سے کافی حد تک غافل ہو چکی ہے نتیجہ میں ظاہری و باطنی سکون سے محروم ہو چکی ہے اور طرح طرح کی مشکلات اور آزمائشوں میں گھری ہوئی ہے۔

آج ہر مسلمان کو اپنی پریشانیوں اور پریشان حالیوں کا شدت سے احساس ہے اور زبانِ حال سے اس بات کا شاکی ہے کہ

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے　　ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے　　اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

کوئی اپنی درماندگیوں اور بدحالیوں کا ذکر کرتے ہوئے آستانۂ حق پر اس طرح نوا سنج ہوتا ہے:

خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے　　آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں　　کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی امت میں ہیں

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

یہ سب کچھ اپنی جگہ درست سہی، مگر اس کی تباہ سالیوں کا واحد علاج اور مسائل کا صحیح حل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ اس خاص موئے کو کام میں لائے جس کی طرف قرآن مجید نے ہدایت کی ہے۔ یعنی وہ نیک ہو جائے اور ایک ہو جائے۔ ہمیں شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ملے جس میں نیک اور ایک بننے کی خواہش نہ ہو۔ اگر یہ مسئلہ خصوصاً باہمی اتحاد کا مسئلہ اتنا مشکل نہیں۔ جتنا کہ اسے مشکل سمجھ لیا گیا اور بنا دیا گیا ہے۔ ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

عزیزانِ ملت! اب آپ کا فرض ہے کہ اس مشکل مسئلہ کو آسان کر دکھائیں۔ ملت اسلامیہ کے لیے آج اتحاد کی شدید ضرورت ہے اور انہیں جلد از جلد متحد ہونا ہے۔ منتشر افراد ملت کو رشتۂ وحدت میں منسلک کرنا یہ آپ حضرات کا کام ہے۔ اگر اس کام کو صحیح طریقے پر انجام دینے کی کوشش کی جائے تو یہ آسان اور بالکل آسان ہے، ورنہ پھر اس سے زیادہ مشکل بھی کوئی کام نہ ہوگا، بلکہ یہ کام کبھی نہیں ہو سکے گا۔ اس کا واحد راستہ یہی ہے کہ پوری امت کو ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک ہی پلیٹ فارم ایسا ہے کہ جس پر پوری امت جمع ہو سکتی ہے۔ اور وہ پلیٹ فارم "کتاب وسنت" کا پلیٹ فارم ہے۔ قال اللہ و قال الرسول کا پلیٹ فارم ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا پلیٹ فارم ہے۔ حب الٰہی و محبت رسول کا پلیٹ فارم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے، اطاعت سے کوئی مسلمان کسی حال میں انکار نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ دین کا اصل سرمایہ یہی ہے۔ مسلمان کتنا ہی بے عمل سہی، اعمال سے اس کا دامن خالی سہی مگر حب رسول اور اطاعت حق کے جذبے سے اس کا دل خالی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہر مسلمان احکام خداوندی اور ارشادات رسول کے آگے اپنا سر ہی نہیں بلکہ اپنے دل کو بھی جھکا دے گا مگر شرط یہ ہے کہ جس کی زبان سے "قال اللہ و قال الرسول" کی پُرسطوت آواز بلند ہو رہی ہو، اس کی دل کی گہرائیوں میں بھی یہ حقیقت اپنا نشیمن بنا چکی ہو۔ اس کا باطن ظاہر سے مختلف نہ ہو، کردار گفتار سے بے میل نہ ہو، ورنہ پھر الٹی بات ہو جائے گی۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں گے بیچارے دو رکعت کے امام

عزیزو! آخر میں تم کو ایک پتے کی بات یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج مسلمانوں کی پستی، پست ہمتی، عرصۂ حیات میں پسماندگی

ترقی کی دوڑ میں درماندگی، ذلت، نکبت، ہلاکت اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی بے چینیاں اور پراگندہ حالیاں، محض اس بے پرواہی کا نتیجہ ہیں کہ انھوں نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ دونوں بیش بہا امانتیں قوم کے حوالے کی تھیں اور فرمایا تھا کہ ان کی نگہداشت تم کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ امت نے اس امانت کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا، جس کی پاداش میں آج حیرانی و سرگردانی کا شکار ہے۔

امت کا فرض تھا کہ ان عظیم امانتوں کی حفاظت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتی، ان کا تحفظ حقیقت میں خود ان کا اپنا تحفظ ہے اور ان سب سے بے اعتنائی سراسر اپنی ہی تباہی ہے۔ یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ بیک وقت ان دونوں کی حفاظت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ کسی ایک سے غفلت بھی اتنی ہی خطرناک ہوگی جتنی کہ دونوں سے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ریل کی دو پٹریاں ہوتی ہیں۔ گاڑی جب تک ان دونوں پٹریوں پر ٹھیک سے چلتی رہے گی، ہزاروں میل کا سفر بغیر کسی خطرے کے طے کرتی ہوئی منزل مقصود تک پہنچ جائے گی گاڑی کے ہزاروں مسافروں کی جانیں بھی سلامت رہیں گی اور ان کا قیمتی مال و اسباب بھی۔ لیکن سوئے اتفاق سے گاڑی نے دونوں پٹریوں یا دونوں میں سے کسی ایک پٹری کو چھوڑ دیا تو حادثہ لازمی ہے۔ کافی جانی نقصان بھی ہوگا اور مالی خسارہ بھی۔ اور اس کے بعد تو گاڑی کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالکل یہی حال ہے امت مسلمہ کا آج۔ کسی نے کتاب و سنت دونوں کو فراموش کر دیا ہے۔ کتنے ایسے بھی ہیں جو ان دونوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ تغافل کا برتاؤ کر رہے ہیں، اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے کہ جو اعتقادی طور پر دونوں کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے بھی عملاً بہت سے معاملات میں غفلت کیشیوں کا اسیر ہے اور "أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کا مصداق بنا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ ساری ہی صورتیں انتہائی خطرناک اور قدم قدم پر بھیانک خطرات کو آواز دینے والی ہیں۔ لہذا آج وہ خطرات اور ان کی تباہ کاریوں کے بھیانک نقشے ہمارے سامنے موجود ہیں، اور "فاعتبروا یا اولی الالباب" کا سبق ہمیں یاد دلا رہے ہیں۔ کاش حالات سے ہم عبرت پکڑتے اور حادثات ہماری آنکھیں کھول سکتے۔

برادران عزیز! اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کا یہ فرض ہے کہ قوم کی گاڑی کو جو اپنی حقیقی پٹریاں چھوڑ چکی ہے یا ان سے غفلت برت رہی ہے، آپ پھر ان پٹریوں سے وابستہ رکھنے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ آج کے دور میں یہ آپ کے لیے جہاد اکبر سے کم نہیں ہے۔ آپ کی یہ کوشش جہاں قوم و ملت کے لیے سودمند ثابت ہوگی وہیں آپ کے درجات کی بلندی کا باعث بھی ہوگی۔ نصرت و تائید الٰہی آپ کے ساتھ ہوگی، فتح و کامرانی آپ کے قدم چومے گی اور اقبال مندی و سربلندی آپ کا استقبال کرے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو منزل مقصود سے آگاہ ہونے اور مستقبل کی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کی توفیق اور سعادت نصیب کرے۔ اس بارگراں کے متحمل ہونے کی طاقت عطا کرے اور اس راہ میں ہر قسم کی استقامت و عزیمت اور جرأت و استقلال سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

بات کو میں مختصر کرنا چاہتا تھا، مگر کسی قدر طویل ہوگئی۔ بہرحال میں اپنے عزیز بھائیوں اور مستقبل کے ہونہار مجاہدوں کے لیے اپنی نیک تمنائیں اور ان کی کامیابی و سربلندی کے لیے مخلصانہ دعائیں پیش کرتے ہوئے شاعر مشرق کے اس پیغام پر مضمون ختم کرتا ہوں۔

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری   میرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری   تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بقیہ ص ۵۵ کا: آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا پہلا اجلاس عام منعقدہ نومبر ۱۹۶۱ء بمقام نوگڑھ خصوصاً قابل ذکر ہے۔ یہ اجلاس آپ ہی کے علاقے میں منعقد ہوا تھا۔ اور اس کے اہتمام و انتظام میں آپ کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اللہ آپ کے حسنات کو قبول کرے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین۔

بقیہ ص ۵۶ کا: مولانا محمد بشیر اور مولانا فضل الٰہی دو سربراہان جماعت مجاہدین پیر قنبر کو قتل کرانے کے لیے ایک شخص کو باقاعدہ مامور کیا تھا۔ مگر زیر تبصرہ کتاب میں ان کے نقطۂ نظر کے تعلق سے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا یہ بیان پڑھ کر حیرت فزوں ہوگئی کہ اپنے مخالف پارٹی کے علماء کے قتل کی تحسین کی گئی۔ ص ۲۹۔ اللہ بخشے، بڑی خوفناک جرأت تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر:

تالیف: سید سلیمان ندوی ؒ ناشر: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور پاکستان
قیمت: چار روپے۔ کتابت طباعت عمدہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق تمام روایات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ وہ عقد نکاح کے وقت ۶ برس اور رخصتی کے وقت ۹ برس کی تھیں۔ مگر بعض حضرات پر یہ حقیقت بڑی گراں گزرتی ہے اور وہ تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کی عمر میں ترمیم کے لیے کوشاں ہیں۔ ایسی ہی ایک کوشش کے رد میں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ایک جامع اور تحقیقی مضمون اپنے ماہنامہ معارف کی نذر کیا تھا۔ زیر تبصرہ کتابچہ اسی مضمون کی کتابی شکل ہے۔ چونکہ اس فتنے کو آجکل بھی بعض حضرات جگانے کے لیے کوشاں ہیں اس لیے اس کی اشاعت بروقت ہے

اسلامی معیشت کی بنیادیں

ابو عمار

اسلام نے ہر شخص کو ملکیت کا اہل قرار دیا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (یعنی مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے۔

اور دوسرے کی ملکیت میں ناجائز دست اندازی پر سخت سزائیں رکھی ہیں۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (کہ چور اور چورنی کے ہاتھ کاٹ دو)

پھر بھی اسلام نے ملکیت کے تمام وسائل کو جائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ نظام معاش اور اس کے آئین میں محدود کر دیا ہے تاکہ افراد وجماعت دونوں کے مفاد کی حفاظت رہے اور اسلام کا یہ معاشی نظام عقیدے اور سیرت کے بنیادی ارکان پر برقرار ہے جو اس کے دائرے کو متعین کرتا ہے۔

نظام معاش کے عام قواعد

(۱) اللہ تعالیٰ کو اصل اور واحد مالک ماننا۔

یہ مسلمانوں کے عقیدے کا وہ رکن ہے جو کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتا اور اس کے بارے میں بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے تصرف کا بیان ہے لہذا اللہ تعالیٰ ہی اصل مالک اور ہر چیز پر قادر ہے اور جدھر کی فرمانبرداری وعبادت سب اسی کے لئے ہے اور ایک مومن روزانہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سے اس کا اقرار اور ثبوت پیش کرتا ہے اور یہی عقیدہ اسے احکام شریعت کا پابند بناتا اور مسائل میں غلو کرنے سے روکتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ملکیت انسان کی امانت میں : چونکہ اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ لہٰذا انسان کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ درحقیقت اس کا امین ہے اور اللہ نے اپنی توفیق سے اسے اس کے ہاتھوں میں دیا ہے اور اسے اپنی ملکیت بنانے کی اجازت دی ہے اس لئے بندہ اللہ کے مال کا وکیل ہے اور اس کا فرض ہے کہ اس کے احکام کے دائرے میں رہ کر مالیات میں تصرف کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ کہ جس مال میں تمہیں خلف بنایا ہے اسے صرف کرو۔

وسائل معاش کی وسعت

اسلام نے کمائی کا ایک کشادہ میدان کھول دیا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یعنی اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ اور کسب کے بہت سے وسائل پیدا کر دیئے ہیں تاکہ افراد کو کسب معاش کا پورا موقعہ حاصل ہو اور نقد برابر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہے تاکہ معاشی آسانیاں پیدا ہوں اور معاشی بحران سے حفاظت ہو سکے۔

اسباب ملکیت

اسلام میں ملکیت کے وسائل دو ہیں۔

۱۔ ابتدائی اسباب جس میں بندے کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے ہبہ۔ میراث۔ اور صدقہ وغیرہ۔

۲۔ جس میں بندے کے عمل اور کسب کا دخل ہوتا ہے جیسے کاروبار، کاشتکاری، اجارہ، کرایہ وغیرہ انہیں وسائل میں افراد کی کشاکش باہم کا موقعہ ہوتا ہے اس لئے شریعت نے افراد و جماعت کے مفاد کی حفاظت کے لئے اس میں کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔

اسلام کے احکام معاش کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے جائز کمائی کے لئے دو شرط رکھی ہے ایک یہ کہ فائدہ محنت وعمل کا عوض ہو جیسے ملازم اور اجیر کی اجرت۔ دوسرے یہ کہ فائدہ اسی صورت سے حاصل ہو جس میں نقصان کا بھی امکان ہو جیسے کاروبار اور تجارت۔ لہٰذا اسلام کے اندر ہر وہ ذریعہ معاش ناجائز ہے جس میں ان دونوں وصف میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو۔ اسی لئے چوری۔ غصب۔ جوا اور سود کی تمام صورتیں اور سقدار شریعت میں ناجائز ہیں۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ں اگر مومن ہو تو جو سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو ۔ اس کے علاوہ سود اسلام کے اصول معاش کے بھی خلاف اس صورت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے مالی معاملات سے جو فائدہ حاصل ہوا اسے یکسر ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں ۔

اول پیشگی فائدہ جو قرض سے حاصل کیا جاتا ہے یہی سود اور شریعت میں ناجائز ہے ۔

دوم جو دوسرے سے کاروبار کرکے حاصل کیا جاتا ہے یہ جائز فائدہ ہے اور یہیں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جو مال پیداواری ذریعوں میں لگانے سے بڑھا ہو وہی جائز ہے اور جائز فائدے کے لئے مال کی حالت کا بدلنا ضروری ہے جیسے تجارت کے اندر مال سامان اور سامان مال بن جایا کرتا ہے اور اس میں کچھ زیادتی یا کمی بھی ہو جاتی ہے مال کے اندر تغیر کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فائدہ اسی تغیر کا اثر ہوتا ہے اور اسی سے محنت اور عمل کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ جامد حالت میں اگر ایسا عمل نہ ہو تو وہ بڑھ نہیں سکتا بلکہ ایک روپیہ ایک ہی روپیہ رہ جاتا ہے لیکن اسی ایک روپے کو ہوشیار شخص کاروبار میں لگائے جس میں فائدے اور نقصان دونوں کا امکان ہو تو بڑھ جاتا ہے اسی لئے اسلام نے نقد کو فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ اسی وقت دیا ہے جب اس میں فائدے اور نقصان دونوں کا احتمال ہو ۔

معاشی اخلاق

اسلام کی رو سے معاشی عمل میں اخلاق کا عنصر برقرار رہنا ضروری ہے اور کسب کے لئے جو تصرفات کئے جا رہے ہوں وہ اخوت و محبت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ تاکہ اسلامی معیشت کا امتیاز برقرار رہے اور اس سے معاشرے کی تعمیر اور تقویت میں مدد ملے یہ سعادت کی بنیادی شرط ہے کہ مال انسانی اعلیٰ قدروں کا خادم ہو اگر معیشت سے یہ عنصر نایاب ہو جائے تو انسانی عظمت پامال ہو کر رہ جائے گی اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ انسان مال کا خادم بن کر رہ جائے گا اسی لئے جو وسائل اس اخوت میں خلل انداز ہوتے ہیں انہیں اسلام نے ناجائز کر دیا ہے ۔ مثلاً دھوکا اور فریب چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمیں دھوکا دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔ (مسلم) اسی لئے اسلام نے ذخیرہ اندوزی کو بھی ناجائز کیا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ذخیرہ اندوزی خطاکار کا عمل ہے اس کے علاوہ دھوکے کی اور صورتیں جیسے قیمت کا تعین نہ ہونا یا سامان کا یا اس کے وقت وغیرہ کا مجہول ہونا سودے کو ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ اس سے آویزش اور اختلاف کی راہیں کھلتی ہیں جبکہ شریعت کی منشا باہمی اخوت اور ہمدردی پیدا کرنا ہے ۔ اسی لئے اسلام

میں مخاضرہ، منابذہ اور ملامسہ بھی ناجائز ہے۔ فصل تیار ہونے سے پہلے اسے بیچنا مخاضرہ ہے اور یہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس کا پتہ نہیں رہتا کہ فصل پکنے اور تیار ہونے تک کس مقدار میں رہ جائے گی اور اگر کسی آفت سے برباد ہوجائے تو پھر صاحب فصل کے لئے خریدار سے حاصل کردہ قیمت کے جواز کی کوئی وجہ نہیں رہ جائے گی۔ منابذہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عاقدین اپنا اپنا سامان ایک دوسرے کی طرف پھینک دیں اور ان کا یہ عمل سودا بن جائے۔ اور ملامسہ کی شکل یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا سامان محض چھو دیتے ہیں اور چھو دینے ہی سے سودا پکا ہوجاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی دھوکے کی صورتیں ہیں جن کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے جیسے پانی کے اندر مچھلی کا یا ہوا کے اندر پرندے کا سودا کرنا کیونکہ ان میں دھوکا اور اندیشہ بھی ہے۔ اور یہ سب اختلافات کا باعث بنتے ہیں۔

تقسیم دولت یہ اسلامی معیشت کی اصل بنیاد ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے قول، مَاۤ اَفَاۤءَ اللّٰہُ میں بیان کیا گیا ہے یہ آیت بنو نضیر کے مال غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر محاذ آرائی کے حاصل ہوا تھا اس لئے اس کا حکم مال غنیمت کا نہیں تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے قرابتداروں، یتیموں مساکین اور مسافروں میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا تاکہ دولت مالداروں کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے ماہرین معاشیات اس کی اہمیت سے آگاہ ہیں کہ معاشی دلچسپی کے لئے مال کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا ضروری ہے لیکن ان کے پاس اس کی کوئی صورت موجود نہیں ہے یہ اسلامی نظام معیشت ہی کا اعجاز ہے کہ وہ بڑی حکمت اور انصاف کے ساتھ پرامن انداز سے مال حاصل کرکے دوسرے ناداروں تک پہنچا دیتا ہے اور اسے مختلف ناموں سے دوسروں کی دولت وجائداد زبردستی لینے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

اسلامی نظام تقسیم کا احاطہ کرنا ہمارا مقصد نہیں پھر بھی اس کے دو اہم وسائل کا تذکرہ نہایت ضروری ہے ۱۔ زکوٰۃ ۲۔ میراث و وصیت۔ جو دونوں تقسیم دولت کا کام کرتے ہیں اور دوررس اثرات کے حامل ہیں اس کے برخلاف اسلام نے سود اور ذخیرہ اندوزی کو اسی لئے ناجائز کیا ہے کہ یہ دونوں وسائل مالداروں کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ●●

عالمِ اسلام

تیرے سینہ میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے

بابری مسجد کا قضیہ چند گز زمین اور چند فٹ در و دیوار پر ناجائز اور غاصبانہ قبضہ کے دائرہ سے نکل کر قومی بقاء و فنا کا مسئلہ بنا جا رہا ہے۔ ہماری حکومت کے عملہ اور اکثریت کے عام افراد کا عام سلوک کیا ہے، اور دھاندلی ظلم، ناانصافی اور بھیڑیے اور بکری کے والی منطق کن کن صورتوں میں دہرائی جا رہی ہے، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک کھلی کتاب ہے، جسے مسلمانانِ ہند کوئی بیس برس سے مسلسل پڑھتے آ رہے ہیں۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے ان حالات سے کیا سبق سیکھا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اب تک بالکل فضول، رائیگاں اور لغو طریقے پر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی جتنے بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی گوارا کی ہے، اگر اسی تباہی و بربادی کو ہم نے کسی مقصد کے حصول کی راہ میں برداشت کیا ہوتا تو یقین ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر ہم تباہ بھی نہ ہوتے اور ہمارے لیے آج ملک کے حالات کچھ اور ہی ہوتے۔ مگر افسوس کہ ہم اب تک سب کچھ بے مقصد گنواتے رہے۔ ساری دنیا عبرتوں اور مثالی نمونوں سے بھرپور ہے، اور اس سے ایک ہوشمند قوم اپنی منزل اور منزل تک پہنچانے والا راستہ متعین کر لیتی ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم وکاین من آیۃ یمرون علیہا وہم عنہا معرضون کا مصداق بنے ہوئے ہیں، یعنی کتنی ہی سبق آموز نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ گزر جاتے ہیں، مگر منہ پھیرے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بڑا تقدس عطا فرمایا ہے اور اس کے مقررہ وظیفہ میں مداخلت کرنے والوں کے متعلق اعلان فرمایا ہے

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا، اولٰئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین، لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الآخرۃ عذابٌ الیم۔ (البقرۃ: ۱۱۴) یعنی ان سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکیں، اور ان کی ویرانی کی کوشش کریں، ایسے لوگوں کے لیے تو یہ بھی نہیں ہے کہ ان مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

چونکہ ہمارے ملک کی حکومت، عدلیہ اور تقریباً پورا اکثریتی طبقہ اس ظلم ناروا میں یک آواز شریک ہے، اس لیے

من حیث القوم اب جبکہ اس مقام پر کھڑا ہے کہ قانونِ قدرت کے تحت اسے اس دنیا میں رسوائی و ذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن کیا یہ ذلت و رسوائی محض آسمان سے نازل ہونے والے کسی مافوق الفطرت اور معجزاتی عمل کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔ بظاہر تاریخی طور پر ایسا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکے جانے پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی، اور آپ کو جس قسم کی جدوجہد اور جانفشانی کے بعد ۶ برس گزرنے پر داخلہ اور ۸ برس گزرنے پر قبضہ حاصل ہوا، وہ سیرتِ نبوی کا معروف باب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں سے روکنے والوں کی رسوائی روکے جانے والوں کے ہاتھوں مقدر ہوا کرتی ہے۔ اور اس کے لیے روکے جانے والوں کو حکمت و دانائی، عزیمت اور جانفشانی کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بابری مسجد کے قضیہ کے بعد قدرت نے ہمیں اپنی عنایت و الطاف کے استحقاق کے جس مقام پر کھڑا کر دیا ہے، کیا ہم اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اور کیا ہم اپنی بھلائی و برائی کو بامقصد رُخ دینے پر آمادہ ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس پر ہمارے قائدین و مدبرین کو فوراً غور کرنا چاہیے۔ ہمارے سامنے اسپین کی تاریخ بھی ہے اور مکہ کی بھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ہوش و حواس رکھتے ہوئے مکہ کی بجائے اسپین کی راہ اختیار کرے گا۔ یسر اللہ طریقنا۔

بسلسلہ بابری مسجد: تاکہ سند رہے ....!

بابری مسجد پر ابتدائے فروری میں قبضہ کے لیے عدالتی کاروائی کا جو سوانگ رچا گیا، اس سلسلے میں صدر مسلم مجلس اترپردیش کا بیان ایک بین الملی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے ہم اسے ذیل میں سہ روزہ دعوت دہلی ۲۶ فروری ۱۹۸۶ء کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

مسلم مجلس اترپردیش کے صدر مسٹر فضل الباری ایم ایل اے نے گورنر اترپردیش کو ایک یادداشت پیش کی، جس میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ بابری مسجد کے تعلق سے جو غیر جمہوری، غیر قانونی اور فاشسٹ کارروائی کی گئی ہے، اس میں ریاستی حکومت و انتظامیہ پورے طور پر شامل رہا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل کئی بار ایک مرکزی وزیر اور اترپردیش کے کئی وزیر اور افسران وقف بورڈ پر یہ دباؤ ڈال چکے ہیں کہ معاوضہ لے کر مسجد چھوڑ دی جائے۔ ضلع انتظامیہ فیض آباد، خاص طور سے ضلع مجسٹریٹ و سٹی مجسٹریٹ اور سرکاری وکیل دیوانی اس پوری سازشی کارروائی میں شامل رہے ہیں، اور انھوں نے عدالت میں جو بیان دیا، اس سے لگتا ہے کہ حکومت نے انھیں جس طرح کے احکامات دیے تھے، انھوں نے ویسا ہی کیا۔

صدر مسلم مجلس نے اپنے ایک اخباری بیان میں یہ الزام عائد کیا ہے کہ وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ نے بابری مسجد کو ایک کروڑ روپے کے عوض ہندو فرقہ کو سونپ دینے کے لیے وقف بورڈ پر دباؤ ڈالا تھا، لیکن اس میں ناکامی پر انھوں نے ضلع حکام فیض آباد ایس پی اور ڈی ایم وغیرہ پر دباؤ ڈال کر عدالتی کارروائی کے ذریعہ چند گھنٹوں میں ایک ایسے قومی المیہ کو جنم دے دیا ہے، جس نے قومی اتحاد کو ایک سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ ٹی وی کے ذریعہ مسجد کے اندر مورتی پوجا کے مناظر دکھائے جا رہے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ تاریخی بابری مسجد کو رام جنم بھومی کا نام دے کر عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔"

جوارِ رحمت میں

مولانا اقبال حسین رحمہ اللہ : نہایت افسوس کے ساتھ یہ خبر سپرد قلم کی جا رہی ہے کہ ۱۳ر فروری ۱۹۸۶ء یوم جمعرات کو مولانا اقبال حسین صاحب بستوی رحلت فرما گئے اور دوسرے دن جمعہ بعد آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف ریواں (علاقہ ڈمریا گنج) ضلع بستی کی ایک نہایت محترم شخصیت تھے۔ للّٰہیت، خدا ترسی، تقویٰ حسن عمل اور حسن اخلاق کا نمونہ تھے۔ آپ کے دو صاحبزادگان — مولانا سید عبدالاول صاحب اور مولانا عبدالفتاح صاحب راقم الحروف کے ہم درس رہ چکے ہیں، اور اس تعلق کی بنا پر ایک بار راقم کو آپ کے گھر پر جانے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ فجر کی نماز میں سورہ انفطار تلاوت کرتے ہوئے آپ آیت مبارکہ "یوم لا تملک نفس لنفس شیئاً" پر پہنچے تو اپنی رلائی ضبط نہ کر سکے۔ قیامت کے ہولناک منظر، اور اپنی بے بسی کے تصور سے ایک مومن قانت پر جو لرزہ طاری ہو سکتا ہے، تلاوت و گریہ کے اجتماع سے ٹھیک اسی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔ جادو اور جنات وغیرہ کے اثرات ختم کرنے کا آپ بہت گہرا علم رکھتے تھے۔ اور دور دور سے ضرورت مند حضرات اس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ : موصوف ۷ر فروری ۱۹۸۶ء یوم دوشنبہ کو تین روز کی علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی شخصیت کسی سے مخفی نہیں۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی بچی کھچی یادگار تھے، اور اپنے دامن سے جماعت کی بہت سی یادیں وابستہ رکھتے تھے، جن میں آزادی ہند کے بعد - (باقی ص ۴۸ پر)

ہماری نظر میں :

,, مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر ،،

تالیف : مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کتابت : عمدہ ، طباعت اور کاغذ : بہت عمدہ ، قیمت : درج نہیں

ناشر : دارالدعوۃ السلفیہ ، شیش محل روڈ ، لاہور پاکستان

مولانا عبید اللہ سندھی برصغیر کے مشہور نومسلم دیوبندی عالم گزرے ہیں ۔ وہ اپنے پہلو میں ملک کی آزادی کے جذبات سے معمور ایک حساس دل رکھتے تھے ۔ لیکن ان میں مسلکی عصبیت بھی بے حد سخت تھی ۔ نظریات سازی ، تاریخ سازی اور اختراع پسندی بھی ان کے وجود کا گویا ایک عنصر تھا ۔ پھر وہ رشد و ہدایت اور حکومت و قیادت کے سارے حقوق امامت گویا خاندان ولی اللٰہی میں محدود سمجھتے تھے ۔ ملکی نیشنلزم کا نظریہ بھی ان کے سیاسی عقیدے کا ایک جزو تھا ۔ ان وجوہ سے انھوں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی تعبیر ، شہیدین کی تحریک جہاد و احیائے دین کے مختلف نشیب و فراز کے اسباب کی تشریح ، عاملین بالکتاب والسنۃ (اہلحدیث اور بالخصوص صادقین صادقپور) کے دینی مقام اور تاریخی مرتبہ کی تعیین اور رکنجدومین کے علماء سے اس جماعت کے علمی ربط و استفادہ کے نتائج کا اتنے غلط ، زہرناک ، بھونڈے اور نامعقول طور پر تجزیہ کیا ہے کہ کوئی حقیقت شناس اس پر صدائے احتجاج بلند کیے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اللہ جزائے خیر دے مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو کہ موصوف نے ان کے غلط نظریات پر تنقید — گو مختصر اور اشاراتی ہی سہی — لکھ کر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں شائع کرائی اور پھر اسے کتابی شکل میں پیش کیا ۔ موصوف کی اسی تنقید کو دارالدعوۃ السلفیہ لاہور نے دوبارہ نہایت معیاری انداز سے شائع کیا ہے ۔ شروع میں عرض ناشر کے علاوہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے قلم سے ، اور پھر مولانا عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کے قلم سے مؤلف کا تعارف ہے اور پھر کہیں کہیں توضیحی حواشی کا اضافہ ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں مزید چار چاند لگ گئے ہیں ۔

کتاب اتنی دلچسپ اور تنقیدات اتنی برمحل ہیں کہ ایک بار کتاب اٹھا لیجیے تو ختم کیے بغیر چھوڑنے کا جی نہیں چاہتا ۔ بعض مباحث خاصے تشنہ ہیں ۔ توسل اور شرک اکبر و شرک اصغر کے سلسلے میں شیخ محمد بن عبد الوہاب اور شاہ اسماعیل شہید کے نقطہائے نظر مزید تفصیل اور توضیح کے محتاج ہیں ۔ یہ پڑھ کر تعجب ہوا کہ تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند طبع نہیں ہوئی ۔ کیوں کہ راقم اس کتاب کا مطالعہ کئی برس ہوئے کر چکا ہے اور یہ کتاب جامعہ سلفیہ کی لائبریری میں مطبوعہ شکل میں موجود ہے ۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی سوانح حیات (ص ۹۷-۱۰۰) میں یہ پڑھ کر سخت حیرت اور وحشت ہوئی تھی کہ مولانا سندھی نے (باقی ص ۳۸ پر)

فارم ملکیت

مقام اشاعت	:	وارانسی
وقفۂ اشاعت	:	ماهنامه
طابع وناشر	:	عبد الوحید سکریٹری جامعه سلفیه
قومیت	:	هندوستانی
پته	:	ڈی ۳۱/۷۵، مدن پوره، وارانسی
ایڈیٹر	:	صفی الرحمان
قومیت	:	هندوستانی
پته	:	بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب، وارانسی
ملکیت	:	سکریٹری جامعه سلفیه، وارانسی

میں (عبد الوحید) بذریعه تحریر هذا اعلان کرتا هوں که مندرجه بالا تفصیلات میرے علم و اعتماد کی حد تک صحیح هیں.

دستخط

عبد الوحید

Reg. No. R. N. 40352/81

March **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

ہماری اردو مطبوعات

(۱) قادیانیت اپنے آئینہ میں	Rs. 16/00
(۲) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری	Rs. 16/00
(۳) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	Rs 10/00
(۴) " " (حصہ دوم)	Rs. 15/00
(۵) وسیلۃ النجاۃ	Rs. 7/50
(٦) اللحات الی مافی انوار الباری من [illegible] (جلد اول)	Rs. 28/00
(۷) " " " (جلد دوم)	Rs. 30/00
(۸) رسالت کے سایے میں	Rs. 15/00
(۹) کتاب الکبائر	Rs. 30/00
(۱۰) رمضان المبارک کے فضائل و[illegible]	Rs. 3/00
(۱۱) اتباع سنت اور تقلید	Rs. 12/00
(۱۲) قیاس ایک تقابلی مطالعہ	Rs. 10/00
(۱۳) رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف	Rs. 1/25
(۱۴) جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات	Rs. 9/00
(۱۵) جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات	Rs. 11/00
(۱٦) قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام	Rs. 15/00
(۱۷) تقلید اور عمل بالحدیث	Rs. 8/50
(۱۸) خاتون اسلام	Rs. 9/00

مکتبہ سلفیہ ۔ ریوری تالاب ، بنارس

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi

محدث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

برگ وبار

صفحہ

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۴ • اپریل ۱۹۸۶ء • شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ • جلد ۵

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

تزئین و کتابت: انور جمال

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرونِ ملک سالانہ: ۱۵ ڈالر

— پتہ —

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI 221010

ٹیلی گرام: دارالسلام، وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

مرسلہ محمد یوسف بن علی

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علیم ناصری

مصطفیٰؐ نے آکے توڑا میرے دل کا سومنات
میرے ہادی نے دلائی لات و عزیٰ سے نجات

تھے مسلط مجھ پہ کتنے آرزوؤں کے ہبل
بارہا تاریکیوں سے نور کی مانگی ہے بھیک

جانے کتنے خاک کے تودے مرے معبود تھے
جانے کتنے چھپ کے بیٹھے تھے یہاں لات و منات

بارہا تاریکیوں سے نور کی مانگی ہے بھیک
مانگتا پھرتا تھا میں ظلمات سے آبِ حیات

میرے ہادی نے کیا وحدت سے مجھ کو بہرہ ور
ماسوا کے سامنے بیکار پھیلائے میں ہات

دیوتاؤں کے صنم تھے میری گردن پر سوار
تھی دگرنہ کثرتِ اوہام میری کائنات

گو رہا ہوں مدتوں فحشاء و منکر کا اسیر
کھا گئے لیکن مری توحید سے شیطان مات

میں کروں کیونکر ادا اُس کی ثناگوئی کا حق
مصطفیٰؐ نے مجھ کو بخشا تحفۂ صوم و صلوٰۃ

دیدۂ خورشید نے دیکھا نہیں اس کا مثیل
کس زباں سے سرورِ عالمؐ کی گنواؤں صفات

اس کے گرویدہ رہے ہیں اور رہیں گے تا ابد
منتظر اس کی ہے اب تک ماہ و انجم کی برات

اس کے نقشِ پا کے سودائی رہیں گے حشر تک
مومنینِ صالحین و مومناتِ صالحات

قولِ فیصل ہے رسول اللہ کا ہر ایک قول
عابدینِ قانتین و عابداتِ قانتات

اوج پا کرتا ہے کرتا ربط اس سے حصار
صادق و برحق ہے اس محبوب کی ہر ایک بات

ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں یاں شاہ و گدا
کارواں در کارواں اس کے عطا کردہ حیات

اُس نے سمجھائے مجھے توحید کے زریں رموز
نے یہاں رنگ و نسب ہے اور نہ کوئی ذات پات

مل گیا توحید کا مجھ کو صراطِ مستقیم
اُس نے سکھلائے مجھے سنت کے رخشندہ نکات

اور کچھ نیکی نہیں ہے میرے دامن میں علیمؔ
ورنہ میں ہوتا اسیرِ فاحشات و منکرات

ہیں یہی دو چار نعتیں باقیاتِ صالحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک سرزمین پر (۳)

(۲۸) دسمبر (دوشنبہ) طلوعِ آفتاب کے ذرا دیر بعد مولانا محمد اسحاق صاحب چیمہ ایک خوبصورت کار لے کر محلہ نشاط آباد پہنچ گئے۔ ناشتہ کیا گیا اور ماموں کانجن کی راہ لی گئی۔ چوں کہ اب ہمارا سفر دن کی روشنی میں ہو رہا تھا اس لیے نگاہیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دیکھا گیا کہ دیہاتوں میں بھی بیشتر مکانات پختہ ہیں۔ کچے اور سفالہ پوش مکانات اکا دکا ہی ہیں۔ مولانا اسحاق مدظلہ نے راستے کے متعدد مقامات کے متعلق بتایا کہ آزادی کے وقت تک وہاں خاصے گھنے جنگلات تھے۔ بعد میں انھیں آباد اور قابلِ کاشت بنایا گیا۔ اسی ضمن میں انھوں نے ماموں کانجن کے ادارے کی بھی تفصیلات بتائیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس ادارے کو صوفی محمد عبداللہ صاحب نے قائم کیا ہے۔ ان کے تقویٰ، بزرگی، خدا ترسی، اخلاص اور للہیت کا اثر یہ تھا کہ لوگوں کو جب علم ہوا کہ موصوف ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو متعدد جگہوں سے پیش کش کی گئی، مگر انھوں نے ہر پیش کش مسترد کر کے ایک ویران، سنسان، الگ تھلگ جنگلی علاقے کو اس کے لیے منتخب کیا، کیوں کہ وہی ان کے لیے موزوں ترین جگہ تھی۔

مولانا نے صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جماعت کے مجاہدین کی جو تنظیم سرحد میں انگریزوں کے خلاف سرگرمِ جہاد تھی۔ صوفی صاحب اسی کے ایک رکنِ رکین تھے، ان کی تربیت مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی نے فرمائی تھی۔ مدرسہ قائم کرنے سے ان کا اصل مقصود یہ تھا کہ اس علاقہ میں مجاہدین کی تیاری اور ان کے لیے رقم کی فراہمی کا ایک محفوظ مرکز وجود میں آجائے۔ اور اسی لیے انھیں زیادہ سے زیادہ گمنام اور دور افتادہ جگہ کی تلاش تھی۔ بعد میں مولانا نے مزید بتایا کہ صوفی صاحب نے خواب میں مدرسہ کا محلِ وقوع بھی دیکھا تھا کہ اس کے ایک طرف ریلوے اسٹیشن ہے اور دوسری طرف سڑک۔ اور آج واقعۃً مدرسہ ٹھیک اسی پوزیشن میں ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ صوفی صاحب شاہ اسماعیل شہیدؒ کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔ عموماً یہ فقرہ کہتے کہ ہندوستان میں ایک مولوی تھا، نام تھا اس کا اسماعیل۔ اور اس کے بعد زار و قطار روتے۔ صوفی صاحب کا تعارف اس

شاہدے میں دوسری جگہ مشکل سے ملیگی !!

ہم جامعہ تعلیم الاسلام پہنچے تو کوئی چاشت کا وقت تھا، موسم بہار جھلکی ہوئی تھی، سلیقہ سے بنی ہوئی صاف ستھری سڑکیں، موزوں مقامات پر متوسط سائز کے درخت، مختلف حصوں میں تقسیم شدہ صحن، اور ان میں سبزے کی رعنائی، دلکشی اور جاذبیت کے ان اسباب کے علاوہ فضا میں دلبستگی اور جذب و کشش کی ایک ایسی ان دیکھی پر تاثیر قوت پائی جاتی تھی، جسے قلب و نظر کی دنیا تو محسوس کر رہی تھی مگر اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا نے ہمیں جامعہ کے مختلف تعلیمی اور رہائشی شعبے دکھائے۔ دوسری منزل پر ایک وسیع ہال دکھایا، جس میں افغان طلباء مقیم پذیر تھے۔ بتایا کہ ان کی ایک معقول تعداد یہاں زیر تعلیم ہے۔ اور ان کے رہائشی طور طریق چونکہ پاکستانی طلبہ سے مختلف ہیں، اس لیے ان کا انتظام انہی کے مزاج کے مطابق، اور پاکستانی طلبہ سے الگ کیا گیا ہے۔ وہاں سے گزر کر کتب خانہ کی طرف چلے تو مولانا نے عمارت کے امتیازی تعمیری خدوخال، اور فرمایا کہ اسے اوپر سے دیکھیے! عمارت کا مجموعہ لفظ "اللہ" کی شکل میں نظر آئے گا۔ ـــ جامعہ کے ہال کے اوپر کتب خانہ کی وسیع عمارت ہے، اور کتابوں کا ذخیرہ بڑے قرینے سے سجایا ہوا ہے۔ یہاں کی سیڑھیاں بہت پیچ دار ہیں۔ تو ہال میں خطاب کا انتظام ہو رہا تھا۔ ہم لان کی کھلی اور خوشگوار فضا میں بیٹھ گئے۔ سرحدی علاقہ کے بعض طلبہ نے یہاں زیر تعلیم اپنے علاقے کے طلبہ کی طرف سے شائع کردہ ایک رسالہ اور بعض کتابچے پیش کیے۔ ان سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ مجاہدین میں سے ایک صاحب یہاں موجود ہیں اور وہ یہیں جامعہ کا حساب و کتاب لکھنے کا کام کرتے ہیں۔ میری خواہش پر انہیں بلایا گیا، وہ چھریرے بدن، سانولے چہرے، ڈھلتے ہوئے قد و قامت اور ادھیڑ عمر کے تھے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کا نام عبدالرب ہے۔ اور ضلع مظفرپور، بہار ان کا اصل وطن ہے۔ انہوں نے اپنے گاؤں کا کوئی قریبی سٹیشن نام بتایا، جہاں بیل گاڑیاں اسٹیشن سے اتر کر پہنچا جا سکتا ہے۔ ان کے خاندان کے بقیہ افراد وہیں رہیں ہیں۔ مگر اب ان سے کوئی ربط نہیں۔ غالباً ایک بار وہ وطن آئے تھے، اور ایک بار انہوں نے اپنی خیریت کا خط لکھ دیا تھا ان کے اعزہ مصیبت میں پھنس گئے۔

میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ـــ غالباً سنہ ۱۹۳۲ء میں جب وہ نوجوان تھے سرحد پار تشریف لائے اور مجاہدین چمرقند میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ اسمست کا مرکز خانوادہ صادقپور کے مولانا ... تھا اور چمرقند میں مجاہدین کی تربیت ہوتی تھی۔ موصوف نے افغانستان کے تعلق سے مجاہدین کے مختلف کارناموں اور افغان علاقوں کی نظر میں مجاہدین کی قدر و عزت کی مختلف تفصیلات بتائیں۔ انگریزوں کے حملہ کے وقت قلعہ ... سو مجاہدین کی شہادت پھر مختلف محاذوں پر انگریزوں کے خلاف افغان مزاحمت میں مجاہدین کی شرکت، انگریزوں کی تباہی کی داستان، مجاہدین کے حملے

پاک

تاریخ، وہاں کے تعلقات، وہاں کے قتل و غارت، حالات، قصبے اور اس زمانہ میں مجاہدین کی کاوشیں، یہ سب موصوف کو زبانی ازبر ہیں۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے بھی کسی جنگ میں شرکت کی؟ اور تقسیم کے بعد کشمیر کی جنگ میں مجاہدین کا رول کیا رہا؟ تو انھوں نے بتایا کہ مجاہدین نے اپنے ساتھ پٹھانوں کو شامل کر کے تین محاذوں پر جنگ لڑی تھی۔ ایک بارہمولہ اور سری نگر کا محاذ ـــ اس محاذ پر ہمارے امیر بہ نفس نفیس شریک جنگ تھے، اور ہم نے اتنی پیش قدمی کر لی تھی کہ سری نگر ہم سے چند میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ مگر اس دوران یہ افواہ اڑی کہ ہندوستانی فوج ٹینک اور ہوائی جہاز لے کر آ پہنچی ہے، اس کے نتیجہ میں پٹھانوں نے واپسی کی راہ لی۔ انھیں روکنے کی ہر چند کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی، کیوں کہ ان کا مستقل وطیرہ ہی یہی ہے وہ جدھر کا رخ کر لیتے ہیں۔ خواہ پیش قدمی کا، خواہ بھاگنے کا ـــ روکے نہیں رکتے۔ اس کے نتیجہ میں ہمارے بہت سے مفتوحہ علاقے ہاتھ سے نکل گئے۔

دوسرا محاذ پونچھ کا تھا۔ موصوف نے بتایا کہ اس میں بہ نفس نفیس شریک تھا۔ ایک لڑائی میں ہم نے حکمتِ عملی سے کام لے کر ایک بریگیڈ چھوٹے بڑے سات سو ڈوگرہ فوجیوں کو قید کر لیا تھا۔

تیسرا محاذ میرپور کا تھا۔ یہاں بھی متعدد معرکے ہوئے تھے۔ اس وقت کا عالم یہ تھا کہ نہ کشمیر والوں کے پاس تاحصے کے اسلحہ تھے، نہ پاکستانی رضاکاروں اور فوج کے پاس۔ اس معاملے میں سب سے اچھی پوزیشن مجاہدین کی تھی۔ اور انھوں نے باقی لوگوں کو اسلحے فراہم کیے تھے۔

ہماری گفتگو جاری ہی تھی کہ خطاب کے انتظامات مکمل ہو گئے، اور ہمیں وہاں بلا لیا گیا۔ طلبہ اور مدرسین جمع ہو چکے تھے۔ تلاوت کے بعد خیر مقدمی تقریر ہوئی، اور مہمانوں کا تعارف کرایا گیا۔ پھر میزبانوں کی خواہش پر اس مہمان نے کچھ عرض کیا۔ جس میں مسلمانوں کے مقصد وجود پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی کیفیت کا جائزہ پیش کیا گیا، اور اس کے تئیں علماء کی عظیم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نیز جماعت اہلحدیث ہند اور جامعہ سلفیہ بنارس کے موجودہ حالات و کوائف بتائے گئے۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد اسی ہال پر پُر تکلف کھانے کا دسترخوان چنا گیا، اور ماحضر تناول کرنے کے بعد واپسی کی راہ لی گئی۔ اساتذہ کرام میں سے مولانا عبد القادر نذیری اور مولانا قاضی اسلم سیف صاحب نے خصوصاً دوبارہ آنے کی دعوت دیتے ہوئے اس کی تعمیل پر اصرار فرمایا۔ دیکھیے اللہ نے کیا مقدر فرمایا ہے۔

فیصل آباد اور اس کے نواح میں جماعت کے اعیان و سربراہان سے ملتے ہوئے جامعہ سلفیہ پہنچے تو مولانا اشرف جاوید منتظر تھے۔ عصر کا وقت تھا، اور جامعہ سلفیہ کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ سارے ذمہ داران سے یکجائی ملاقات ہو گئی۔

اور طرفین کو بڑی مسرت ہوئی۔ وہیں میاں فضل حق صاحب اور مولانا حبیب الرحمان شاہ صاحب (راولپنڈی) سے کے سا تھ طے ہوا کہ ہم جمعرات کو صبح دس بجے راولپنڈی پہنچ جائیں، اور وہاں سے میاں صاحب کی معیت میں بالاکوٹ کا اس طرح سفر ہوگا کہ بالاکوٹ ہی میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی۔

آج کی رات پھر جامعہ سلفیہ میں گزاری، رات ہی میں میں نے جامعہ کی لائبریری دیکھی۔ صبح سویرے (۲۰ر دسمبر جنگل) لاہور واپسی کا پروگرام تھا۔ مگر مولانا عبدالحمید نشاطی کے یہاں کوئی مہمان آگئے تھے۔ اس لیے ہم ان کے انتظار میں کوئی دس بجے تک رکے رہے۔ اس دوران میں نے جامعہ میں ہر طرف گھوم گھوم کر اس کے در و بام دیکھے۔ جامعہ کے ایک استاد مولانا عبداللہ سے ملاقات ہوئی، جو ملایشیہ کے رہنے والے ہیں اور ٹھیٹھ عربی لب و لہجہ میں نماز پڑھاتے ہیں۔ عربی میں گفتگو ہوتی رہی، میں سمجھتا تھا وہ اردو نہیں جانتے مگر انھوں نے اچانک اردو میں گفتگو شروع کردی۔ معلوم ہوا موصوف جامعہ دارالسلام عمرآباد کے فارغ ہیں، اور اردو وہیں سیکھی ہے۔
جامعہ کے ہال کمرے کے سامنے ایک بڑا عمدہ سا سائبان بنا ہے۔ جس کی چھت کے بیچ کا اور دونوں کناروں کا حصہ اونچا ہے بیچ اور دونوں کناروں کے درمیان میں سفالہ پوش چھت کی طرح نیچا ہے۔ شکل یوں ہے ΥΥ میں نے سمجھا یہ محض ڈیزائن ہے۔ مگر مولانا اشرف جاوید نے بتایا کہ یہ "نشانِ جامعہ" ہے۔ چھت کی بناوٹ ایسی ہے کہ گویا کھمبوں پر دو کتابیں کھول کر رکھی ہیں۔ داہنی کتاب کی جلد کا بایاں کنارہ بائیں کتاب کی جلد کے دائیں کنارہ پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ ہم دو ہی کتابوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے قائل ہیں، اور کتاب اللہ کا مرتبہ بلند ہے۔ میں نے غور کیا تو واقعی یہ چھت دو کھلی ہوئی کتابیں تھی۔ نیچے جلد کا رنگ ہرا بنایا گیا تھا، اور کونوں اور پشت پر چرمی جلد والا چاکلیٹی رنگ لگا ہوا تھا۔

کوئی دس بجے تک انتظار کے بعد نشاطی صاحب سے ملے بغیر ہی ہم نے لاہور کی راہ لی۔ ہمارے ساتھ کتابوں کا ایک بڑا بنڈل تھا، جسے ساتھ رکھنا ہماری ذمہ داری تھی، مگر کنڈکٹر نے باہر ہی سے تھام کر اپنے پاس رکھ لیا، اور راستے بھر سنبھالا کیا، اور جب سنبھالنے میں خلل پڑتا نظر آیا تو اسے ایک نوجوان کے حوالہ کردیا اور وہ اپنے اوپر رکھ کر لے آیا، اور لاہور پہنچ کر ہمارے حوالہ کیا۔ راستے میں جب کسی بس اڈے پر بس رکتی تو سامانِ خورد و نوش بیچنے والے بچے اور نوجوان کھڑکیوں کے پاس سامان لیے شور مچاتے پھرتے مگر ان کے پاس گرم چنوں اور مونگ پھلیوں کے بجائے چھیلے ہوئے گنوں کی چھوٹی چھوٹی تراشی ہوئی خوشنما گنڈیریاں اور خشک میووں کی چھوٹی چھوٹی پیکٹیں ہوتیں، یا پھلوں کے خوانچے ہوتے۔

ظہر کے وقت ہم لاہور دارالدعوۃ السلفیہ پہنچے تو شیخ الحدیث مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری حفظہ اللہ کے صاحبزادے فاضل نوجوان، مولانا عطاء الرحمن صاحب حفظہ اللہ تشریف فرما تھے، وہ ہمیں اپنے ادارہ میں مدعو کر کے آئے تھے۔ دو گھنٹے طے ہوا۔

اہلِ لاہور اور خصوصاً اپنے میزبانوں سے گفتگو کے مواقع شکوہ کی حد تک کم مل سکے تھے۔ لہٰذا صبح دفتر الاعتصام میں کچھ اوقات صرف کیے گئے، اور سرِ شام تفریح کا پروگرام بن گیا۔ مکتبہ سلفیہ میں مولانا عطاء اللہ ثاقب تشریف فرما تھے، اور انہی کی اقتداء میں ـــ ریس کورس پارک دیکھا گیا، جو بڑے خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ گیٹ سے داخل ہونے کے بعد بائیں جانب فواروں کی ایک لمبی قطار استقبال کرتی ہے، جس میں فواروں کی ہیئت اور رنگت ہر ایک منٹ میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کبھی وہ سرو کا درخت بن جاتے ہیں تو کبھی کمانوں کی جالی اور کبھی کچھ اور آگے دور پہاڑی نما اونچائی دکھائی دے رہی تھی، اور اس کے کنارے نیلی بتیاں ۔ قریب پہنچے تو مصنوعی جھیل تھی۔ میزبانوں کی خواہش پر ایلیمر سے جھیل کا بھی تین چار طواف کیا گیا۔ واپسی پر مزید تفریح کی گنجائش نہ تھی۔ البتہ رات دیر تک مولانا عطاء اللہ حنیف مدظلہ کی خدمت میں بیٹھ کر جماعت کی علمی تاریخ، کتابوں کی تالیف واشاعت اور مختلف علمی موضوعات پر معلوماتی داستانیں سنتا رہا۔

۴ دسمبر ۱۹۸۵ء بدھ کی صبح عزیزم حماد سلمہ کے ہمراہ ٹہلنے کے ارادے سے نکلا تو فیصلہ ہوا کہ علی ہجویری کی قبر عرف "مزار حضرت داتا گنج بخش" دیکھیں، جو شیش محل روڈ کے بازو ہی میں واقع ہے۔ چند گلیوں سے گزر کر سنگ مرمر سے بنے ہوئے احاطہ کے ایک فرش پر پہنچے تو دیکھا کہ بیچ میں ایک سنگ مرمر کا ایک مختصر سا سائبان ہے اور کھمبوں کی نصف اونچائی تک ہر چہار جانب سے جالیاں لگی ہوئی ہیں، پختہ قبر صاف دکھائی دیتی ہے۔ گرداگرد بیٹھے ہوئے لوگ تسبیح و تلاوت اور دعا و مناجات میں مصروف ہیں، اور کئی ایک جالی سے چمٹے ہوئے مدہوش و بے قرار ہیں۔ بعض قدرے دور بیٹھے ہیں۔ قبر اور اس کا ہر چہار جانب کا صحن خالص سنگ مرمر ہے۔ آگے مسجد ہے جو بالکل جدید ڈیزائن پر نہایت خوبصورت اور چمکتی ہوئی سفید ہے، اور ہنوز زیر تعمیر ہے۔ مسجد کی پچھلی یعنی پوربی دیوار صحن مزار اور مسجد کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ محل وقوع ایسا ہے کہ مسجد میں جہاں بھی کھڑے ہوں قبر اور اس کا صحن مکمل طور پر مصلی کے پیچھے اور مسجد سے باہر ہو جائے گا۔ بتایا گیا کہ منتظمین مزار مسجد کو اس طرح بنوانا چاہتے تھے کہ مزار بیچ مسجد میں پڑے اور آنے جانے والے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا ایک طواف کر ڈالیں، مگر محکمۂ اوقاف نے وہ صورت اختیار کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

قبر پرستی کا مکروہ منظر دیکھ کر ہم دکھنی دروازے سے سڑک پر اترے تو اس کے دو ہی قدم بعد احاطہ مزار کا ایک اور دروازہ ملا، جو مقفل تھا، مگر سلاخوں سے اندرونی منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اندر سیڑھی تھی، جس کے خاتمے پر پھر دروازہ تھا۔ یہ خوبصورت لکڑی کا تھا، اور اس پر پیلے پتر چڑھے ہوئے تھے جن پر میناکاری کی ہوئی تھی، بتایا گیا کہ یہ پتر سونے کے ہیں اور اسے پاکستان کے مصلوب حکمران ذوالفقار علی بھٹو نے بنوایا تھا۔ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ حماد سلمہ نے کہا، نیچے دیکھیے! ادھر نظر کی تو دیکھا کہ اس قدر روپے پڑے ہوئے ہیں، گویا موسم خزاں میں جھڑے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ بتایا گیا کہ تمام تر صد نوٹوں سے

بھر جاتا ہے۔ واپسی کے لیے آگے بڑھے تو گلی کوچوں میں پھول، ریوڑی بتاشے وغیرہ اس کثرت سے بکتے نظر آئے کہ جیسے شہر بنارس کی سب سے بڑی مندر کے گرد اگرد گلی کوچوں میں بکنے والے پھول وغیرہ اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ بتایا گیا کہ جمعرات کو یہاں عورتوں کا بھی ہجوم رہتا ہے۔ اور پہلے یہ حرام کاری اور عصمت دری کا بہت بڑا اڈہ بھی تھا، مگر اب ضیاء حکومت کی پیہم کوششوں سے اس پر کنٹرول ہو رہا ہے۔

ہم مزار کا تماشہ دیکھ کر واپس ہوئے تو میں مولانا عطاء اللہ حنیف مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں حکیم نسیم سہروردی تشریف فرما تھے، بڑے تپاک سے ملے، سیرت کی تالیف و ترجمہ پر بار بار مبارکباد دیتے رہے۔ چونکہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور مدتوں یوپی میں رہ چکے ہیں، اس لیے اپنی زندگی کے اوراقِ پارینہ بڑی دلچسپی و دلآویزی کے ساتھ الٹتے رہے۔ موصوف نے مولانا ظفر علی خاں مرحوم پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ جس میں ان کے پُرآشوب عہد کے تقریباً تمام اہم تاریخی واقعات مع پس منظر و پیش منظر آگئے ہیں۔ اس لیے مجھے ان سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ میں نے انہیں ان کے اس کارنامہ پر صمیم قلب سے خراج تحسین پیش کیا۔ وہ خود عجلت میں تھے۔ اس لیے مجھ سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے۔

دوپہر سے کچھ پہلے حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا محمد سلیمان انصاری حفظہما اللہ کی معیت میں میزبان کی قیادت میں شیخوپورہ کے لیے روانگی عمل میں آئی۔ مدرسہ پہنچے تو ظہر کی نماز ختم ہو رہی تھی۔ نماز پڑھ کر پرتکلف کھانا کھایا گیا، پھر اعیانِ جماعت بھی تشریف فرما تھے جن میں ایک چودھری صاحب جن کا نام یاد نہیں رہ گیا وزارت میں بھی رہ چکے ہیں۔ جماعتی اور غیر جماعتی موضوعات پر عصر تک گفتگو ہوتی رہی۔ عصر بعد مجھے طلبہ سے خطاب کا حکم ملا اور میں نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے میزبانوں کے تئیں اپنے احساسات، [illegible]، اور ہندوستان میں جامعہ سلفیہ، جمعیۃ اہلحدیث اور دیگر نمایاں جماعتی اداروں کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ بہت سی معلومات صرف طلبہ ہی نہیں بلکہ اکابرینِ جماعت تک کے لیے نئی تھیں، جن پر انہوں نے بے اختیار صدائے تحسین بلند کی۔ اس کے بعد ہمارے میزبانِ خاص شیخ الحدیث مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری کسی اجلاس کے لیے تشریف لے گئے، اور ہم نے لاہور کی راہ لی۔

آج شام نماز مغرب کے بعد مکتبہ سلفیہ میں بیٹھے تھے کہ سیاہ شیروانی زیب تن کیے ہوئے، چھریرے بدن اور قدرے لمبے قد کے ایک بے ریش نوجوان صاحب تشریف لائے اور ایک زبان زد روایت تخلقوا باخلاق اللہ کا حوالہ پوچھا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ غالباً کسی بحث بازی کا شوق پورا کرنے کے لیے یہ حوالہ مطلوب ہے۔ یہ بتلایا کہ یہ حدیث صوفیوں کی کسی کتاب میں موجود ہوگی اور اتنے ہی پر ٹالنا چاہا۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر میری توجہ کتاب سے اپنی طرف کھینچ لی کہ میں مشکوٰۃ اور صحاح ستہ کو دیکھ چکا ہوں اس میں یہ حدیث نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ مجھے اس شکل میں دیکھ کر لوگ یونہی ٹال دیتے ہیں کہ کوئی لغو آدمی ہوگا۔ حالانکہ میں

، تبں ایک حدیث کی تلاش میں چھ مہینے گزار دیے اور کئی سو کتابیں کھنگال کر بالآخر وہ حدیث ڈھونڈ نکالی۔ میری کوشش ایسی
ا ہے۔ پھر موصوف کے تعارفی کلمات سے معلوم ہوا کہ آپ کا نام محمد منیر مغل ہے، اور آپ لاہور عدالت میں جج ہیں۔ اور انصاف
ہی اور علم دوستی کے لیے معروف۔ کہنے لگے، ایک کیس میں ایک بزرگ نے سفارش کی۔ کہا بچے ہیں بچگانہ حرکت کر گئے، میں
لہ ہی رازداری برتنے کو بھی کہا۔ میں نے کہا، ایک میں ہوا، ایک آپ، دوسرے کراماً کاتبین، اور دو آپ کے، تین مجرمین
اور ایک اوپر والا (اللہ تعالیٰ) کل دس جاننے والے ہوئے۔ پھر رازداری کیسی؟ اور جنھیں آپ بچہ کہتے ہیں، وہ تو یونیورسٹی
پڑھ کر نکلے، اس پر وہ مایوس واپس گئے۔ موصوف نے ایک قادیانی کا کیس سنایا، جس میں وہ اپنے آپ کو بحیثیت مسلمان پیش
تا۔ اور اس پر اعتراض ہوا تو کہنے لگا کہ ہم بھی اسلام کے ماننے والے ہیں۔ موصوف کہتے ہیں کہ میں نے کہا، اگر تم اپنے آپ کو اسلام
ایسے قرار دو گے تو میں خود تمھیں مرتد کی سزا کے طور پر چھری سے ذبح کر دوں گا۔

اسی اثنا میں ہم نے مکتبہ سلفیہ کی بہت سی کتابیں دیکھ ڈالیں، مگر حدیث نہ ملی تو میں نے حماد سلمہ سے کہا کہ دادا جان (مولانا
ءاللہ حنیف) سے حوالہ پوچھ آؤ۔ جسٹس صاحب کہنے لگے۔ نہیں نہیں، ہم خود چلتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم مولانا کے مکان پر منتقل
ے۔ سلام معانقہ اور صحت پرسی کے بعد جسٹس صاحب نے حرف مدعا پوچھنے کے بجائے بچوں کی طرح مولانا کا جسم دبانا شروع
یا اور دیر تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ساتھ ساتھ مزاج پوچھتے اور دعائیں بھی دیتے جاتے تھے۔ ایک جدید تعلیم یافتہ جسٹس
علم اور علماء کا یہ احترام دیکھ کر نہایت خوشگوار حیرت ہوئی۔ آخیر میں موصوف نے مطلوبہ حوالہ دریافت کیا۔ مولانا کا جواب تھا
غالباً تصوف کی کسی کتاب میں یہ روایت ملے گی۔

صبح (۵ر دسمبر ۱۹۹۰ء جمعرات) کو مولانا کی خدمت میں آمد و رفت ہوئی۔ لاہور کو انگریزی دور ہی سے ایشیا کا لندن کہا جاتا ہے
معلوم نہیں کہ شہر کے اور حصوں میں عورتوں کی بے پردگی اور آمد و رفت کا کیا حال ہے۔ لیکن اپنی قیام گاہ کے علاقہ میں ابتک میں نے دیکھا
تا کہ بے پردہ اور باپردہ دونوں طرح کی خواتین کی آمد و رفت بہت ہی کم ہے۔ مگر آج جمعرات کو دیکھا کہ بے پردہ اور باپردہ مسلم خواتین، بچوں سمیت
اور بغیر بچوں کے بھی، ہجوم در ہجوم شیش محل روڈ عبور کر کے "داتا دربار" کی طرف چلی جا رہی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ و
عاذ کل المسلمین من بدع هؤلاء المضلین. وهداهم الى صراطه المستقیم۔

کوئی نو دس بجے مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدنی دارالدعوۃ السلفیہ تشریف لائے اور ہمیں اپنے ہمراہ ماڈل ٹاؤن لے گئے۔ یہ جدید
لاہور کا ماڈرن ایریا ہے۔ یہاں پہنچنے سے قبل ہم راستے میں متعدد قابل ذکر مقامات سے گزرے۔ خصوصاً مال روڈ، جس کا نام اب شاہراہ
قائد اعظم ہے۔ اور جس کے داہنے کنارے پر پرانا جم خانہ ہے، جو اب قومی لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ پورا علاقہ نہایت شاندار

خوبصورت اور قابلِ دید ہے۔ سڑکوں کی عمدگی، کشادگی، صفائی، اور درختوں کی پرکیف روش قابلِ رشک ہے۔ ماڈل ٹاؤن اور گارڈن ٹاؤن، ایک دوسرے سے لگے ہوئے ہیں اور ابھی زیرِ تعمیر ہیں۔ ہماری گاڑی جس عمارت کے سامنے رکی اس پر "المعہد العالی للشریعۃ والقضاء"، کا بورڈ آویزاں تھا۔ یہ لاہور کے ایک اہم ادارہ کا ایک حصہ ہے۔ اسی عمارت میں مجلس التحقیق الاسلامی کا دفتر بھی ہے، جس کی نگرانی میں عرصہ سے ماہنامہ محدث لاہور شائع ہوتا آرہا ہے۔

مولانا مدنی نے تفصیلات ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پہلے ہمارے یہاں مکتب کی ابتدائی تعلیم اور حفظ اور عربی کی تعلیم ہوتی تھی۔ ادھر جب سے پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ کا مرحلہ پیش آیا ہے، تجدد پسند طبقہ کمیونزم کے اصولوں یا مغرب کے افکار و نظریات کو اسلام کے نام پر پیش کرنے اور اسے اسلامی قانون بنوانے پر تُلا ہوا ہے۔ یہ طبقہ خاص خاص اسلامی قوانین و احکام میں طرح طرح کی تشکیک بھی پیدا کرتا ہے، اور غیر اسلامی افکار و قوانین کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے اسلامی قوانین کے مآخذ و مصادر میں طرح طرح کی تحریف و تاویل بھی کرتا ہے اور انھیں مشکوک، غیر معتبر اور وقتی بھی بتاتا ہے۔ لیکن حنفی علماء ان سب سے آنکھ بند کرکے فقہ حنفی کی تنفیذ کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ (یعنی جو کچھ مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے فرمایا، الفاظ اور جملوں کے فرق کے ساتھ مولانا مدنی مدظلہ نے بھی وہی بات دہرائی، اور فرمایا۔) ان حالات کے پیشِ نظر ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں عربی مدارس کے فضلاء اور کالج اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ غرض دونوں طبقوں کو اسلامی قوانین کی تعلیم دی جائے۔

... بین الاقوامی قوانین سے تقابل کرکے اسلامی قوانین کی برتری بھی ثابت کی جائے۔ اس کے بغیر اس طوفانِ بلا خیز کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے ہم نے المعہد العالی للشریعۃ والقضاء قائم کیا، اور فیصلہ کیا کہ دونوں طبقے سے برابر برابر طلبہ کو داخل کیا جائے گا۔ الحمد للہ یہ بروقت اقدام اس قدر مقبول اور قابلِ توجہ ثابت ہوا کہ ہم نے داخلہ کا اعلان کیا تو ہمارے اندازے اور بساط سے کوئی سات آٹھ گنا زیادہ درخواستیں آگئیں۔ اور ہر چند چھانٹی کی گئی پھر بھی اپنے مقررہ اندازے سے کوئی تین گنا زیادہ طلبہ کو داخل کرنا پڑا۔

مولانا نے مکتبہ اور عمارت کے دوسرے حصص کو دکھلاتے ہوئے بتایا کہ ہر طالب علم کو اسلامی قوانین سے متعلق کسی خاص موضوع پر ایک اہم مقالہ تیار کرنا پڑتا ہے، جس کے بغیر اسے کامیاب نہیں قرار دیا جاسکتا۔ پھر آپ نے مجھے ایک الماری دکھلائی جو طلبہ کی طرف سے اس قسم کے پیش کیے گئے مقالات سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے کئی اہم مقالات بھی دکھائے، جو اسلامی قوانین کے تعلق سے نہایت اہم تھے، اور واقعی محنت و جانفشانی، نکتہ رسی، تحقیق، اور بحث کا حق ادا کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض بعض تو پاکستان کے موجودہ مرحلہ کے لیے نہایت اہم اور فیصلہ کن تھے۔ چنانچہ مولانا مدنی مدظلہ نے بتایا کہ ان خاص مقالات کو حکومت پاکستان نے خود

شائع کرنے کے لیے ہم سے طلب کیا ہے۔ بہر حال یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ کتب حدیث و فقہ کے وہ ابواب جو ہمارے ہندوستانی مدارس میں عام طور پر متروک ہوتے جا رہے ہیں، مثلاً بیوع، قضا، امارت، خراج، معاملات، وغیرہ وغیرہ۔ اب پاکستان میں ان پر پورا توجہ صرف کی جا رہی ہے اور خوب خوب داد تحقیق دی جا رہی ہے۔ اور مولانا مدنی مدظلہ خصوصاً قابل مبارکباد، اور لائق تحسین و آفریں ہیں کہ اس فکری الحاد کے سامنے بند باندھنے کے لیے موصوف نے ایک ٹھوس اور پائیدار قدم اٹھایا ہے، جس کے اثرات ان شاء اللہ دور رس اور مفید ہوں گے۔

یہاں سے مولانا مدنی ہمیں مدرسہ رحمانیہ لے گئے، جو تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے، اس کی عمارت ایک احاطے کے اندر نہایت خوشنما انداز سے بنائی گئی ہے۔ اور اسی میں ایک مسجد بھی ہے۔ عمارت اور مسجد دونوں ہی فنی خوبیوں کے لحاظ سے جدید انجینئرنگ کی حسن کاری کا نمونہ ہیں۔ وہیں ظہر کی نماز پڑھی گئی اور پوری عمارت کا مشاہدہ کیا گیا۔ ایک گوشے میں مطبخ بھی تھا، جہاں معروف طرز کے عام قدرتی گیس چولھے تو تھے ہی، ایک جگہ ایک بڑے تنور میں الاؤ جل رہا تھا۔ مولانا نے بتایا کہ یہ الاؤ گیس کے ذریعہ جل رہا ہے۔ پھر ایک پائپ لائن دکھائی جو بالکل ہمارے یہاں کی پانی کی پائپ لائن کی طرح تھی۔ بتایا کہ اس پائپ سے براہ راست چولھے اور تنور میں گیس پہنچتی ہے۔ ایک گوشے میں اس کے میٹر اور بٹن وغیرہ دکھلائے۔ واقعی قدرت کے اس عطیہ نے پاکستان میں ایندھن کا مسئلہ صاف حل کر دیا ہے۔ مکانوں، ہوٹلوں اور چائے خانوں وغیرہ میں اس کا استعمال اس قدر عام ہے اور ہر جگہ پائپ لائن کے ذریعہ مسلسل چوبیس گھنٹے اس طرح اس کی سپلائی ہوتی ہے کہ آدمی اس کے انتظام کی فکر سے بے نیاز ہو چکا ہے۔

مولانا مدنی نے بتایا کہ اس وقت ہم تین ادارے چلا رہے ہیں (۱) مدرسہ محمدیہ۔ بچے کی تعلیم اور حفظ قرآن کے لیے۔ (۲) رحمانیہ دینی تعلیم کے لیے (۳) المعہد العالی للشریعہ والقضاء۔ علوم شرعیہ اور قوانین اسلامیہ کے ماہرین کی تیاری کے لیے۔ اس کے علاوہ مجلس التحقیق العلمی کے تحت بحث و تحقیق کا کام ہوتا ہے، اور ماہنامہ محدث نکلتا ہے۔ ان سب کے مجموعہ کو ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ موصوف نے بتایا کہ اس پورے ادارے کا سالانہ خرچ دس لاکھ روپئے ہے۔ اور یہ پورا خرچ ہمارا خاندان برداشت کرتا ہے۔ ہم کسی سے چندہ نہیں لیتے۔ رحمانیہ کی عمارت کوئی ۴۰ لاکھ روپئے میں تیار ہوئی ہے، اور اس میں امارات کے حکم کی ایک جزوی امداد کے سوا کسی سے کوئی رقم نہیں لی گئی۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ، مولانا عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ان کے بھتیجے ہیں۔ کل چار بھائی ہیں۔ تین بھائی صنعت اور تجارت کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور مولانا مدنی حفظہ اللہ کو مذکورہ اداروں کا انتظام سونپ رکھا ہے۔ ان لوگوں کا اصل کام پائپ سازی کی صنعت ہے، اور اس سلسلے میں اتنی پیش رفت کر چکے ہیں کہ اب بے جوڑ کا پائپ

بنانے کا اقدام کرنے جا رہے ہیں۔ مولانا مدنی نے بتایا کہ یہ پورے عالم اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا کارخانہ ہوگا۔ اس کے لیے فرانس سمیت یورپ کے متعدد ممالک سے گفتگو کی گئی۔ یہ لوگ مشینیں اور ماہرین دینے پر تو آمادہ ہو جاتے تھے، مگر ٹیکنالوجی فراہم کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ چین ٹیکنالوجی بھی دینے پر تیار ہوگیا ہے، اس لیے اس سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ مولانا نے اسی سلسلے میں پاکستانی بینک سے تیس پینتیس کروڑ روپئے قرض لینے کے معاملہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ غیر سودی قرض کی جو صورتیں بینک نے پیش کیں شرعی نقطۂ نظر سے ان میں سے کسی بھی صورت سے ہم مطمئن نہیں تھے۔ اس لیے ہم نے قرض نہ لیا۔

مولانا نے تمام صورتوں کی تفصیلات بتائیں تو ان میں سے بعض صورتوں میں مجھے کوئی قباحت نہ محسوس ہوئی، تاہم میں ان حضرات کے کمالِ احتیاط اور تقویٰ سے بے حد متاثر ہوا کہ ان کی اتنی بڑی صنعتی فرم ہے جس کا تجارتی اور غیر تجارتی لین دین بین الاقوامی پیمانے کا ہے، اس کے باوجود انھوں نے سودی معاملات سے دوری اور دامن کشی کے لیے جس احتیاطی روش کو اپنایا ہے وہ یقیناً اس دور میں اسوۂ و نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ برکت دے اور اس قسم کے اصحابِ عزیمت مسلمانوں کی کثرت کرے۔

دوپہر کا کھانا مولانا مدنی مدظلہ کے یہاں کھایا گیا۔ اور عصر بعد موصوف کی رہنمائی میں بین الاقوامی شہرت کی حامل مغل یادگار شالامار باغ کی تفریح کی گئی۔ اس کے در و دیوار سے کہنگی کے آثار نمایاں ہو چلے ہیں۔ ایک تختے پر اس کی تعمیر، ابتداءً لگائے گئے درختوں کی نوعیت اور تعداد، اور بہت سی دیگر تفصیلات درج ہیں۔ ایسا ہی اندراج شاہی مسجد کے گیٹ والے حجرے میں رکھے ہوئے تبرکات کے سلسلے میں بھی دیکھا گیا تھا۔ آج ہمارے رفقاء میں مولانا عزیز زبیدی حفظہ اللہ بھی تھے۔ بڑھاپے میں قدم رکھتی ہوئی عمر، چہرے بہرے سے سلامتِ طبع کا نمونہ اور وضع قطع ایسی سادہ کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی بزرگ ہیں، جن کا گوہر بار قلم نوع بہ نوع مسائل کے نوک پلک سنوارتے میں اس قدر پختہ ہے کہ موصوف کے مضامین رسالوں کی بلندیِ معیار کی ضمانت ہیں۔ افسوس! مولانا کے ساتھ بہت مختصر ملاقات رہی اور ایسی مشغول کہ تفصیلی تبادلۂ خیال نہ ہو سکا۔ مولانا نے صحیح بخاری کا ایک حاشیہ بھی مولانا عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی حسب فرمائش رقم فرمایا ہے، جو مکمل ہو چکا ہے۔

شالامار باغ سے واپس آکر مغرب کی نماز لاہور زرعی کالج کی مسجد میں پڑھی گئی۔ یہ مسجد بھی جدید انجینیرنگ کی سادگی اور پُرکاری کا نمونہ ہے۔ یہاں سے پروفیسر سعید صاحب بہ اصرار اپنے دولت کدہ پر لے گئے جو زرعی کالج ہی کے گراؤنڈ میں واقع ہے۔ موصوف اس کالج میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں، اور آپ ہی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس کالج میں اسلامیات کے جتنے استاذ ہیں سبھی اہلحدیث ہیں۔ پروفیسر سعید صاحب سے میری ملاقات پہلے پہل مدینہ میں ہوئی تھی جہاں وہ زیر تعلیم تھے۔ آپ ہی کا یہ کہنا تھا کہ پاکستان کی جماعت اہلحدیث کے مخالف گروپوں کو دن رات کی جدوجہد کے بعد حرمین شریفین

کانفرنس میں ایک اسٹیج پر جمع اور ایک دوسرے سے مصافحت اور تعاون پر آمادہ کیا تھا۔ اللہ اس جوان صالح کی عمر میں برکت دے اور مزید اعمال خیر کی توفیق سے نوازے۔ آمین

پروفیسر صاحب نے بڑے لطف و کرم سے ہماری خاطر مدارات کی۔ پھر ہم عشاء کے وقت دھرم پورہ آگئے۔ آج برادر محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ نے شام کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہاں ہمارے علاوہ اور بھی متعدد حضرات تشریف لائے، جس سے اچھی خاصی محفل علم تیار ہوگئی۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کے علاوہ بڑے بڑے علمی لطائف کا بھی انکشاف ہوا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے فقہاء ہند پر کئی جلدیں سپرد قلم کی ہیں۔ لاہور کے ایک مشہور دیوبندی ادارے کے مفتی صاحب کے متعلق فرمانے لگے کہ ایک اخبار میں موصوف دینی سوالات کے جوابات لکھتے ہیں، میں انھیں سنبھال کر رکھتا ہوں اور جب طبیعت ناہموار ہوتی ہے تو ان کا مطالعہ کرتا ہوں، ایسی چیزیں مل جاتی ہیں کہ ناہمواری رفع ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بار ایک صاحب نے سوال کیا تھا کہ میں مقروض ہوں، قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ کوئی دعا یا طریقہ بتلائیں! اس کے جواب میں موصوف نے حضرت علیؓ کے پاس ایک مکاتب کے آنے اور معاوضۂ مکاتبت کی ادائیگی کے لیے ایک دعا کے سیکھنے کا ذکر کیا۔ مکاتب کی تشریح یوں کی کہ اس نے کسی آدمی سے کوئی تحریر کتابت کرائی تھی، اور کتابت کی اجرت دینے کے لیے اس کے پاس رقم نہ تھی۔ بھلا اس پر لوگ ہنسے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ (واضح رہے کہ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس نے اپنے مالک سے یہ طے کر لیا ہو کہ میں آپ کو فلاں مقدار میں رقم ادا کر دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا، اور مالک نے اسے منظور کر لیا ہو۔)

مولانا بھٹی نے ان ہی مفتی صاحب کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک بار میں لاہور ریڈیو اسٹیشن پر نشریہ کے لیے کچھ ٹیپ کرانے گیا تو معلوم ہوا پروڈیوسر صاحب ان مفتی صاحب سے دینی سوالات کے جوابات ٹیپ کر رہے ہیں۔ میں بھی موصوف کے جوابات سننے لگا۔ منجملہ ان کے ایک عورت نے سوال کیا تھا کہ میری حالت رہ رہ کر غیر ہو جایا کرتی ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ جادو کیا گیا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ جن کا اثر ہے۔ بتائیے میں کیا کروں؟ مفتی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے پاس آیات تھرمامیٹر ہیں۔ تم لاہور ہمارے فلاں ادارے میں آجاؤ، ہم ان آیات تھرمامیٹر سے معلوم کر لیں گے کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ اور علاج کریں گے اور جب تک آ نہیں سکتی ہو، فلاں وظیفہ پڑھتی رہو۔ مولانا بھٹی کہنے لگے، میں منتظر تھا کہ حضرت باہر تشریف لائیں تو دریافت کروں کہ یہ آیات تھرمامیٹر کیا ہوتی ہیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ پروڈیوسر صاحب تنہا تشریف لا رہے ہیں۔ پوچھا مولانا کہاں ہیں؟ بتایا کہ وہ تو دوسری جانب سے نکل گئے۔ میں دوڑا کہ انھیں جا لوں مگر وہ غائب ہو چکے تھے۔ اب پروڈیوسر صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا سوالات و جوابات آپ نے ٹیپ کیے ہیں؟ کیا اب ریڈیو لاہور سے ایسی چیزیں بھی نشر ہوں گی؟

(باقی ص ۲۰ پر)

اہلحدیث مسلک اور جماعت

مولانا عبدالعلیم ماہر

اہل حق کے اس مقدس مسلک و منہج کا نام اہل حدیث ہے، جس کی اساس اور بنیاد قرآن وسنت ہے اور جو اسلام کی صحیح ترین تعبیر ہے۔ یعنی جو اصول و نظریات جو عقائد و افکار جو احکام و مسائل اسلام کے ہیں بعینہٖ وہی اصول ونظریات، وہی عقائد وافکار، وہی احکام و مسائل اہلحدیث کے بھی ہیں۔ دونوں میں ذرہ برابر بھی فرق و تفاوت نہیں۔ گویا اسلام اور اہلحدیث کوئی دو چیز نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو الگ الگ نام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسلام زمانۂ رسالت، زمانۂ صحابہ، زمانۂ تابعین میں تھا، وہی اسلام اہلحدیث کا جزء اور بنیاد ہے۔ اسی اسلام پر اہلحدیثیت کی پوری عمارت کھڑی ہے، لہذا ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی اہلحدیث کے امام تھے۔ اور خلفاء راشدین اہلحدیث، اصحاب بدر و اُحد مہاجرین و انصار، مبایعین بیعت رضوان، اہلحدیث کے ہراول تھے۔ تابعین و تبع تابعین محدثین کرام، ائمہ مجتہدین، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، قاضی ابویوسف، عبداللہ بن مبارک وغیرہم اہل حدیث تھے۔

یہ اور بات ہے کہ زمانۂ خیر القرون میں لفظ اہلحدیث زیادہ نہیں ملتا۔ کیوں کہ شروع میں جب اسلام خالص تھا، باطل فرقوں کا وجود نہیں ہوا تھا۔ اسلام ہی کا نام معروف و مشہور تھا۔ لیکن بعد کے ادوار میں جب خوارج وشیعہ وغیرہ کا ظہور ہوا، اور انھوں نے اپنے آپ کو اہل اسلام ہی میں شمار کیا، تو جو مسلمان شیعہ و خوارج کے علاوہ تھے اور صحیح اسلام پر قائم تھے، انھوں نے امتیازی لقب کے طور پر اپنے آپ کو اہل سنت سے تعبیر کیا اور کچھ دنوں کے بعد اہل سنت کے ساتھ ساتھ لفظ اہل حدیث بھی اسی معنی ومفہوم میں اسی جماعت حقہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور تب سے اب تک یہی مبارک و مسعود نام اسی حق پرست اور مقدس گروہ اور ان کے مسلک کے لیے استعمال ہوتا آرہا ہے، اور ان شاء اللہ تا قیامت ہوتا رہے گا۔

آئیے! تاریخ و حقائق کے دریچوں سے مسلک اہلحدیث اور اس کے حاملین کے مقدس گروہ کی کارگزاریوں، کارناموں، بے مثال قربانیوں، اور ان کے فضائل و محاسن کی ہلکی سی جھلک دیکھتے چلیں۔

وعن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ یجئ اصحاب الحدیث ومعھم

المحابر فیقول اللہ لھم انتم اصحاب الحدیث (الی) انطلقوا الی الجنۃ اخرجہ الطبرانی۔ حضرت انس
کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہلحدیث اس حال میں آئیں گے کہ دواتیں ان کے ساتھ ہونگی
اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم اہل حدیث ہو جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ ؎

باغ فردوس براں قوم مباح است کہ خوش لروش راستی از قول پیمبر گیرند

(بحوالہ خطبہ صدارت اہلحدیث کانفرنس منعقدہ الہ آباد از مولانا سیف بنا)

علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب شرف اصحاب الحدیث میں اہل حدیث کی منقبت میں یوں رطب اللسان ہیں۔

"اہل حدیث اللہ کی مخلوق میں اللہ کے امین ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان واسطہ ہیں، آپ کے دین کے حفظ اور یاد کرنے میں پورا انہماک اور کامل کوشش کرنے والے ہیں۔ ان کے انوار روشن ہیں، ان کے فضائل مشہور ہیں، ان کی نشانیاں ظاہر ہیں۔ ان کا مذہب پاک ہے، ان کی دلیلیں پختہ ہیں ہر فرقہ کسی نہ کسی کی تابعداری میں پڑا ہوا ہے اور کسی نہ کسی کی رائے وقیاس کو اچھا جان کر اس پر جم گیا ہے لیکن اہلحدیث کی جماعت ہے کہ ان کا ہتھیار صرف کتاب اللہ ہے ان کی دلیل حدیث رسول ہے۔ ان کے امام صرف خدا کے پیغمبر ہیں، ان کی نسبت بھی صرف حضور ہی کی طرف ہے (یعنی محمدی) وہ خواہشوں کے پیچھے نہیں پڑتے، وہ رائے وقیاس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ وہ رسول کی حدیثوں کے روایت کرنے والے ان کے امین اور نگہبان ہیں۔ یہ دین کے محافظ اور اس کے خزانچی ہیں۔ سمجھدار عالم، بلند پایہ فقیہ کامل زاہد پورے فاضل، زبردست قاری، بہترین خطیب یہی ہیں۔ جمہور عظیم انہی کو کہا جاتا ہے۔ انہی کی راہ سیدھی راہ ہے۔ بدعتیوں کو رسوا کرنے والے یہی ہیں۔ ان کے مخالف اپنے عقائد کے اظہار پر بھی قادر نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ فریب کرنے والوں کو خدا نیچا دکھائے گا۔ ان سے دشمنی کرنے والوں کو اللہ رسوا و ذلیل کرے گا۔ ان کی برائی چاہنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ انہیں چھوڑنے والے ہرگز فلاح نہیں پا سکتے۔ ہر وہ شخص جو اپنے دین کا بچاؤ چاہتا ہے ان کے ارشاد کا محتاج ہے۔ ان کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے والوں کی بینائی ضعیف ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں سے ایک جماعت حق پر ہمیشہ قائم رہے گی، اللہ ان کا مددگار ہوگا۔ ان کے دشمن انہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ علی ابن مدینی، یزید بن ہارون، ابن المبارک، احمد بن حنبل، امام بخاریؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد جماعت اہلحدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مانتے ہیں اور آپ کے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم معتزلہ، رافضی، جہمیہ، مرجیہ اور رائے وقیاس کرنے والوں کے سامنے کوئی حدیث پیش نہ کر سکتے۔ اللہ تعا

اس منصور جماعت کو دین کی نگہبانی عطا کی ہے اور دشمنانِ دین کے ہتھکنڈے بے اثر کر دیے۔ اس لیے کہ وہ شریعت متین کو مضبوطی سے تھامنے والے اور صحابہ اور تابعین کی روش پر قائم ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جس نے سنتِ رسول کو زبانی بھی یاد کیا اور عمل بھی کیا۔ پھر رکھا۔ جنھوں نے دل میں بھی اس کو جگہ دی اور نقل بھی اسی کو کیا، کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر دکھایا۔ حضرت انس کی روایت ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے ہوئے، نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک سب جہنمی ہوں گے۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر اس ناجی فرقہ سے مراد اہلِ حدیث نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون ہیں؟ ۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: فرشتے آسمان کے چوکیدار ہیں، اور اہلِ حدیث زمین کے پاسبان ہیں۔ حضرت یزید بن زریع فرماتے ہیں: ہر دین کے شہسوار ہوتے ہیں، اس دین کے شہسوار اہلِ حدیث ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں، اگر اہلِ حدیث کی جماعت نہ ہوتی اور یہ لوگ حدیثوں کو جمع نہ کرتے تو اسلام بے نشان ہو جاتا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: ہم تین چار آدمی امام علی ابن عبداللہ کے دروازے پر تھے۔ فرمانے لگے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت غالب ہو کر حق پر رہے گی، نہ اس کے مخالفین انھیں ضرر پہنچا سکیں گے نہ رسوائی۔ اس سے مراد تو میں جانتا ہوں کہ تم ہو یعنی حدیث والے۔ دیکھو تجارت پیشہ والے اپنی تجارت میں، کاریگر لوگ اپنی اپنی صناعت میں، بادشاہ لوگ اپنی سلطنت میں مشغول ہیں۔ مگر تم ہو کہ سنتِ رسول کے رواج دینے کی دھن میں لگے ہوئے ہو۔

خلیفہ ہارون رشید فرماتے ہیں: میں نے چار چیزوں کو چار گروہ میں پایا۔ کفر کو جہمیہ میں، علم کلام اور جنگ و جدال کو معتزلہ میں، جھوٹ کو رافضیوں میں، اور حق کو اہلحدیثوں میں۔ ولید کرابیسی اپنے آخری وقت میں اپنی اولاد کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کیا تم علم کلام اور مناظرے اور باتیں بنانے میں مجھ سے زیادہ عالم کسی کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم مجھ [illegible] تو مان لوگے؟ سب نے کہا ہاں۔ فرمایا سنو! تم اہلحدیث [illegible] حق کے جھوٹے [illegible] نہیں کرتے۔ قاضی ابو یوسف اپنے دروازے پر اہلِ حدیث کو دیکھ کر [illegible] رہ گئے زمین پر تم اہلحدیثوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔

(بحوالہ فضائلِ محمدی اردو ترجمہ شرف اصحاب الحدیث لخطیب البغدادی)

یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی، اہلحدیث کے فضائل و مناقب کی۔ اب ان کے کارناموں پر بھی ایک نظر ڈال لیں، اہلحدیث کی کارگزاریوں، کارناموں، اور بے مثال قربانیوں کی داستان بہت طویل ہے۔ اس موقع پر نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ صرف اشارے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اہلحدیث کا یہ پاک باز گروہ ابتداءِ اسلام سے لے کر اب تک اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے تمام داخلی اور خارجی فتنوں کا تنِ تنہا ذمہ دارانہ مقابلہ کرتا رہا ہے۔ خوارج و شیعہ کے فتنے اُٹھے تو اہلحدیث ہی ان کے باطل عقائد و نظریات کے مقابلے کے لیے میدان میں اُترے اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فرض انجام دیا، انکارِ حدیث کا فتنہ جاگا تو اہلِ حدیث ہی نے ان کی سرکوبی کی اور ان کے زور کو کم کیا۔ وضاعین حدیث پیدا ہوئے تو اہلِ حدیث ہی نے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کیا، اور انھیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلادی۔ یونانی علوم اور فلسفی نظریات کے سبب فتنۂ اعتزال نے سر اُٹھایا اور اسلام میں طرح طرح کے کلامی فرقے پیدا ہوئے تو اہلحدیث ہی نے بے مثال قربانیاں دے کر اس فتنے کی آگ کو سرد کیا اور یونانی فلسفہ کو شکستِ فاش دیکر یونانی نظریات کا تاروپود بکھیر کر رکھدیا۔ ایک زمانے میں اہل الرائے کا زور ہوا تو ان سے بھی اہلحدیث ہی نبرد آزما ہوئے، اور ان کے اثرات کو کم کیا۔ اسلام کے نام پر صوفیاء نے جہالت و ضلالت کا جال پھیلایا تو ان کے مقابلے کے لیے بھی اہلحدیث ہی سامنے آئے اور ان کی بدعملیوں اور بداعتقادیوں کا پردہ چاک کیا۔ مرزا قادیانی اور قادیانیت کو اہلحدیثوں ہی نے پیوندِ خاک کیا۔ آریہ، سناتن دھرمی، عیسائی وغیرہ وغیرہ کا حملہ اہلحدیثوں ہی نے توڑا۔

غرضیکہ تاریخ کے ہر دور میں، عمل کے ہر میدان میں، راہ کے ہر موڑ پر، مقابلے کے ہر محاذ پر اہلحدیث مستعد رہے اور تمام باطل قوتوں سے ٹکراتے ہوئے باطل افکار و نظریات سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کرتے ہوئے اسلام دشمن عناصر کی سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اسلام کی خدمت اور حفاظت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ کہیں محدث و مفسر بن کر، کہیں مدرس و مبلغ بن کر، کہیں مجاہد و مناظر بن کر، کہیں واعظ و ہادی بن کر، کہیں مفتی و مصنف بنکر، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔

اب ہم چند حقائق کی نشاندہی کرتے ہیں، جو مسلکِ اہلحدیث کے معتدل، اور عین مزاجِ اسلام کے مطابق ہونے کی علامت ہیں، اور جو اہلِ حدیث کو دوسرے فرق و ادیان سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس مقصد کی وضاحت کے لیے ہم آپ کے سامنے برصغیر پاک و ہند کے فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گجرانوالہ مرحوم کی تحریر کا ایک طویل اقتباس پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں!:

(۱) روافض کو اہلِ بیت کی محبت میں غلو تھا، اور خوارج کو ان کے بغض میں، اہلحدیث نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔
(۲) بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح مجسم مانتے تھے، اور بعض اس کی صفات کو، ایک مفہوم کی حد تک۔ اور ان کی حقیقت سے صاف انکار کرتے تھے۔ ائمہ حدیث نے صفات کی حقیقت کو تسلیم فرمایا اور تشبیہ اور مماثلت کی نفی فرمائی۔ یہی معتدل راہ تھی۔ (۳) قیاس کے ہمہ گیر ائمہ نے نصوص اور صحیح احادیث کو بیکار کر کے رکھ دیا اور ظاہریت کی طغیانی نے قیاس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ قیاس کی سمیت کا یہ اثر تھا کہ مسکرات اور محرمات کی جزوی رخصت دیکر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ نبیذ اور طلاء وغیرہ کے مباحث فقہاء رحمہم اللہ کے مستندات میں مرقوم ہیں اور منکرینِ قیاس یعنی اہل الظاہر نے پائخانے کی نجاست کو پیشاب سے بھی کم تصور فرمایا، اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میزان اہلحدیث کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے نبیذ اور طلاء کا فیصلہ "کل مسکر حرام" کی روشنی میں کیا، اور نجاست کے معاملے میں پیشاب وغیرہ اور نجاستوں کا ایک ہی حکم تصور فرمایا۔ قیاس صحیح کا بھی یہی تقاضا تھا، اور نصوصِ صحیحہ کا بھی یہی مفاد۔

(۴) جب عجمی اہلِ اسلام سے متاثر ہوئے تو اسلام کی سادگی نے جہاں انہیں کافی حد تک اپنی تربیت میں لے لیا، وہاں ان لوگوں نے بھی اسلام کو متاثر کیا۔ یونانی علوم اور فلسفی نظریات، اسلام کے بعض بنیادی عقائد سے ٹکرائے۔ صفاتِ باری کی حقیقت کیا ہے؟ باری تعالیٰ کی صفات کی نوعیت کیا ہے؟ صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات؟ حادث و قدیم کے درمیان ربط کی کیا صورت ہے؟ بیسیوں مباحث و مسائل سطح ذہن و فکر پر اُبھر آئے۔ یہیں سے اعتقادی بدعت کا آغاز ہوا علماء اہلسنت کو یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان مباحث کو حل کرنا پڑا۔ بدعت کے شیوع نے ایک دفعہ اہلِ علم کو حیرت میں ڈال امام احمد بن حنبلؒ، علامہ عبدالعزیز کنانی وغیرہ نے اس وقت بڑی جرأت اور ثابت قدمی سے کام لیا۔ اور انہی کی زبان میں ان سے گفتگو کر کے انہیں یقین دلا دیا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق ان کی معلومات سطحی ہیں اور اسلامی عقائد پر ان کے اعتراضات کی حیثیت تلبیس نفس سے زیادہ نہیں۔

(۵) چوتھی صدی ہجری کے قریب فقہی فروع میں تلفیق اور اتباع ہوی سے بچانے کے لیے اس دور کے علماء نے ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کی اجتہاد کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ و تابعین کے زمانے میں جس قدر وسعت تھی تقلید شخصی اور ذہنی جمود سے اسے روک دیا گیا، لوگوں کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا کہ وہ چار ائمہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کریں۔ گو یہ شرعاً واجب نہیں، مگر ضرورتاً اسے واجب سمجھنا چاہیے۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر عقائد کے اختلافات میں امام ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی کی جگہ اشعری اور ماتریدی کو دے دی گئی۔ یہ حضرات عقائد میں الگ الگ ائمہ قرار پائے۔ گویا

فقہی فروع میں الگ امام، عقائد میں اور امام، پھر ذرا اس سے آگے بڑھ کر جب تصوف میں طبقاتی دور آیا، اسلامی زہد و ورع یا احسان میں جب بدعت شامل ہونے لگی۔ اور خانقاہی نظام نے پیشہ اور دکانداری کی صورت اختیار کرلی تو اس وقت کے دانش وروں نے چند امام اور فرقے انتخاب کر لیے۔ یعنی نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ۔ گویا ان مختلف محاذ پر لائن کے متبعین نے اپنے امام بدل لیے۔ یوں سمجھیے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے باقی رفقاء کی امامت فروع تک محدود ہوگئی۔ وہ تصوف اور عقائد میں امام اور مقتدیٰ نہیں بن سکتے۔ ان تمام مقامات میں بحمداللہ اہل حدیث کی روش ایک جیسی رہی وہ فروع عقائد و تصوف میں صحابہ کی اتباع کرتے رہے اور خانقاہی نظام کی بدعت سے اسی طرح نفرت کی جس طرح فروع میں جامد تقلید اور عقائد میں بے دینی کی بدعت سے انہیں نفرت تھی۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

اہلحدیث نے کتاب وسنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کے بجائے ائمہ سلف اور صحابہ کو اپنا امام تسلیم کیا۔ اور فروع و عقائد و احسان اور تصوف میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور نہ شخصی آراء و افکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کا بدل سمجھا۔ دراصل فتنوں کے دور عروج میں آزادی و پابندی جمود و آوارگی کے بین بین یہی صحیح حل تھا۔ جسے ائمہ حدیث نے تلاش فرمایا، اور عملاً صدیوں اس پر کاربند رہ کر آوارگی ذہن و جمود کا مقابلہ کیا۔ فالحمدللّٰہ علی ذلک

(بحوالہ تحریک آزادی فکر مولفہ علامہ محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ مرحوم)

اب آخر میں چند بہتانات کی تردید مناسب سمجھتا ہوں جو اہلحدیث کے مخالفین و معاندین اپنی جہالت اور ناواقفیت کے سبب عموماً اہلحدیث پر لگایا کرتے ہیں مگر ان کی حقیقت اتہام اور الزام تراشی سے زیادہ نہیں۔ ان بہتانات کی تفصیل اور ان کا جواب حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین کے قلم سے ملاحظ فرمائیں۔

"اہل حدیث کی نسبت کچھ بدگمانیاں ایسی ہیں جن کی اشاعت کے ذمہ دار جاہل و بے خبر لوگ ہیں، یہ لوگ اکثر کہا کرتے ہیں۔

(۱) اہلحدیث رسول اللہ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر جانتے ہیں۔

(۲) اہلحدیث اولیاء اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔

(۳) اہلحدیث کرامت کے منکر ہیں۔

(۴) اہلحدیث امام اعظم کو برا کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ چاروں باتیں قطعی غلط ہیں، بہتان عظیم ہیں، دروغ محض ہیں۔

(۱) اہلحدیث تو رسول اللہ کو مطاع عالم، سید ولد آدم، صاحب مقام محمود، صاحب لواء الحمد، خاتم النبیین سید المرسلین۔

مۃ للعالمین، شفیع المذنبین کہتے ہیں۔ بڑے بھائی کی حقیقت کیا ہے۔ اہلحدیث تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی کے ہمنوا ہو کر راہ آباؤنا وامہاتنا کہا کرتے ہیں، اب بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔

(۳) اولیاء اللہ سے محبت رکھنا، صالحین کا ذکر خیر کرنا، ان کے نام کو محبت اور ادب سے زبان پر لانا، ان کی سیرت کے واقعات کو بیان کرنا، ان کے لیے دعا کرنا — اہل حدیث کے یہاں رائج وجاری ہے۔

(۳) کرامت کا کوئی منکر نہیں ہے، جب کسی بزرگ کی کوئی کرامت بروایت صحیح ثابت ہو جاتی ہے تو اسے دلیل صداقت اسلام اور نتیجۂ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنا چاہیے۔

(۴) امام ہمام عالی مقام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کو اہل حدیث امام تسلیم کرتے ہیں، ان کو یکے از ائمہ اربعہ جانتے ہیں، فتاویٰ میں ان کے مذہب و دلیل کو لیتے ہیں۔ کسی مسئلے میں توافق کا نہ ہونا اس اصول پر ہوتا ہے جس اصول پر ابویوسف اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ امام زفر اپنے استاذ سے اختلاف کرنے میں اہل حدیث سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ کوئی ان بزرگوں کی نسبت یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ امام صاحب کو برا سمجھنے والے ہیں۔ لہٰذا اہلحدیث سے بھی یہ بدگمانی نادرست ہے۔

(بحوالہ خطبۂ صدارت اہل حدیث کانفرنس آگرہ از مولانا منصور پوری مرحوم)

بقیہ اداریہ: نیز انھوں نے ضمناً اپنے ادارہ اور دکانداری کی پبلسٹی بھی کی ہے۔ کیا اگر میں اپنی تالیفات کے متعلق سے ایسا ہی جواب دوں تو آپ نشر کریں گے۔ کہنے لگے بھلا کیا کریں۔ جواب دینا میرا نہیں بلکہ ان صاحب کا کام تھا میں اگر سکتا ہوں کہ ٹیپ کا یہ حصہ کاٹ دوں۔

آخر میں میزبان کی پرتکلف دعوت سے فارغ ہو کر فاذا طعمتم فانتشروا پر عمل کرتے ہوئے دلچسپ مجلس ختم ہوگئی۔

وجودِ خدا اور کائنات

فضل اللہ محمد الیاس

خدا کا وجود ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں کچھ لوگ خطا کر گئے ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس کا صحیح جواب دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم کو خدا کے وجود کی کوئی تشفی بخش دلیل نہیں ملتی۔ اس لیے ان لوگوں نے خدا کے وجود کا انکار ہی کر دیا۔ والٹیر نے کہا تھا کہ "اگر خدا نہ بھی ہو تو ایجاد کر لینا چاہیے۔" لیکن اس کے برخلاف مشہور جرمن فلسفی کانٹ نے خدا کے وجود کی یہ کہہ کر تردید کر دی کہ اس کی موجودگی کی کوئی دلیل متعین نہیں۔ ایک اور انگریز فلسفی کا قول ہے کہ

"GOD IS NOTHING BUT A PROJECTION OF MAN ON A COSMIC SCREEN."

یعنی خدا کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ فلکیاتی پردے پر ذہنِ انسانی کی ایک نگارش ہے۔

دراصل موجودہ دور کے جن فلسفیوں نے خدا کے وجود کی نفی میں جواب دیا ہے وہ صرف ان کی یاوہ گوئی اور خام خیالی ہے۔ اس قسم کی باتوں کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کا فکری انحطاط ہے۔

ستارے آسمان میں کیوں چمکتے ہیں، ان کے اندر چمکنے کی بے پناہ قوت کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ ہنس بیتھے (HANS BETHE) نے فلکیاتی طبیعیات کے میدان میں لمبی چوڑی تحقیق کے بعد بتایا کہ اس کا راز کاربن سائیکل ہے۔ ڈاکٹر ہنس بیتھے کو ۱۹۶۷ء میں اس تحقیق کے لیے طبیعیات کا نوبل پرائز بھی ملا تھا۔ ڈاکٹر بیتھے کو اس تحقیق پر بڑی خوشی ہوئی اور وہ اس خوشی میں اس طرح گم ہو گئے کہ انہیں اس تحقیق کا موقع نہ مل سکا کہ کاربن سائیکل کا راز کیا ہے اگر ستارے آسمان میں "کاربن سائیکل" کی وجہ سے درخشاں ہیں تو خود "کاربن سائیکل" کہاں سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا راز کیا ہے؟ اسی طرح مارکونی پہلا شخص تھا، جس نے ۱۹۰۱ء میں بحر اٹلانٹک کے ایک طرف سے دوسری طرف ریڈیو لہریں بھیجنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس وقت یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ کون سا ذریعہ ہے، جس نے لہروں کو اس سفر میں مدد دی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں ایڈورڈ ایپلیٹن وغیرہ نے دریافت کیا کہ یہ زمین کی اوپری فضا میں "آیونو اسفیر" کی موجودگی

ہے جو لاسلکی پیغام رسانی کو ممکن بناتی ہے ۔ لیکن اس سوال کا جواب اب بھی باقی ہے کہ فضا میں آئنو اسپئیر" کا یہ حیران کن انتظام کس نے قائم کر رکھا ہے ؟ تو دایڈورڈ وغیرہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے ۔

جن لوگوں نے بھی خدا کے وجود کا نفی میں جواب دیا ہے ، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ صرف کسی چیز کی وجہ کی تحقیق کرنے کے بعد اس تحقیق میں اس طرح گم ہو جاتے ہیں کہ ان کو اس وجہ کی وجہ کی تحقیق کا موقع نہیں ملتا ۔ اگر ہنس بیتھے ۔ کاربن سائیکل کے پیدا ہونے کی تحقیق کرتے تو ان کو خدا کے وجود کا بھی پتہ چل جاتا ۔ اسی طرح مارکونی اس حیرت انگیز نظام کی اگر تحقیق کرتے تو ان کو یہ پتہ چل جاتا کہ خدا کا وجود ہے یا نہیں ۔

لیکن چونکہ ایسے لوگ صرف کائنات کی تحقیق کر کے کائنات میں گم ہو جاتے ہیں اس لیے انکو آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملتا اور وہ اصل تحقیق نہیں کر پاتے ۔ یہی فرق درحقیقت ایک مومن اور غیر مومن کے درمیان ہے ۔ علامہ اقبال نے بھی یہی بات کہی تھی کہ ؏

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کائنات خدا کے وجود کی بذاتِ خود ایک حقیقی ترجمان ہے بلتی ہوئی تصویر ہے ۔ کائنات کی ہر چیز اس کے EXISTENSE کی صریح اور واضح دلیل ہے ۔ کائنات کا ہر ذرہ خدا کی کونیت کا اقرار ہے ۔ کائنات کا ہر حصہ خدا کے ہونے کا اظہار ہے چنانچہ اس حقیقت کی توضیح جیمز آروِن کے واقعہ سے ہوتی ہے ۔ اپالو ۱۵ میں امریکہ کے جو تین خلاباز چاند پر گئے تھے ان میں سے ایک جیمز آلروِن تھا ۔ اس کا کہنا ہے کہ : " جب میں نے اگست ۱۹۷۲ء میں چاند پر قدم رکھا تو اس وقت مجھ کو خدا کے وجود کا احساس ہوا ۔ مجھے چاند پر ایسا محسوس ہوا کہ میں خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں ۔ چاند پر میرا جانا میرے لیے صرف ایک سائنسی سفر نہیں تھا بلکہ اس سفر سے مجھ کو روحانی زندگی بھی نصیب ہوئی "

جیمز اروِن کے اوپر چاند کا یہ سفر اتنا موثر ہوا کہ اُس نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ آج موجودہ علوم نے کافی ترقی حاصل کی ہے ۔ لیکن ان علوم نے انسان کے اندر صرف اس حقیقت کی زیادتی کی ہے کہ اُسے خدا کے وجود کا قائل ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔ اسی لیے والٹیر نے کہا تھا کہ " اگر خدا نہ بھی ہو تو ایجاد کر لینا چاہیے ۔"

دراصل کائنات ایک کھلی ہوئی کتاب ہے ۔ انسان اگر اس کھلی ہوئی کتاب کا ژرف نگاہی اور دقت پسندی سے مطالعہ کرے تو اس کو کتاب کے ہر ورق کے ہر صفحہ کے ہر سطر کے ہر لفظ سے خدا کے وجود کا ایک سبق ملے گا ۔ اگر وہ غور

کرے تو آسمان کی بلندی میں خدا کی صولت و سطوت، جاہ و جلال، سورج کی کرنوں میں اس کا نور اور چاند کے حسن میں اس کا جمال دکھائی دے۔ اگر وہ تدبر و تفکر کو اپنا اصول مطالعۂ کائنات بنالے تو اس کو چڑیوں کی صدا میں خدا کا نغمہ سنائی دے، پھول کی خوشبو میں اس کے وجود کی نکہت محسوس ہو۔ اگر وہ عقلمندی اور دانشمندی سے کام لے تو اس کو پھول کی پنکھڑیوں میں خدا کی مسکان اور لہلہاتی ہوئی فصلوں کے اندر اس کے وجود کا پیغام سنائی دے۔ مختصر اینکہ اگر انسان کا فکری معیار مطالعۂ کائنات کے لیے بلند ہو تو اس کو کائنات کی ہر چیز کے اندر خدا کی صناعی اور کاریگری بجلائے اس کے کہ نہاں ہو، عیاں معلوم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اندر ان لوگوں کو "اولی الالباب" کہا گیا ہے جو کائنات کے اندر غور و فکر کرتے ہیں۔ ارشاد ہے: ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار۔ "بے شک گردش لیل و نہار اور زمین و آسمان کی تخلیق میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو لوگ اللہ کو ہر حالت میں یاد کرتے ہیں، زمین و آسمان کی تخلیق کے اندر غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور (بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں) کہ پروردگار! تو نے اس کائنات کی تخلیق عبث اور بیجا نہیں کی ہے۔ تیری ذات تو (بے کار اور لایعنی چیزوں کی تخلیق سے) پاک ہے۔ پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔"

اور ایک شاعر کی زبان میں وہ یک لخت پکار اٹھتا ہے۔ ع

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی (جوش)

انسان جب عام حالات کے اندر ہوتا ہے۔ اس کو ذہنی کاوش سے آزادی حاصل رہتی ہے، اور وہ دنیاوی عیش و آرام میں کھویا رہتا ہے تو اس کو ایسے وقتوں میں خدا کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کا حس خدا کے وجود سے عاری ہوتا ہے لیکن جب اسی انسان پر آلام و مصائب کا پہاڑ ٹوٹتا ہے، جب وہ گردشِ زمانہ کا شکار ہوتا ہے تب اس کو خدا کی یاد آتی ہے اس وقت اس کو اس کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس گھڑی وہ خدا کو یاد کرتا ہے اور ایک شاعر کی زبان میں وہ اس کی کونیت کا اقرار کر ہی لیتا ہے۔ ع

جب کوئی تازہ مصیبت ٹوٹتی ہے اے حفیظ!
ایک عادت ہے خدا کو یاد کر لیتا ہوں میں۔

نسائی شریف کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار آدمیوں کو (اگرچہ وہ خانہ کعبہ کے پردوں سے لٹکے ہوں) قتل کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ چار حضرات عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن خطل کو سعید بن حریث نے دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہے۔ پس اسی وقت انھوں نے اس کو مار ڈالا۔ مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں مار ڈالا۔ لیکن عکرمہ بن ابی جہل جب کشتی میں سوار جا رہے تھے اچانک طوفان آگیا۔ کشتی والوں نے کہا " اخلصوا فان آلهتكم لا تغني عنكم شيئاً هنا۔ یعنی وحدانیت کا اقرار کر لو ورنہ تمھارے معبود یہاں اس حالت میں تمھارے کام نہیں آ سکتے۔ اس وقت عکرمہ بن ابی جہل نے جواب میں کہا تھا۔ " واللہ لئن لم ینجنی من البحر الا الاخلاص لا ینجینی فی البر غیرہ۔ اللهم ان لك علي عهدا ان انت عافيتني مما انا فيه ان آتي محمدا صلی اللہ علیہ وسلم حتی اضع یدی فی یدہ فلاجدنه عفوا كريما فجاء فاسلم۔ یعنی خدا کی قسم اگر مجھ کو اخلاص اور اقرار وحدانیت کے سوا کوئی اور چیز سمندر کے طوفان سے نہیں بچا سکتی تو خشکی میں بھی اس کے علاوہ دوسری چیز مجھے نہیں بچا سکتی۔
اے اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے موجودہ حالت اور مصیبت سے بچا لیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسلام لے آؤں گا "۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس آئے اور ایمان لے آئے۔

مندرجہ بالا واقعہ ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے لیکن تقریباً تمام انسانوں کا وہی حال ہے۔ تمام بنی نوع انسان کی وہی کیفیت ہے جو کیفیت عکرمہ بن ابی جہل کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو عمومی انداز میں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبه او قاعدا او قائما۔ یعنی انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وقت وہ چاہے جس حال میں ہو ہم کو پکارتا ہے۔ اس وقت اس کو ہماری موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں انسان کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی اس کو مصیبت سے بچا سکتا ہے تو وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اس کا ضمیر اُسے اس بات کے اعتراف پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر کوئی تم کو اس پریشانی سے نجات دے سکتا ہے تو وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ جب وہ ہر چہار جانب سے بے یار و مددگار ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو خدا کی سوجھتی ہے۔
سچ کہا تھا بابائے اردو مولوی عبدالحق نے کہ " انسان جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو مذہب میں پناہ ڈھونڈتا ہے "۔

صوفی عبداللہ صاحب مرحوم

تحریر: مولانا خالد گھرجاکھی ——— ترتیب: ابو ہشام اعظمی

مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن پاکستان کے بانی کا اسم گرامی صوفی عبداللہ ہے۔ ذیل میں ان کا اور ان کے بعض بعض کارناموں کا مختصر تعارف مولانا خالد گھرجاکھی حفظہ اللہ کی کتاب "مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی" سے پیش کیا جا رہا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"صوفی عبداللہ صاحب کا پہلا اصل نام سلطان محمد تھا اور یاغستان کا نام عبداللہ تھا۔ قریباً ۱۹۰۵ء سے باقاعدہ طور پر مجاہدین میں شامل ہوئے تھے۔ اکثر حضرت صاحب (مولانا فضل الٰہی) کے ساتھ زندگی گزاری۔ حضرت صاحب کی ہجرت سے پہلے بہت دفعہ یاغستان گئے۔ حالانکہ حضرت صاحب کا باقاعدہ ہجرت سے پہلے یاغستان جانا مشکل سے پانچ سات دفعہ تھا۔ لیکن صوفی صاحب نے بے شمار دورے کیے تھے۔ اور حضرت صاحب ہجرت کے بعد تو ہند نہ آسکتے تھے لیکن صوفی صاحب بدستور آتے جاتے رہتے تھے۔ قریباً ۱۹۳۰ء میں مقام اوڈانوالہ میں مدرسہ عربیہ قائم کیا۔ پھر اسی کی خدمت میں لگ گئے۔ لیکن اپنا نام وغیرہ کسی کو نہ بتاتے تھے۔ قریباً بیس بائیس برس تک مدرسہ رکھنے کے باوجود اپنا راز فاش نہ ہونے دیا۔ ایک دفعہ ایک بخاری ملک بخارا کا رہنے والا جو مجاہدین کے تعلق کو پہلے سے جانتا تھا۔) مدرسہ میں تعلیم کے لیے آگیا۔ تب راز آشکارا ہوا۔ لیکن پھر بھی اپنے آپ کو گمنام رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دفعہ اس سے پہلے ایک سکھ سی آئی ڈی انسپکٹر کسی کی اطلاع پر آیا تھا، لیکن وہ بے اولاد تھا۔ جب نگرانی کے لیے آیا تو کسی نے اس سے کہا کہ یہ بہت بزرگ آدمی ہیں، ان سے دعا کراؤ، اولاد ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے دعا کے لیے درخواست کی، صوفی صاحب نے دعا کی تو وہ بجائے نگرانی کرنے کے معتقد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اولاد بھی دے دی۔ اس کے بعد اگر کوئی رپورٹ کرتا تو وہ فوراً اس کی تردید لکھ کر واپس بھیج دیتا۔" (حاشیہ ص ۶۵، ۶۶)

حضرت صوفی صاحب مجاہدین میں شامل ہونے کا اپنا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں ..... کہ میں قریباً دس بارہ سال کا تھا رمضان کے روزے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ چونکہ گاؤں کی مسجد حافظ عبدالمنان صاحب (وزیر آبادی) کی مسجد تھی جو اہلحدیث کی مسجد تھی۔ اس لیے افطاری کے انتظار میں مسجد کے دروازے پر آ جایا کرتا تھا ...... ایک دن حضرت صاحب (مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی)

ب دستور مسجد میں تشریف لائے۔ افطار کے لیے بادام کی سردائی ساتھ لائے تھے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ برخوردار!
س کے بیٹے ہو؟ میں نے عرض کیا ملک قادر بخش کا لڑکا ہوں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا پھر تو تو ہمارا بھتیجا ہے۔ کیوں کہ وہ
ر میں ہم جماعت ہیں۔ اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مجھے مسجد میں لے گئے۔ اور سردائی سے افطاری کرائی۔ پوچھا نماز پڑھتے ہو
میں نے کہا: نماز تو مجھے آتی ہی نہیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے نماز کا سبق دینا شروع کر دیا، اور میں آپ کے گھر پر ہی سبق
ھا کرتا تھا۔

...... (آپ) بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ماں باپ سے بھی زیادہ سلوک کرتے، اور بچے بھی ان کا بہت احترام
تے ...... مجھے حضرت سے اس قدر محبت تھی کہ جب تک روزانہ انھیں دیکھ نہ لیتا، طبیعت کو چین نہ آتا تھا۔ ان کی غیر حاضری
ں ان کے مکان کی بیٹھک کی چوکی پر بیٹھ جاتا۔ ان کی شکل میرے سامنے آجاتی۔ کتنی کتنی دیر بیٹھا رہتا۔

..... قریباً ۱۹۰۵ء میں حضرت صاحب نے مجھے کچھ عملی کام کے ساتھ آزمانا شروع کیا۔ چنانچہ ایک دن مجھے ایک رقعہ
ے کر دیکھے ہو کر وزیرآباد کے نواحی دیہات میں سے ہے بھیجا۔ وہاں کے چوہدری صاحب نے ... مجھے اکیس پونڈ طلائی دیے
ھیں میں دیکھ کر بہت حیران ہوا اور حضرت صاحب کو لاکر دیدیے۔ ایک دفعہ ملکہ کا روپیہ جو چاندی کا تھا۔ سے ایک بیگ بھر کر مجھے
یا اور فرمایا کہ اسٹیشن پہلے چلو، میں ابھی آتا ہوں۔ روپیہ اتنا زیادہ تھا کہ میں بیگ بڑی مشکل سے اٹھا رہا تھا۔ میں دو تین گھنٹے
سٹیشن پر انتظار کرتا رہا۔ لیکن حضرت صاحب تشریف نہ لائے۔ کافی انتظار کے بعد میں نے دروازہ پر آکر دستک دی تو فرمانے لگے
بہ اللہ! واپس آگئے۔ میں نے کہا حضرت! آپ تشریف نہیں لائے تھے۔ تو فرمایا اچھا آجاؤ، میرا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا۔ روپیہ
رکھ آؤ۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ حضرت صاحب صرف میری آزمائش فرماتے تھے۔ کیوں کہ روپیہ ایک ایسی چیز ہے کہ انسان بہت
لد بددیانتی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ الحمدللہ میں نے آج تک ایک چوری کا روپیہ بھی نہیں لیا۔ عموماً پونڈوں اور روپیوں کی
لماریاں بھری رہتی تھیں، اور مجھ سے ہی حضرت صاحب روپیہ نکلواتے تھے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ حضرت صاحب کو مجھ پر بہت
عتماد تھا.... (میں) حضرت صاحب کے حکم کے مطابق مجاہدین کے لیے روپیہ اکٹھا کر کے لاتا رہا۔ (ص ۶۴، ۶۵، ۶۶، ملخصاً)

پہلی جنگ عظیم سے قبل اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر کے جنگِ بلقان کی بنیاد رکھی۔ رفتہ رفتہ تمام بلقانی
یاستیں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس پوری بغاوت کے پیچھے برطانیہ اور اس کی ہمنوا طاقتوں کا ہاتھ تھا، اور ترک اکیلے تھے
س لیے انھوں نے جرمنوں سے اتحاد کیا اور ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ انگریزوں کو اپنا بچاؤ مشکل نظر آیا تو انھوں نے
ہندوستانی فواج، ترکی، یورپ اور افریقہ وغیرہ کے محاذوں پر بھیج دی۔ اس موقع پر مجاہدین نے ایک کوشش تو یہ کی کہ خود افغان

حکومت اور سرحدی پٹھانوں کی مدد سے ہندوستان پر ہلّہ بول دیں ۔ اور دوسری کوشش یہ کی کہ روس اور جرمنی وغیرہ سے اس کے لیے مدد حاصل کریں ، جو خود ان کے کاز میں بھی انتہائی مفید ثابت ہوتی ۔ اس سلسلے میں مجاہدین کا ان ممالک سے خاصا سفارتی ربطہ رہا اور اس کام میں صوفی صاحب نے بہت اہم اور بڑی نازک خدمات انجام دیں ۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں :

...... اس وقت ترکوں کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف ترکوں کی مدد کی جائے ۔ چنانچہ مولانا آزاد نے مختلف وقتوں میں تقریریں کرکے ہندوستانی فضا کو انگریزوں کے خلاف کیا ۔

...... مجاہدین یاغستان نے بھی اپنے وفد جرمنی ، روس ، اور ترکی میں بھیجے ۔ چنانچہ حکومت جرمنی کی طرف سے ہندوستان کے راجوں ، مہاراجوں اور نوابوں کی طرف باقاعدہ طور پر چٹھیاں بھیجی گئیں ۔ جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو اس جنگ کو صرف انگریز کے خلاف سمجھا جائے ، اور ہندوستان کے راجے اور نواب آڑے نہ آئیں ۔ چنانچہ ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ طور پر چٹھیاں سفارتی طور پر بھیجی گئیں ۔ یہ چٹھیاں ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں ۔ پہلے یہ چٹھیاں افغانستان پہنچیں اور پھر وہاں سے آگے بھیجی گئیں ۔

انگریزی حکومت میں اس کے برخلاف بغاوت کی چٹھیاں راجوں اور نوابوں تک پہنچانا ، بہت مشکل کام تھا ۔ جس مجلس میں کارروائی ہو رہی تھی اس میں حضرت مولانا فضل الہٰی صاحب بھی گئے ہوئے تھے اور صوفی عبداللہ صاحب بھی وہاں موجود تھے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے کہا گیا تو سب خاموش ہو گئے ۔ حضرت مولانا صاحب نے صوفی صاحب کی طرف دیکھا کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت میں حاضر ہوں ۔ چنانچہ سات چٹھیاں ان کے سپرد ہوئیں ۔

صوفی صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے دہلی میں حافظ اسحٰق صاحب کو ملا ۔ وہاں کچھ چیزیں ان کے پاس رکھ کر پہلے راجہ نیپال کے پاس گیا ۔ راجہ سے ملنے کے لیے پہلے اس حلقہ کے امیر مولوی لیاقت علی صاحب کو ملا ۔ وہ بڑی قیصر میں رہتے تھے وہاں اور بھی ہمارے آدمی رہتے تھے ۔ انھوں نے ایک ٹھیکیدار کو مولوی لیاقت علی صاحب کی معرفت پیغام دیا کہ محمد عمر کی ملاقات راجہ سے کروانا ہے ۔ (اس سفر میں صوفی صاحب محمد عمر کے نام سے کام کر رہے تھے ۔ مجاہدین کا کوڈ نام کی تبدیلی سے ہی ہوا کرتا تھا ۔) ٹھیکیدار نے وقت مقرر کرکے کہا ، تم میرے پیچھے چلے آنا ۔ راستے میں کسی پہریدار نے روکنے کی کوشش کی تو ٹھیکیدار نے روکنے نہ دیا ۔ حتی کہ دونوں آگے ٹھیکیدار اور پیچھے صوفی صاحب شاہی دربار میں چلے گئے ۔ وہاں ٹھیکیدار نے راجہ سے ملاقات کروائی تو صوفی صاحب نے وہ ریشمی رومال والی چٹھی نکال کر دی ۔ راجہ نے جب یہ خط پڑھا تو انگلی اپنے دانتوں میں دبا کر حیرت زدہ ہوا ۔ فوراً حکم دیا کہ میرا شاہی مہمان خانہ کھول کر انھیں رکھو ، لیکن ٹھیکیدار نے کہا ، نہیں ، یہ میرا مہمان ہے ۔ چنانچہ وہ

نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ بے فکر رہیں اور دس ہزار روپیہ نقد اور ایک ہاتھی دیا کہ اگر کوئی کسی قسم کی تکلیف یا گرفتاری وغیرہ ہو تو دسے دا کر نکل جانا۔ چنانچہ صوفی صاحب پھر مولوی لیاقت علی کے پاس آئے اور وہ روپیہ بھی اور ہاتھی دو ہزار کا فروخت ہوا۔ وہ بھی سب رقم ان کے پاس مجاہدین کے لیے جمع کروادی۔

اسی طرح ایک ریشمی چیٹھی راجہ جودھپور اور ایک راجہ جے پور اور ایک راجہ گوالیار کو دی۔ وہاں ایک شخص تین جی خدا بخش ریاست جودھپور میں راجہ کا نہایت منظور نظر آدمی تھا۔ تین جی کا دادا راجہ کے جانوروں کے لیے چارہ کا ٹھیکیدار تھا۔ اور خاندانی طور سے وہ راجہ کا مقرب تھا۔ خود بھی مجاہدین کو وہ چندہ دیتا تھا اور پانچ راجوں سے بھی خدمت کروادیا کرتا تھا۔ کیوں کہ بیس آدمی بھیجنے کی وجہ سے اس کے تعلقات کافی تھے۔ مجاہدین جو ہندوستان میں پھرتے تھے، عموماً فقیروں کی شکل میں ہوتے وہ اکثر جگہ فقیر ہی کہلاتے تھے۔

صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ جودھپور کا راجہ ویسے بھی مجاہدین فقیروں سے متاثر تھا، کیوں کہ ان میں سے ایک شخص بنام مولوی لیاقت علی صاحب مستقلاً شہر کے باہر جنگل میں رہا کرتا تھا، اور راجہ کی فوج کے آدمی اکثر اس کے مرید تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان ہی کا ایک مرید بخت خاں تھا جس نے ہندوؤں کو کہا تھا کہ کارتوسوں کو گئے کی چربی لگی ہوئی ہے اور مسلمانوں کو کہا تھا کہ ان کو سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔

جودھپور کے راجہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد دیا تھا اور خط کے جواب میں کہا تھا کہ ان کے آنے پر ہم ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے، بے فکر رہیں۔ (یہ روپیہ صوفی صاحب کو اپنی حفاظت کے لیے دیا تھا۔)

جے پور کے راجہ کو جب تین جی کی معرفت خط دیا گیا تو اس نے مبلغ سات ہزار روپیہ دیا تھا۔ گوالیار کے راجہ کو بھی تین جی کی معرفت خط دیا گیا تھا۔

ایک خط راجہ اندور کو حافظ عبدالغفور صاحب ٹرنک والوں کی معرفت پہنچایا گیا تھا، پھر بمبئی جا کر ایک خط مولوی محمد علی صاحب کو جو محمد علی، شوکت علی برادران، جنگ آزادی کے بہترین کارکن تھے کو دیا۔ وہ خط نواب رامپور کو پہنچایا تھا۔ چنانچہ جب ان کو بھی خط دیا گیا تو انھوں نے بھی یقین دلایا کہ اگر وہ ہمارے ملک میں آجائیں گے تو ہم ان کی پوری طرح حمایت کریں گے۔

ایک خط نواب بہاولپور کو دیا گیا۔ بہاولپور کا نواب ابھی بالکل نو عمر تھا، اور اس کے ساتھ پہلے ہی ہماری راہ و رسم کافی تھی، اس کا ولی رحیم بخش تھا، اس کی معرفت خط دیا گیا۔

ان کے مشیر عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ ہمیں ہر سال انھی کی معرفت روپیہ ملتا تھا۔ اور وہ دو ہزار روپیہ سالانہ ہمیں مجاہدین

کے لیے دیا کرتے تھے ۔
یہ سات چٹھیاں صوفی صاحب نے نوابوں اور راجاؤں کو دیں ۔ ایک چٹھی مولانا محمود الحسن صاحب کو بھیجنے کے لیے مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کو دی گئی ۔ لیکن وہ پکڑی گئی یا جان بوجھ کر پکڑائی گئی ۔ واللہ اعلم ۔

بعض لوگوں نے ان چٹھیوں کی ترسیل کو ایک علیحدہ تحریک ریشمی رومال کا نام دیا ہے ۔ حالانکہ تحریک مجاہدین میں اس قسم کی خط وکتابت عموماً ہوتی ہی رہتی تھی ۔ چوں کہ یہ چٹھیاں سفارت جرمنی کی طرف سے تھیں ، اس لیے ان کو لانا خطرہ سے خالی نہ تھا ، ریشمی رومال کوئی الگ تحریک نہ تھی ، بلکہ منزل آزادی کا ایک قدم تھا ۔ (ص ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۰)

صوفی صاحب کے تقویٰ ، خدا ترسی اور للّٰہیت کا اندازہ ذیل کے دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے ۔ مولانا خالد گھرجاکھی کتاب مذکور میں صوفی صاحب کی زبانی لکھتے ہیں کہ :

ایک دفعہ میں ڈھاکہ (صوبہ بہار میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ۔) سے مولانا پیر زین العابدین صاحب سے پانچ ہزار روپیے لے کر آرہا تھا ، اور لیتے وقت ان کا ایک ملازم دیکھ رہا تھا ۔ وہاں سے اسٹیشن تقریباً پانچ چھ میل پر تھا ۔ راستہ میں دو آدمی ملے ۔ جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں ۔ میری طرف آئے ۔ ابھی قریب نہیں آئے تھے کہ بالکل ایسا معلوم ہوا کہ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب تشریف لے آئے ہیں ، ان کے ہاتھ میں بھی لاٹھی ہے ، اور ان دونوں کو خوب پیٹنے لگے ، اور مجھے فرمایا کہ اسٹیشن کو بھاگ جاؤ ۔ (ص ۱۷۱ ، ۱۷۲)

صوفی صاحب ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مالی اسٹیشن پر میں بخار سے بیتاب پڑا تھا اور سخت پیاس لگی ہوئی تھی اٹھنے کی سکت نہ تھی ، کوئی پانی پلانے والا بھی قریب نہ تھا تو میں نے دل میں کچھ گلہ سا کیا ۔ کہ خدایا نہ میری ماں نہ باپ اکیلا تو پہلے ہی ہوں ، کوئی پرسان حال نہیں ہے تو اب مجھے اس سفر میں بیمار کر دیا ہے ۔ اتنے میں آواز آئی کہ ماں باپ کو ملنا ہے اور اتنے میں واقعی میرے ماں باپ آگئے ۔ میں نے کہا ، تم تو فوت ہو چکے ہو ، تم کہاں سے آگئے ۔ انھوں نے کہا ، ہمیں خدا تعالیٰ نے تمھاری بیمار پرسی اور تسلی کے لیے بھیجا ہے ۔ پھر انھوں نے کہا کہ تجھے پیاس لگی ہے ، یہ لو پانی پی لو ، تمھیں آرام آجائے گا ۔ چنانچہ میں نے پانی پیا تو واقعی فوراً میں بھلا چنگا ہو گیا ۔ پھر انھوں نے کہا ، اب ہم جاتے ہیں ، میں نے کہا کہاں جاؤ گے ؟ کہا ، جہاں سے آئے ہیں وہیں جائیں گے ۔ میں نے کہا ، اب میں نہیں جانے دوں گا ، اور اٹھ کر ان کو پکڑ لیا ، تب انھوں نے کہا ، میاں ! ہم تو فرشتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے تمھاری تسلی کے لیے ہمیں بھیجا تھا ۔ اب ہم جاتے ہیں ! "

(ص ۱۷۲) ●●●

مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی

(حالات و خدمات یادیں اور تاثرات)

ناچیز اپنے محترم اور بزرگ رفیق مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی مرحوم کو جن کے اس خُرد سے گوناگوں مشفقانہ تعلقات تھے، ان سطور کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرتے وقت سخت حیران ہے کہ اس المناک اور دلدوز حادثہ کی ابتدا کہاں سے کرے جو ۳ ر ۴ ر دسمبر ۱۹۸۴ء کی درمیانی شب، غیر متوقع طور پر پیش آیا۔ یوں زندگی میں غیر متوقع اور ایسے اچانک حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں، لیکن بعض حادثے یا ایسی بعض شخصیتیں جو شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی ہیں، جب اچانک جدائی اختیار کر لیتی ہیں تو جہاں ان کا خلا جلدی پُر نہیں ہوتا وہیں وہ اپنی کیفیت و اہمیت کے اعتبار سے دائمی درد و الم چھوڑ جاتی ہیں۔ جو تا دیر بھلائے نہیں بھولتیں، کیوں کہ ذہن اس جدائی کو قبول کرنے کے لیے پہلے سے تیار نہیں ہوتا۔ اسی میں مولانا پرواز اصلاحی مرحوم رفیق دارالمصنفین کا اچانک سانحۂ ارتحال ہے۔

مولانا پرواز اصلاحی صاحب کو خدا نے ایسے گھرانے میں پیدا کیا، جس کی کچھ دیرینہ روایات تھیں، اور وہ تھیں مذہبی دینی، اور علمی و ادبی روایات۔ ان کا خاندان متوسط درجے کا کھاتا پیتا خاندان تھا، جس میں پیشۂ زراعت کے ساتھ علمی روایات بھی قائم تھیں۔ یہ خاندان پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے، جس کے متعلق مولانا نے خود (ماہنامہ شاعر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نمبر ۱۹۸۰ء میں ص ۱۴۱ پر) تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

مولانا پرواز اصلاحی نے ۱۷ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اسی خاندان میں آنکھیں کھولیں، اور اپنی ذاتی صلاحیتوں اور فطری نیکیوں کی بنا پر خاندان کا لعل شب چراغ بنے۔ ان کے والد مولانا محمد شفیع صاحب، نہ صرف ایک جید اور ممتاز عالم دین تھے، بلکہ ایک مخلص داعی اور رہبر قوم بھی تھے، مولانا پرواز صاحب ان کے چھوٹے صاحبزادے، اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا محمد شفیع صاحب جیسے کہ علماء صادقپور پٹنہ اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا فیض اللہ مئوی رحمہم اللہ

شبلی نعمانی کے بھی استاد تھے) جیسی یگانۂ روزگار شخصیتوں سے کسبِ فیض کیا تھا، اور ان کی تربیت و تعلیم دانا پور پٹنہ کے
ناریل گھاٹ کے ایک بڑے اہلحدیث مدرسہ میں بھی ہوئی تھی، اس لیے وہ دینیات کی تکمیل کے بعد جب وطن واپس آئے تو ارد گرد
میں پھیلے ہوئے شرک و بدعات کے ماحول سے سخت بیزار ہوئے، اور اس کے انسداد اور مسلمانوں کی دینی اخلاقی و معاشرتی
اصلاح کے لیے کمربستہ ہو کر انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ اور یہی تحریک وسیع ہو کر بعد میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر
جیسی عظیم الشان دینی درسگاہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جس کے لیے مولانا کے والد مرحوم نے نہ صرف یہ کہ اپنی پوری زندگی
وقف کردی بلکہ انھی کی درخواست پر علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی نے اپنا مکمل تعاون دے کر اس کی سرپرستی فرمائی۔

مولانا پرواز صاحب کی تمام تر تعلیم اسی مدرسۃ الاصلاح میں ہوئی جہاں انھوں نے اردو فارسی، عربی، صرف نحو، بلاغت
ادب، تاریخ، فلسفہ، منطق، علم کلام، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی متداول و مروجہ کتابیں پڑھیں اور ۱۹۴۰ء میں سندِ فضیلت
حاصل کی۔ مضمون نگاری، شعر و شاعری، مطالعہ وغیرہ کا شروع ہی سے ذوق تھا، خود رقمطراز ہیں:

"ابتدائے طالب علمی سے اردو ادب سے لگاؤ پیدا ہوا، کتب بینی کا ذوق اس قدر بڑھا کہ ہر اچھے مصنف کی کوئی کتاب
نظر سے گزر جاتی تو اس کے مطالعہ کے لیے بے چین ہو جاتا۔ مضمون نگاری، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی، مختلف اخبارات
و رسائل میں مضامین لکھے۔ اساتذہ میں مولانا امین احسن اصلاحی مصنف "تدبر قرآن" سے خاص طور سے متاثر ہوا۔"

مولانا پرواز اصلاحی صاحب کو ادبی و شعری ذوق کس طرح پیدا ہوا، اس میں ان کے والدین کا کس قدر دخل تھا اس کا
اور گھریلو علمی و ادبی ماحول کا مولانا نے ماہنامہ شاعر ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی نمبر ۱۹۸۰ء میں ص ۴۲ تا ۴۳ پر تفصیل سے
ذکر کیا ہے۔

گھر کے اسی علمی و ادبی ماحول نے پرواز صاحب کی شخصیت کو پروان چڑھانے میں نہایت اہم اور موثر رول ادا
کیا۔ جس سے آگے چل کر پرواز صاحب خود گوناگوں خوبیوں اور کمالات کے مالک بنے، وہ عالم دین کے علاوہ کامیاب
استاد بھی تھے اور لائق مصنف بھی، پختہ و باکمال شاعر بھی تھے اور ماہر ادیب بھی۔ وہ عربی، فارسی اردو کی زبان و
شاعری پر اچھی نظر رکھنے کے علاوہ ایک بلند اور شریف انسان اور بزرگ بھی تھے۔ وہ خندہ رو، دراز قامت، بلند و
دلآویز و قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ ساتھ ہی ساتھ نہایت بااصول و قانع زندگی بسر کرتے، کسی کی ایذا رسانی و تکلیف دہی
کا تو ان میں ذرا سا شائبہ بھی نہ تھا۔ نپی تلی گفتگو کرتے، اپنی انتہائی سادگی کے ساتھ ساتھ مرنجاں مرنج طبیعت پائی تھی جس
کی وجہ سے علمی و ادبی ماحول اور دینی و سماجی تمام حلقوں میں یکساں محبوبیت رکھتے تھے اور بمبئی کی ملازمت سے ریٹائر ہو کر جب

اعظم گڈھ دارالمصنفین کے رفیق کی حیثیت سے تشریف لائے۔ اس وقت سے شہر کے علمی وادبی وسماجی ایوانوں کی شمع بن کر نہ صرف ان کی رونق بڑھائی بلکہ اس میں امید وبیداری کی نئی کرن پیدا کردی۔ ڈاکٹر انیس فاروقی صاحب کی قیادت میں مسلم ویلفیر سوسائٹی کی جانب سے جو مسلم ہسپتال کی تجویز عمل میں آئی، اس کے تائیدی وتحریکی جلسہ کی صدارت شبلی کالج کے ہال میں مولانا نے پورے تزک سے خود کی تھی اور اس کی ضرورت واہمیت کے حق میں پرزور تائید واپیل کی تھی۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سے تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ صبر حد کے اسکول اور دیگر مقامی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے تھے کہ ۱۹۴۶ء میں مشہور شاعر احسان دانش کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے اور سال بھر کے اندر یعنی ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا واقعہ پیش آیا جس کی خبر سنتے ہی مولانا وطن واپس آگئے، اور تھوڑے ہی وقفہ کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کی دعوت پر وہاں استاذ مقرر ہوگئے، اور اسی اثناء میں وہاں سے پندرہ روزہ الہدیٰ جریدہ جاری کیا، جس کے ایڈیٹروں میں آپ بھی شامل تھے اور جو آج بھی کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کی سرپرستی میں جاری ہے۔ وہاں کے زمانۂ قیام میں آپ کے، ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیتوں سے تعلقات ومراسم پیدا ہوگئے تھے۔ بہار کی علمی سرگرمیوں اور اجتماعات کے انعقاد میں پرواز صاحب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ جوانی کی امنگ، کچھ کر گزرنے کی ترنگ کے ساتھ کبھی کبھار مشاعروں کی صدارت وغیرہ بھی فرماتے اور اپنے سنجیدہ صدارتی خطبات سے مشاعرہ میں وزن ووقار پیدا کر دیتے۔ اخیر عمر میں شاعری کم اور نثر کی طرف توجہ زیادہ ہوگئی تھی۔

بات جب شاعری کی چل پڑی ہے تو یہیں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ مولانا خود بہت اچھے شاعر تھے۔ مگر مشاعروں کے شاعر نہ تھے، کیوں کہ موصوف نے وہ شاعری ہی نہیں کی جو آج کا عام مذاق بنتا جا رہا ہے۔ انھوں نے عشق وعاشقی کی مبتذل شاعری سے ہٹ کر یا تو اسلامی نظمیں کہی ہیں، یا پھر سنجیدہ غزلیں۔ اسی لیے مشاعروں میں مولانا سنانے سے گریز کرتے۔ البتہ نجی اور نجی محفلوں میں اپنے پاکیزہ اشعار سے سامعین کو محظوظ کرتے۔

مولانا کی بیشتر نظمیں اور غزلیں ہندوستان کے اردو رسالوں اور دیگر جریدوں میں شائع ہوچکی ہیں۔ کاش الگ سے یہ مجموعۂ کلام شائع ہوجاتا تو مولانا کی بہترین یادگار رہتا، اور اہل ذوق کے ذوق کا سامان بھی۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۸۴ء کی شام شبلی کالج کے کانوکیشن ہال میں ایک مقامی مشاعرہ "قومی یکجہتی" کے موضوع پر منعقد ہوا جس میں مولانا بھی مدعو تھے۔ کہنے لگے کہ اس موقع پر کون سی نظم پیش کروں۔ میں نے تو اس طرح کی نظمیں کہی نہیں۔ میں نے بے تکلفی سے پوچھا، مولانا! آپ کا کن شعراء کی صف میں شمار ہوتا ہے۔ فرمایا: سلام مچھلی شہری، اور بھی کچھ شعراء کا اس ضمن میں نام لیا۔ پھر شام کو موقع

کی مناسبت سے ایک مختصر کلام سانیٹ پیش کیا، اور اس طرح کی نشستوں میں غالباً وہی زندگی کی آخری شرکت تھی۔

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے سبکدوش ہو کر مولانا نے بمبئی جیسے ہنگامہ گرم کن شہر کا رُخ کیا، جہاں کم و بیش بائیس برس تک مصروف ترین وقت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف جیسے معزز کاموں میں گزارا۔ انجمن اسلام کے مختلف ہائی اسکولوں میں عربی کے استاذ رہے۔ آخر میں احمد سیلر ہائی اسکول سے ریٹائر ہوئے۔ اسی اثنا میں بمبئی کے مختلف روزناموں میں کالم نویس بھی رہے۔ جس میں روزنامہ ہندوستان، آتش فشاں، اردو ٹائمز، انقلاب وغیرہ شامل ہیں، جن میں عرصہ تک مذہبی، علمی، تاریخی کالم لکھتے رہے۔ جس کی وجہ سے بمبئی کے تمام حلقوں میں مولانا بے حد مقبول و مشہور تھے۔ دریں اثنا مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر بمبئی " سے بھی وابستہ رہے۔ " مخدوم علی مہائمی " اور " مفتی صدر الدین آزردہ " یہ دونوں کام وہیں سے وابستہ ہو کر کیا۔ اول الذکر کی اشاعت نقوش کوکن پبلی کیشن کی طرف سے ۱۹۷۶ء میں اور ثانی الذکر کی اشاعت مکتبہ جامعہ دہلی سے ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔

ان دونوں کتابوں سے مولانا کو بڑی شہرت ملی اور علمی حلقوں سے خراج تحسین بھی خوب خوب وصول کیا۔ کتاب نکلتے ہی ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور تحقیق کے صلہ میں مصنف کو گرانقدر انعامات سے بھی نوازا گیا۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی ڈائرکٹر مہاتما گاندھی میموریل نے لکھا کہ " مخدوم علی مہائمی " پر تحقیق کے لیے سب سے مناسب پرواز صاحب ہی کی شخصیت تھی۔ مولانا مخدوم علی کے حالات و افکار پر یہ ان کی سیر حاصل اور مستند کتاب ہے، جس میں حالات واقعات پوری چھان بین اور تحقیق کے بعد پورے حوالوں کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ شروع میں مولانا نے مہائمی کے وطن ماہم و خاندان نوائط کی مختصر تاریخ کا بھی ذکر کر دیا ہے نیز مولانا مہائمی کے افکار و نظریات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ان کے فلسفہ و تفسیر و تصوف اور اسی ضمن میں وحدۃ الوجود پر بھی مفید بحث کی ہے۔ جو کہ بجائے خود بہت نازک موضوع ہے مگر مصنف نے اچھی طرح خوش اسلوبی سے اسے نبھایا ہے۔

دوسری کتاب " مفتی صدر الدین آزردہ " بھی سوانحی موضوع پر ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ جس میں عہد مغلیہ کے نامور فاضل اور غالب کے ہمعصر مفتی آزردہ پر پرواز صاحب نے پہلی بار تحقیقی کاوشوں کو داد دی ہے اور ان کے خاندانی ذاتی حالات نیز ان کے فضل و کمال سے متعلق معاصرین کی شہادت و آراء، فارسی و عربی تحریروں سے یکجا نقل کر دی ہیں۔ اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں پرواز صاحب کی ذاتی دلچسپی اور دیدہ ریزی نیز دور دراز مقامات کے سفر کو بھی دخل ہے۔ مولانا پرواز کی اسی تحقیق و محنت اور تلاش و جستجو کے شغف کو دیکھ کر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور الحاج منشی عبدالعزیز صاحبان وغیرہ نے تحسین کی، اور اسی سلسلہ میں پرواز صاحب کو دارالمصنفین آنے کی تحریک و تائید کی کہ موصوف یہاں زیا

سکون جگہ اور خالص علمی ماحول و مقام میں آکر زیادہ کارآمد اور مفید ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء کے آخر میں مولانا ی کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر سیدھے دارالمصنفین رفیق کی حیثیت سے تشریف لائے اور اپنے لیے ہندوستانی مفسرین کا موضوع اختیار کیا، اور تقریباً چار سال تک پورے انہماک کے ساتھ تحقیق و مطالعہ کے بعد بیشتر حصہ مواد بھی اپنے موضوع پر ا کرلیا تھا، اور خیال تھا کہ مولانا کی یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہوگی۔ ترتیب میں مصروف تھے حیف کہ قضا و قدر نے اس کی تکمیل سے پہلے ہی زندگی کا ورق پلٹ کر خاتمہ بالخیر کردیا۔

مولانا نے یہاں اپنے موضوع کی کتاب پر جن شخصیات کا تذکرہ مرتب و مکمل کرلیا تھا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ ملا احمد جیون امیٹھی م ۱۱۳۰ھ ۲۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ متوفی ۸۲۵ھ ۳۔ مخدوم شیخ علی بن احمد مہائمی م ۸۳۵ھ۔ ۴۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی م ۸۴۹ھ۔ ۵۔ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری م ۹۳۲ھ۔ ۶۔ شیخ ن محمد حسینی م ۹۸۲ھ ۷۔ شیخ مبارک ناگوری م ۱۰۰۱ھ۔ ۸۔ شیخ یعقوب صرفی کشمیری م ۱۰۰۳ھ) ۹۔ شیخ ابوالفیض فیضی م ۱۰۰۴ھ ۱۰۔ شیخ منصور بن عبدالحمید لاہوری م ۱۰۱۱ھ ۱۱۔ شیخ عیسیٰ سندھی۔ ۱۲۔ ملا شاہ محمد بدخشی م ۱۰۷۲ھ۔ ۱۳۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔ ۱۴۔ مولانا شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی۔ ان علماء کے علاوہ مولانا بیشتر حضرات پر نوٹس جمع کرچکے تھے، مگر موت نے اس پر خط نسخ پھیر دیا۔ اب نہیں معلوم کہ اس ادھورے کام کی تکمیل کس کے حصہ میں آتی ہے۔ جو مولانا پرواز ہی کی طرح معتدل، متوازن اور موثر شخصیت کے ساتھ وسیع نظر بھی رکھتا ہو۔ مرحوم کی جو کتابیں مختلف وقتوں میں شائع ہوچکی ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ اسلام اور مزدور ۲۔ مومن حیات و شاعری ۳۔ مخدوم علی مہائمی، حیات آثار و افکار ۴۔ مفتی صدرالدین آزردہ ۵۔ علم و ہدایت کے چراغ ۶۔ نظام حق کے معمار۔ ان میں بعض کتابوں پر مصنف کو اتر پردیش، بہار، مہاراشٹر کی اکیڈمیوں کی جانب سے گرانقدر انعامات بھی مل چکے ہیں۔

مولانا پرواز صاحب کی کچھ چیزیں غیر مطبوعہ بھی رہ گئی ہیں۔ جس میں شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ کے حالات و شاعری پر ایک کتاب تھی، جس کے بعض اجزاء ماہنامہ برہان دہلی میں چھپے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر خسرو دہلوی پر اور شاہ وجیہ الدین گجراتی پر بھی کچھ مواد اکٹھا کر رکھے تھے۔ مگر اشاعت کی نوبت نہ آئی تھی۔ اسی میں ان کا مجموعۂ کلام بھی ہے، جس کا ذکر پہلے ہی کرچکا ہوں۔

مولانا پرواز صاحب ایک وسیع المشرب، متوسع و متبحر عالم دین تھے، ان میں کسی قسم کا تحزب و تعصب نام کو نہ تھا۔

مولانا کے والد مرحوم جن کا ذکر مضمون کے شروع میں کر چکا ہوں کہ انھوں نے صادق پور پٹنہ کے علمائے اہلحدیث کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی۔ انھی کا اثر تھا کہ مولانا پرواز صاحب بھی مسلک اہلحدیث سے بہت قریب تھے، اور خود فرماتے تھے کہ بہت سے علماء اہلحدیث سے ہمارے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب سے بھی مل چکے تھے۔ ان کی سادگی، ان کے تواضع و کریمانہ اخلاق کا تذکرہ مولانا مجھ سے بار بار کرتے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس وقت کے بڑے بڑے علماء اہلحدیث سے بہتر مراسم تھے۔ جس میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، مولانا مختار احمد ندوی کے علاوہ علماء بنارس و بہار بھی شامل ہیں ۱۹۸۴ء کے اوائل میں مولانا شبلی پر ایک سیمینار کے سلسلہ میں مرحوم کو بلایا جانا تھا۔ بنارس سے صبح کا ریزرویشن تھا۔ چنانچہ ایک رات کا قیام مرحوم نے ہماری ہی تحریک سے جامعہ سلفیہ کے مہمان خانہ میں کیا۔ اور اپنی آمد کی اطلاع بذریعہ کارڈ شیخ الجامعہ کو پہلے سے کر دی تھی بنا بریں جامعہ سلفیہ میں مرحوم کا جس طرح خیر مقدم کیا گیا اور ان کی شایان شان ضیافت کی گئی، اس سے وہ وہاں کے طلبہ اور اساتذہ نیز ذمہ داروں سے بیحد متاثر تھے اور بمبئی سے واپسی کے بعد وہاں کے شاندار اور مزین مہمان خانہ کا ذکر ناچیز سے بار بار کرتے تھے۔

مولانا پرواز صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دینی حمیت سے بیحد سرشار تھے اور جب کبھی جہاں بھی کوئی ایسی بات دیکھتے جو براہ راست دین سے ٹکراتی تو برجستہ اس پر سخت نکیر کرتے۔ اس کا مشاہدہ میں نے خود مرحوم کی زندگی میں کیا۔ مثلاً کسی نے اسلام اور اس کی تعلیمات و اقدار کے خلاف لب کشائی کی یا کتاب و سنت و انبیاء و صحابہ کی شان کے خلاف ناشائستہ الفاظ استعمال کیے تو مولانا کی حمیت دینی پھڑک اٹھتی اور مولانا اس کی سخت انداز میں تردید کر کے فرماتے کہ جس کو دین کے مسائل کے سلسلہ میں کوئی دستگاہ نہ حاصل ہو اس کو دین اور اسلام کے خلاف کچھ کہنے کا حق نہیں پہنچتا۔

مولانا آخری عمر میں حج کا بھی ارادہ رکھتے تھے، مگر اس سے پہلے اپنے کچھ گھریلو معاملات اور باغ وغیرہ کے ضروری مسائل سے فارغ ہونا چاہتے تھے۔ مگر حیف کہ اجل نے اس کا بھی موقع نہ دیا۔

مولانا کے انتقال سے چند ماہ قبل مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کی ایک میٹنگ کے ذریعہ یہ تجویز عمل میں آئی تھی کہ ادارہ جلد ہی ایک بین الاقوامی نہ سہی تو آل انڈیا پیمانہ پر "مذاکرۂ قرآنی" کے موضوع پر سمینار منعقد کرائے۔ اس کے لیے ناظم اجلاس کی ذمہداری مولانا پرواز صاحب کو ہی سونپی گئی تھی اور مولانا نے اسے بخوشی منظور کر کے ابتدائی تگ و دو بھی شروع کر دی تھی۔ بعض اہم شخصیتوں کو مراسلات بھی اس سلسلہ میں روانہ کیے جا چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس اجلاس کی صدارت اسی ادارہ کے نامور فرزند جس سے وہ بہت متاثر تھے، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرمائیں۔ اگر اپنے منصوبہ

کے [illegible] یہ مذاکرۂ قرآن کا اجلاس مولانا کی زندگی میں منعقد ہو جاتا تو یقیناً جہاں ادارہ کے لیے ایک سنگ میل اور نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوتا وہیں مولانا کی زندگی کا اہم کارنامہ ہوتا اور ان کے والد مرحوم ادارہ کے بانی مولانا محمد شفیع صاحب کے لیے بھی باعثِ برکت ہوتا۔

مولانا پرواز کے کوئی صلبی اولاد نہ تھی، ان کی کتابیں ہی ان کی اولاد تصور کی جا سکتی ہیں جو ان کی مغفرت کا ان شاء اللہ باعث بنیں گی۔ البتہ مرحوم نے اپنے ایک عزیز کی بچی کی پرورش کی تھی جسے اپنی اولاد کی طرح پال پوس کر بڑے ہونے پر اس کی شادی بھی کر دی تھی۔ اور اب اس لڑکی کی اولاد کو بھی مولانا بیحد مانتے تھے۔ چنانچہ پورے شوق سے اس کے بچوں کی شادی بھی اپنے خرچ سے کی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی نیکی و دینداری، پاکیزگیِ سیرت، نیک نفسی و فرض شناسی کی بدولت ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے دوست حکیم عبدالباقی نامی آسی نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا ؎

بیتاب نامیؔ نے کہا یوں مصرعِ سال وفات
اب عالمِ دیں رونق افزائے سخن جاتا رہا
۱۹۸۴ء

●●●

درسِ حیات

سالک بستوی
دارالحدیث محمدیہ بیتارت، راجستھان

شب تیرۂ غم میں مشعل جلاؤ قدم اپنا منزل کی جانب بڑھاؤ
نقوشِ عداوت دلوں سے مٹاؤ ہر انساں کو الفت کے ساغر پلاؤ
دکھاؤ کرشمہ یہ حسنِ عمل کا بیاباں کو رشکِ بہاراں بناؤ
بلندی ملے گی زمانے میں تم کو جو ایمان کو اپنے کامل بناؤ
سب انسان ہیں ایک مالک کے بندے جو نیک اور نیک سب کو بناؤ
پڑھاؤ ہر اک علم بچوں کو اپنے مگر فکرِ باطل سے ان کو بچاؤ
کمائی کرو تو پسینہ بہا کر جو روٹی ملے بھیک کی تم نہ کھاؤ
تجارت کرو یا زراعت کا پیشہ شرافت کی خوشبو سے سب کو لبھاؤ
بغاوت کرو ہر فساد اور شر سے بھلائی کا ہر دل پہ سکہ جماؤ

جو الفت ہے زریں اصولوں سے تم کو
ہر انسان کو درس سالک پڑھاؤ!

تین نادر مخطوطات کی تحقیق

امیر محمد افضل انصاری
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

مسلمانوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ علوم و فنون کے جن گوشوں کی جانب انھوں نے توجہ کی زمانہ کے لحاظ سے اس کو ان کی ممکنہ بلندیوں تک پہنچا دیا۔ چاہے وہ سائنس، طب، ہندسہ اور اسی طرح کے علوم طبیعیہ ہوں یا دوسرے علوم کتنے علوم کے موجد خود مسلمان ہی ہیں اور ایجاد ہی نہیں بلکہ ابتداء سے لے کر اس کو پروان چڑھانے اور پھلنے پھولنے میں ان کا جو کردار رہا ہے وہ علوم کی تاریخ کا زریں ورق ہے۔

فن تاریخ میں مسلمانوں کو جو تقدم اور برتری حاصل ہے، اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟۔ اس کے ایک گوشہ فن رجال کو لیجیے، مسلمانوں نے اس خوبی سے اس کو برتا اور اس قدر ترقی دی کہ آج امت اسلامیہ کے لیے یہ باعث افتخار ہے۔

جرمن مستشرق اسپرنگر نے اصابہ لابن حجر طبع کلکتہ ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"دنیا کی سابقہ اور موجودہ اقوام میں سے کوئی قوم اسماء الرجال جیسا علم دنیا کے سامنے نہیں پیش کر سکی، جس میں پانچ لاکھ افراد کے اسماء و حالات مرقوم ہیں۔"

اور یہ علوم اتنی دقت اور دیدہ ریزی کے ساتھ مدون کیے گئے کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کتنے علماء نے اپنی پوری پوری زندگی ان علوم میں کھپا دی اور ناقابل بیان مشقتیں برداشت کیں۔ صرف حدیث کے متعلقات اتنے علوم ہیں جن کا صحیح احصاء مشکل ہے اور ہر شعبہ پر اتنی کتابیں اور تحقیقات ہیں کہ وہ ایک مستقل فن بن گیا ہے۔

انہی قابل فخر علوم میں سے جن سے امت نے اعتنا برتا ہے، علم اصول الحدیث یا مصطلح الحدیث ہے۔

یوں تو اس فن میں چوتھی صدی ہجری تک مختلف اور منتشر اقوال اور تالیفات ملتی ہیں۔ لیکن جس شخص کے سر جدید تنظیم و ترتیب اور تقدیم کا سہرا بندھتا ہے وہ ہیں المحدث الفاصل — بن الراوی والواعی کے مصنف

ابو محمد الحسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی کی (— : ۳۶۰ھ) ۔ یہ کتاب ڈاکٹر عجاج خطیب کی تحقیق کے ساتھ شائع بھی ہو چکی ہے ۔ پھر تو علماء کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، جن میں امام حاکم ، ابو نعیم اصفہانی ، خطیب بغدادی اور قاضی عیاض وغیرہم رحمہم اللہ کے نام شامل ہیں ۔ خطیب نے اس فن کے ہر گوشہ پر اس بسط سے لکھا کہ ان کے بعد علماء نے کہا ، "خطیب کے بعد جو بھی آیا ان کی کتابوں کا دست نگر رہا ۔ (ابن نقطہ)

لیکن جو حسن قبول اور مرکزیت ابن الصلاح (ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمان شہرزوری ت ۶۴۳ھ) کی کتاب "علوم الحدیث" یا مقدمہ ابن الصلاح کو حاصل ہوئی وہ قابل ذکر ہے ۔ تقریباً جملہ کتابیں اس نقطۂ ارتکاز پر آکر جمع ہو گئیں ، چاہے وہ اختصار و ترتیب اور تہذیب ہو یا شرح و تفصیل و استدراکات اور منظومات ۔

حافظ ابن حجر، عراقی ، بدرالدین زرکشی کے استدراکات اور نکت مشہور ہیں ، جبکہ بلقینی نے تہذیب جدید کے ساتھ اس کا اختصار پیش کیا ہے ۔

مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار امام نووی رحمہ اللہ نے پہلے "الارشاد" کے نام سے ، پھر "التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر" کے نام سے کیا ۔ اسی تقریب کی شرح حافظ سیوطی نے تدریب الراوی کے نام سے لکھی ہے ۔ اس کی دیگر شروحات عراقی ، سخاوی اور مقدسی کی تصنیف کردہ ہیں ۔ ابن جماعہ نے اس کا اختصار "المنہل الروی" کے نام سے لکھا اور اس کا ایک مشہور اختصار علامہ ابن کثیر کی تصانیف میں "الباعث الحثیث" کے نام سے متداول ہے ۔

مقدمہ ابن الصلاح کو بنیاد بنا کر عراقی نے اپنا مشہور "الفیہ" نظم کیا اور پھر اس نظم کی دو مطول و مختصر شروحات بھی تصنیف کیں ۔ ساتھ ہی علامہ سخاوی نے بھی اس کی شرح "فتح المغیث" کے نام سے لکھی ۔

الفیہ عراقی کے مقابلہ میں علامہ سیوطیؒ نے ایک الفیہ لکھا ، جسے صرف پانچ دن میں منظوم کیا ۔ اس الفیہ کو مصطلح میں جامع ترین الفیہ کہتے ہیں ۔

مصطلح الحدیث میں اس کے علاوہ بھی بے شمار کتب ہیں ۔ علماء ہند میں نواب صدیق حسن خان نے ایک نظم "بیقونیہ" کی شرح "العرجون فی شرح البیقون" لکھی اور مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے "ظفر الامانی" تصنیف فرمائی جو رسالہ جرجانی کی شرح ہے ۔ اس فن کی جامع کتب میں امیر یمانی کی کتاب "توضیح الافکار" اور ابن حجر کی مختصر کتاب "نزہۃ النظر" ہے ۔

دوسری مشہور کتب میں "المقنع فی علوم الحدیث" لابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ ہے ۔ جس کی تحقیق جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل شیخ جاوید اعظم بنارسی نے ام القریٰ یونیورسٹی میں ایم اے کے مقالہ کی حیثیت سے کی ہے ۔

الإرشاد للنوّوی کی تحقیق

انہی مشہور کتابوں میں جو مقدمہ ابن الصلاح کا ملخص ہیں امام نووی رحمہ اللہ (۶۳۱ - ۶۷۶ ھ) کی کتاب الارشاد ہے۔ الارشاد کا پورا نام "ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق" ہے۔ اس کتاب کے مختلف مخطوطات اب تک دنیا کی مشہور لائبریریوں میں زینتِ طاقِ نسیان تھے۔ اللہ جزائے خیر دے ارباب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو اور شیخ عبد الباری سلفی کو کہ انھوں نے اس کنز مکنون کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

شیخ عبد الباری نے ہندوستان میں علوم دینیہ کی تکمیل مشہور دینی درسگاہ جامعہ فیض عام مئو سے کی اور پھر مرکزی دار العلوم بنارس سے فضیلت کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں آپ کا داخلہ کلیۃ الدعوۃ میں ہوا — لیکن آپ نے اپنے طبعی رجحان اور ذاتی ذوق کی بنا پر کلیۃ الحدیث کا انتخاب کیا جس میں خصوصی مضمون حدیث اور متعلقات حدیث ہیں۔ کلیۃ الحدیث کے چار سالہ کورس سے فراغت اور حصولِ سند کے لیے ہر طالب علم پر کسی علمی موضوع سے متعلق تحقیقی مقالہ یا کسی اہم کتاب کے مخطوطہ کی تحقیق لازمی ہوتی ہے۔ شیخ عبد الباری کے مقالہ "لیسانس" کے لیے ابن قطلوبغا حنفی (متوفی ۸۷۹ ھ) کی کتاب "تاج التراجم" کے مخطوطہ کی تحقیق و تعلیق تھی۔ اس میں ابن قطلوبغا نے اعلام احناف کے تراجم ثبت کیے ہیں اور ان کی توثیق میں عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔ کتنے ضعاف اور منکرین کو توثیق کے اعلیٰ مرتبہ پر اور ضعیف فی العلم رواۃ اور علماء کو شیخ الاسلام بنا دیا ہے۔ آپ نے اس تعلیق کا نام "الزاد المبتغی فی التعلیق علی التراجم لابن قطلوبغا" رکھا ہے، اور معتمد کتابوں اور موثوق مصنفین کے حوالوں سے ابن قطلوبغا کے دعاوی کے ابطال کے ساتھ ساتھ اصحاب تراجم کی صحیح پوزیشن بھی واضح کی ہے۔

شیخ عبد الباری کا یہ مقالہ اہمیت کا حامل ہے اور نظر ثانی کے مراحل میں ہے۔ یسر اللہ طبعہ۔ شیخ عبد الباری صاحب کو کلیہ کے بعد جامعہ اسلامیہ کے شعبہ دراسات نے (۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ ھ) کے سیشن میں ایم اے کے لیے قبول کر لیا۔ داخلہ کے بعد آپ کو جس کتاب کی تحقیق و دراسہ کا کام سونپا گیا وہ ہے "ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق" للامام النووی رحمہ اللہ۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ نووی نے مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار کرتے وقت ابن الصلاح کی عبارات کو ممکنہ حد تک باقی رکھا ہے۔ مزید برآں بعض فوائد کا علاوہ اضافہ کیا ہے۔ جبکہ تقریب میں امام نووی نے عبارات کا التزام نہیں رکھا ہے صرف بمناسبت مضمون مزید اختصار پیش نظر رکھا ہے۔

شیخ عبد الباری کو اس کتاب کی تحقیق میں جو صعوبتیں پیش آئیں، اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ نا یکسی،

اصحابِ کتبات اور ماہرینِ مخطوطات کی تھوڑی سی کوتاہی سے ابتدائے عمل میں انھیں یہ دقت پیش آئی کہ "منہل روی" کو "ارشاد" سمجھ لیا گیا، کیوں کہ "المنہل" کے ایک نسخہ کے سرورق ہی پر ارشاد نووی لکھا تھا۔ بڑے دقیق مقارنہ کے بعد یہ پتہ چلا کہ یہ درحقیقت المنہل الروی لابن جماعہ ہے۔ توقع ہے کہ اپنی اس غیر متوقع محنت کے سبب شیخ عبدالباری "المنہل" کی بھی تحقیق کریں گے، جیسا کہ انھوں نے بتایا۔ وفقہ اللہ۔

آپ کو الارشاد کے چھ مخطوط نسخوں کا علم ہوا، جن کے حصول کے لیے آپ نے ترکی، مصر اور ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کی خاک چھانی۔ آپ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے مخطوطے دنیا کی چند مشہور لائبریریوں میں ہیں۔ برٹش میوزیم، جرمنی، کوپرلی، ایاصوفیہ، اور آزاد لائبریری علی گڑھ کے گوشۂ حبیب گنج میں۔ مولانا شیروانی کا مجموعۂ کتب جو اب علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہے۔ اور مصر کے معہد المخطوطات العربیہ میں جو ۶۶۸ھ کا لکھا ہے۔ تقدم زمانی اور واضح خط ہونے کی وجہ سے اپنی تحقیق کی اصل بھی اسی مصری نسخہ کو قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالباری نے مختلف نسخوں کی تطبیق اور صحیح عبارت کی جستجو میں جو محنت صرف کی ہے، وہ واقعۃً قابلِ ستائش ہے۔ اور خود انھی کے الفاظ میں "لو اراہ المصنف لقرت عینہ"، کیوں کہ اولاً مقدمہ ابن الصلاح اور تقریب سے مقابلہ کیا ہے۔ اسی طرح مفاہیم کی درستگی میں ان شاء اللہ کوئی کسر نہیں ہے۔ ثانیاً الفاظ کی تنسیق میں حاصل شدہ چار مخطوطات آپ کی بنیاد رہے ہیں۔ پھر جب تحقیق وتعلیق کے مباحث میں داخل ہوئے ہیں تو تقریباً سبھی جدید و قدیم مصادر و مراجع رو بکار لائے گئے ہیں۔

نووی نے جن اعلام کا تذکرہ کیا ہے، ان کے تراجم اور غامض مقامات کی شرح وتفصیل کے ساتھ اگر مصنف یا ملخص نے کہیں ٹھوکر کھائی ہے تو اس پر کما حقہ تعقیب اور تصویب بھی کی ہے۔

مقدمہ کے حصہ میں امام نووی اور ابن الصلاح کے مختصر حالات پیش کیے ہیں اور اخیر کتاب میں تیرہ علمی انڈکس ہودھار مرتب کیے ہیں جو کتاب میں آمدہ آیات و احادیث و آثار، اعلام، اماکن و بلدان اور موضوعات کتاب پر مشتمل ہے۔ جس سے کتاب سے استفادہ ایک معمولی قاری کے لیے بھی آسان تر ہو گیا ہے۔

- مقالہ کی طباعت وتجلید کے بعد اسے شعبہ دراسات کے سامنے پیش کیا گیا تو دستور کے مطابق اس علمی مقالہ پر بحث وتقدیر کے لیے مقالہ کے مشرف ڈاکٹر محمود احمد میرہ (سوریہ) کے علاوہ شیخ حماد بن محمد الانصاری (سعودی) اور ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری (عراق) کو بحیثیت مناقشین منتخب کیا گیا، اور مجلس مناقشہ کا انعقاد ۱۹ رصفر ۱۴۰۴ھ بروز پیر جامعہ کے سینٹرل ہال

میں ہوا۔

ڈاکٹر محمود احمد میرہ کے تعارفی کلمات کے بعد شیخ حماد الانصاری حفظہ اللہ نے بحث کا آغاز فرماتے ہوئے مقدمۂ کتاب میں نووی کی سوانح کی جانب توجہ دلائی، جس میں ان کے عقیدہ کے متعلق ذکر نہیں ہے۔ واضح رہے کہ نووی عقیدۃً اشعری تھے۔ اور واقعۃً کسی شخص کے ترجمہ میں اس ذکر کے بغیر یہ خارہ جاتا ہے۔ لیکن مقالہ کی تنگ دامانی اور موضوع کا تقاضہ اس ذکر سے مانع تھا، جس کو طالب علم نے ذکر بھی کیا، تاہم آئندہ اس سلسلے میں ایک مختصر اضافہ کا وعدہ بھی کیا۔

شیخ حماد الانصاری کے مناقشہ کے بعد ڈاکٹر اکرم ضیا عمری نے پہلے علمی مقالات کے منہج، مباحث، طریقۂ کار اور اختیار موضوع پر اجمالی روشنی ڈالی۔ پھر کتاب کے مختلف مقامات سے متعدد اعتراضات اُٹھائے۔ جس کا طالب علم نے حسب موقع مناسب جواب دیا۔ ایک طویل بحث اور مناقشین کے تخلیہ کے بعد نتیجہ کا اعلان کیا گیا، اور مناقشین نے مجموعی ۱۰۰ میں سے ۸۹ نمبرات دے کر فرسٹ ڈویژن سے کامیاب قرار دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

التذکرۃ فی اصول الفقہ کی تحقیق!

آئیے! اب ایک اور مناقشے کا منظر ملاحظہ فرمائیے: قاعدے کے مطابق آج بھی جامعہ کے سنٹرل ہال میں کافی ہماہمی ہے۔ آج ربیع الاول کی ۲۴ تاریخ ہے اور انگریزی ماہ دسمبر کی ۵ تاریخ ۱۹۸۵ء اور پنجشنبہ کا دن۔

مناقشہ کے لیے جو کتاب پیش کی جارہی ہے وہ ہے "التذکرۃ فی اصول الفقہ" مولفہ شیخ بدرالدین الحسن بن احمد المقدسی (م: ۷۰۳ھ)

محقق طالب علم کا نام: شہاب اللہ جنگ بہادر سلفی

اور مناقشین: ڈاکٹر عمر عبدالعزیز اور ڈاکٹر زین الدین العبد محمد النور، ہیں۔ یہ رسالہ کے مشرف اور لجنۃ المناقشہ کے تیسرے رکن ڈاکٹر جلال عبدالرحمٰن ہیں جو شعبہ اصول فقہ (دراسات علیا) کے ہیڈ بھی ہیں۔

شیخ شہاب اللہ سلفی نے ماجستیر کی ڈگری کے لیے اس قدیم مخطوطہ کی تحقیق و تہذیب کے بعد اس کو نئے لباس میں پیش کیا ہے۔ اسی مناقشہ کی مختصر روداد پیش خدمت ہے:

نماز مغرب کے بعد فوراً مناقشہ کا آغاز مشرف رسالہ نے حمد و صلوۃ کے بعد تعارفی کلمات سے فرمایا۔ سب سے پہلے انھوں نے شیخ شہاب اللہ کی مساعی اور مجہودات — جو التذکرہ کے ٹائٹل سے لے کر تمت بالخیر تک ۱۵۰ صفحات

پر محیط ایک ضخیم دستاویز ہے ۔ کی تحسین فرمائی اور کہا کہ طالب علم کی شخصیت اپنے علم اور تحقیقی کاوش کے اعتبار سے ہندوستان کے لیے جامعہ اسلامیہ کا ایک تحفہ ہے ۔ جس نے اصول فقہ کے ایک نادر مخطوطہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے ۔ خاص طور سے اس صورت میں جبکہ کسی کتاب کا صرف ایک مخطوطہ نسخہ حاصل ہو تو اس کام کی قدر فزوں تر ہو جاتی ہے ۔

اس کے بعد شیخ شہاب اللہ نے اپنی اس تحقیق کا پس منظر پیش لفظاً اختصار کے ساتھ رکھا ، جس میں علوم شرعیہ کے اندر اصول فقہ کی اہمیت ، مذکورہ کتاب کے اختیار کی وجوہات اور اس پُر خار وادی میں پیش آمدہ مشکلات نیز کتاب کے مشتملات کا ایک سرسری خاکہ ، جس میں مصنف ، اس کا عہد اور خصائص کے ساتھ علم اصول کا ایک مفید جائزہ بھی آگیا ہے ۔ کتاب کے اسی حصہ میں آپ نے اپنے کام کے منہج اور طریقۂ کار پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔

تحقیق کے حصہ میں مصنف کی عبارات کو کمالِ احتیاط کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور جہاں کہیں بیاض یا قلمزد حصہ آیا ہے دیگر مصادر اور کتب فن کے ذریعہ اس کو پُر کیا گیا ہے ۔ مواضع آیات اور احادیث و آثار و اقوالِ ائمہ کی تخریج و تعیین کی گئی ہے ، اور کتاب کے اخیر میں علمی فہارس کی ترتیب نے کتاب سے استفادہ آسان بنا دیا ہے ۔

اس مختصر تعارفی تحریر اور تمہید کے بعد مناقشین نے اپنے اپنے ملاحظات اور اعتراضات پیش کیے ۔ اور قابلِ اصلاح عبارات و مفاہیم کی جانب توجہ دلائی جن کا صدور انسان سے بعید نہیں ہے ۔ کتاب کی علمی قیمت پر زور دیتے ہوئے اور طالب علم کی اس بار آور جد و جہد کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اخیر میں ایک مناقش ڈاکٹر عمر عبد العزیز نے کہا : لو وزع هذا البحث على رسائل عديدة لكفاها — اور اس طرح یہ بحث رات گیارہ بجے مرحلۂ اختتام کو پہنچی ۔ اخیر میں مناقشین نے طالب علم کی نیچر خیز علمی کاوش کو دیکھتے ہوئے "ممتاز" نمبرات سے پاس کیا ۔ فللہ الحمد والمنۃ ۔ اور طالب علم کو مبارکباد دی گئی۔

شیخ شہاب اللہ بشن پور متصل بسکر ضلع بستی کے رہنے والے اور اس علاقے کے مشہور اہلحدیث عالم و مناظر مولانا عبد المبین منظر اور مولانا عبد العلیم ماہر کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ آپ نے جامعہ سلفیہ بنارس سے عالمیت اور فضیلت کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں ایک مختصر مدت کے لیے تدریس کے فرائض انجام دیئے اور پھر جامعہ سلفیہ کی جانب سے مدینہ یونیورسٹی چلے آئے ، جہاں آپ کا داخلہ کلیۃ الشریعہ میں ہوا اور ۱۴۰۱ھ میں کلیہ سے تخرج کے بعد دراسات علیا کے شعبۂ اصولِ فقہ نے ماجستیر کے لیے آپ کو منتخب کرلیا۔

ماجستیر کے لیے عنوان کے انتخاب میں آپ نے اپنی تحقیق کے لیے اولاً علامہ جزری (م ۷۱۶ھ) کی کتاب معراج الاصول شرح منہاج الوصول منتخب کی ، لیکن جلد ہی یہ پتہ چلا کہ مذکورہ کتاب ازہر میں تحقیق ہو چکی ہے ۔

ثانیاً آپ نے التحریر لما فی منہاج الوصول من المعقول والمنقول مصنفہ ابوزرعہ عراقی (م ۸۲۶ھ) کو چنا اور ایک معتدبہ حصہ نسخ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی جامعہ ازہر میں تحقیق کی جا چکی ہے۔

ان دو کوششوں کے بعد آپ نے "التذکرۃ" کی تحقیق کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کا صرف ایک ہی مخطوطہ نسخہ دستیاب ہوا۔ جو مکتبہ ظاہریہ دمشق کی نقل جامعہ میں موجود تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ اس نسخہ کے بعض بعض صفحات سے بوسیدگی اور خستگی کی علامت عیاں تھی۔ جو تہذیب و تحقیق میں حائل ہو سکتی تھی۔ بہرحال آپ نے کام شروع کیا اور اب یہ ایک بہترین اور محقق کتاب کی صورت میں موجود ہے۔

التذکرہ فی اصول الفقہ" کے مصنف شیخ بدرالدین الحسن بن احمد المقدسی (م ۷۷۳ھ) مشہور حنبلی فقیہ اور عالم ابن قدامہ مقدسی کے عزیز قریب اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے ہمعصر ہوتے ہیں، شیخ شہاب اللہ نے تحقیق کتاب سے قبل ایک معلوماتی اور پُرمغز مقدمہ شامل کتاب کیا ہے۔ جس میں اس علم "اصول فقہ" کی مختصر تاریخ اور اس کے بانی امام شافعی" کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ فقہ کے اصول امام شافعی کی کتاب "الأم" سے عموماً لیے گئے ہیں یا ان کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بنائے گئے ہیں ــــ اس انتخاب کی وجوہات میں لکھا ہے کہ یہ کتاب امام احمد کے اصولوں پر ہونے کے باوجود دوسرے ائمہ کے اقوال سے خالی نہیں ہے، جس کے سبب یہ کتاب اصولِ فقہِ مقارن کا فائدہ دیتی ہے۔ ــــ ایک خاص وجہ آپ نے یہ بھی لکھی ہے جو خاصی معقول بھی ہے کہ عام طور پر لوگوں کا یہ خیال بن چکا ہے کہ حنبلی مذہب میں اصول کی کتابیں بہت کم ہیں، جن کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی، لہٰذا آپ نے کتابوں کی ایک فہرست پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ درحقیقت کتابوں کی کمی نہیں ہے بلکہ مطبوعہ کتب کا ذخیرہ کم ہے۔

شیخ شہاب اللہ نے اس مقالہ کے ماسوا جو کتابیں تحقیق کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ التصدیق بالنظر الی اللہ تعالیٰ : ابوبکر محمد بن الحسین الآجری : م ۳۶۰ھ) (غیر مطبوع)
یہ کتاب درحقیقت آپ کے لیسانس کا مقالہ ہے جسے تحقیق کر کے کلیۃ الشریعہ سے لیسانس کی ڈگری حاصل کی ہے

۲۔ مسائل الامام احمد بروایۃ البغوی (غیر مطبوع)

۳۔ تہذیب الاجوبۃ : حسن بن حامد الوراق (۴۰۳ھ) غیر مطبوع۔

احکام القرآن لابن الفرس الغرناطی

مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۸۶ء بروز پیر ابناء الجامعۃ السلفیہ کے ایک فرد شیخ عبداللہ عبدالحمید کا مقالہ شعبۂ تفسیر و علوم قرآن (دراسات علیا، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کی جانب سے مناقشہ کے لیے پیش ہوا۔

مقالہ کا عنوان: ابو محمد عبدالمنعم بن محمد بن عبدالرحیم المعروف بابن الفرس خزرجی غرناطی (۵۲۴-۵۹۷ھ) کی کتاب احکام القرآن کی تحقیق تھی۔ مناقشین کا بورڈ تین افراد پر مشتمل تھا، جس میں مقالہ کے مشرف ڈاکٹر عبدالعزیز الدردیر موسیٰ اور دو مناقش ڈاکٹر عبدالعزیز عبدالفتاح قاری (صدر شعبۂ تفسیر و ممبر لجنۃ المصاحف مجمع الملک فہد لطباعۃ القرآن الکریم) اور ڈاکٹر عبدالعزیز عثمان (استاذ تفسیر کلیۃ القرآن) شامل ہیں۔

مشرف کے تعارفی و توصیفی کلمات کے بعد طالب علم نے اپنے کام کی روداد اور مطالعہ کتاب کے بعض رہنما اصولوں پر مختصراً روشنی ڈالی۔ اس کے فوراً بعد مناقشہ کا آغاز ڈاکٹر عبدالعزیز قاری کے ان جملوں سے ہوا۔

"احکام القرآن کو مفسرین نے علوم قرآنیہ میں ایک مستقل فن کی حیثیت سے لیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک قیمتی کڑی ابن الفرس اندلسی کی یہ کتاب احکام القرآن ہے۔"

آپ نے زیر نظر تحقیق کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

باحث نے زبان بے حد سہل اور سادہ استعمال کی ہے اور یہ قابل تعریف چیز ہے۔ نیز تفسیر قرآن کے سلسلے میں طالب علم کو داد دی کہ اس نے ایک نئے گوشے کی جانب توجہ دلائی ہے کہ تفسیر میں وارد احادیث کی کماحقہ تخریج اور احادیث پر صحت وسقم پر مبنی حکم لگایا ہے، اور یہ چیز تقریباً نئی اور دیگر تفاسیر کے موازنہ کے بعد ممتاز کوشش ہے۔

نیز بعض نسبتاً کمزور پہلوؤں پر توجہ دلائی کہ دیگر فہارس کے پہلو بہ پہلو احکام القرآن کے تعلق سے مسائل فقہیہ پر مشتمل ایک مزید فہرست زینت کتاب ہوتی تو اس سے افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ جس کا طالب علم نے وعدہ کیا۔

دوران مناقشہ ڈاکٹر عبدالعزیز قاری نے ایک اعتراض پیش کیا، جس کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ طالب علم نے ابن الفرس کی حرکات اور اعراب کہیں واضح نہیں کیا ہے۔ قاری اسے بالفاء پڑھے تو بسکون الراء پڑھے، یا بالفتح۔ اور آیا وہ حرف "فاء" ہے یا غین معجمہ جیسا کہ بعض مصنفین نے اسے ابن الغرس بھی پڑھا ہے۔

اس کا جواب طالبعلم نے ایک معلوماتی بیان کے ذریعہ دیا۔ مختصراً ملاحظہ ہو:
مغربی خط میں فاء کا نقطہ ہمیشہ نیچے ہوتا ہے، جبکہ قاف اور غین معجمہ کا امتیاز ایک نقطہ ہوتا ہے اور وہ اوپر
ہوتا ہے اور حاصل شدہ مخطوطات میں نقطہ کہیں اوپر نہیں ہے، اس لیے واضح طور پر وہ ابن الفرس ہے نہ کہ ابن الغرس۔
لہذا جن مصنفین نے ابن الغرس (بالغین المعجمہ) لکھا ہے، وہ غلط ہے۔
دوسرے مناقش ڈاکٹر عبدالعزیز محمد نے زبان و بیان کی لغزشوں اور مطبعی اغلاط کی طرف توجہ مرکوز رکھی، اس طرح
ایک طویل مناقشہ کے بعد طالب علم کو ایک اعلان کے ذریعہ "ممتاز" درجات سے کامیاب قرار دیا گیا۔
شیخ عبداللہ عبدالحمید نے ادۂ عربی کے بعض ابتدائی درجات جامعہ رحمانیہ بنارس میں گذارے پھر جامعہ سلفیہ سے عالمیت
کی تعلیم حاصل کی اور جامعہ فیض عام مئو سے فضیلت اور حفظ قرآن کی سند کے ساتھ مدینہ منورہ چلے آئے۔ جہاں آپ کا داخلہ
کلیۃ القرآن الکریم میں ہوا۔ کلیہ کے چار سالہ کورس کی تکمیل ممتاز نمبرات سے ۱۴۰۱ھ میں کی اور آپ کو کلیہ کی جانب سے
"مثالی طالب علم" کے خطاب، سرٹیفکٹ اور انعام سے نوازا گیا۔ سند فراغت کے حصول کے لیے سورۂ نور کی پہلی دس آیات
پر مشتمل تفسیری مقالہ لکھا، نیز اسی سال آپ کا داخلہ ماجستیر کے شعبہ التفسیر وعلوم القرآن میں منظور ہوگیا۔
جامعہ اسلامیہ سے نمائندگی اور انتخاب کی بنیاد پر آپ رمضان میں مختلف افریقی ممالک میں تراویح پڑھانے اور
دعوت کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک آپ جن ممالک میں جاچکے ہیں، وہ ہیں۔
کینیا، موزمبیق، ایتھوپیا وغیرہ۔
ماجستیر میں تحقیق کے لیے آپ نے "مذکورۃ الصدر کتاب "احکام القرآن: ابن الفرس الغرناطی" کو منتخب کیا، اور
سورۂ فاتحہ سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۰ تک کی تحقیق مقالہ میں شامل ہے۔ جس کا ٹائپ شدہ حجم دو جلدوں میں آسکا ہے جو
تقریباً آٹھ سو صفحات پر محیط ہے۔
کتاب کو آپ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں ایک مبسوط مقدمہ ہے، جو کتاب کے سلسلہ میں ہے مطالعہ
کا نچوڑ ہے۔ اس میں کتاب کی اہمیت، علم احکام القرآن کی تاریخ، مصنف کا عہد، اندلس کے حالات، اندلس کی تاریخ کا
اجمالی خاکہ جو دو قبول اسلام اور اسلام کی اشاعت کو بھی مختصراً سموئے ہوئے ہے۔ مؤلف کے حالات مستند ماخذ سے، ان کا
گمراہ فرقوں سے جہاد اور تفسیر میں مصنف کے مآخذ و مصادر کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں؟ یہ مختصر مقدمہ علمی تحقیق
اور فنی اختصار کے لحاظ سے "دریا بکوزہ" کا مصداق ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ یعنی تحقیق و تعلیق میں محقق المقدور مولف کی صحیح عبارت نسخوں کے تقابل کے ساتھ پیش کرنے کی سعی مشکور کی گئی ہے۔ بعد ازاں، اس پر تعلیقات آیات کا حوالہ اور احادیث کی کما حقہ تخریج کی ہے، جو پہلے ہی مرحلہ میں ناظر کی توجہ کھینچ لیتی ہے۔ اس مابہ الامتیاز خصوصیت کی مناقشین نے بھی وسیع النظری کے ساتھ تعریف کی۔

اخیر میں کتاب کا ایک نہایت سرسری خلاصہ اور علمی فہارس ہیں۔

محقق نے دورانِ تحقیق جن مخطوطات اور مطبوع کتب سے استفادہ کیا ہے، ان کی تعداد چار سو کے قریب پہنچتی ہے

محقق نے مقدمہ میں تاریخ احکام القرآن اور اس موضوع پر تصانیف کی ایک لسٹ بھی تیار کی ہے، جس میں بیالیس کتابوں کے اسماء فراہم کیے ہیں، یہ کتاب زیادہ بھی ہو سکتی ہے، لیکن غالباً استقصاء نہیں کیا گیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں احکام القرآن کی پہلی کتاب امام شافعی (۲۰۴ھ) کی کتاب "احکام القرآن" کو قرار دیا ہے، جبکہ محقق نے پہلا مصنف محمد بن سائب کلبی (۱۴۶ھ) کو لکھا ہے، جو امام شافعی سے یقیناً متقدم ہیں۔ مطبوع کتب میں جصاص، قرطبی، ابن العربی، کیا ہراسی، اردبیلی، ملا جیون، اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی تفاسیر کا نام لیا ہے۔

تحقیق کی اہم خصوصیات میں سے چند:

محقق کے ائمہ تفسیر کے ساتھ مناقشے اور تعقیبات جو قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

اندلس میں اسلامی ورثہ کا تعارف، اجمالی حالات وغیرہ

مختلف قراءتوں کی ائمہ قراءات کی جانب نسبت۔

عقیدہ سے متعلق آیات پر تعلیق، فرق کا رد اور عقیدۂ سلف کا دفاع۔

مخالفِ کتاب و سنت اسرائیلیات اور دیگر نظریات کا رد۔ وغیرہ

محقق نے تصویبِ عبارت کے لیے چار نسخے حاصل کیے۔

پہلا مخطوطہ خزانۂ عامرہ رباط (مغرب) کا نسخہ جو مدینہ منورہ ہی میں آٹھویں صدی ہجری میں لکھا گیا ہے اس کی مائکرو فلم جامعہ کے مکتبہ میں موجود ہے۔

دوسرا نسخہ مکتبہ حرم نبوی کا۔ اور دیگر دو نسخے تونس سے حاصل ہوئے تھے۔ ان نسخوں کے لیے آپ نے تونس مراکش اور مصر وغیرہ کے سفر بھی کیے ہیں۔

سینما: عصر جدید کا لاعلاج مرض

تحریر: شیخ عبد الرحمان   ترجمہ و تلخیص: عبد السمیع محمد ہارون

اہل یورپ کی جو کچھ اختراعات و ایجادات ہیں، ہم نہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ان سے کسی قسم کا بغض و عداوت رکھتے ہیں بلکہ ہم اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اختراعات لائق ستائش ہیں، اس لیے کہ یہ اختراعات انسانی زندگی کے ہر گوشے میں چاہے وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی اور اجتماعی ہوں یا اخلاقی اور ثقافتی ہر میدان میں ترقی اور بلندی کے حصول میں کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ تمام کے تمام اختراعات انسانی زندگی کے لیے مفید نہیں، بلکہ غیر مفید اور انسانیت کو مجروح کرنے والا ہے۔

اہل یورپ کے اختراعات میں سے ایک سینما ہے۔ جب ہم سینما جیسی چیز کے بارے میں جائزہ لیتے ہیں اور جیسا کہ ہم سنتے ہیں کہ سینما لوگوں کے سدھار، نصیحت اور عبرت کے لیے پیش کیا جاتا ہے تو اگر یہ حقیقتاً ایسا ہوتا تو پھر اس میں چنداں حرج کی بات نہ ہوتی لیکن جب ہم ماحول اور سماج پر اس کے اثرات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ انسانی زندگی کو سدھارتا، انھیں رذیل قسم کی حرکات کا عادی بناتا ہے۔ انسانیت کے اخلاق کو بگاڑ دیا ہے اور انھیں انواع و اقسام کی فحش کاریوں میں ملوث کر دیا ہے اور اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ اس کی ترتیب اور بناوٹ جس نہج پر ہوتی ہے وہ ہر قسم کی گندی اور منکر باتوں سے پُر اور انسانوں کی بُری خواہشوں کے مطابق ہوتی ہے۔

ایک مخلص اور سچا مسلم شخص ہی نہیں بلکہ وہ شخص بھی جس کے اندر اسلام و ایمان کی تھوڑی سی رمق ہوگی وہ بھی ہرگز یورپ کی اس گندی ایجاد کو اپنے گلے کا قلادہ نہیں بنا سکتا۔ اور اس کا دل ہرگز اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ یہ انسانیت کا سدھار کا باعث اور وسیلہ ہو سکتا ہے۔ ان فلموں کے اندر ہر قسم کے گندے اور بُرے مناظر پیش کیے جاتے ہیں، اس کے اندر عریاں رقص، مرد و زن کا باہم بوس و کنار، آپس میں گلے ملنا، عریاں پن اور اس طرح کی دوسری رذیل اور قبیح

حرکات ...... پائی جاتی ہیں ۔ اب ایسی صورت میں کیا کسی بھی عقلمند آدمی کی دانائی اس بات کو تسلیم کرے گی کہ یہ رذیل حرکات ومناظر انسانیت کے سدھار کے باعث ہیں ۔ نہیں بلکہ وہ یہی کہے گا کہ یہ سراسر انسان کو تہذیب کے قعر ذلت میں ڈھکیلنے والی اور ان کے اخلاق کو بگاڑنے والی ہیں ۔

پھر ... ان مفاسد اور اخلاق سے گری ہوئی رذیل حرکات کا مشاہدہ کرنے کے لیے سینما ہالوں میں عورتوں، بچوں، مردوں کا بم غفیر اکٹھا ہوتا ہے، جو آپس میں مخلوط رہتے ہیں، انھیں شرم وحیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ۔ آپس میں چیخ پکار، شور، شغب اور دیگر قسم کی بیہودہ حرکات میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر جب فلم بینی کی ابتدا ہوتی ہے تو وہاں بے پردہ عریاں مرد اور عورتیں پردے پر ظاہر ہوتی ہیں، جو گندے گندے، اخلاق کو بگاڑنے والے گانے گاتی ہیں اور فلم بین حضرات بلا امتیاز مرد وزن کے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں اور طرح طرح کے فحش اور لا طائل اور بیہودہ باتیں بکتے رہتے ہیں ۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو فخریہ طور پر لکھتے ہیں کہ فلم کو ماحول اور سماج کے سدھار کے لیے پیش کیا جاتا ہے ۔ کاش وہ اس کے مضر اثرات کا مشاہدہ کرتے اور اپنی اس قسم کی بے معنی باتوں کے کہنے سے بچتے ۔ ؎

بھٹک رہی ہے ابھی آدمی کی دانائی

اللہ تعالیٰ اس کے مخترعین پر لعنت کرے، ہمیں اور تمام لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے اور اس قسم کی بے حیائی اور منکر باتوں کو جنم دینے والی بلاؤں سے محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

اب ہم سینما کے مضر اثرات مختصر طور پر ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ۔ درحقیقت سینما انسان کو سدھارنے کے بجائے بگاڑتا ہے، اس کے اخلاق کو سنوارنے کے بجائے گندہ کرتا ہے، اور طرح طرح کی بری عادات واطوار کو جنم دیتا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ اس کے دیکھنے سے انسانی جسم بھی متاثر ہوتا ہے ۔ اس سے آدمی کی بینائی کمزور اور تفکر وتدبر کی قوت میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کی صحت وتندرستی بگڑتی جاتی ہے ۔ آدمی کے قیمتی اوقات بھی اس میں ضائع ہوتے ہیں ۔ کاش! وہ طلباء اور دوسرے مفید کام کرنے والے جو اپنے قیمتی اوقات کو ان بری جگہوں میں جاکر صرف کرتے ہیں ۔ اپنے انھی اوقات کو کتابوں کے مطالعے یا اور کسی اچھے کام میں صرف کریں تو یہ ان کے لیے کتنا مفید ہوگا ۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کا اس کے بارے میں کیا موقف ہے ۔ اس بات سے انکار نہیں کہ سینما انتہائی رذیل اور گندے اطوار وعادات کو جنم دیتا ہے ۔ اور اس کے اندر گندی تصاویر اور عریانی کا خوب خوب مظاہرہ ہوتا ہے ۔ تصویر بنانے والوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون“

یعنی قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ان الذین یصنعون
ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ۔ یعنی جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں، انھیں قیامت کے دن عذاب دیا
جائے گا۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے ایک بار نبی کریمؐ سے فرمایا کہ: انا لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ۔ ہم اس
گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: انما نھیت من صوتین احمقین فاجرین صوت نغمۃ لھو و لعب و
مزامیر شیطان وصوت عند مصیبۃ خمش وجوہ و شق جیوب و رنۃ۔ (ترمذی)
مجھے دو بیہودہ اور فاجر آوازوں سے منع کیا گیا ہے۔ ایک لہو و لعب کے نغمے اور شیطان کی بانسری کی آواز۔ دوسری
مصیبت کے وقت منہ نوچنے، گریبان پھاڑنے اور آہ و نالہ کرنے کی آواز۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: افمن ھذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون
کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو۔ ہنستے ہو، روتے نہیں ہو اور ناچ گانے میں لگے ہو۔

اس قسم کی اور دیگر احادیث نبویہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گانا بجانا اور تصویر بنانا حرام ہے۔ آیت
قرآنی بھی تصویر اور گانے بجانے کی حرمت پر صریح دال ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں پر بالکل حرام ہے۔

درحقیقت آج فلموں سے مرد ہوں یا عورت ہر ایک شخص متاثر نظر آتا ہے۔ یہی نہیں، آج یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے
کہ فلم میں حضرات اپنے اخلاق و اطوار، پوشاک، رہن سہن تمام چیزوں میں فلم سازوں کی نقالی کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ چھوٹے
اور معصوم بچے جو مستقبل میں قوم و معاشرہ کے محافظ و نگہبان بننے والے ہیں وہ بھی آغاز طفولیت ہی میں اس رنگ میں
رنگ جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ان رذیل حرکات و سکنات اور فحش و منکر باتوں میں ملوث ہو جاتے ہیں
اور اپنا مستقبل کو بگاڑ لیتے ہیں۔

آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کے سوچیے اور بتلائیے کہ اس سے معاشرہ اور قوم کے نقصان و ضرر کے بجائے کوئی
فائدہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آج معاشرے کے اندر برائیوں کو جنم دینے والی اصل محرک یہی ہے۔ یہ ماحول و سوسائٹی
کے لیے بہت بڑا المیہ ہے۔ ایسی صورت میں امت مسلمہ کا یہ فریضۂ اولین ہے کہ قوموں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی
دعوت دے اور ماحول و معاشرے میں برائیوں اور منکر باتوں کے جنم دینے والے ان ذرائع کا سدباب کرے اور ان کے
پیمانے کی کوشش کرے۔

کے متعلق بعض لوگ یہ بھی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ اس کے اندر بطور عبرت و نصیحت کے عبرت
و واقعات کو پیش کیا جاتا ہے، جس سے معاشرہ کے اندر سدھار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے آج کی فلمیں
میں نظر آتی ہیں۔ اس کے اندر شاید ہی کہیں ایسے مواعظ و نصائح ہوں۔ ورنہ وہ عریاں تصاویر اور فحش گانوں
ی ہیں۔ لہٰذا ان میں اچھائی کی مثال کھانے میں نمک جیسی ہے۔ یعنی اس کے اندر اگر کہیں اچھی باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے
ر حصہ اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے پر ہوتا ہے۔ فاثمہما اکبر من نفعھما

علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ جب اہل یورپ نے سینما کے ان مضر اثرات کا معائنہ کیا تو انھوں نے اس کے سدباب
زیں اٹھائیں۔ اسی طرح ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اس اقدام کو بھی فراموش نہیں کر سکتے کہ جب انھوں نے
اشرہ کے اندر اس کے مضر اثرات کا معائنہ کیا اور اس کا مزہ اچھی طرح چکھ لیا۔ تو انھوں نے بھی اس کے سدباب کے
ں اٹھائیں۔ یہ تو مغربی قوموں کا حال ہے۔ اب مشرقی قوموں کو چاہیے کہ بصیرت کی نگاہیں اٹھائیں اور نصیحت پکڑیں۔
بے باک طریقے سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مسلم جب ان جگہوں میں جاتا ہوگا تو یقیناً اس کا دل اندر سے ملامت کرتا
ں کہ اس کا مذہب عورتوں کا احترام کرنے اور ان بری جگہوں میں جانے سے منع کرتا ہے۔ ہمیں غیر مسلم اقوام پر کیا تعجب
یادہ تو ان مسلم قوموں پر تعجب ہوتا ہے جو اس میدان میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور بعض بعض جگہوں میں تو یہ بھی
ں آیا ہے کہ اس کے کارکن، مالک، ذمہ دار ان سب کے سب مسلمان ہوتے ہیں۔ آج جب ہم مسلمانوں کے انحطاط و تنزل
اب و علل پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں ایک سبب ان ممنوع کاموں میں ملوث رہنا بھی نظر آتا ہے۔

ب ہم اخیر میں ان تمام لوگوں سے جو اہل یورپ اور مغرب کی تقلید کرتے .. نظر آتے ہیں اور اس قسم کی برائیوں میں
ائی پڑتے ہیں، التماس کرتے ہیں کہ عدل و انصاف اور بصیرت کی نگاہ اٹھا کر دیکھیں اور نصیحت پکڑیں اور اپنے
قوم اور آئندہ نسلوں کو اس سے محفوظ رکھیں۔

ع اہل یورپ اور اہل مغرب کا حال یہ ہے کہ جن اختراعات پر وہ کل تک فخر کرتے نہیں تھکتے تھے آج جب کہ زمانے
ے ان کے برے نتائج ان کے سامنے ظاہر کر دیے اس پر خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ سینما انھی اختراعات کی ایک
جس کا برا اثر ان کے ماحول و معاشرہ پر پڑا ہے اور اب وہ اس کے سدباب کے لیے آوازیں بلند کر رہے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار!

•••

عالمِ اسلام

جنوبی یمن: سُرخ جہنم

قاری منہاج الدین

غریبوں اور عوام کی آزادی کے نام نہاد علمبردار کمیونسٹ اپنے مخالفوں کے ساتھ کس قدر ظلم و تشدد سے پیش آتے ہیں، وہ کمیونسٹ جو ہر جگہ آزادیٔ فکر کے علمبردار بنے پھرتے ہیں، جہاں ان کا قبضہ حکومت پر ہو جائے تو پھر کمیونسٹ فکر کے علاوہ دوسرے افکار کو آزادی کا حق کتنا دیتے ہیں؟ اس کی ایک معمولی سی جھلک جنوبی یمن کے حالات سے آپ کو مل سکتی ہے۔ (ادارہ)

سوڈان اور مصر میں کمیونسٹوں کی مسلسل شکست کے بعد انھوں نے اپنی پوری توجہ جنوبی یمن پر مرکوز کر دی اور کمیونسٹوں کے طریقۂ کار کے مطابق سرکاری اداروں میں تمام ایسے افراد جن کے متعلق ان کو مذہبی ہونے پر ذرا بھی شک تھا، انھیں زبردستی ملازمتوں سے نکالا گیا، یا پھر ان کے عہدے گھٹا دیئے گئے، جسے انھوں نے سرکاری ملازمین میں "تطہیر" کا نام دیا "تطہیر" کی یہ مہم سرکاری اداروں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس کی لپیٹ میں کئی مساجد بھی آگئیں اور کئی مساجد کو برسرِاقتدار کمیونسٹ پارٹی کے کارکنوں کی تربیت گاہوں میں تبدیل کر کے وہاں کے علماء کو گرفتار کر کے شہید یا طویل سزائیں سنا کر جیل بھیج دیا۔

عدن میں اسلامی علوم کے مرکز "المعہد الاسلامی المرکزی" کو بند کر کے اس جگہ پر کمیونسٹ پارٹی کے مرکزی دفاتر قائم کر دیئے گئے اور اس میں زیرِتعلیم طلبہ اور اساتذہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس ادارے سے جو لوگ فارغ ہو کر اب ملازمتیں کر رہے تھے، ان کو بھی ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا۔

اسی طرح تریم شہر جو کہ اسلامی علوم و فنون کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، کی اہم مساجد کو قبضے میں لے کر برسرِاقتدار کمیونسٹ پارٹی کی جائیداد میں شامل کر دیا گیا، اور جو مساجد نماز کی ادائیگی کے لیے چھوڑی گئیں، ان کے ائمہ کو شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح عدن، تریم، وادی دوعن اور بیحان کے ہزاروں علماء کو شہید کر دیا گیا، اور شہید بھی اس قدر ظالمانہ طریقے سے کیا، جس سے انسانیت کانپ اٹھے۔ مثلاً ان علماء کو گاڑیوں کے پیچھے باندھ دیا اور گاڑیوں کو شہر کی سڑکوں پر تیز دوڑا دیا۔ یہ درندگی اس

وہ ظلم جاری رہتا جب تک ان ظالموں کا جی نہ بھرتا۔

اس سرخ جہنم سے جان بچا کر کچھ لوگ ہجرت کر کے جب ملک سے باہر پہنچے تو انھوں نے وہاں پر مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی جو داستانیں سنائیں، اگر ان کو انھیں کے الفاظ میں قلم بند کر دیا جائے تو انسانیت لرز اٹھے۔ ان لوگوں نے دو سو ایسے افراد کی ایک فہرست بھی مہیا کی، جن کو حکومت گرفتار کر چکی تھی مگر ایک سال سے ان کے زندہ یا مرنے کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اسی طرح جس نوجوان میں ذرا سا مذہب کی طرف جھکاؤ دیکھیں، اس کی زبردست نگرانی شروع کر دی جاتی ہے۔

مدارس، کالج اور یونیورسٹیوں سے ایسی طالبات کو جو باپردہ ہوں نکال دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی یمنی باشندہ جس کی عمر پچاس سال سے کم ہو، حج پر نہیں جا سکتا۔ ادیس ابابا، کیوبا، اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کے علاوہ کسی بھی ملک کے لیے سفر نہیں کر سکتا۔ ہر سال پندرہ سو نوجوانوں کو دو دو سال کے لیے کیوبا میں "ذہنی تعلیم" کے لیے بھیجا جاتا ہے جہاں ان نوجوانوں کو سوشلسٹ نظام کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور مذہب، خدا، اسلام، قرآن، سب سے نفرت پیدا کی جاتی ہے اور ان کو دنیا سے مٹانے کے لیے ان نوجوانوں کو تیار کیا جاتا ہے۔

جنوبی یمن معاشی لحاظ سے عالم اسلام کا غریب ترین ملک ہے۔ اس لیے کہ اس ملک میں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہے۔ اس کی آبادی صحراؤں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ لیکن محل وقوع کے لحاظ سے یہ اتنا اہم ہے کہ جنوبی یمن پر کنٹرول حاصل کرنے والا بحر ہند اور بحر احمر کو کنٹرول کر سکتا ہے جو بین الاقوامی تجارتی جہازوں کی اہم ترین گزرگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس اس علاقہ پر بہت زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق تین ہزار روسی فوجی اور دو ہزار سوویلین ماہرین یمن کے جزیرہ سقوطرہ میں موجود ہیں۔ اسی جزیرے میں روس کا سب سے بڑا فوجی اڈہ قائم ہے۔

اس قدر فوجیوں کے ہوتے ہوئے بھی یمن کے حکمران وہاں کے مسلمانوں سے خوفزدہ ہیں۔ چنانچہ ان مسلمانوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ کاروبار کے دروازے پہلے ہی بند ہیں، اور ملازمین کو بھی نکالا جا رہا ہے۔

کمیونسٹ جو غربت کے خاتمے کے دعویدار ہیں۔ جنوبی یمن میں مفلوک الحالی کا سبب ہے۔ اس وقت ہر چیز لائن میں کھڑے ہونے کے بعد ملتی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنا کوئی کاروبار نہیں کر سکتا۔ تمام دوکانیں یہاں تک کہ لوگوں کے گھر بھی قومی تحویل میں لے لیے گئے ہیں۔

دراب کسی مظلوم کی آہ خدا نے سن لی ہے اور برسر اقتدار پارٹی آپس ہی میں برسرپیکار ہے۔ (بشکریہ "الاصلاح" دہلی (المنبر لاہور))

متولیان وائمۂ مساجد سے مخلصانہ اپیل

مساجد کو تعلیمِ اسلام کا مرکز بنائیے!

مساجد روئے زمین کا سب سے اچھا حصہ ہیں، انھیں تعلیم و ذکرِ الٰہی سے آباد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے۔ مساجد کو عوام کی دینی تعلیم و تربیت کا مرکز بنائیے اور مسجد کے ہر مصلی کو دین کی بنیادی تعلیم سکھانے کی مہم چلائیے۔ مسلمانوں کی دینی جہالت دور کیجیے۔ مساجد میں دینی تعلیم کے مرکز قائم کرنا بہترین عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکونِ قلب نازل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اس درس میں حاضر رہنے والوں کا اللہ اپنے مقرب فرشتوں سے ذکر فرماتا ہے۔ اور جو لوگ دینی تعلیم کے ان مراکز میں شرکت کے لیے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ جنت کی طرف ان کی راہ کو آسان کر دیتا ہے۔" (صحیح مسلم کتاب العلم)

ادارہ اصلاح المساجد بمبئی نے ملک کی مساجد میں دین کی بنیادی تعلیم سکھانے کے لیے مراکز قائم کرنے کی مہم چلائی ہے۔ یہ وقتِ حاضر کا بہت بڑا فریضہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کو دلائل اور بصیرت کے ساتھ سیکھیں اور اطمینانِ قلب کے ساتھ اس پر عمل کریں اپنی دنیا و آخرت کو کامیاب بنائیں۔

ادارہ اصلاح المساجد نے تعلیم الاسلام کا ایک مختصر نصاب تیار کیا ہے، جسے چالیس اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے جو چھ ماہ میں مکمل طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ عامۃ المسلمین خاص طور پر نوجوان مسلمانوں خواہ وہ اسکول و کالج کے طلبہ ہوں یا مزدور ہوں یا تاجر اس نصاب کو اپنے گھروں میں فرصت کے اوقات میں یاد کریں اور ہر جمعہ کو بعد نمازِ مغرب اپنے علاقہ کی کسی مسجد میں جمع ہو کر آپس میں مذاکرہ کریں۔

ان تعلیمی مراکز کے لیے ادارہ اصلاح المساجد نے مدرس کے تقرر کا انتظام کیا ہے۔ آپ ادارہ مذکور کے صدر دفتر سے داخلہ فارم حاصل کریں اور دو روپیہ داخلہ فیس ادا کر کے نصابِ تعلیم حاصل کریں، اس نصاب کو خود بھی زبانی یاد کریں۔ اور اپنے قرب و جوار کے متعلقین احباب اور پڑوسیوں کو بھی یاد کرنے کی ترغیب دیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ دین کے ضروری مسائل سے واقف ہوجائیں گے اور آپ سے دینی جہالت کا داغ ختم ہوجائے گا۔ آپ کا شمار دین کا علم حاصل کرنے والے ان خوش نصیب انسانوں میں ہوگا، جن کے لیے اللہ کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور جو تعلیم و تبلیغ کی جدوجہد میں شامل رہ کر غازی اور مجاہد کا درجہ پاتے ہیں۔ براہ کرم توجہ فرمایئے اور پہلی فرصت میں اپنے مقامی مرکز "تعلیم الاسلام" سے رابطہ قائم کر کے اس میں اپنا نام درج کرائیں۔

پتہ:- ۸/۶ اے حضرت پیرس سافٹل اسٹریٹ، بائیکلہ بمبئی - ۸

المشتہر: مختار احمد ندوی
مدیر ادارہ اصلاح المساجد بمبئی

مکتوب عرب امارات:

محمد منیر قمر سیالکوٹی ترجمان ام القیوین کورٹ و ناظم اعلی المرکز یہ۔ U.A.E.

ام القیوین میں مکتبہ کتاب و سنت اور مدرسہ تحفیظ القرآن والسنۃ کا آغاز

تمام قارئین کرام اور خصوصاً احباب جماعت سے یہ امر مخفی نہیں کہ چار سال کے مختصر عرصہ میں مرکز نے توفیق الٰہی سے پوری امارات میں دینی اسلامی لائبریریوں اور مدارس تحفیظ القرآن والسنۃ کا ایک جال سا بچھا دیا ہے۔ متحدہ عرب امارات کے ہر چھوٹے بڑے شہر و قصبہ میں ایک ایک، دو، دو اور تین تین شاخیں ہیں۔

اتفاق سے آج تک ام القیوین (جو متحدہ عرب امارات کی سات امارتوں میں سے ایک امارت ہے) میں کوئی شاخ نہ تھی، اب اللہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق و عنایت کے بعد جناب طارق واکانی، فہیم الکمانی، محمد لطیف اور رشید ناظر الدین جیسے کچھ دیگر مخلص احباب کے تعاون و توجہ سے یکم دسمبر ۱۹۸۵ء سے ام القیوین شہر کے وسط میں۔ مکتبہ کتاب و سنت اور مدرسہ تحفیظ القرآن والسنۃ کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا ہے۔ ولله الحمد وله الشكر

مکتبہ صبح و شام کھلتا ہے، جبکہ مدرسے کی تین شفٹیں ہیں۔ صبح اور عصر کی دو شفٹیں بچوں کے لیے ہیں۔ جبکہ نماز مغرب کے بعد تیسری شفٹ کا آغاز ہوتا ہے جو تعلیم بالغان کے ساتھ خاص ہے۔ آج تک تقریباً ایک سو بچے اور بڑے مدرسہ میں باقاعدہ داخلہ لے چکے ہیں مدرسین میں سے دو استاذ جناب مولانا محمد یوسف (ایم اے۔ بی ایڈ، فاضل جامعہ سلفیہ و مدینہ یونیورسٹی) اور جناب مولانا محمد شفیع (فاضل جامعہ دارالسلام عمرآباد و فاضل مدینہ یونیورسٹی) ہیں جبکہ مدینہ یونیورسٹی کے ایک اور فاضل کی منظوری مدرسہ کے لیے مل چکی ہے۔ ان کے علاوہ پاکستانی و انڈین جامعات و مدارس کے تربیت یافتہ اساتذہ اور حفاظ کرام بھی مصروف تدریس و تحفیظ ہیں۔ وذلك فضل الله

مکتوب جدہ

جدہ کی مساجد میں "الرحیق المختوم" کا درس :

استاذ محترم جناب مولانا صفی الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ ! سلام وتحیہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے .... واقعی کچھ ایسی خوشی کی بات سننے میں آئی کہ میں نے آپ کو اس سے مطلع کرنا ہی بہتر سمجھا۔ دراصل میں آج صبح آفس میں کچھ کام میں مشغول تھا، اسی وقت متعارفین میں سے ایک صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ آپ کی گرانقدر کتاب "الرحیق المختوم" کو جدہ کی چند مساجد میں لوگ بطور درس کے استعمال کرتے ہیں اور فجر وعشاء کے بعد باقاعدہ اس کے چند صفحات تشریح کے ساتھ لوگوں کے گوش گزار کیے جاتے ہیں۔ یہ کوئی مستغرب امر نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ کتاب اس کار خیر کی مستحق ہے۔ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کرنے کا جو خیال تھا آپ کا، وہ یقیناً ایک خوش آئند قدم ہے۔ نامعلوم وہ کس مرحلہ میں ہے؟ .....

والسلام طیب

رمضان کے متعلق :

رمضان کے فضائل ومسائل اور آٹھ رکعت تراویح پر محدث ماہ جولائی ۱۹۸۲ء کے خصوصی شمارہ میں ایک جامع اور قابل دید بحث شائع ہو چکی ہے۔ خواہشمند حضرات تین روپے منی آرڈر کے ساتھ فوراً آرڈر بھیج دیں۔ رمضان میں ادارہ محدث میں تعطیل رہے گی۔ اس لیے آدھے شعبان کے بعد آنے والے خطوط کے جواب اور آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ (مینیجر)

مضمون نگار حضرات سے : بعض حضرات قرآن کی آیات غلط سلط لکھتے ہیں، ضعیف، موضوع اور واہی تباہی قسم کی روایات نقل کرتے ہیں۔ احادیث، واقعات اور عبارتوں کے حوالے نہیں دیتے۔ آیات، احادیث اور عربی عبارتوں کے ترجمے نہیں کرتے۔ بعض حضرات کو دوسرے اسلامی فرقوں پر گرجنے، برسنے اور کڑکنے چمکنے کا شوق ہے۔ ایسے مضامین قابل قبول نہیں۔ آپ جو کچھ لکھیے تحقیق سے لکھیے اور جو کچھ تنقید کیجیے نرمی سے کیجیے اور (باستثناء بعض مقامات) ...

محدث بنارس اپریل ۱۹۸۶ء

ہماری نظر میں

(۱) ملا جیون کے معاصر علماء : تصنیف اشفاق علی ، قیمت : ۲۰ روپئے

(۲) تاریخ اوقاف : تصنیف اشفاق علی ، قیمت : ۴۰ روپئے

ہر دو کے ملنے کا پتہ : (مصنف سے) ۴۶/۱۳۳ نیظر آباد ، لکھنؤ

دونوں کتابوں کے مصنف جناب اشفاق علی صاحب، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے، ایل ایل بی ہیں اور تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اول الذکر کتاب، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے معروف عالم ملا جیون اور ان کے ۴۹ معاصر علماء کے حالات پر مشتمل ہے، اور اس طرح یہ کتاب ایک کار آمد تاریخی دستاویز بن گئی ہے

ثانی الذکر کتاب میں وقف کی شرعی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پھر عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ سے لے کر ماضی قریب تک مسلمانوں کے مختلف اوقاف کی تاریخ و تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

زبان و بیان میں لطافت و سلاست ہے، ہر بات تحقیق سے لکھی گئی ہے اور حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ تاہم بعض تعبیرات غیر موزوں اور بعض تحقیقات تشنہ ہیں۔ مثلاً مصنف کو شکایت ہے کہ کشف الظنون کے مولف نے المنار کی شرح کے ضمن میں ملا جیون کی نور الانوار کو نظر انداز کر دیا ہے (ص ۲۴) حالانکہ خود موصوف کا بیان ہے کہ نور الانوار ۱۱۰۵ھ میں لکھی گئی (ص ۲۱) اور معلوم ہے کہ کشف الظنون کے مولف ۱۰۶۷ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، پھر وہ اس کا ذکر کیسے کرتے؟ ۔ بہر حال ہر دو کتابیں اپنے اپنے موضوع پر مفید اور لائق مطالعہ ہیں۔

معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج

مولف : علامہ احمد بن حجر ، مترجم مولانا نصیر احمد ملی

اس کتاب میں ایسے ۷۸ کبیرہ گناھوں کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ھے جن کے بھیانک اثرات انسان کے اجتماعی اور انفرادی وجود پر پڑتے ھیں۔ گناھوں کی برائی اور خرابی کی وضاحت کیلئے آیات واحادیث بکثرت ذکر کی گئی ھیں۔ دنیا اور آخرت سنوارنے کیلئے ایک بہترین کتاب ھے۔

بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم

مولف : علامہ احمد بن حجر ، مترجم : مولانا محمد رئیس ندوی

اسلام اور مسلمانوں پر بدعات کا جس قدر سنگین ، بدترین اور تباہ کن اثر پڑا ھے وہ کسی ھوشمند مسلمان سے مخفی نہیں۔ اس کتاب میں اجمالا اور تفصیلا دونوں طرح بدعات کی مذمت وقباحت واضح کی گئی ھے۔ کتاب نہایت مفید ھے۔ نام البتہ غیر موزوں ھے۔

صراط مستقیم

تصنیف : مولانا عبد الرحمن فاضل دیوبند

اس کتاب کے مولف موصوف اصلا دیوبندی تھے۔ مگر اطاعت حق کا پاکیزہ جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ انھوں نے حق کی تحقیق اور چھان بین شروع کردی اور نتیجہ یہ ھوا کہ وہ اھلحدیث ھوگئے زیر تبصرہ کتاب میں موصوف نے بڑے دلنشین انداز سے اطاعت رسول کی شرعی حیثیت واھمیت بیان کی ھے اور کتاب وسنت کو معیار حق بتلاتے ھوئے تقلید کی شرعی حیثیت کا بھرپور جائزہ لیا ھے جو کچھ لکھا ھے مدلل اور خوب لکھا ھے کتاب قابل دید ھے۔

تینوں کتابیں الدار السلفیہ کی طرف سے مفت تقسیم کی جارھی ھیں جس پر ادارہ اور اس کے مؤسس مولانا مختار احمد صاحب ندوی مستحق مبارکباد ھیں۔

پتہ یہ ھے : الدار السلفیہ ۸/۶ حضرت ٹیرس ، شیخ حفیظ الدین روڈ

Reg. No. R. N. 40352/81

April **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom

Printed by Abdul Waheed

At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi

مُحدّث

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

... والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية بنارس

برگ و بار

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدّث

بنارس

شمارہ ۴-۵ ● مئی و جون ۱۹۸۶ء ● رمضان و شوال ۱۴۰۶ھ ● جلد ۵

ترتیب

صفی الرحمن مبارکپوری

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

تزئین و کتابت: انور جاں

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے

ششماہی: ۱۳ روپے

فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

— پتہ —

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010

بہارِ کشتِ حرا ——— فضا ابن فیضی

گلبنِ عشق و خیابانِ وفا سرسبز ہے　　تیرے نم سے آج تک شاخِ حرا سرسبز ہے
خیر و برکت کا ہے گہوارہ تری ذاتِ جمیل　　تجھ سے شہرِ وحی کی آب و ہوا سرسبز ہے
تیرے پیکر میں ہوئی قرآنِ ناطق کی نمود　　تیری چوکھٹ پر شجر الہام کا سرسبز ہے
ہیں ترے قول و عمل، تعبیر و تشکیلِ سُنن　　موجِ کوثر سے تری کشتِ ندا سرسبز ہے
چہرۂ اقدس ترا، باغِ مدینہ کا گلاب　　تیرے پرتو سے حرم کا آئنا سرسبز ہے
تیری انگشتِ یقیں، شانہ کشِ لوح و قلم　　تیرے ناخن چوم کر برگِ حنا سرسبز ہے
سنگ میں پتے ہیں ہیرے، آگ میں کھلتے ہیں پھول　　تجھ سے اس دنیا میں کیا کیا معجزا سرسبز ہے
تجھ سے عثمانؓ ہیں غنی، تجھ سے علیؓ ہیں ذوالفقار　　تجھ سے بوبکرؓ و عمرؓ کا سلسلا سرسبز ہے
جگمگا اٹھی شبِ اسریٰ کی گلگوں رہ گزر　　فرش سے تا عرش، تیرا نقشِ پا سرسبز ہے
دور تک سایہ کناں ہیں حق و رحمت کے سحاب　　دھوپ میں جلتے پہاڑوں کی ردا سرسبز ہے
یہ کریمانہ بصیرت، یہ حکیمانہ شعور!　　نم ہیں تہذیبیں، تمدن کی گھٹا سرسبز ہے
یہ علوِ فکر، یہ معیارِ تہذیبِ امم　　تیرے دم سے کاروبارِ ارتقا سرسبز ہے
تجھ پہ جو پتھر اچھالا تھا، ستم کے ہاتھ نے　　اب اسی پتھر پہ پھولوں کی دعا سرسبز ہے
پندرہ سو سال سے میں بھی اسی منزل میں ہوں　　تیرے قدموں کے سبب جو راستا سرسبز ہے
تو مرے فن کی نمو، میرے ہنر کی تازگی　　تجھ سے میرا شعلۂ حرف و نوا سرسبز ہے
قرأتِ جبریل کا آہنگ ہے بین السطور　　موجۂ معنی سے لفظوں کی قبا سرسبز ہے

مطمئن ہوں میں، خزاں دیدہ بدن رکھتے ہوئے
تیری نسبت سے بساطِ مدعا سرسبز ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ میں

مذاکرہ علمیہ، اجلاس عام اور جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد

کچھ عرصہ سے جامعہ میں ایک علمی مذاکرہ کے انعقاد کی بات چل رہی تھی۔ ملکی اور شہری حالات میں اتار چڑھاؤ نے کئی مرتبہ غیر یقینی کیفیت پیدا کی، مگر بحمد اللہ یہ دو گونہ بلکہ سہ گونہ پروگرام ۴، ۵، ۶/ اپریل ۱۹۸۶ء کو روایتی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔

تیاریاں مہینوں پہلے سے شروع ہو گئیں۔ کوئی ہفتہ بھر پہلے جامعہ کی مسجد اپنی صفائی اور زیبائش کے تمام ضروری مراحل سے گزر کر رعنائی و دلکشی کا مرجع بن چکی تھی۔ ۳/ اپریل تک جامعہ کے بقیہ در و بام پر بھی نکھار آ چکا تھا، اور اسی روز شام کو جب اضافی برقی بلب روشن کیے گئے تو پورا جامعہ روشنی میں نہا گیا۔ سمینار کے کنوینر جناب محمد سالم صاحب انصاری، رئیس مدنپورہ بنارس تھے، اور نظم و ترتیب کے مختلف زاویوں سے ان کے ذوق کی لطافت نمایاں تھی۔

۴/ اپریل کو ہمارے ملک کے مرکزی وزیر ماحولیات و جنگلات عزت مآب جناب ضیاء الرحمان صاحب انصاری کی تشریف آوری اور خطاب سے اور ۶/ اپریل کو جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سعودی عرب کے مدیر فضیلت مآب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی اور ان کے رفقاء وفد کی تشریف آوری اور تقسیم اسناد و خطاب سے اور ان پروگراموں میں حلقہ بنارس کے مشہور ممبر پارلیمنٹ جناب شیام لال یادو کی موجودگی، شرکت اور خطاب سے سمینار میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور منتظمین و متعلقین کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی، بلکہ ان کا مستقل خطاب ملک کے موجودہ حالات

میں عام مسلمانوں کے لیے بھی بڑا حوصلہ افزا رہا۔

متعدد یونیورسٹیوں اور عصری اداروں سے آئے ہوئے پروفیسر حضرات و دانشوران اور مختلف مدارس سے آئے ہوئے علماء و فضلاء کی ملی جلی مجلس مقالات نے بڑا پر کیف اور وجد آفریں منظر پیش کیا۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن اور نماز عشاء کے بعد عام خطابات نے ان لوگوں کی تشنگی کا سامان فراہم کیا جن کی سیری مقالات کے عالمانہ اور محققانہ انداز سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طرح اس سہ روزہ پروگرام نے ہر طبقہ فکر کو استفادے کا موقع دیا۔ پروگراموں کی تفصیلی رپورٹ اسی شمارہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

سیمینار آج کے علمی ماحول میں کسی موضوع کی فاضلانہ تحقیق کا ایک قابل ذکر ذریعہ بنتے جا رہے ہیں۔ پہلے کوئی ایک بڑا موضوع منتخب کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے مختلف ذیلی عنوانات پر بنائے جاتے ہیں، اور جن اہل ذکر کو دعوت دی جاتی ہے وہ ان ذیلی عنوانات پر یا ان ہی جیسے کسی ذیلی عنوان پر معلومات کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ اس طرح ایک بہت بڑے موضوع کے بہت سارے پہلوؤں پر مختصر سے وقفے میں اچھی خاصی تحقیقات کا ایک بڑا مجموعہ جمع ہو جاتا ہے جسے اگر کوئی ایک انسان جمع کرنا چاہے تو طویل جد و جہد اور کاوش کے بعد بھی شاید اس نہج پر اور اتنی جامعیت کے ساتھ جمع نہ کر سکے۔ مزید فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ جہاں جہاں معلومات ناقص یا غلط ہوتی ہیں، یا انداز فکر میں بھول یا انحراف ہوتا ہے، عموماً بعض شرکاء مجلس اس پر توجہ دلا دیتے ہیں، اس سے بہت سی ایسی خامیوں کی اصلاح ہو جاتی ہے جن کی اصلاح انفرادی حالت میں نہایت دشوار اور درد سر ہے۔

...

ہمارے سیمینار کا موضوع تھا "علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ" اور یہ واضح ہے جب ہندوستانی مسلمانوں کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد پورا برصغیر ہوا کرتا ہے۔ یہ موضوع جس قدر وسیع الاطراف ہے محتاج بیان نہیں۔ جب سے ہندوستان کی سرزمین پر خورشید اسلام کی شعاعیں پہنچی ہیں کتنے اہل علم اس خاور گیتی پر ہویدا ہوئے، سرے سے یہی معلوم کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، پھر یہ پتہ لگانا کہ ان میں سے ہر صاحب علم نے کس کس پہلو سے کون کون سی علمی خدمات انجام دیں، مزید دشوار ہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کی طرف سے فقہاء ہند دسیوں ضخیم ضخیم جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ لیکن موضوع ہنوز تشنہ ہے، علماء ہند کے حالات اور تذکروں پر صدہا چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، بلکہ بعض بعض اصحاب علم پر پوری پوری کتابیں

قلمبند کی گئی ہیں، لیکن ان کے قدوقامت کے لحاظ سے پوری کتاب بھی ناکافی سمجھی جاتی ہے۔ ان چند اقتباسات سے اس موضوع کی وسعت وآفاقیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چونکہ موضوع نہایت وسیع تھا، اس لیے مقالات میں غضب تنوع رہا، خدمت علم ودین کے تعلق سے ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک گوشے کو منتخب کیا، اور اس پر دل کھول کر روشنی ڈالی، اور اس طرح ایک ہی گلدستے میں رنگارنگ پھولوں کا اجتماع ہوگیا، جو منظر عام پر آجانے کے بعد جویان علم وتحقیق کو دستاویزی مواد فراہم کرسکے گا۔

...

دعوت وتبلیغ کا میدان بھی اسلام کی ترویج واشاعت اور قیام وبقا کے ذرائع ووسائل میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام کا پھیلاؤ اسی ذریعہ سے ہوا۔ اور پوری اسلامی تاریخ میں اس کی حیثیت یکساں طور پر برقرار رہی۔ جامعہ سلفیہ جو اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت کا مرکزی ادارہ ہے، ناممکن تھا کہ اس ذریعہ سے صرف نظر کرتا چنانچہ اس کے اہتمام میں تقریباً پورے تسلسل کے ساتھ مختلف سطح پر یہ عمل جاری ہے۔ پس ناگزیر تھا کہ اس زریں موقع پر جبکہ عوام وخواص کا اچھا خاصا اجتماع ہورہا تھا۔ دعوت وتبلیغ کا بھی معروف طریقہ زیرعمل لایا جائے۔

عام حالات کے لحاظ سے اس موقع کا یہ تقاضا تو تھا ہی، لیکن ادھر ملکی حالات نے جس قسم کی کروٹ لی ہے، اور پے در پے واقعات نے مسلمانوں میں اضطراب کی جو لہر دوڑا رکھی ہے، اور اس کے نتیجہ میں مختلف حلقوں میں جو متوازن اور غیر متوازن انداز فکر ابھرا ہے، ان سب کا مزید تقاضا تھا کہ اس اہم موقع پر خطاب عام کا انتظام کیا جائے، اور اپنی استعداد، اپنی کمزوریوں، اپنی مشکلات، اپنی کوتاہیوں اور اپنے مذہب اور اپنے دین کے تقاضوں کی روشنی میں توازن کی راہ بتلائی جائے۔ اور جن راستوں پر چل کر مسلمان دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹ سکتے ہیں، ان کی جانب رہنمائی کی جائے۔

وقت کی اس اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے لیے سیمینار کے تینوں ایام میں عشاء کی نماز کے بعد اجلاس عام کا پروگرام نہایت حسن وخوبی سے چلا۔ مقررین نے مختلف النوع موضوعات پر اسلامی تعلیمات کو بڑے مناسب انداز میں پیش کیا۔

اللہ شرف قبول سے نوازے، اور تمام کوششوں کو مفید اور ثمر آور بنائے۔ آمین

عبدالقدوس نسیم
مدنپورہ بنارس

جواہراتِ حکمت

دنیا یہ مومنوں کے لیے جیل خانہ ہے
مذہب کی قید و بند تو روز و شبانہ ہے
کافر کے واسطے یہی دنیا بہشت ہے
مرنے کے بعد پھر تو جہنم ٹھکانہ ہے

کرتی ہے مومنوں سے یہ وعدہ خدا کی ذات
خلدِ بریں ہے عیش کی منزل پسِ حیات

لازم ہے ہم پہ خالقِ ہستی کو جان لیں
معبود جو حقیقی ہے بس اس کو مان لیں
باہر نہیں ہے کوئی بھی اس کی خدائی سے
ہم اس کی بادشاہی میں رہ کر امان لیں

جب بھی جبیں جھکائیں تو خالق کے روبرو
اس کے حضور پیش کریں ساری آرزو

دنیا کی زندگی پہ بھروسہ نہ ہو کبھی
دو چار دن کے عیش پہ تکیہ نہ ہو کبھی
سب کچھ یہاں پہ چھوڑ کے جانا ہے ایک دن
غفلت میں مبتلا دیدۂ بینا نہ ہو کبھی

دو دن کی زندگی ہے غنیمت یہ جان لیں
اللہ اور رسول کی ہر بات مان لیں

دل میں یقین ہے موت سے ہرگز مفر نہیں
آئے گی کب کسی کو بھی اس کی خبر نہیں
ساماں کریں پہلے سے جانے کے واسطے
وقتِ اجل ہے ایک اُدھر یا اِدھر نہیں

آ جائیں خوب ہوش میں غفلت کو چھوڑ کر
رشتہ خدا سے جوڑ لیں ہر شے سے موڑ کر

ایماں میں گر کمی ہے تو ایماں سنوار لیں!
قدرت خدا کی جان لیں تقویٰ نکھار لیں
سنی سمجھ کے کلمۂ اسلام پھر پڑھیں
رحمت کے زیرِ سایہ یہ دنیا گزار لیں

مرنے کے بعد حشر میں پھر سرفراز ہوں
حکمِ خدا سے بابِ جناں سارے باز ہوں

مومن پہ کل جہاں کے فریضہ خدا کا ہے
سب کی جزا ملے گی یہ وعدہ خدا کا ہے
رکھتا ہے سر نماز میں اللہ کے حضور
جھکتا ہے بندگی میں جو بندہ خدا کا ہے

جس کی جبیں نیاز سے سجدے میں خم نہیں
واللہ! وہ کبھی کسی کافر سے کم نہیں

احکامِ دیں پہ جس کا بھی پورا عمل رہے
دنیا کی مشکلوں میں بھی حق پر اٹل رہے
گزرے کسی بھی حال میں دنیائے نامراد
لیکن ہمیشہ شکرِ خدا برمحل رہے

جس کو بچا لیا گیا نارِ جحیم سے
وہ بامراد ہو گیا فضلِ کریم سے

اپنے کو جو ہوا و ہوس سے بچائے گا
اپنا ٹھکانہ باغِ جناں میں وہ پائے گا
رہ کر غموں سے دور مسرت کی چھاؤں میں
حق کی نوازشوں کے مزے وہ اٹھائے گا

دنیا کی یہ حیات متاعِ غرور ہے
جنت میں مومنوں کے لیے بس سرور ہے

گنتے ہیں روز دولتِ دنیا کو ہم سبھی
دولت ہماری کتنی بڑھی کتنی کم ہوئی
دل میں اگر ہے فکر تو ہے فکرِ مال و زر
کرتے ہیں اپنی عمر کی دولت سے بے رخی

گھٹتی ہے گر حیات تو سچ مچ خسارا ہے
دراصل زندگانی ہی سب کا سہارا ہے

تنہائیوں میں بیٹھ کے کر لو خدا کو یاد
ظلم و ستم کو یاد کرو اور جفا کو یاد
رحمت خدا کی عام ہے بس اس کے واسطے
بچتا ہے جو گناہ سے کر کے سزا کو یاد

مومن کو ہے تمیز حلال و حرام کی
اس کو تلاش رہتی ہے بس نیک کام کی
کافر ہے جس نے مقصدِ ہستی نہ جان کر
اپنی حیات لہو و لعب میں تمام کی

ایماں نہیں تو دولتِ دنیا حرام ہے
دولت میں مست رہنا تو کافر کا کام ہے

ہم تو بڑھا رہے ہیں خطا کو خطا کے ساتھ
شوقِ جناں ہے دل میں مگر کس ادا کے ساتھ
بھولے ہوئے ہیں حضرت آدم کا وہ خروج
جنت سے اس جہاں کی طرف اک خطا کے ساتھ

توبہ کریں خدا سے کہ ہے خام یہ خیال
جنت میں جانا کر کے خطا سخت ہے محال

بندوں سے مولیٰ کہتا ہے اِنّی انا الغفور
چھوٹے بڑے گناہ کو بخشیں گے ہم ضرور
جانوں پہ اپنے کر کے ستم ناامید کیوں؟
توبہ کرو گناہوں سے آ کر مرے حضور

گر تم کرو گے شرک نہ بخشیں گے ہم کبھی
دائم جلیں گے آگ میں مشرک یہ ہم سبھی

چھوٹے کبھی نہ صبر کا دامن خدا کرے
شکرِ خدا زباں پہ ہمیشہ رہا کرے
سارے گناہ بخش دے یا رب لئیم کے
اپنے کرم سے اس کو بچا کر عطا کرے

اسلام میں مساجد کی حیثیت

عبد المنان بن عبد الحنان سلفی۔ قاسم العلوم گلرہا۔ گونڈہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم   امابعد

آج مسجد کا لفظ سنتے ہی ذہن خود بخود ایک مخصوص ساخت کی بنی ہوئی عمارت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جس میں مسلمان اپنی عبادتوں اور بعض دیگر مذہبی کاموں کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں مسجد کے سلسلہ میں اس سے زیادہ تصور نا ممکن ہے۔ لیکن صدر اول اور اس کے بعد کے قریبی ادوار میں مساجد، صرف عبادات اور مذہبی رسوم کی ادائیگی ہی کے لیے مخصوص نہ تھیں بلکہ، مذہبی، معاشی، معاشرتی، ملکی، سرحدی، دفاعی، تعلیمی، سیاسی اور ثقافتی امور کے حل کرنے کا ایک مرکزی مقام تھیں۔ جہاں ایک طرف مسلمان عبادت اور مذہبی رسوم ادا کرتے تھے تو دوسری طرف پیش آمدہ معاملات اور معاشی مسائل پر قابو پانے کے لیے غور و خوض کرتے، سرحد کی حفاظت اور ملک میں امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے قرار دادیں پاس کرتے۔ معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں بحث و مباحثہ کر کے قوانین پاس کرتے نیز ثقافتی اور تعلیمی معاملات میں مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لیے ائمہ فن علماء کی خدمات حاصل کرتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس طرح، مساجد سے ایسے دعاۃ اور مبلغین نکلتے تھے جو کفر کے قلعوں کی دیواریں ہلا دیتے تھے اور توحید کی عمارت بناتے تھے، اسی طرح اس مرکز روحانی سے خلفاء اور حکمراں بھی پیدا ہوتے تھے، جو اپنی سیاست کا اعلان بھی یہیں سے کرتے تھے۔ خلفاء کا انتخاب اور ان سے بیعت انہی مساجد میں ہوتی تھی۔ مصالحت، جنگ اور معاہدات کے بارے میں مشورے یہیں پر ہوتے تھے۔ مساجد کی چہار دیواری ہی کے اندر جنگوں کے لیے قائد اور سپہ سالار کا انتخاب ہوتا تھا۔ اس مختصر سے مضمون میں صدر اول اور اس کے قریبی ادوار کی مساجد کے مقاصد کا تقابل موجودہ دور کی مساجد کے مقاصد سے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، تاکہ ان کے ہمہ گیر مقاصد کو بروئے کار لا کر اس زمانہ میں

بھی مسجدوں کو رشد و ہدایت اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور ملی و قومی جدو جہد کا مرکز بنایا جائے، تاکہ اسلام کا پیغام یہیں سے ساری دنیا میں نشر ہوتا ہے اور پوری دنیا اسلام کا سبق سیکھتی ہے۔

مسجد بہ حیثیت عبادت گاہ : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ — یعنی اللہ کی مسجدوں کو اللہ اور یوم آخرت پہ یقین رکھنے والے ہی آباد کرتے ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں سے مساجد کو روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے آباد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے کہ جہاں اسلام نے مساجد کی مادی تعمیر پر زور دیا ہے وہیں مساجد کو روحانی حیثیت سے بھی آباد کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام نے مسجد کو آباد کرنے کے لیے، نمازوں کو با جماعت فرض کیا تاکہ پوری قوم اور ملت کے لوگ ایک جگہ اکٹھا ہو کر خدا کی عبادت کریں۔ اس کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

مسجد، اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور سرگوشی کی جگہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے سرگوشی اور ملاقات کرنے کے لیے مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ جائیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی ضروریات کو اس کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ۔ (بقرہ آیت ۱۸۷)

اور حدیث شریف ہے: لَا اعتکافَ اِلَّا فی مسجدِ الجامع

گویا نماز جیسی اہم عبادت اور خدا سے مناجات و سرگوشی مسجد میں ہونی چاہیے۔ اسی لیے صدر اول کے مسلمانوں نے اس حیثیت سے مساجد کی آبادکاری پر کافی توجہ دی اور اس کو خدا کی عبادت اور ذکر و فکر سے آباد رکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ:

اِنما هی (للمساجد) لذکر اللّٰہ عزوجل والصلوٰۃ وقراءۃ القرآن۔ (متفق علیہ) — مسجدیں اللہ عزوجل کے ذکر و اذکار، ادائے نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔

اسلام کی اس ہدایت کے مطابق صدر اول کے مسلمانوں نے مساجد کو روحانی اعتبار سے عبادت و ریاضت، ذکر و

اذکار، تلاوتِ قرآن اور ادائے نماز کے ذریعہ آباد کیا۔ صرف اس ایک پہلو سے آج کی مساجد کی تھوڑی بہت ظاہری مشابہت صدرِ اول کی مساجد سے نظر آتی ہے۔ یعنی عبادت کے معاملہ میں دونوں زمانہ کی مساجد میں قدرے اشتراک ہے لیکن مندرجہ ذیل امور میں گزشتہ زمانہ کی مساجد اور آج کی مساجد میں کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔

مسجد بہ حیثیت مدرسہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد صرف نماز کے لیے مخصوص نہ تھی کہ اس کو صرف اوقاتِ نماز میں کھولا جاتا بلکہ معاشرہ کو منبعِ تعلیم سے روشناس کرانے اور مسلمانوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے ایک مدرسہ اور اسلامی تہذیب کو عام کرنے، قرآن سکھانے، اس کی آیات و احکام کو سمجھنے، احادیثِ شریفہ کو سننے اور اس کے اندر تفقہ حاصل کرنے کے لیے ایک مرکز تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نے تعلیمی میدان میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم اور ابوداؤد میں یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اجتمعَ قومٌ في بيتٍ من بيوتِ اللهِ يتلونَ كتابَ اللهِ ويتدارسُونَه فيما بينهم إلّا نزلتْ عليهم السكينة وغشيتهمُ الرحمة وحفتهم الملٰئكةُ وذكرهمُ اللهُ فيمن عنده۔

جو گروہ بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں قرآن کی تلاوت اور اس کے اندر بحث و مباحثہ اور علمی مذاکرہ کے لیے اکٹھا ہوتی ہے تو اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، رحمتِ خداوندی اس کو ڈھانک لیتی ہے۔ فرشتے اس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرشتوں میں کرتا ہے۔

اس حدیث سے مسجد کے اندر تلاوتِ قرآن کی فضیلت کے ساتھ ساتھ اس میں مذاکرۂ علمیہ، تفکر و تدبر اور افہام و تفہیم کی فضیلت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

احمد اور ابن ماجہ کی ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

من دخل مسجدنا هٰذا ليتعلم خيراً أو ليعلمه كان كالمجاهد في سبيل الله ومن دخل لغير ذلك كان كالناظر إلى ما ليس له۔

جو شخص ہماری اس مسجد میں علم سیکھنے یا سکھانے کے لیے آیا تو وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور جو ان مقاصد کے علاوہ کے لیے آیا تو وہ گویا غیر مملوکہ چیز کی طرف دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث سے بھی مسجد میں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان دو حدیثوں کے علاوہ

متعدد حدیثوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں تدریسی فریضہ کی انجام دہی دونوں جہان میں کامرانی کی ضامن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد ہی میں درس دیتے تھے۔ اصحاب صفہ جن کا مشغلہ ہی تحصیل علم تھا، ان کا انتظام بھی مسجد نبوی ہی میں تھا۔

مختلف احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہوکر استوانہ ابی لبابہ کے پاس آکر جلوہ افروز ہوجاتے۔ صحابہ کرام آپ کے اردگرد حلقہ بناکر متانت و سنجیدگی کے ساتھ بیٹھ جاتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیات کی تلاوت فرماتے اور بعض مقامات پر اس کی تشریح کرتے جاتے۔ صحابہ کرام اپنے ذہنوں میں ابھرنے والے اشکالات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلکش جوابات سے اپنے صحابہ کو فیض یاب فرماتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے مسجد میں جہاد کے متعلق سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا۔ یہ حدیث ہماری مذکورہ بات کا یقینی ثبوت ہے۔

ان حدیثوں کے علاوہ مختلف قسم کی حدیثیں ملتی ہیں جن سے مسجد میں درس و تدریس اور مذاکرہ علمیہ کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفصیل کے لیے کتب حدیث کے کتاب العلم کا مطالعہ کریں۔)

مسجد نبوی میں مٹی کا ایک چبوترہ بنایا گیا تھا، جس پر بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے بھی مسجدوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ، علی ابن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس وغیرہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اپنا تعلیمی و تدریسی مشغلہ مسجد ہی میں جاری رکھا تھا۔

تابعین میں سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، سالم مولیٰؒ، عبداللہ بن عمرؒ، ابن جریجؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیر جیسی شخصیتوں نے مسجد ہی کو مسند درس و تدریس بنایا اور یہیں سے بڑے بڑے علماء و ائمہ دین کو پیدا کیا جنھوں نے قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کی بے لوث خدمت کرکے اسلام کو ترقی سے ہمکنار کیا اور اس کو اوج ثریا پر پہنچایا۔

تبع تابعین کے زمانہ میں بھی یہی جوش و خروش لوگوں میں رہا اور انھوں نے تعلیم و تعلم کے لیے مسجد ہی کو اختیار کیا چنانچہ موطا امام مالک میں مدینہ کے مشہور فقیہ اور تبع تابعی ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کا یہ قول منقول ہے، جو صبح کو

مسجد میں خیر سیکھنے یا سکھانے کے لیے آئے اور شام کو گھر لوٹ کر آئے تو اس کی مثال اس مجاہد کی سی ہے جو مالِ غنیمت لیکر میدانِ جہاد سے کامیاب و کامران واپس ہوا ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے بھی درس و تدریس کے لیے استوانہ توبہ کے پاس کی جگہ کو منتخب کیا تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہیں بیٹھ کر درس دیتے تھے۔

ان کے بعد بھی مختلف اسلامی ملکوں اور ریاستوں میں مساجد کے اندر درس و تدریس کا مبارک سلسلہ جاری رہا اور ان عبادت گاہوں نے بڑے بڑے مدارس اور جامعات کا رول ادا کیا، اور اپنے پرکیف روحانی ماحول سے ایسے ایسے علماء پیدا کیے، جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے۔ چنانچہ ان مساجد سے جہاں امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور ان کے مشہور شاگرد امام مسلمؒ و ناقد فن رجال حضرت اسحٰق بن راہویہؒ، امام دار الہجرۃ امام مالک، ابوعیسیٰ ترمذی وغیرہ جیسے محدثین پیدا ہوئے، وہیں اہل الرائے والقیاس کے امام ابوحنیفہؒ، شیخ الفقہ امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام شافعی جیسے فقیہ، بانی عروض خلیل بن احمد، سیبویہ اور ابوعثمان الجاحظ جیسے لغوی اور نحوی بھی پیدا ہوئے۔ امام مالک نے مسجد نبوی، امام شافعی نے جامع فسطاط، امام ابوحنیفہ نے بغداد، کوفہ کی مساجد، امام شیبانی نے بغداد کی مساجد میں تعلیم حاصل کی۔ ذیل میں صدر اول کی چند اہم مساجد کا تذکرہ کرتا ہوں، جنھوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کی نشر و اشاعت میں اہم کارنامہ انجام دیا۔

فسطاط کے اندر واقع اس جامع مسجد میں مختلف قسم کے علوم و فنون کی تعلیم کے لیے تقریباً

جامع عمرو بن عاصؓ : چالیس حلقے ہوتے تھے۔ فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنفی کی تدریس کے لیے الگ الگ حلقے لگتے تھے۔ مقریزی کی روایت کے مطابق امام شافعیؒ نے اپنے قیام مصر کے دوران ۱۹۹ھ سے ۲۰۱ھ تک اس میں درس دیا۔ اسی جامع سے امام شافعی کی مشہور فقہ کی کتاب اور حدیث میں لکھی گئی کتاب السنن کی تشہیر ہوئی اور لوگ ان دونوں کتابوں سے واقف ہوئے۔ اس جامع میں علماء مناظرہ کرتے تھے اور طلبہ و مدرسین زبان و ادب نحو و بلاغت وغیرہ پر مناقشہ کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رئیس المفسرین ابن جریر طبریؒ نے اس مسجد میں بیٹھ کر مختلف علوم کے بڑے بڑے علماء سے تبادلۂ خیال کیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے نصف تک اس جامع کے حلقات بڑھ کر ایک سو دس ہو گئے اور ائمہ فن اس میں شب و روز درس دیتے رہے۔

ادباء و شعراء اس کی چھتوں پر بیٹھ کر اپنے اپنے فن پر بحث و مباحثہ کرتے تھے، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کا ایک مصری

ادیب کہتا ہے کہ ابن المنجم، ابن موملی، اور شجاع مغربی وغیرہ اس کی چھت پر جمع ہوئے اور سورج غروب ہونے کے منظر کو رقیق خیالات میں نظم کیا۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین جیسے مجاہد نے بھی اپنی تعلیم کی تکمیل، یہیں پر کی۔

المسجد الاموی دمشق: جب مسلمانوں نے شام فتح کیا تو ولید بن عبدالملک نے دمشق میں "مسجد اموی" کی بنیاد ڈالی جو تدریس کے اعتبار سے بہت عظیم الشان ثقافتی مرکز بنی۔ اس میں دوسری جگہ کے غریب طلبہ کے رہنے کا بھی انتظام تھا۔ مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خطیب بغدادی کا ایک اچھا خاصا حلقۂ درس تھا، جس میں وہ روزانہ درس دیتے تھے۔ اسلام کی نشر و اشاعت اور لوگوں میں صحیح اسلامی روح بیدار کرنے، علماء حکماء اور رہبر پیدا کرنے میں اس مسجد کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

ابن جبیر نے چھٹی صدی میں جب دمشق کے اندر اموی جامع مسجد کی زیارت کی تو اس نے یہ تاثر پیش کیا کہ "اس مبارک جامع مسجد میں ہر نماز کے بعد صبح اور عصر بالخصوص ظہر کے بعد خصوصاً تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مختلف حلقوں میں لوگ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد ہر کھمبے کے پاس طلبہ کسی نہ کسی استاد کے ارد گرد قرآن پڑھتے ہیں۔"

جامع المنصور بغداد: خلافت عباسیہ کے بانی ابوجعفر منصور نے ۱۴۵ھ میں بغداد کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی، جس میں مختلف ممالک کے طلبہ علوم حاصل کرتے تھے۔ کسائی اور اس کے بعد اس کے شاگردوں میں سے فراء اور احمر عربی ادب کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ابو عمر الزاہد نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الیاقوت" کو ۳۲۶ھ میں اس مسجد کے اندر املا کرایا ہے اور کسائی وغیرہ نے لغت کا درس دیا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب خطیب بغدادی نے حج کیا تو تین گھونٹ آب زمزم پی کر خدا سے تین چیزوں کی دعائیں کیں۔ پہلی دعا یہ تھی کہ تاریخ بغداد مکمل ہو جائے۔ دوسری دعا یہ تھی کہ جامع المنصور میں وہ حدیث کا درس بحیثیت امام دیں۔ اور تیسری دعا یہ تھی کہ انتقال کے بعد ان کو بشر حافی کی قبر کے پاس دفن کیا جائے۔

(ابراہیم بن نفطویہ (م ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۵ء) پانچ سال تک جامع منصور کے ایک کھمبے سے لگ کر درس دیا کرتے تھے۔ کسائی جیسے لغوی شیرازی اور غزالی جیسے علماء اور معلمین نے اس کے اندر درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔

جامع قرطبہ (اندلس): اندلس (اسپانیہ) کی جامع قرطبہ، کسی زمانہ میں یورپ کی سب سے بڑی یونیورسٹی تسلیم کی جاتی تھی، چنانچہ ابن عذاری نے مقریزی کے بیان میں لکھا ہے کہ قرطبہ کے خلیفہ

الحکم المنتصر نے ایسے مدرسین کا انتخاب کیا تھا، جو قرطبہ کے بچوں کو مساجد کے اندر قرآن پڑھاتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ اندلس میں تعلیم کے لیے مدارس کا انتظام نہ تھا، بلکہ مسجدیں ہی درس گاہ کا کام دے رہی تھیں، عتیبہ کی وہ شرح جس کو ابن رشد نے لکھا ہے، اس کے ایک پرانے نسخہ میں یہ بات لکھی ہے (قرأتُ علی ابن رشد بالمسجد الجامع بقرطبة۔ (قرطبہ میں ابن رشد کا مسجد ہی میں ان سے یہ کتاب پڑھی۔)

طوق الحمامة میں ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کی تعلیم قرطبہ کی جامع مسجد میں حاصل کی اور کہا جاتا ہے کہ پوپ سلوسٹر دوم جیسے مشہور راہب نے اپنی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل اسی مسجد میں کی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اندلس کے بہت سے یہودیوں نے، عیسائیوں نے اعلیٰ تعلیم اسی جامع قرطبہ میں حاصل کی اور عربی ثقافت و تہذیب سے آراستہ و پیراستہ ہوئے۔ اور عربی ادب میں بڑی خدمات پیش کیں۔

مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں واقع اس عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کا آغاز

الجامع الازہر قاہرہ (مصر) بھی قاہرہ کی جامع مسجد ہی سے ہوا تھا۔ چنانچہ ۳۶۱ھ میں اس کی بنیاد پڑی، اور اسی وقت سے یہ جامع مسجد اسلام اور اسلامی تعلیم کی نشر و اشاعت میں بے مثال کارنامہ انجام دیتی رہی اور ہزاروں قاضی واعظ اور بہترین اسلامی رہنما پیدا کر کے اسلام کی بے نظیر خدمت کی۔ یہ جامع مسجد ترقی کر کے دنیا کی ممتاز ترین یونیورسٹیوں کی صف اول میں کھڑی ہے۔ چنانچہ اس میں اس وقت قانون (LAW) شریعت، فقہ، تجارت وغیرہ کے الگ الگ شعبے ہیں۔ طب، ہندسہ، زراعت، معاملات، اصول الدین اور زبان و ادب وغیرہ کی مستقل فیکلٹیاں (FACULTIES) ہیں۔ البتہ ادھر چند سالوں سے اس کی اسلامی روایت سخت مجروح ہوئی ہے، مصر کے حکمران طبقہ کے ذہن سے اسلام خارج ہونے کے ساتھ ساتھ ازہر یونیورسٹی کا اسلامی کردار بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔

تاریخ اسلام کی عظیم مساجد میں سے ایک عظیم الشان مسجد ہے۔ یہ مسجد دنیا کی سب سے پہلی،

جامع القرویین: یونیورسٹی کہلائے جانے کی مستحق ہے۔ ایک محقق نے اپنی کتاب "فاس اور اس کی یونیورسٹیاں" میں اس کو دنیا کی قدیم یونیورسٹی ثابت کیا ہے۔ مراکش کے شہر فاس میں واقع اس مسجد کی بنیاد فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ الفہری نامی ایک نیک اور غنی خاتون کے ہاتھوں ۲۴۵ھ میں رکھی گئی۔ شہر فاس کو اسلامی پناہ گاہ اور قلعہ بنانے میں اس جامع کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس مسجد سے علم، تہذیب اور تمدن کو فروغ حاصل ہوا۔ اس جامع سے تہذیب و تمدن، علم و ادب کی نکلی شعاعیں افریقہ کے شمالی علاقوں کے ساتھ ساتھ اندلس تک اور دیار مشرق کے شہروں تک پہنچیں اور ان سب کو منور کیا۔ صدیوں تک اس کے

بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے رہے۔ اس جامع سے بہت سارے غیر مسلم طلبہ نے کسب فیض کیا، جو بعد میں مستشرقین کے نام سے مشہور ہوئے۔

جامع الکوفہ عراق: یہ مسجد فرد اور جماعت دونوں حیثیت سے مسلمانوں کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس مسجد میں لوگ جمع ہوتے تھے، اور حکومت سے متعلق قرار دادیں پاس کرکے اس کا اعلان کرتے تھے۔ حکام اپنی سیاست کے بارے میں اور شعراء و ادباء اور زبان داں علم و ادب کے بارے میں مناقشہ کرتے، گویا یہ اہم مسجد افادہ و استفادہ کے لیے اہم ثقافتی مرکز تھی۔

ان کے علاوہ بصرہ کی مساجد نے بھی علم دین کی ترویج و اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ یہیں سے علم نحو اور لغت کو فروغ ہوا۔ امام النحو سیبویہ نے جامع بصرہ میں علم حاصل کیا۔

گویا صدر اول اور اس کے بعد ایک زمانہ تک مساجد مسلمانوں کی درس گاہ اور یونیورسٹیوں کا کام انجام دیتی رہیں، اور وہیں سے علم و عرفان کی روشنی پھیلتی رہی۔ علماء، صلحاء، مفکرین و مبلغین نکلے تھے۔ اور اسی کی برکت سے علم کا دور دورہ رہا اور علوم نقلیہ کے علاوہ لوگ عقلی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

کاش! آج کے مسلمان بھی مساجد سے اپنا تعلق جوڑتے اور مساجد سے علم کی روشنی پھیلاتے۔ شاید اس طرح اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے۔

مسجد بہ حیثیت مجلس شوریٰ: مسجد نبوی آج کی حکومت کے مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ (PARLIAMENT) کا کام دیتی تھی، اور اکثر شوریٰ کی مجلس مسجد نبوی ہی میں منعقد ہوتی تھیں۔ چنانچہ غزوہ احد و غزوۂ احزاب اور دیگر جنگوں کے بارے میں مشورے اسی مسجد میں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین بھی جنگ، معاہدات، سیاست اور مصالح عام کے سلسلہ میں اکثر مشورے مساجد ہی میں کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور عمر فاروق رضؓ کے زمانۂ خلافت میں بعض صحابہ پر مشتمل باقاعدہ ایک مجلس شوریٰ تھی، جس کے جلسے مسجد نبوی میں ہوا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ و علی رضؓ بھی مساجد ہی میں مشورے لیتے تھے۔

مسجد بطور عدالت و قید خانہ: مسجد نبوی زمانۂ حاضرہ کی عدالت کا کام بھی دیتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے مسجد ہی میں کیے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں لوگوں کے جھگڑوں کو ختم کرتے۔ مسجد کی چہار دیواری ہی سے عام انسانی مصالح اور ضروریات کے لیے احکامات جاری کیے جاتے۔ مثلاً ماعز اسلمی رضؓ کے رجم کے بارے میں فیصلہ مسجد نبوی ہی

صادر ہوا۔ لعان مسجد نبوی ہی میں کرایا گیا۔

بخاری شریف ج۱ اول باب تعلیق العقود فی المسجد میں امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ: "کما کان حاکم العمال والخلیفة بدون فرق فی المسجد فقد اجریت محاکمة المنصور امام قاضی مکة فی المسجد" یعنی عمال اور خلیفہ کسی فرق کے بغیر مسجد میں محاکمہ کرتے تھے۔ منصور کا محاکمہ قاضی مکہ کے سامنے مسجد ہی میں کیا گیا۔

اسی طرح مسجد نبوی کے کھمبوں میں قیدیوں کے باندھنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نجد کے ایک قیدی ثمامہ بن اثال کو مسجد نبوی کے ایک کھمبے سے باندھا گیا۔

مسجد نبوی مسافروں اور محتاجوں کے لیے پناہ گاہ کی حیثیت بھی

مسجد بہ حیثیت سرکاری مسافرخانہ ولنگرخانہ : رکھتی تھی یہاں غربا و مساکین کو کھانے تقسیم کیے جاتے، مسافروں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا۔ لباس اور فاقہ زدہ لوگوں کی دوسری ضروریات بھی مسجد ہی سے پوری کی جاتیں۔ چنانچہ مسجد میں ایک سایہ دار جگہ تھی جس کو صفہ کہتے تھے۔ ایسے لوگ جن کا کوئی مال و جائداد، گھر بار نہ ہوتا تھا وہ وہیں پر رات گزارتے۔ ایسے حضرات کو اصحاب صفہ، مہمان خدا، مہمان رسولؐ، مہمانِ اسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

مسجد نبوی بیت المال کا کام بھی دیتی تھی۔ اس میں فرض و نفل زکوٰۃ جمع کی جاتی

مساجد بہ حیثیت بیت المال : تھی اور وہیں سے ان مستحقین کو پہنچائی جاتی تھی۔ فوجی اور دفاعی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے بھی مال مسجد نبوی ہی میں جمع کیے جاتے تھے۔ چنانچہ صحیح کا بیان ہے کہ بحرین سے آئے ہوئے مال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی میں رکھنے کا حکم دیا تھا اور نماز سے فارغ ہوتے ہی اس کو تقسیم فرمایا تھا۔ ایک روایت ہے کہ محتاجین کا ایک گروہ مدینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان خطبہ دیا اور ان کے لیے اس قدر مال جمع کیا تھا کہ آپ خوش ہوگئے۔ ان احادیث کے علاوہ بہت ساری احادیث اس دعویٰ کی تائید میں مل سکتی ہیں۔

مسجد نبوی دور نبوت میں فوجی مرکز کا مقام رکھتی تھی، چنانچہ یہاں

مساجد فنونِ جنگ سیکھنے کا مقام : مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کیا جاتا تھا، اور آلاتِ حرب تیار کرنے کے طریقے سکھائے جاتے تھے۔ صحیح بخاری میں حبشیوں کے جنگی کھیل اور مشق اور آنحضور کے ساتھ حضرت عائشہ رض کے تماشہ دیکھنے کا پورا واقعہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

مسجد نبوی بہ حیثیت ہسپتال : مسجد نبوی فوجی ہسپتال کے قائم مقام تھی، یہاں مریضوں اور زخمیوں

کا علاج ومعالجہ ہوتا تھا۔ مسجدِ نبوی میں سیدہ رفیدہ اور بنو غفار کے دو خیمے صرف طبی امداد کے لیے نصب تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کے سخت زخمی ہو جانے پر ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا تاکہ آپ کو بھی طبی سہولیات فراہم کی جاسکیں اور باقاعدہ ان کی عیادت ہو سکے۔

مسجدِ نبوی بہ حیثیت سرکاری مہمان خانہ: تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے وفود میں سے بعض کا قیام مسجدِ نبوی ہی کے اندر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو اس کو مسجد ہی میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا، اور ان کے پاس ایک ایسے خدمتگار کو متعین کیا گیا جو عملاً اسلام کا تعارف ان کے سامنے پیش کرتا رہا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بہت سے وفود کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔

حرفِ آخر: یہ تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد سلف صالحین کے زمانہ میں مساجد کی پوزیشن اور اس کی خدمات کہ انفرادی اور اجتماعی عبادت گاہوں کے علاوہ مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت، دیوانی قانون کا نفاذ، معاشرتی وسیاسی مسائل کا حل، فوجی و دفاعی ہر حیثیت سے مساجد کا استعمال ہوتا تھا۔ آج کے زمانہ میں مسجد کو فوجی تربیت گاہ اور مجلس دانش گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا — مساجد کو اسلاف نے مذکورہ بالا ضرورتوں کے لیے استعمال کیا اور مسجد سے اپنا ہر طریقے سے ربط قائم رکھا تو کامیابی ان کے قدم چومتی رہی، اور اب ہم نے آج مساجد سے اپنا تعلق ختم کر لیا تو ہم پر ذلت وخواری مسلط ہوگئی۔ اب مسجد صرف امام ومؤذن کے رہنے اور نماز پڑھنے کی جگہ رہ گئی ہے جبکہ پوری امت کا مساجد سے ربط جوڑنے اور اس کو مرکزی مقام دینے کی اشد ضرورت ہے۔ ●●●

بقیہ: بچا

خریدنے والا، اور وہ مسجد کے لیے خریدی جائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان سبھوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ العیاذ باللہ۔

اگرچہ مفتی محترم نے کہ حقہ المحققون من فقہاء الاحناف کہہ کر اس فتویٰ کے متعلق بدلنے کا مجاز نہیں ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس فتویٰ کے تحت ہی عوام یہ سمجھ کر کہ ایک عظیم اسلامی ادارہ کا فتویٰ ہے۔ جھک گئے، اور کھیت سے دھان کے پودے وغیرہ کاٹ کر تمباکو کی کاشت شروع کر دی۔ پس میں نے اپنا دینی واخلاقی فرض سمجھ کر حقیقت کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کر کے (بحمد اللہ و منتہٖ) پیش کر دیا۔ وما علینا الا البلاغ۔ ●●●

معصیت اور تخریبِ انسانیت

مشتاق احمد عبد الحنان کریمی۔ فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

اس عالمِ آب وگل میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنے اندر کوئی اثر نہ رکھتی ہو۔ مثلاً آگ کی تاثیر جلانا ہے، پانی کا اثر ٹھنڈک اور سیرابی ہے۔ دوا کا اثر مرض کو اچھا کر دینا ہے۔ نیکی کا اثر سلامتی ہے، گالی دینے کا اثر غیرت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ بدکاری کا اثر بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، کم تولنے کا اثر قحط سالی اور مصائب ہے۔ بدعہدی کا اثر اغیار کا تسلط ہے۔ غرض کہ دنیا کی ہر چیز کا اثر پڑتا ہے۔ بھلائی کی الگ تاثیر ہے۔ اور ہر برائی کی تاثیر ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں ہم نفسِ گناہ کے اثرات کا جائزہ لیں گے کہ انسانی زندگی پر اس کے کیا کیا اثرات ہوتے ہیں اور یہ تجزیہ کریں گے کہ دین میں فساد اور بگاڑ کے علاوہ ان سے اقتصادی معاشی اور اخلاقی پہلو سے کیا کیا تباہی آتی ہے۔ ممکن ہے اس سے گنہ گاروں کو انتباہ ہو اور وہ اپنی آئندہ زندگی کو نیکی اور خیریت کے راستے پر لگانے کا عزم کر لیں۔ یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ گناہ ومعاصی ضرر رساں ہیں اور ان کی مضرت اور تاثیر انسانی زندگی پر ایسی ہی ہے، جیسے جسم پر زہر گناہ اور معاصی اس عالم آب وگل میں جملہ مفاسد و مصائب کا منبع ہیں۔ غور کرو! کس چیز نے باوا آدم کو جنت سے نکال کر دنیا کے رنج والم کے بھنور میں ڈالدیا۔ ابلیس لعین کو کس شے نے آسمانی مملکت سے نکال باہر کیا اور کس وجہ سے عالمگیر طوفانِ نوح برپا ہوا؟ اور کس بات نے قوم عاد پر بادِ صرصر کو مسلط کیا؟ اور کس بات نے قوم ثمود پر تباہی نازل کی؟ اور وہ کیا شے تھی جس نے قوم شعیب پر شعلہ انگیز مینہ برسایا؟ فرعون کیوں غرقاب ہوا؟ قارون کیوں مال ومتاع اور گھر بار سمیت زمین میں دھنس گیا؟ قومِ صالح کی ہلاکت کا باعث کیا تھا؟ بنی اسرائیل کیوں قیامت تک کے لیے ذلت ومسکنت کے مستحق ہو گئے؟

معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو قوم ناپ تول میں کمی

کی عادی ہو اسے اللہ تعالیٰ قحط میں مبتلا کر دے گا، جس قوم میں حرام کاری پھیل جائے، اس میں اموات بکثرت ہوں گی، اور جس قوم کا شیوہ سود خوری ہو وہ جنون میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں وبا و قتل عام ہو جائے، اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ جس قوم میں اغلام بازی اور لواطت پھیل جائے، ان میں زمین میں دھنسانے کا واقعہ رونما ہوتا ہے، اور جو قوم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتی، ان کے نہ اعمال قبول ہوتے ہیں نہ دعائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ قریش سے فرمایا: اے قبیلہ قریش! ریاست و خلافت کے تم

گناہ کا اثر: اس وقت تک حقدار ہو جب تک تم اللہ کی معصیت کا ارتکاب نہ کرو اور جب اس کی معصیت کا ارتکاب کروگے تو تم پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے جو تمہیں اس چھڑی کی طرح چھیل کر رکھ دیں گے، پھر آپ نے چھڑی کو چھیل دیا اور وہ بالکل سفید نکل آئی۔ (مسند احمد)

حضرت سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ انسان گناہ رات کی تاریکی میں کرتا ہے اور صبح کو اس کے چہرے پر گناہ کی رسوائی و ذلت کے آثار ہویدا ہوتے ہیں۔

گناہ اور معاصی کے بُرے اثرات میں سے ایک اثر یہ ہے کہ آدمی علم سے محروم کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ

علم سے محرومی: علم نور ہے، جو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں القاء کرتا ہے اور معصیت اس نور کو بجھا دیتی ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کے کمالِ ذہانت و فطانت سے متاثر ہو کر فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر خاص نور کا فیضان کیا ہے، اسے معصیت کی تاریکی سے گل نہ کرو۔" امام شافعیؒ کے مشہور اشعار ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من اللہ، ونور اللہ لا یعطی لعاصی

میں نے وکیع سے خرابی حفظ کا شکوہ کیا تو انھوں نے ترک معاصی کی وصیت کی، کیوں کہ علم اللہ کی جانب سے ایک نور ہے، اور اللہ کا نور کسی نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

گناہ کے منجملہ بُرے نتائج کے ایک اثر رزق سے محرومی ہے، مسند احمد میں حضرت ثوبان سے

رزق سے محرومی: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارتکاب گناہ کی وجہ سے انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے، جس طرح تقویٰ اور طاعت رزق کا باعث ہے، اسی طرح اس کی ضد ترک تقویٰ عدم منفعت، اور فقر و فاقہ کا باعث ہوگا۔" لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

یعنی اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کروگے تو میں تمہیں اور نعمتوں سے مالا مال کردوں گا، اور اگر کفرانِ نعمت کروگے تو یاد رکھو میرا عذاب بہت سخت ہے۔ چنانچہ رزق و معاش کے حصول کی خاطر تقویٰ اور ترکِ معاصی سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں۔

ضعف و ناتوانی: گناہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ وہ قلب و جسم میں ضعف و ناتوانی پیدا کرتا ہے، دل کی ناتوانی اس طرح کہ وہ اس قدر افسردہ و پژمردہ ہوجاتا ہے کہ اس سے زندگی کا اثر محو ہوجاتا ہے اور جسم کی ناتوانی اور ضعف اس طرح کہ جب دل قوی اور مضبوط ہوگا تو بدن بھی توانا اور مضبوط ہوگا۔ فاسق و فاجر کا جسم خواہ کیسا ہی توانا ہو، بوقتِ ضرورت وہ نہایت کمزور ثابت ہوتا ہے اور اپنی حفاظت کے وقت اس کی قوت و طاقت جواب دے جاتی ہے۔ فارسیوں اور رومیوں کی قوت و طاقت کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ بوقت کارزار ان کی ساری توانائیاں خاک آلود ہوگئیں، اور مسلمان روحانی طاقت کی بدولت فاتح اور کامران رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ گناہ کے اثر سے چہرہ سیاہ، دل تاریک، جسم نحیف و لاغر، رزق تنگ اور آدمی معاشرہ میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔" ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو وہ آدمی ایسا ہے، گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے چڑیاں اچک لے گئیں، یا ہوا نے اسے دور دراز جگہ میں پھینک دیا۔

بے وقعتی: گناہ کا ایک مہلک اور تباہ کن اثر یہ ہوتا ہے کہ گناہ انسان کی ذلت و رسوائی، نفرت و حقارت اور بے توقیری کا سبب بنتا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ گنہگار اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل و رسوا ہیں اور جب کوئی اللہ کی نظرِ عنایت سے گر جاتا ہے تو اسے کوئی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ سورہ حج ۱۸ میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے، پھر اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ اگرچہ یہ لوگ اپنی ضرورت کے تحت یا شر اور خطرہ سے بچنے کے لیے، ان کی عزت و تکریم کریں مگر وہ ان کے دلوں میں از بس ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔

عقل میں عدم توازن: گناہ کا ایک بڑا مضر اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے عقل میں فتور آتا ہے۔ عقل ایک نورِ الٰہی ہے اور معصیت نورِ عقل کو گل کردیتی ہے۔ اور جب اس کا نور بجھ جائے تو وہ ناقص اور خراب رہ جاتی ہے اور وہ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرپاتی۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (القلم) یعنی کیا ہم اطاعت شعاروں کو مجرمین کی طرح کردیں گے۔ اے کافرو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسا فیصلہ کررہے ہو؟

ارشادِ نبوی ہے: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر من نور اللہ۔ یعنی مومن بندے کی فراست (فہم و ذکاء)

سے ڈرتے رہو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اس کا فیصلہ قطعی صحیح ہوتا ہے۔

آفات ونحوست: مآثم ومعاصی کا ایک تباہ کن اثر یہ ہے کہ زمین میں طرح طرح کے بگاڑ اور فساد رونما ہوتے ہیں پانی خراب ہو جاتا ہے، آب وہوا خراب ہو جاتی ہے۔ کھیتیاں اور باغات آفات وحوادث کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مکانات منہدم ہو جاتے ہیں، قحط سالی وبا پھیلتی، اور زلزلہ وبھونچال زمین پر برپا ہوتا ہے۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون

یعنی خشکی ودریا ہر جگہ لوگوں کے کرتوت کے سبب فساد اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، تاکہ بعض برے کرتوت کا وہ لوگ مزہ چکھ لیں اور برائی سے باز رہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم ثمود کے علاقہ سے گزرتے ہوئے صحابۂ کرام کو ان کے کھنڈرات میں بلا روئے ہوئے داخل ہونے سے منع فرمایا، ان کے چشموں اور کنوؤں کے پانی استعمال کرنے سے روکا۔ حتی کہ وہ آٹا جو اس پانی سے خمیر بنایا گیا تھا اسے اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیا۔

غیرت وحمیت کا خاتمہ: گناہ اور معصیت کا ایک مضر اور تباہ کن اثر یہ ہے کہ غیرت دل سے کافور ہو جاتی ہے جس سے اعضاء وجوارح ناکارہ اور شل ہو کر رہ جاتے ہیں، آدمی مدافعت کی طاقت اور جذبے سے محروم اور عاری ہو جاتا ہے۔ اپنے گھر میں برائی ہوتے دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کرتا بلکہ دیوث بن جاتا ہے، اور دیوث آدمی تمام کائنات سے پلید اور نجس ہے، اس پر جنت حرام ہے۔ اور سب سے اشرف اور بلند ہمت آدمی وہ لوگ ہیں جن کی غیرت وحمیت انتہا درجہ کی ہو۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم سعد کی غیرت پر اظہار حیرت کر رہے ہو؟ سنو! میں ان سے بھی غیور ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔

زوال نعمت: گناہ کی ایک جانکاہ سزا یہ ہے کہ وہ زوال نعمت کا موجب اور اللہ کی ناراضگی وخفگی کا باعث ہے۔ نعمت کا زوال اور قدرت کی گرفت صرف گناہ کی وجہ سے ہے: وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم۔ (شوریٰ: ۳۰) یعنی تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہاری ہی کرنی کے نتیجہ میں۔ اور سورہ انفال (۵۳) میں ہے: ذلك بان الله لم یك مغیرا نعمة انعمها علی قوم حتی یغیروا ما بانفسهم۔

وحشت ومرعوبیت: معصیت اور گناہ کی ایک سزا یہ ہے کہ گنہ گار کے دل میں مرعوبیت اور خطرناک وحشت

بیدا ہوجاتی ہے۔ وہ ہمیشہ خوفزدہ اور سراسیمہ رہتا ہے اور وحشت و اجنبیت اور لوگوں سے نفرت کرتا ہے، کیونکہ طاعت و بندگی اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم مستحکم قلعہ ہے، جو اس میں داخل ہوگیا وہ اطمینان و سکون، امن و امان، حلاوت و مٹھاس، غرض کہ دنیا کی تمام لذات و آسائش سے بہرہ ور ہوگیا اور دنیا و آخرت کے تمام مصائب سے محفوظ ہوگیا اور جو شخص نافرمانی کے باعث اس سے باہر رہ گیا، وہ ہر طرف سے خطرات و مصائب میں گھر گیا۔

محرومی : معصیت اور گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گنہ گار کے علم و عمل، طاعت و بندگی اور رزق و معاش، غرضکہ دین و دنیا سے برکت سلب اور ختم کردی جاتی ہے۔ اللہ کے نافرمان تمام ضروریات زندگی میں بے حد منحوس اور بے برکت ہوتے ہیں۔ سورۂ اعراف آیت ۹۶ میں ہے : ولو ان اهل القرىٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض ولكن كذبوا فاخذناهم بما كانوا يكسبون ۔ یعنی اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا، اور سورۂ جن، آیت ۱۶ میں ہے کہ "اگر وہ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ان کو بافراط پانی سے سیراب کرتے"۔ حدیث قدسی میں ہے : اللہ فرماتا ہے، میں معبود و الٰہ ہوں، جب کسی پر راضی ہوجاؤں تو وسعت و برکت کرتا ہوں، اور میری برکت بے پایاں ہے اور جب کسی پر ناراض ہوجاؤں تو لعنت بھیجتا ہوں، اور یہ لعنت ساتویں پشت تک اثر انداز ہوتی ہے۔" مسند احمد میں ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے حکم کی مخالفت کرنے والوں پر ذلت و حقارت مسلط کردی گئی ہے۔

حقارت : گناہ کی ایک بھیانک سزا یہ بھی ہے کہ گنہ گار کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق نہایت جری اور دلیر ہوجاتی ہے، جسے گناہ سے پیشتر جرأت کرنے کی ہمت نہ تھی، چنانچہ شیطان ورغلانے، بہکانے، خوف و ہراس اور فریب و وسوسہ میں مبتلا کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور انسان نما شیطان اس کے سامنے اور پس پشت ہر ممکن ایذا رسانی پر جری اور دلیر رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے اہل و عیال، خادم، پڑوسی اور جو پائے تک اس کی اذیت کے درپے ہوتے ہیں۔ کسی سلف کا مقولہ ہے کہ میں خدا کی نافرمانی کا اثر اپنی بیوی اور سواری میں بھانپ لیتا ہوں۔

خیانت : معصیت کا خطرناک اثر یہ بھی ہے کہ وہ گنہ گار کی خیانت کرتا ہے۔ عین اس وقت جب وہ اس کی خیر خواہی کا بے حد محتاج ہوتا ہے، گناہ و معاصی علم و عرفان کے حصول میں خلل انداز ہوتے ہیں، حقیر و ادنیٰ اور ہنگامی مفاد کو اشرف و ابدی منافع پر ترجیح اور فوقیت دینے میں فریب اور خیانت کرتے ہیں۔ چنانچہ علم کی

تکمیل میں گناہ حائل ہو جاتا ہے اور مفید اور بہتر امور کی تحصیل میں حجاب بن جاتا ہے۔ غرضکہ گنہگار انسان جب کسی کرب و بلا اور رنج و الم میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ اور بدن کے تمام اعضاء آڑے وقت میں جواب دے جاتے ہیں۔ اور اسے بے یار و مددگار تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔

خود فراموشی: معصیت کی ایک شامت یہ ہے کہ وہ گنہگار کو اس کی ذات سے فراموش کر دیتی ہے، جب وہ اپنے نفس کو بھول جاتا ہے تو اسے مہمل اور بےکار سمجھتا ہے اور ضائع و برباد کر دیتا ہے۔ سورۂ حشر میں ہے: ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساهم انفسهم۔ یعنی ان کی طرح نہ ہو جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انھیں بھی ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔" سورہ توبہ آیت ۶۷ میں ہے: نسوا اللہ فنسیهم

اسباب ہلاکت: معصیت و گناہ کی ایک بدترین سزا یہ بھی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں انسان کی ہلاکت کے اسباب مہیا کرتا ہے، کیوں کہ گناہ ہی سے دل کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، جب مریض کا مرض مزمن ہو جائے اور پرانا بھی تو دل فیل ہو جاتا ہے۔ حفظانِ صحت اور جسمانی قوت بحال رکھنے کے لیے مفید غذا نہایت ضروری ہے اور استفراغ و تنقیہ جس سے فاسد مواد اور ردی اخلاط کا اخراج ممکن ہو، مضر صحت اشیاء کے استعمال سے پرہیز ضروری ہے۔ اسی طرح دل کی زندگی اور روحانی صحت کی تکمیل اور حفظانِ صحت ان ہی اصولوں پر موقوف ہے۔

تنگ و تاریک زندگی: معصیت و گناہ کی ایک جانکاہ سزا یہ بھی ہے کہ دنیا اور عالم برزخ میں وہ تنگیٔ معیشت کا باعث اور عالم آخرت میں عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ۔ اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے تو اس کی معیشت بھی تنگ ہوگی اور اسے قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔ بعض مفسرین نے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر عذاب قبر سے کی ہے، بلاشبہ عذاب قبر میں تنگ زندگی ہے، لیکن آیت اس سے وسیع تر مفہوم پر حاوی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تنگ زندگی کو اپنے ذکر اور احکام سے اعراض کا نتیجہ قرار دیا ہے اور ہر اعراض کرنے والے کی زندگی اعراض کے مطابق تنگ و تاریک ہوگی، خواہ وہ دنیا میں مالا مال ہو، وسیع رزق سے بظاہر بہرہ ور ہو، مگر اس کا دل بے پناہ ذلت، وحشت اور حسرت و کوفت سے چور ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حیات طیبہ اور آسودہ حالی کا مژدہ اہل ایمان اور نیک لوگوں کو سنایا ہے۔ سورہ نحل آیت ۹۷ میں ہے:

من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مؤمن فلنحیینه حیوة طیبة ولنجزینهم اجرهم

باحسن ما کانوا یعملون۔ جس کسی نے اچھا کام کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو یاد رکھو ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے۔ اور (آخرت میں بھی) ان کے بہترین عمل کا مزدو اجر دیں گے۔

ان عقوبات و سزا کے علاوہ اور بھی بہت سی نحوست، برائیاں اور شامتیں ہیں۔ گر عبرت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مزید نصیحت و عبرت کے لیے اسے ان شرعی حدود کا استحضار کرنا چاہیے۔ مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ تین درہم چوری کے بدلے چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کاٹ دیے جائیں۔ شراب پینے، اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانے پر کوڑوں کی سزا ہے۔ حرام کاری کی سزا سنگساری یا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی ہے، محرم عورت سے زنا کرنے والے، تارک نماز اور کلمۂ کفر بکنے والے کی سزا یہ ہے کہ سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ چوپائے کے ساتھ حرام کاری، لونڈے بازی اور اغلام میں فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ نماز با جماعت ادا نہ کرنے والے کے گھروں کو جلا دینے کا عزم ظاہر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی سزائیں شریعت کے مختلف جرموں کے لیے تجویز کی ہیں۔ الغرض گناہوں کی سزا، شرعی حدود اور قدرتی انتقام کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، دنیا میں ان کا اثر دل اور جسم دونوں پر ظاہر ہوتا ہے اور عالم برزخ اور عالم آخرت میں بھی انہی کا اثر ظہور پذیر ہوگا۔ چنانچہ جرم کی سزا بہر حال لگا رہتی ہے۔ لیکن آدمی اپنی نادانی کے باعث اس سزا اور عقوبت کے شعور سے بہرہ نہیں ہوتا ہے۔ گناہ و معاصی پر سزا و عقوبات کا ظہور اسی طرح ناگزیر ہے۔ جس طرح آگ سے جلاؤ، اور زہریلی اشیاء سے ہلاکت۔ بسا اوقات انسان غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ گناہ تو کرتا ہے مگر اس کی سزا کا اثر نہیں دیکھتا، پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنا اثر کر رہا ہے۔ مگر حقیقۃً اس کا اثر ہوتا ہے۔ البتہ بعض اوقات ہلکے زہر کی طرح تدریجاً اثر کرتا ہے۔ اب اگر انسان اس مہلک مرض کا تدارک کرے تو فبہا ورنہ مالآخر ہلاکت یقینی ہے۔ یہ فقط ایک گناہ جس کی تلافی نہ ہو سکی ہو اس کی سزا ہے، مگر جہاں گناہوں کے انبار لگے ہوں، اس کا تو خدا ہی حافظ ہے

اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کو ارتکاب معصیت سے بچائے آمین۔

گانجا: شریعت کی روشنی میں

محمد اسید رحمانی - مدرس اول مدرسہ عربیہ مخزن العلوم السلفیہ رسولپور

اخوان ملت! ویسے تو آج کی دنیا میں ملت بیضا کے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ کے ہوتے ہوئے بھی مسلمان بھٹک رہے ہیں۔ اور اپنے دینی و دنیوی معاملات میں اندھوں کی طرف نظر ڈالتے ہوئے قدم بڑھا رہے ہیں۔ خواہ ان کا یہ غلط قدم قعر ذلت میں گرا کر چھوڑے یا آنکھ کو امید کے سنہرے خواب میں الجھائے رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کے ذہنوں سے حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی۔ ان کا احوال بتا رہے ہیں کہ یہ اسلام کی ذمہ داری کا قلادہ اپنی گردنوں سے اُتار چکے ہیں۔ اگر کوئی مُصلح کسی خامی کی اصلاح کرے یا کوئی مسئلہ بتلائے، ان کے موافق ہے تو خیر ورنہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ اب وہ دور اور زمانہ نہیں رہا کہ ہر امور میں شریعت پر عمل کیا جائے۔ جھوٹ اور مصلحت کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ حالانکہ صفوان بن سلیم کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ المومن لایکون کذّاباً (مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے۔)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نام نہاد مسلمانوں نے مذہب پر خواہش نفسانی کو ترجیح دے رکھی ہے اور ان پر نفسانیت کا بھوت سوار ہے۔ اتخذ الٰہہ ھواہُ (فرقان) - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی مسلمانوں کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے: سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بہم تلک الاھواء کما یتجاری الکلبُ بصاحبہ - یعنی آئندہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جن میں خواہشات نفسانی اس طرح سرایت کر جائے گی، جیسے دیوانے کتے کا کاٹا کاٹے ہوئے پر سرایت کر جاتا ہے۔

پس ہمارا فرض تھا کہ ایسے ملحدانہ، زندیقانہ خیالات کو دور کرنے کے لیے اپنی تقریروں، تحریروں اور رفتاروں میں فقط محتاط صورتوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے کیونکہ ایسے لوگ موقع کے متلاشی رہتے ہیں، جہاں تھوڑا سا شوشہ ملا، بس بال کی کھال اور رائی کو پہاڑ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہیں۔

ابھی گانجا کی کاشت سے متعلق ہمارے سامنے ایک سوال اور ایک عظیم ادارہ کا اس کے جواز پر فتویٰ ملا ہے۔ ہمیں اس ادارہ کے بے جان اور بے ثبوت جواب پر اتنا تعجب نہیں ہے، جتنا کہ رندوں کے ہاں میں ہاں ملانے پر دو صاحب میرے پاس آئے اور یہ

سوال و جواب پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی قسم کا فتویٰ ندوہ کو لکھا تھا، چنانچہ انھوں نے یہ لکھ کر فتویٰ لوٹا دیا کہ ہم ادارے کے مذکورہ فتویٰ سے متفق ہوں۔

اب میں قارئین کے سامنے اصل سوال اور اس کا جواب بعینہٖ نقل کر رہا ہوں تاکہ ان کے پیش کردہ دلائل کی اہمیت آپ حضرات پر آشکارا ہو جائے۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ ملک نیپال میں کچھ مسلمانوں کا طبقہ ایسا ہے جو گانجا کی کاشت کرتا ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ گانجا کی کاشت کرنا قرآن و سنت کی روشنی میں کیسا ہے؟ مدلل جواب دیکر موقع تشکر بخشیں۔ (سائل: شکیل احمد)

جواب

گانجا مثل شراب کے نجس و حرام نہیں ہے، بلکہ مخدرات میں سے ہونا راجح اور نشیات میں سے ہونا مرجوح ہے اور مثل افیون کے دواؤں میں استعمال بھی ہوتا ہے، اور وہ استعمال طبی ضابطہ کے مطابق مثل افیون کے مباح بھی ہوتا ہے، اس لیے اس کی کاشت بھی شرعاً مباح ہے۔ البتہ مثل تمباکو کے نوشیدنی کے اس کا استعمال ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے ..... کما حققہ المحققون من فقہاء الاحناف۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ .... مفتی دار العلوم ....

۲۱/۱۰/۱۴۰۵ھ

میرے کان میں مولانا مجاہد الاسلام قاضی ادارہ امارت شرعیہ بہار کے وہ الفاظ گونج رہے ہیں جو لوگوں کے سامنے جہاں یہ راقم الحروف بھی موجود تھا۔ ایک شخص کے گانجا کی کاشت کے استفسار پر انھوں نے فرمایا تھا کہ آپ لوگ مسئلہ صرف واقفیت حاصل کرنے کے لیے نہ پوچھیں بلکہ اس پر عمل کریں تو بہتر : اس کے متعلق جو ناجائز ہونے کا فتویٰ سن چکے ہیں وہی درست ہے۔

اسی طرح میرے ملنے والے جناب نعیم نوشاد مندوب ندوۃ الاسلام شباب العلم بالریاض کے استفسار پر ادارہ امارت شرعیہ بہار کے امیر شریعت حضرت علامہ منت اللہ صاحب مدظلہ نے مسجد میں بیٹھ کر فرمایا تھا کہ گانجا کی کاشت حرام ہے۔

لیکن اس کے باوجود لوگ باز نہیں آئے۔ باز کیسے آتے؟ جبکہ چھ سات، ہزار روپئے کٹھا اس کی بکری ہے۔ ہاں اس جدید فتویٰ سے اتنا اضافہ ہوا کہ بعض ملا، حاجی، حافظ جو بچے ہوئے تھے وحی آسمانی سمجھ کر ملوث ہو گئے۔

اس فتویٰ میں مباحث کے پہلو پر نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مفتی محترم نے شریعت کو طب پر محمول کیا ہے، جیسا کہ لکھا ہے: طبی ضابطہ کے مطابق مثل افیون کے مباح بھی ہوتا ہے اس لیے اس کی کاشت بھی مباح ہے۔ سبحان اللہ! اگر ایسا ہے تو دنیا

کوئی چیز نہیں ہے، جس کو حرام ناجائز اور نجس کہا جائے۔ شراب کا مرکز تو پہلے ہی سے جائز تھا۔ ڈیسائی صاحب کا محبوب اور
میاب حفاپشاب ہی تھی۔ الکحل یعنی شراب، یہ اکثر انگریزی دواؤں کا جزو ہے۔ انجیل کے بعض جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ شراب
کم مقدار معدہ کے لیے مفید ہے (الحلال والحرام فی الاسلام)۔ تاڑی جو بہار میں اولین منشیات میں شمار ہے، وہ تو ضعف
معدہ کی اکسیر اور مجرب دوا ہے۔ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ پاخانہ بھی جزو دوا بنتا جا رہا ہے۔

اب ماحی سیئات دمنشیات طبیب روحانی وجسمانی امام الانبیاء والاولیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ملاحظہ
ہو۔ ارشاد گرامی ہے: جعل لکل داء دواء فتداووا ولاتداووا بالحرام (ابوداؤد) ہر بیماری کی اللہ تعالیٰ
نے دوا پیدا کی ہے تو اس کے ذریعہ علاج کیا کرو، مگر سنو! حرام اشیاء سے علاج معالجہ نہ کیا کرو۔

ان طارق بن سوید سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الخمر فنہاہ فقال انما اصنعها للدواء
قال انه لیس بدواء ولکنه داء (مسلم) طارق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خمر کے متعلق مسئلہ دریافت
کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے پھر کہا، حضرت! میں اس کو دوا استعمال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا
وہ دوا نہیں ہے، بلکہ بیماری ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ خمر میں شفا کی تاثیر سمجھ کر استعمال کرتے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کو دوا نہیں بلکہ بیماری کہہ کر رد کر دیا۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے: عن دیلم الحمیری نتخذ شرابا من هذا القمح نتقوی به علی اعمالنا و
برد بلادنا قال هل یسکر قلت نعم قال فاجتنبوا قلت ان الناس غیر تارکیه قال ان لم یترکوه
فقاتلوهم۔ (ابوداؤد) دیلم حمیری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ہم لوگ اس گیہوں سے ایسی شراب بناتے
ہیں، جس کے ذریعہ سے ہم کاموں میں تقویت پاتے ہیں، اور چوں کہ ہمارا علاقہ سرد ہے، اس کے تیز ابی اثر سے بدن میں حرارت
ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اس میں نشہ ہے؟ میں نے کہا، ہاں حضور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو
اس سے بچو۔ اس پر میں نے کہا، لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اس کو نہ چھوڑیں
تو ان سے لڑو۔

مسلم شریف میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام۔ یعنی
ہر نشہ والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ ابوداؤد میں ہے: نھی رسول اللہ صلعم عن مسکر
ومفتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ والی اور مفتر یعنی فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔ ترمذی میں

یہ روایت ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہٗ فقلیلہ حرامٌ۔ جس چیز کی زیادہ مقدار سکر پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ کسی موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا شفاء فی الحرام یعنی اشیاء میں شفا نہیں ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ جن منہیات اور حرام چیزوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا حرام چیزوں میں شفا نہیں ہے۔ مریہ دوا میں بیماری ہے۔ لیکن تجربات بتلاتے ہیں کہ ان میں بھی شفا اور فائدہ کی تاثیر ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شفاء حقیقی کی تاثیر نہیں دی ہے۔ ظاہر میں اگر کچھ شفاء اور فائدے نظر آتے ہیں تو ان کی نسبت نقصانات اور مضرات زیادہ ہیں۔ للاکثر حکم الکل۔ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طبی رموز ہمارے سر اور آنکھوں پر۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان منہیات اور حرام کے اثرات ان کے استعمال کرنے والے کے اولاً دل و دماغ اور اعصاب پر پڑتے ہیں۔ عقل پر پردہ اور قوت ممیزہ، قوت مدرکہ اور قوت فیصلہ کو معطل کر ڈالتے ہیں۔ تجربات شاہد ہیں کہ ان کا دائمی استعمال کرنے والے دق اور ٹی بی جیسے مہلک امراض کے شکار ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس کے فوری سرور اور تیز رفتار اثر کو شفا سمجھنا لغو ہے۔ جیسا دیکھا جاتا ہے پیٹ کے درد یا دائمی امراض میں جس میں مریض بے قابو ہو جاتا ہے، ڈاکٹر فوراً مارفیا کا انجکشن لگا دیتے ہیں۔ یہ اس مرض کا علاج تو نہیں ہے۔ بلکہ سکون کے لیے معالج ایسا کرتے ہیں، لیکن عوام سمجھتے ہیں کہ بہت فائدہ ہوا۔

ان احادیث میں تین چیزوں کا تذکرہ ہے۔ خمر، مسکر، مفتر۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان تینوں الفاظ کی مختصر تشریح کر دی جائے۔

(۱) خمر کی تعریف میں بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

الخمر ما خامر العقل۔ یعنی خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔

(۲) السکر حالۃ تعترض بین المرء وعقلہ۔ یعنی سکر ایسی حالت کا نام ہے جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان میں یعنی دخل انداز ہو۔ ان تعریفوں اور مسلم شریف کی حدیث کل مسکر خمر سے معلوم ہوا کہ خمر کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ خمر کا ترجمہ شراب تغلیباً کیا جاتا ہے، اس میں مشروبات کی قید نہیں۔

(۳) المفتر لغت میں ہے، فتر اور فتوراً جسمہ لانت مفاصلہ وضعف۔ یعنی وہ اشیاء جو عضلات اور قویٰ کو ڈھیل کمزور کرے

اب آئیے گانجا کی حقیقت معلوم کی جائے کہ مفتر ہے یا مسکر۔ اس کا فیصلہ پرسن کل الوجوہ پیش کرتا ہوں۔

فیون کی بہ نفسہ کاشت نہیں ہوتی ہے بلکہ خشخاش (دانہ) کی کاشت ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ودیعت کی ہوئی بہت بڑی بیش
لا نعمت ہے۔ جس کی کاشت نہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ افیون اسی کے ڈوڈوں سے چھلکے میں (دانہ) نکلتے ہیں
افیون ہے۔ اعضاء شکنی میں اس کی مالش بدن کے لیے مفید، کم کھانے سے ایک قسم کا سرور اور زیادہ کھانے سے عضلات
ڈھیلے اور سست پڑ جاتے ہیں اور نشہ آتا ہے۔

ہمارے مفتی مکرم نے لکھا ہے: البتہ مثل تمباکو کے نوشیدنی کے اس کا استعمال ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ شاید موصوف
گانجا یا اس کے استعمال کرنے والے کی درگت قریب سے دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ تمباکو اور گانجا میں بہت تفاوت ہے۔ تمباکو
زیادہ سے زیادہ مضر کہہ سکتے ہیں۔ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے جائز کسی نے ناجائز اور بعضوں نے اس کے
مضرات اور نقصانات کے باعث قریب حرام کے بتلایا ہے۔ مجھ کو یاد ہے۔ مولانا سیالکوٹی بھی اس پر تشدد برتتے تھے،
استاذنا الحکیم ابن حنبل وقت حضرت سیف بنارسی اتنا ہی اس کے حلال ہونے کے قائل تھے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان
ستان اور عرب وغیرہ ممالک میں اکثر مسلمان کسی نہ کسی نوعیت سے ۸۰ فیصد اس کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر نعوذ باللہ گانجا
ہ اس کی پتی ڈنٹھل، دخان اور مشروبات، تمام صورتوں میں نشہ آور ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ چلم وغیرہ کے ذریعہ اس کے استعمال کرنے والے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ زمین پر گر جاتے ہیں، دو دو
دن تک ہوش میں نہیں آتے۔ اس بدحواسی اور بے ہوشی کے عالم میں آنکھ، ناک، منہ حتیٰ کہ مقعد سے دھواں نکلتا رہتا
ہے۔ اس کے مشروبات میں تو اور زیادہ اثر ہوگا۔ (یہ میرے مشاہدہ میں نہیں آیا ہے) یہی وجہ ہے کہ تمام ممالک میں اس کا
شیات میں شمار ہے۔ بالخصوص ہندوستان کے تو چپے چپے میں اس پر سخت پابندی عائد ہے۔ مفتی مکرم پہلے شخص ہیں
اس کے حرام سے پہلے مکروہ کا لفظ لگایا ہے۔ مسکر ہونے میں شراب اور گانجا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ گانجا دواءً استعمال
تا ہے۔ یہ نہ تو میرے علم میں ہے اور نہ ادھر کوئی اس سے دوا کا مصرف لیتا ہے۔ اگر بزعم مفتی صاحب دواءً
تعمال ہوتا ہے تو شراب بھی دواءً اس سے کم مستعمل نہیں ہوتی ہے، جس کو حرام اور نجس کہا گیا ہے۔

یہ چند باتیں میں نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں قلم بند کی ہیں۔ کیونکہ میں ایسی جگہ ہوں جہاں لوگ بکثرت گانجا کی
شت کرتے ہیں۔ مسجد، مدرسہ، یا کسی اور جگہ آتے جاتے اس کی بدبو سے سخت پریشانی ہوتی ہے۔ یہاں نیپال
مت میں بھی اس کا منشیات ہی میں شمار ہے اور قانوناً اس کی کاشت ممنوع ہے۔ مگر بلیک کاشت بہت زیادہ ہے۔
معاشیات پر بھی گہرا اثر پڑا ہے۔ یہ بہت زرخیز علاقہ ہے، ہزاروں کنٹل دھان، گیہوں وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی

جب سے گانجا کی کاشت ہوتی ہے بشکل ۲۰ ، ۲۵ کنٹل غلہ جات لوگ برآمد کرتے ہوں گے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون
اب میں حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا وہ فتویٰ نقل کرتا ہوں، جس میں موصوف نے گانجا کو شراب سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔

"یہ حشیش (گانجا) حرام ہے خواہ اس سے مدہوشی طاری ہو یا نہ ہو۔ اس میں سرور اور نشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے فاجر ہی لوگ استعمال کرتے ہیں اور یہ اپنی خصوصیت کی بنا پر نشہ آور شراب ہی کے قبیل کی چیز ہے۔ شراب محرک ہے اور خصومت کے جذبات پیدا کرتی ہے اور گانجا عقل میں فتور پیدا کرکے ذلت کا سامان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقل و مزاج میں خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے، نیز اس سے شہوت کو شہ ملتی ہے اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خرابیوں کے پیش نظر گانجا نشہ آور شراب سے بھی بدتر چیز ہے لوگوں میں اس کا چلن تاتاریوں کے ظہور سے ہوا ہے۔ اس کے پینے پر خواہ، تھوڑی مقدار میں پیا جائے یا زیادہ مقدار میں، شراب کی حد یعنی اسی یا چالیس کوڑے لگائے جائیں۔

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گانجا پیا ہے تو اس کی یہ حرکت بمنزلہ شراب نوشی کے ہے۔ بلکہ بعض وجوہ سے اس سے بھی بدتر ہے، اور وہ شراب نوشی ہی کی طرح کی سزا کا مستحق ہے۔ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ محرمات میں سے جن چیزوں کی دلوں میں اشتہا پیدا ہوتی ہے جیسے شراب اور زنا، ان کے ارتکاب پر حد جاری کی جائے گی۔ لیکن جن چیزوں کی اشتہا پیدا نہیں ہوتی جیسے مردار کو کھانا، ان پر تعزیر ہے اور گانجا تو پینے والوں کو ایسا مرغوب ہوتا ہے کہ وہ اسے کسی حال میں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے حالانکہ، کتاب و سنت کے نصوص اس کے حرام ہونے پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ دوسری قسم کی شراب کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۶۲)

جب تمام دلائل اور وجوہ سے معلوم ہو گیا کہ گانجا شراب کی طرح بلکہ اس سے بدتر نشہ اور حرام ہے۔ تو، اس کی کاشت بیچنا، خریدنا وغیرہ یہاں تک کہ اس میں مزدوری کرنا بھی کتاب و سنت کی روشنی میں حرام ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ و ابوداؤد میں حدیث ہے: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها واكل ثمنها والمشترى لها۔ (مختصر ترغیب ترہیب ص ۲۹۰) یعنی شراب نچوڑنے والا اس میں کا شعبہ داخل ہے، نچوڑنے والا، پینے والا، اٹھانے والا، وہ جس کے لیے اٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اس کی قیمت کھانے والا
(باقی صفحہ ۔۔۔ پر)

"یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا"

محمود الحسن

۲۰ رفروری ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ مسجد نبوی سے باہر نکلا، ساتھ میں برادران عبداللہ سعدی وعبیداللہ فیصل بنارسی بھی تھے سلطان ہوٹل کے قریب ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سلام وتحیات کے بعد پتہ چلا کہ موصوف ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں اور ابھی چند مہینہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، چنانچہ خاکسار نے ان کے قبول اسلام کے سلسلے میں ان کا موقف جاننا چاہا، اور موصوف نے بلا جھجک اس کا موقع فراہم کردیا، جس کے لیے ہم ان کے بیحد مشکور ہیں۔ ان سے مختصر سی گفتگو بلاکم وکاست، قارئین کے پیش نظر ہے:

س: اسلام کی طرف آپ کا میلان کب اور کیسے ہوا؟

ج: یوں تو لگ بھگ پانچ چھ سالوں سے مذہب اسلام کی بنیادی کتابوں (ہندی اور انگریزی میں) کا مطالعہ کر رہا تھا اور اس کا خیال مجھے بلا کسی کے دباؤ یا لالچ کے یا یوں سمجھ لیجیے کہ اوپر والے (اللہ) کی مہربانی سے آیا اور مطالعہ شروع کردیا اور اس طرح آہستہ آہستہ میرے دل کو ہدایت کی روشنی ملتی گئی۔

س: آپ نے اس نیک ارادے کو قطعی طور پر عملی جامہ کب پہنایا۔؟

ج: ویسے تو تین چار سالوں سے میں نے یہ قطعی فیصلہ کرلیا تھا کہ اسلام مجھے قبول کرنا ہے، کیوں کہ اس کی سچائی کا یقین مجھے ہو چلا تھا، مگر کچھ احوال وظروف کے پیش نظر اس کا اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔ بہرحال گزشتہ سال ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ کو محکمہ شرعیہ جدہ میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور پھر ذی قعدہ میں مجھے محکمے سے باقاعدہ اس کی شہادت بھی مل گئی۔ اور اس کے بعد میں نے اسی سال حج بیت اللہ بھی کیا۔

سوال:۔ آپ کا پرانا نام کیا تھا؟ اور اب آپ نے کس نام کا انتخاب کیا ہے؟ اور اب آپ زندگی کے کس مرحلے میں قدم رکھ رہے ہیں۔؟

ج: میرا پرانا نام ہمدیپ کھوٹا تھا، اور اب میں نے اپنا نام سمیر شیخ رکھا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ سمیر مجھے

پہلے سے ہی بہت پایا گیا تھا اور "شیخ" کا لفظ عرب میں بکثرت استعمال کی وجہ سے انتخاب کیا اور اس طرح سیمر فرح اور عمر تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہی غالباً ۳۰ سال ہو گی۔ (میں نے کہا ان شاء اللہ ایک دن آپ ضرور شیخ بن جائیں گے۔)

س : اس کے بعد میرا اگلا سوال تھا مطالعہ کے لیے آپ نے کتابیں کہاں سے حاصل کیں۔؟

ج : چونکہ میں جدہ میں لگ بھگ ۶ سالوں سے رہ رہا ہوں، اس لیے وہیں "اسلامک سنٹر" سے اپنی کی کتابیں حاصل کرتا رہا، اور خاص طور سے کتاب "FAITH IN ISLAM" اور "37 HADEETHS" کا مطالعہ قابل ذکر ہے۔ دوران مطالعہ یا ویسے بھی اس سلسلے کی کسی طرح کی وضاحت کے لیے میں جدہ ہی کی ایک کے امام جناب شیخ علی صاحب اور کچھ دیگر طلبا یا اساتذہ کرام سے رجوع کر لیتا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کی چند سورتیں بھی یاد کر لی تھیں۔

س : اردو اور عربی آپ بآسانی بول اور سمجھ لیتے ہیں، یا کچھ دقت محسوس ہوتی ہے؟

ج : اردو بول اور سمجھ لیتا ہوں، مگر ابھی تک پڑھنا اور لکھنا نہیں آیا ہے۔ اور عربی تو بول بھی لیتا ہوں اور پڑھ بھی لیتا ہوں اور انگریزی اور ہندی تو اپنی پرانی زبان ہے۔

س : ان دنوں آپ کی کیا مشغولیات ہیں؟

ج : فی الحال میں جدہ ہی میں ہی "موسسۃ الشباب التجاریہ" میں اسسٹنٹ مینیجر کی جگہ کام کرتا ہوں۔

س : آخری سوال ہے، کیونکہ آپ اکتا بھی گئے ہوں گے۔ یہاں مدینہ میں آپ اپنے فرم کے کسی کام تشریف لائے ہیں، یا کہ محض عبادت و زیارت مقصود ہے، اور آپ یہ بھی بتائیں کہ اب جبکہ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ماشاء اللہ! تو کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ج : اب میں بالکل سکون محسوس کر رہا ہوں، اور اب میری خواہش یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں (مسائل وغیرہ کے سلسلے میں) زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کروں، اور آپ مجھے اس سلسلے میں کوئی ٹھوس کتاب ہندی یا انگریزی میں بتائیے، جسے میں پڑھوں۔ اور ہاں ایک بات یہ ہے کہ میں نے قرآن کے انگریزی ترجمے میں خدا کے لیے لفظ "GOD" دیکھا، حالانکہ "GOD" کے معنی دیوتا کے ہوتے ہیں اور اس کی مونث GODDES (دیوی) ہوتی ہے، اور خدا تو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس طرح کے شبہ والے لفظ سے بچا جائے تو اچھا ہے، تاکہ ہم جیسے نئے لوگوں کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ (آخر میں میں نے موصوف کا شکریہ ادا کیا اور کتابوں کے سلسلے میں اپنے تعاون کا وعدہ کیا۔)

"ہندوستان میں مسئلۂ تحفظِ شریعت" پر تین مقالات

کلیم اللہ ، ریاض الدین ، محمد رضوان (طالبانِ جامعہ)

۱۰، ۱۱ اور ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء کو ایکشن کمیٹی اترپردیش، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور انجمن شباب اسلام کی طرف سے "ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کا تحفظ" کے عنوان پر نورالاسلام نسواں اسکول گولہ گنج، لکھنؤ میں ایک سہ روزہ علمی سیمینار منعقد ہوا، جس میں جامعہ سلفیہ کے دو اساتذہ مولانا محمد عابد رحمانی اور مولانا محمد یونس سلفی فاضل مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ کے تین طلبہ کلیم اللہ جونپوری، محمد رضوان پورنوی، اور ریاض الدین چمپارنی (فضیلت دوم) نے شرکت کی۔ مولانا محمد عابد صاحب نے ۱۱ مارچ کو بعد فجر درسِ قرآن دیا، پھر صبح کا اجلاس کی صدارت کی۔ دو اساتذہ نے بحیثیت مہمان بھی شرکت کی۔ اور تینوں طالب علموں نے مقالات پیش کیے۔ مولوی کلیم اللہ اور مولوی محمد رضوان نے ۱۰ مارچ کے مسائی پروگرام میں اپنے مقالے پڑھے، اور مولوی ریاض الدین نے ۱۱ مارچ کے صباحی پروگرام میں اپنا مقالہ پڑھا۔ یہ تینوں مقالے علی الترتیب پیش کیے جا رہے ہیں۔ "ادارہ"

... ...

کلیم اللہ بن قاری عبدالمجید جونپوری

امیر شریعت یا امیر المومنین کے اوصاف و شرائط، — ذمہ داریاں اور حقوق و اختیارات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

صدر محترم و معزز سامعین!

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما تھے، اس وقت تک امیر شریعت کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ آپ خود امیر شریعت اور پوری اسلامی اسٹیٹ کے منتظم تھے۔ دینی مسائل میں آپ لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے اور ریاست کے نظم و نسق کو پوری طرح سنبھالے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کی تربیت اسی طرح فرمائی اور ایسے بے مثال جوہر پیدا کر دیے جو آپ کی وفات کے بعد امارت شریعت کی ذمہ داری پوری طرح نبھا سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد امارت کا بارِ گراں علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا، اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے آخری سانس تک اپنے فرائض منصبی نبھاتے رہے

خلافت راشدہ کے خاتمہ کے ساتھ ہی امارت کا سنہرا دور ختم ہوگیا، اور امارت کی ان عظیم الشان ذمہ داریوں اور ان کے انتخابات کے طریقوں میں کجیاں اور انحرافات پیدا ہوتے گئے اور امارت کا مسئلہ ایک نزاعی مسئلہ بن گیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بغیر صحیح قیادت اور امارت کے کوئی قوم نہ ترقی کر سکتی ہے اور نہ اس کے اندر نظم و نسق اور اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی اور غیر معمولی ہر مرحلہ میں امیر بنانے اور اس کی اطاعت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ کا فرمان ہے: لا یحل لثلاثة نفر یکونون بارض فلاة الا امّروا علیهم احدهم۔ (رواہ احمد عن ابن عمر ص ۱۷۷ ج ۲) "تین آدمی جو کسی صحرا میں ہوں، ان کے لیے بھی حلال نہیں ہے مگر یہی کہ وہ اپنے میں سے ایک امیر منتخب کر لیں۔"

کوئی بھی اسلامی مملکت بغیر امارت کے چل نہیں سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر کے علاوہ ائمہ محدثین فقہاء، امام ابن تیمیہ، ماوردی، غزالی، ابن خلدون وغیرہم نے امارت کو واجبات دین میں شمار کیا ہے۔

امیر المسلمین خلیفۃ الرسول ہوتا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ پوری ریاست میں ٹھیک اسی طرح نظام قائم کرے جس طرح آپ نے اور خلفائے راشدین نے قائم کیا تھا۔ جدید دور میں بھی یہ نظام اسی طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔ ماضی قریب میں اس نظام کی اعلیٰ مثال شہیدین کی تحریک میں ملتی ہے

امیر شریعت یا امیر المسلمین کے اوصاف و شرائط : امیر شریعت قوم کا ملاح ہوتا ہے قوم کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر ساحل سے ہمکنار کرنا اسی کا کام ہوتا ہے۔ اس لیے امیر شریعت کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ امارت کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ امت کی قیادت پوری قوم کا مسئلہ ہوتا ہے۔ ہر موقع شناس اور شہرت پسند

شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ عظیم منصب اسے سونپا جائے۔ اس لیے اکابرین و دانشوران امت کا یہ کام ہے کہ وہ ایسے شخص کو امت کی قیادت و امارت پر مقرر کریں جو صحیح العقیدہ ہو، کتاب و سنت کو اسلام کا ماخذ و سرچشمہ سمجھتا ہو، رسول کے اسوۂ حسنہ، خلفاء راشدین اور محدثین کے طریقہ کار اور عقائد کو صحیح سمجھتا ہو اور پوری قوم کو اسی منہج پر لے جانا چاہتا ہو۔ بہترین انتظامی صلاحیت کا مالک ہو، عادل اور منصف مزاج ہو اور بے لاگ اور غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے کا عادی ہو، عقل و تدبر اور اصابت رائے کا حامل ہو۔ واجبات اسلام کی اشاعت اور تنفیذ کا جوش و جذبہ اس کے اندر ہو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مداہن نہ ہو۔ واجبات کا پوری طرح پابند ہو، اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو، اس کے اندر کشادہ قلبی ہو، شریعت کے مسائل سے کما حقہ واقف ہو۔ اجتہادی نظر کا مالک ہو، معاصر نظریات و تحریکات سے واقف ہو اور حالات حاضرہ کا نبض شناس ہو، اخلاص، امانت اور بے غرضی کا مجسمہ ہو، صحت مند اور پُر رعب شخصیت رکھتا ہو، متواضع ہو متکبر نہ ہو، اسلام دشمن عناصر سے پوری طرح نمٹ سکتا ہو۔

ایک اسلامی ریاست کے امیر کے لیے ان اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے، ان اوصاف کو وہ بروئے کار لا کر ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔ اگر ریاست اسلامی نہ ہو تب بھی ضروری ہے کہ غیر اسلامی ملک کے مسلمان اپنے امیر کے لیے ان شرائط کو پیش نظر رکھیں۔ تاکہ وہ صحیح قیادت کے ذریعہ امت مسلمہ کے مسائل کو بحسن و خوبی حل کر سکے۔

انتخاب امیر کا طریقہ: امیر کا انتخاب کس طرح کیا جائے؟ خلافت راشدہ کے عہد کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جمہوری طور کے انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے انتخاب کا معاملہ پوری قوم کو نہ سونپا جائے بلکہ امت کے دانشور حضرات اپنی صوابدید سے کسی شخص کا انتخاب کرکے اعلان کر دیں پھر عوام سے اس پر بیعت لی جائے۔

ذمہ داریاں: امیر شریعت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دین کی پوری طرح حفاظت کرے اور اس کی اشاعت و تبلیغ کے لیے تمام جدید وسائل بروئے کار لائے۔ وہ ایسی اسلامی ریاست اور ایک ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کرے جس کے اندر اسلامی اسپرٹ ہو، تعزیری، معاشی اور سیاسی تمام مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرے اور اسلامی قوانین کو جہاں تک ہو سکے اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرے۔ وہ مسلمانوں کی فرقہ بندی اور مسلکی گروہ بندی کو ختم کرکے کتاب و سنت کے پلیٹ فارم پر ان کو جمع کرے اور اتفاق و اتحاد کے ذریعہ انھیں زنجیر کی ایسی کڑیاں بنا دے جو ایک

دوسرے سے مربوط ہوں۔ لوگوں کے باہمی تنازعات کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرے۔ ظلم و ستم کو پوری طرح معاشرہ سے ختم کرے۔ عدل و انصاف کو اس طرح عام کرے کہ امیر و غریب ہر ایک امن و چین کی زندگی گزار سکیں۔ محرمات اور دیگر منکرات کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ حدود اللہ کو پوری طرح نافذ کرے۔ اگر ریاست اسلامی نہیں ہے تو جہاں حکومت احکام اسلام پر عمل کرنے کی اجازت دے امیر شریعت ان احکام کو پوری طرح نافذ کرنے کی کوشش کرے اور مسلمانوں کے معاشی، شرعی، تعلیمی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے کارآمد منصوبے تیار کرے اور امت کی پسماندگی اور غربت کو دور کرنے کے لیے مفید ذرائع اختیار کرے۔

امیر کے حقوق: رعایا یا مسلمانوں پر امیر کا پہلا حق ہے کہ جب انھوں نے اسے امیر بنایا ہے تو ہر نیک کام میں اس کا تعاون کریں، اور اس کے احکام و فرامین کی پیروی کریں اور اس کی پوری اطاعت کریں۔ اللہ کا فرمان ہے: یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، (پ ۵ نساء ع ۸)۔ یعنی اے مومنو! اللہ اور رسول اور اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ رسولؐ کا فرمان ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن یعصنی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۲۴)

یعنی حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی، پس اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ اسمعوا لہ واطیعوا۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۲۵)

یعنی اگر تمھارا امیر ایک غلام مقرر کیا جائے جو تم کو قرآن کے مطابق چلائے اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹ بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷) یعنی اگرچہ تمھارا عامل ایک حبشی غلام بنا ہو جس کا سر کشمش کی طرح ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت کس قدر ضروری ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: من شذ شذ الی النار۔ (ترمذی ج ۲ ص ۳۹، کتاب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ) [illegible] الگ ہوگا وہ جہنم میں بھی الگ ڈالا جائے گا۔

امیر جو قانون نافذ کرے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کی پابندی کریں اور اس کی مخالفت کر کے امن عام میں خلل نہ ڈالیں۔ وہ امیر کے خلاف بغاوت نہ کریں، اس کی تنقید یا تنقیص نہ کریں۔ اسلام کی راہ میں اگر وہ جانی و مالی قربانی طلب کرے تو اسے پیش کرنے میں دریغ نہ کریں، اگر وہ غلط فیصلہ کرے، کوئی برا کام کرے یا ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرے تو اسے صحیح مشورہ دیں اور اسے سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کریں، اگر امیر ایسا حکم دے جو قرآن و سنت کے صریح خلاف ہو تو اسے امارت سے ہٹا دیں۔

امیر شریعت کا طریقہ کار اور اختیارات : امارت کو صحیح ڈھنگ سے انجام دینے کے لیے ایک (کوئی شخص تنہا امارت کو نہیں چلا سکتا، اس لیے) منظم طریقہ کار اپنانا ضروری ہے۔ اسلام شورائی نظام کا حامی ہے، اس لیے امیر شریعت کو چاہیے کہ وہ ایک ایسی مجلس شوریٰ تشکیل دے، جس کے ارکین صالح باصلاحیت مدبر اور دانشور اور رجال دین سے ہوں۔ وہ تمام اہم مسائل میں ان سے مشورہ کرنے کے بعد حکم نافذ کرے۔ خلفاء راشدین نے یہی طریقہ کار اپنایا تھا۔ وہ ریاست کے علاقوں کو مختلف زون (zone) میں تقسیم کر دے اور وہاں اپنے عاملین مقرر کرے جو ہر کام میں اس کی نیابت کریں۔ اسی طرح ہر علاقہ میں ایک قاضی مقرر کرے جو اس علاقہ کے تنازعات کا فیصلہ کرے اور لوگ اس کے فیصلہ کو تسلیم کریں۔ امیر شریعت کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے علاقہ کو مرکز بنائے جہاں سے وہ پوری ریاست پر نظر رکھ سکے اور وقت ضرورت دیگر علاقوں کا دورہ بھی کرے اور یہ دیکھے کہ آیا تمام کام اسلامی نہج پر ہو رہا ہے یا نہیں۔ امیر شریعت چوں کہ اپنا تمام وقت امت کی ضرورت میں صرف کرتا ہے، اس لیے ذریعہ معاش اپنانے کا اسے موقع نہیں مل سکتا ہے، لہٰذا اسے بیت المال سے اس قدر رقم ملنی چاہیے، جس سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی پوری ضروریات کی کفالت ہو سکے۔ اس کے علاوہ وہ تحفے لینے کی جرأت بھی نہیں لے سکتا ہے۔

وہ پوری ریاست میں نظم و نسق قائم کرنے کے لیے حسب ضرورت کے مطابق انتظامی شعبوں کو تقسیم کر سکتا ہے۔ ریاست اسلامیہ کی فوجی چھاؤنی قائم کرے اور شعبۂ دفاع کو مستحکم کرے۔ اس کے علاوہ بیت المال کی شاخیں ہر علاقہ میں قائم کرے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا باقاعدہ نظام بنائے۔ مجرموں کے لیے جیل خانہ بنائے۔ تعلیم عام کرنے کے لیے مدارس کھولے اور مساجد کی تعمیر کرائے۔ عاملین کو وقت ضرورت کے مطابق تنخواہیں مقرر کرے۔ امیر شریعت یہ دھیان رکھے کہ وہ امور اعلیٰ کو مناسب پر اپنے فیصلے واضح کر کے نافذ کرے

کیونکہ یہ بہت بڑی خیانت ہوگی ۔ وہ ریاست کے شعبوں کو ان کے عہدیداروں کو سونپ کر بے فکر نہ ہو جائے ، بلکہ ہر عامل ، افسر اور عہدیدار کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہے کہ آیا وہ اپنے فرائض میں کوتاہی تو نہیں کر رہے ، یا عوام پر ظلم تو نہیں کر رہے ہیں ۔ ہر ایک سے رابطہ رکھے اور مناسب موقعوں پر انھیں ہدایت اور سرزنش کرتا رہے ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی پندرہ کروڑ ہے اور اگرچہ یہ کوئی اسلامی ریاست نہیں ہے ، لیکن انھیں اسلام کے معتدبہ مسائل پر عمل کرنے کی آزادی ہے ۔ اس لیے ان کا ایک متفق علیہ امیر ہونا اشد ضروری ہے ۔ درحقیقت آزادی کے بعد مسلمانوں کو جن مصائب اور مسائل سے دوچار ہونا پڑا اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ان کا کوئی امیر نہیں ہے ، وہ ملکی گروہ بندیوں میں جکڑے ہوئے ہوں ، اختلافات کے شکار ہیں ، ان میں تنظیم نہیں ہے ، ان کا کوئی مرکز نہیں ہے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ ساری عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر کتاب و سنت پر متحد ہو جائیں اور ایک امیر شریعت کا انتخاب کریں ، اور ہر معاملہ میں اس کی پیروی کریں ، وہ ان کے سماجی و سیاسی مسائل کو حل کرے اور اعلیٰ قیادت کے ذریعہ انھیں قعر ذلت سے باہر نکالے ۔ ایسے مسائل جنھیں حکومت سے ٹکراؤ کے بغیر کتاب و سنت کی روشنی میں حل کیے جا سکتے ہیں ، ان کے حل کے لیے ہر جگہ شاخیں قائم کرے اور مسلمان اپنے فیصلے عدالت کے بجائے مقرر کردہ قاضیوں سے حل کرائیں ۔ اگر اس نازک گھڑی میں بھی مسلمانوں نے ایسا نہ کیا تو خدانخواستہ ، اسپین کی طرح ہندوستان کی تاریخ سے ان کا نام بھی مٹ جانے کا خطرہ ہے ۔

مصادر :- (۱) بعض کتب احادیث (۲) الاحکام السلطانیہ : علامہ ابوالحسن ماوردی (۳) انظام السیاسی فی الاسلام : د. عبدالکریم عثمان (۴) السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیہ : ابن تیمیہ (۵) حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۶) احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت : مولانا محمد تقی امینی (۷) تاریخ اسلام : اکبر شاہ نجیب آبادی ۔

ریاض الدین محمد عرفات چمپارنی

شریعت اسلامی کیا ہے؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (اقبالؒ)

آج دنیا میں بے شمار مذاہب و ادیان اور مختلف قسم کے افکار و نظریات پائے جاتے ہیں، لیکن یہ انسان کی زبردست غلطی اور نادانی ہے کہ اس نے زندگی کے دیگر مسائل کے بارے میں تو عقل و تدبر اور حکمت و دانائی سے کام لیا مگر مذہبی امور میں اس قدر سادہ لوح اور خود فریب واقع ہوا کہ کبھی سنجیدگی سے اس پر غور و خوض نہیں کیا کہ اس کائنات پر موجود ادیان و مذاہب میں سے کون سا مذہب حق اور انسان کی فطرت تکوینی سے ہم آہنگ ہے۔ اور کس کے اصول اور نظام میں انسانیت کے تمام امور اور زندگی کے تمام مسائل کا ایسا بہترین حل موجود ہے جسے انسان اپنا کر دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

آج ہم انسان کے وضع کردہ قوانین و نظریات اور تحریف شدہ ادیان میں دنیا و آخرت کی ان سعادتوں کو ڈھونڈتے ہیں تو حسرت و ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ یورپ کی مادی تہذیب نے آلام اور مصائب کے سوا انسان کو کچھ نہ دیا۔ مارکس نے روزی روٹی کا فلسفہ پیش کر کے ایک پُر فریب جال پھیلا دیا، جس سے آج انسانیت کراہ رہی ہے۔ اخلاقی اقدار دم توڑ چکے ہیں۔ لوٹ مار، قتل و خونریزی کے ہولناک مناظر عام ہو گئے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کوئی نہ کوئی شیطان اٹھتا ہے اور ایسا نظریہ سامنے لاتا ہے جو نیا اور پُرفریب ہوتا ہے۔ کبھی ہیگل اٹھتا ہے اور جدلیاتی کشمکش کا پرفریب نعرہ لگاتا ہے تو کبھی ڈارون دانش و آگہی کے اسٹیج پر جلوہ افروز ہو کر انسان کو بندر ثابت کرنے پر تُل جاتا ہے اور کبھی کانٹ آکر مذہب و تعلیم میں ٹکراؤ بتا کر مذہب کو ترک کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کے علاوہ تمام موجودہ مذاہب خواہ وہ یہودیت ہو یا عیسائیت، ہندومت ہو یا بدھ مت، بنی نوع انسان کے لیے ایسا فطری اور جامع ضابطہ متعین کرنے سے قاصر ہیں جو انسانی احتیاجات کا فطری حل ہو، بلندی کا علمبردار اور امن عامہ کا داعی ہو۔ کسی کا دین قومیت تک محدود ہے تو کسی کا جغرافیائی و علاقائی ہے

اور کسی کا دین پیدا ہی اسی دور کے تقاضوں سے ہوا ہے جو ابھی کل گزر چکا ہے اور کسی نے ہر قسم کی فضیلت و بزرگی کو چند مخصوص ذاتوں کے لیے خاص کر کے پوری انسانیت کو اونچ نیچ کی لعنت میں گرفتار کر دیا۔

ظاہر ہے یہ افکار و نظریات اور یہ خیالات انسان کے مطلوبہ سوالات و احتیاجات کا جواب ہرگز نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ضرورت تھی ایک ایسے مذہب کی، ایک ایسی شریعت کی جس میں انسان کے تمام سوالات کا فطری حل موجود ہو۔

تاریخ کے بکھرے اوراق اور ماضی کے تجربات زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ درحقیقت مذہب اسلام یا شریعت اسلامی ہی مالک کائنات کا عطا کردہ وہ دین کامل ہے ضابطۂ حیات ہے، جس میں انسانیت کی تمام پیچیدگیوں کا فطری حل موجود ہے۔ یہ شریعت ہدایاتِ ربانی و ارشاداتِ نبوی کا وہ حسین گلدستہ ہے جو محسن انسانیت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن و حدیث کی صورت میں ملا ہے، اور اس کی تمام تر شکل وہی ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل نبی عربی پر نازل ہوئی تھی۔ اس نے ببانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ معبود حقیقی صرف ایک ہے، سروری و سرداری فقط اسی ذاتِ بے ہمتا کو زیبا ہے۔ باقی سب اس کے بندے ہیں اور اس کی بندگی میں تمام انسان برابر ہیں۔ اس لیے آقا ہوں یا غلام، کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، مرد ہوں یا عورتیں، سب اللہ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے میں برابر کے شریک ہیں۔ کسی کو کسی پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں ہے۔ "الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد۔ الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی" [1] اس طرح پوری نوع انسانی ایک سطح پر آگئی۔ کوئی کسی پر کسی قسم کی فوقیت نہیں رکھتا کہ اس کو حقیر سمجھ کر اپنا غلام بنا لے یا اس کا حق پامال کرے۔ ایسے ہی: "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف" [2] کا اعلان کر کے صنفِ نازک کو اس کے تمام پیدائشی اور فطری حقوق سے سرفراز کیا۔ اب عورت مرد کی لونڈی نہیں بلکہ انسانیت کی عظیم ماں اور محسنہ ہے۔ اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" [3] کا

---

[1] مسند احمد ۵/۴۱۱) "یاد رکھو تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں۔ یاد رکھو کہ نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر، مگر صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔"

[2] سورہ بقرہ رکوع ۱۱) "عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر۔"

[3] (سورہ حجرات پارہ ۲۶) "درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

قانون بنا کر کالے اور مظلوم زمانہ حبشیوں کو گوروں کے برابر کر دیا۔ اب کوئی گورا کسی کالے کا حق پامال نہیں کر سکتا اسلامی معاشرے میں برہمن، چھتری، اور شودر کا بھید بھاؤ نہیں۔

اسلام زندگی کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی نظر میں دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں، اس کے ہاں نہ تو خالص مادیت کے لیے گنجائش ہے اور نہ ہی اس نے ترک دنیا کی اجازت دی ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں میں سے ایک کی انتہا کو پسند کرتا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے تو یا تو وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے یا کم از کم وہ ناقص الاسلام اور ظالم ہے۔

اسلام انسانی اجتماعیت کو واضح رہنمائی دیتا ہے، تدبیر مملکت اور اصلاح اجتماع کے لیے اس کے پاس متعین اصول ہیں جن کے تقاضے سے اسلام کا سیاسی ڈھانچہ ہر معاشرہ، ہر دور اور تمدنی ارتقا کے ہر مرحلے کے لیے موزوں ترین ہے۔

اسلام انسانی حاکمیت کی نفی کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو ہی سب کا حاکم اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ انسانی قانون سازی کو وہ شرک اور اپنے مالک کے مقابلے میں بغاوت شمار کرتا ہے۔ اس طرح وہ رسول اکرم کو خدا کا رسول ہونے کی حیثیت سے شارع اور واجب الاطاعت قرار دیتا ہے، اور ان کے حکم سے انحراف کو خدا کے حکم سے انحراف کے مترادف بتاتا ہے۔

اسلام میں نظام حکومت شورائی ہے۔ یہ نہ کسی طبقے کی حکومت ہے نہ کسی خاندان کی بلکہ یہ اللہ کی حکومت ہے جو اس کے نیک بندوں کے ذریعہ چلائی جاتی ہے۔ تحکم و تکبر اور خود سری کے لیے اسلام کے سیاسی نظام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں ہر جان کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ لوگوں کی جان و آبرو سے کھیلنے والوں کے لیے اسلامی حکومت میں کوئی جائے پناہ نہیں۔ دو افراد باہم ایک مسئلہ پر اختلاف اور دوسرے پر اتفاق کر سکتے ہیں، لیکن کسی مستقل حزب اختلاف کا تصور اسلام کے سیاسی نظام میں موجود نہیں ہے، البتہ حق گوئی کا مقام سب سے بلند ہے۔ حق کو جہاد اکبر کہا جاتا ہے۔ اس طرح اسلام میں سیاسی نظام بذات خود ایک خدمت خلق ہے۔

اسلام میں حقوق شہریت سب کے لیے برابر ہیں، ریاست کے اخلاقی اور قانونی حدود میں رہتے ہوئے ہر شخص کو پورے طور پر اپنے ارادے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کا حق حاصل ہے اور اسی آزادی پر خدا کے ہاں جواب دہی کا انحصار ہے۔ اسلام میں معاش کو معاد کے برابر حیثیت دی گئی ہے۔ غذا، لباس، رہائش، تعلیم و علاج انسان کی بنیادی ضروریات ہیں، اسلام ان ضروریات کی کفالت کے لیے جو ذریعہ قانون بناتا ہے۔ دنیا کے مذاہب میں صرف اسلام ہی ہے جو مالیات اور غریبوں کی کفالت کے لیے زکوٰۃ کو ملک کے تمام امراء سے جمع کر کے

۔ کے تمام غربا پر مسلسل اور متواتر ہر سال تقسیم کرتا ہے۔ اور اس سے روگردانی ...... کرنے والوں کے
ت بغاوت کا مقدمہ قائم کرکے خلیفہ اول کی طرح جہاد کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی حکومت میں غربا بھی امرا
یسا مقدس ٹیکس عائد کرتے ہیں جس سے کسی بھی صاحب استطاعت کو فرار نہیں ہے۔

اسلام تقسیم دولت میں مساویانہ کے بجائے منصفانہ تقسیم کا قائل ہے۔ اسلام دولت کو گردش میں رکھنے کا
یتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی سے منع کرتا ہے، اور جو لوگ سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ان کی دولت
کر غریبوں میں تقسیم کر دیتی ہے: " وفی اموالهم حق للسائل والمحروم "۔ اسلام میں فرد کو نہ سرمایہ
انہ نظام کی طرح کھلی چھوٹ ہے کہ جس طرح چاہے استعمال کرے اور نہ سوشلزم کی طرح قید و بند ہے کہ اس کا اپنی
کا کسی کام میں دخل نہ ہو۔

اسلام نہ تو علم کا دشمن ہے اور نہ ہی علماء کا نہ وہ سائنس کا مخالف ہے اور نہ ہی اہل فکر و نظر کا، بلکہ تاریخ
ہے اور علوم قرآن شاہد ہیں کہ اسلام ہی سائنسی ترقی کا داعی اول ہے۔ یہ قرآن ہی کی دعوت تحقیق و تفکر ہے جس
سائنس کو آج ارتقاء کے ان بلند منازل تک پہنچانے کی تحریک بخشی ہے۔ اور یہ بات سرے سے ہی غلط اور بے بنیاد
کہ مذہب و سائنس میں ٹکراؤ ہے .... بلکہ مذہب جہاں سے شروع ہوتا ہے، سائنس کی
ائی وہاں ختم ہو جاتی ہے۔ سائنس کا جو منتہائے پرواز ہے وہ مذہب کا نقطۂ آغاز ہے۔

اسی طرح عورت اور مرد کا رشتہ "ازدواج" اسلام کے معاشرتی نظام میں ایک نہایت اہم اور مقدس رشتہ
جس سے انسان اور انسان کی تربیت گاہ خاندان وجود میں آتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں میں صنفی اور جسمانی
سے فرق نے دونوں کے دائرۂ کار میں بھی فرق پیدا کر دیا ہے۔ معیشت کا ذمہ تمام تر مرد کا ہے جو بیرونی مشقت کا
ہے اور خاندان سازی اور خانہ داری عورت کا کام ہے جو نہایت نازک اور جذباتی ہم آہنگی اور نفسیاتی توازن
م ہے۔ اسلام معاشرتی طور پر مردوں اور عورتوں میں انسانی حقوق کی مساوات قائم کرتا ہے، البتہ انتظامی مقاصد
یے مرد کو خاندان میں سربراہ مقرر کرتا ہے تاکہ انسانی نظام مستحکم بنیادوں پر قائم رہے۔ عورت کی حفاظت کے لیے
ام تیغ براں کی مانند ہے اور اس پر ہاتھ اٹھانے والے کا ہاتھ توڑ دیا جاتا ہے۔ اسلام شادی بیاہ میں مرد و عورت
دوں کو پسند کا حق دیتا ہے۔ انتخاب کے لیے ولی کو حق ولایت ضرور حاصل ہے۔ مگر ان کی رضامندی کو شادی میں

رہ ذاریات پارہ ۲۶) اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔

اولیت کا مقام حاصل ہے۔

اسلام رشتہ داری اور ہمسائگی کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ صلہ رحمی ایک فریضہ ہے جو ہر مسلمان پر واجب ہے اور جو شخص ہمسائے کو بھوکا چھوڑ کر خود پیٹ بھر کر سو جاتا ہے وہ اپنے لیے خدا کی شدید ناراضگی مول لیتا ہے۔ خوش خلقی ہمدردی اور امداد باہمی وہ صفات ہیں جو اسلام معاشرے کے ہر فرد میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نیک کاموں میں تعاون اور برے کاموں میں عدم تعاون کا حکم دیتا ہے۔ دوستی اور دشمنی کا معیار صرف اللہ کی رضا کو قرار دیتا ہے۔ حسد، بغض چغلی اور غیبت کی سخت ممانعت کرتا ہے اور بھائی بھائی بن کر رہنے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام معاشرے میں ہر فرد کو ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے روکنے اور مظلوم کی دستگیری اور حمایت کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح اُسے نیکی اور عدل کا پہریدار بنا دیتا ہے۔

یہ اسلام کے وہ بنیادی تصورات و تعلیمات ہیں، جن کا دعویٰ دنیا میں اسلام کے سوا آج تک کسی مذہب نے نہیں کیا، اس کی ساری تعلیمات انہی بنیادوں پر مبنی ہیں۔ یہ تعلیمات خواہ دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے، عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے، تہذیب نفس سے متعلق ہوں یا معاشرت و سیاست سے، وسیع و آفاقی بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں جو اس کے من جانب اللہ، عالمگیر ابدی اور دائمی ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔

... ...

موجودہ حالات میں علماء و طالبان علوم نبوت کے کام اور ذمہ داریاں

محمد رضوان عبد الحکیم پورنوی فضیلت سال آخر

جب ہم اسلامیانِ ہند کے مختلف ادوار پر نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی یہ خدا سے بے اعتنائی اور کتاب و سنت کی تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کر کے ظلمت و ضلالت، بدعات و خرافات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہوئے تو ضرور کچھ نیک بندے ان کو دین حق کی دعوت دینے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گزشتہ قرنوں میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید، مجدد الف ثانی، سید احمد شہید، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ نے یہ خدمت

انجام دگا۔ اس سلسلے کی ایک کڑی ہم علماء و طالبانِ علوم نبوت ہیں۔ سب سے پہلے علم و اہلِ علم کی فضیلت پر روشنی ڈالنا مناسب ہوگا۔

دینی طلبہ و علماء کا مقام: یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلام نے طلباء علوم دینیہ کو تفوق و برتری، عزت و وقار، حشمت و جلال اور فضیلت و عظمت کے بام عروج پر پہنچا دیا ہے یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (المجادلۃ / ۱۱) خدا تم ایمانداروں اور علم والوں کے درجے بلند کرے گا۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ (الزمر: ۹) کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ ...... شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔ (آل عمران: ۱۸) (خود خدا اور سب فرشتے، اور سب سچے علم والے شہادت دیتے ہیں۔ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، وہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے توحید کی شہادت کے متعلق اہل علم کو اپنے اور فرشتوں کے ساتھ شامل کرکے ان کی عدالت، تزکیہ اور اہمیت و فضیلت میں چار چاند لگا دیا۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا: اقرب الناس من درجۃ النبوۃ اھل العلم .... (العلم والعلماء) (اہل علم درجۂ نبوت کے زیادہ قریب ہیں) فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۴) عالم کی فضیلت عابد پر، جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔

یہ علماء و طالبانِ دین ہی ہیں جن پر فضا میں اڑتی چڑیاں، سمندر میں تیرتی مچھلیاں اور بلوں میں پناہ لینے والی ننھی منی چیونٹیاں رحمت و مغفرت کی دعائیں نچھاور کرتی ہیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۹۳)۔ ان کی زندگیاں قابلِ رشک ہیں۔ یہ قوم و ملت کے پاکیزہ جذبات کا مرکز اور روشن مستقبل کی امیدیں ہیں۔ یہ ہیں تو چمنستانِ مدارس اسلامیہ میں بہار ہے، رعنائی ہے، شادابی ہے، یہ کسی بھی تحریک جمعیۃ یا سوسائٹی کے روح رواں ہیں اور اس خوشبو کی طرح ہیں جس کے بغیر پھولوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں .... یہ ان فضائل کے حامل کیوں نہ ہوں، جبکہ یہ: طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (مشکوۃ ج ۱ ص ۳۴) علم طلب کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ (التوبۃ: ۱۲۲) پس ایسا کیوں نہ کریں کہ ہر ایک قوم سے چند آدمی آئیں اور رسول اللہ کی خدمت میں رہیں تاکہ دین کی تعلیم حاصل کریں اور جب

اپنی قوم میں جائیں تو ان کو سمجھائیں تاکہ وہ بھی (برے) کاموں سے) بچتے رہیں ـــ کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں اور اللہ و رسول کے فرمان کی بجاآوری کا ثبوت دے رہے ہیں۔

یہ رہا علماء کی عظمتوں کا مختصر سا بیان۔ اب موجودہ حالات کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ ایسے حالات میں علماء پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟

موجودہ حالات: یہ ایک امر مشاہدہ ہے کہ مسلمانانِ عالم جو کبھی عزت و برتری، شان و شوکت کے تنہا مالک سمجھے جاتے تھے، اب انتہائی ذلت و خواری، افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ خصوصاً مسلمانانِ ہند جن نازک و سنگین حالات سے دوچار ہیں، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کیا مسلم پرسنل لا Muslim Personal Law میں مداخلت، قرآن کریم پر پابندی کا مطالبہ، یکساں سول کوڈ Civil Code نافذ کرنے بنائے جانے کا منصوبہ، مسجدوں پر ناجائز قبضہ، سربازار مسلمانوں کا قتل و خون، اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں ہے۔ آج طاغوتی اور اسلام دشمن طاقتیں اور تحریکیں اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے دل و جان سے کوشاں ہیں۔ مارکس و لینن کا سرزمین میں بے گناہوں اور مظلوموں کے خون اور گوشت سے پلے ہوئے شرپسند بھیڑیے ہیں جو مسلسل غرا رہے ہیں۔ ایسے پُرآشوب دور اور اسلام مخالف فضا میں خصوصاً علماء و طلباء امت پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

تعلیم قرآن و حدیث: ہماری سب سے پہلی اور بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ جب ہم اپنے اختیار و مرضی سے اپنے وطن، والدین اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر محض اللہ کی رضا کے دین کی خاطر مدارس کو اپنی اقامت گاہ بنایا ہے تو ہم یہاں رہ کر اپنے نفوس کو کتاب و سنت کی ٹھوس تعلیم سے مزین کریں، شریعت کے حقائق، اسرار و رموز سے واقفیت کے ساتھ ساتھ نئے علوم، مغربی تہذیب اور اس کے دامِ گمراہ کن نظریات سے بھی باخبر ہوں تاکہ معاندین اسلام و مستشرقین کے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے مسکت و دنداں شکن جواب دے سکیں۔

تزکیہ و ترک معاصی: دوسری اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وارثین انبیاء و حاملین کتاب و سنت کی حیثیت سے ہماری عملی زندگی، تقویٰ، پاکبازی، خشیت الٰہی، ایمان و یقین اور استقامت و استقلال کی آئینہ دار ہو۔ ہم ہر قسم کے رذیل اوصاف، اخلاقی گراوٹ، کذب و افترا اور معصیت کے کاموں سے

بالکلیہ اجتناب کریں، کیوں کہ حصولِ علم کے لیے ترکِ معاصی ضروری ہے۔ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے اپنے استاذ امام وکیعؒ سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ ہر طرح کی معصیت سے بچو۔ ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی
لان العلم نور من الله ونور الله لا یعطی لعاصی

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام وکیع سے اپنی کمزوریٔ حافظہ کی شکایت کی، تو انھوں نے معصیت سے بچنے کا حکم دیا۔ کیوں کہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہ گار کو نہیں ملتا۔

وقت کی قدر، محنت وسعی: وقت اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ایک بے مثال، بیش قیمت وگراں قدر سرمایہ ہے ہم اس عظیم سرمایہ کو رائگاں نہ جانے دیں، اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اغتنم خمسا قبل خمس: شبابک قبل هرمك، وصحتك قبل مرضك، وغناك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك۔ (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۱)۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، کشادگی کو تنگی سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔

وقت کی قدر کرتے ہوئے جدوجہد، کدوکاوش وجانفشانی سے اکتسابِ علم میں لگے رہیں۔: وان لیس للانسان الا ما سعی (النجم: ۳۹) اور یہ کہ انسان جو کچھ محنت کرے گا وہی پائے گا۔

ہمارے اسلاف کرام جن کی شہرت وناموری کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے، یہ ان کی وقت کی قدردانی، بے لاگ جدوجہد ہی کا ثمرہ ہے۔ ہم بھی اگر دین ودنیا میں سعادت وعظمت اور سرخروئی چاہتے ہیں تو ہمیں محنت کرنی ہوگی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلی سهر اللیالی (ازهار العرب)

احساسِ کمتری: ہمیں احساسِ کمتری سے بچنا ہوگا کیوں کہ یہ ایسا مہلک مرض ہے جس سے عقل ماؤف، ہمتہ مفلوج اور حوصلے پست ہوجاتے ہیں۔ احساسِ کمتری دین وایمان کی کمزوری، ضعفِ عقیدہ، بے حوصلگی اور بزدلی کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا والوں کے سامنے کھل کر اسلام پیش کرنے سے گھبراتے اور اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے سے کتراتے ہیں۔ ..... یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے پاس

...لنڈ تعالیٰ کا محبوب دین اسلام، انبیاء علیہم السلام کے عطا کردہ علوم و حقائق ہوں اس کے باوجود ہم احساس کمتری کا ...ار ہوں۔

...ودداری: ہم خوددار، خودشناس، وسیع النظر اور دور اندیش بنیں، ہم اپنے اندر بیدار مغزی، عالی ظرفی، اولوالعزمی اور بلند حوصلگی پیدا کریں، زمانہ کے ہاتھوں بک نہ جائیں، اپنی عزت و وقار ...ر امتیازی شان و شوکت کو کھو نہ بیٹھیں۔ خدانخواستہ ہم معاشی و اقتصادی بدحالی میں مبتلا ہوں تو در در کی بھیک ...ے کر نہیں، اپنے اسلاف کرام کی طرح مختلف پیشے اختیار کر کے اپنی معاشی حالت کو سدھاریں اور ساتھ ساتھ یہ ...ہن رکھیں کہ فاقہ کشی، انبیاء کرام و سلف صالحین کی سنت ہے۔ (العلم والعلماء) ۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں: ...شبع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ ...یہ وسلم (ج ۳ ص ۴۰۹) یعنی آپ اور آپ کی آل پے در پے دو دن بھی آسودہ نہ ہو سکی۔

...ید تحریکات کا تنقیدی مطالعہ: آج پوری دنیا بالخصوص ہندوستان میں بہت سی اسلام دشمن تحریکیں اور نت نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ...ر ہم ایسی تحریکوں اور جماعتوں کا سطحی اور جانبدارانہ نہیں، تحقیقی، تنقیدی اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں۔ اسلام کے ...ف ان کے پروپیگنڈہ، سازش اور حملوں کا دفاع کتاب و سنت کی روشنی میں کریں۔ اپنی زبان و قلم، تقریر ...ر میں لطافت، فصاحت، شگفتگی اور جامعیت پیدا کر کے پوری دنیا میں اسلام کی حقانیت کا پرچم لہرا دیں۔

یہ ذمہ داریاں بحیثیت علماء و طلباء دینی درسگاہوں میں رہتے ہوئے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اب ہم یہ دیکھیں ...کہ مدارس سے نکل کر میدانِ دعوت و جہاد میں قدم رکھنے کے بعد کیا ذمہ داریاں ہیں۔

۱) دعوتِ دین: دینِ حق کی دعوت، اسلام کی نشر و اشاعت، پوری امت مسلمہ خصوصاً علماء اسلام کا اہم فریضہ ہے، کتاب و سنت میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے .... ولتکن ...کم امۃ یدعون الی الخیر (آل عمران۔ ۱۰۴) تم میں سے ایک جماعت دعاۃ کی ہمیشہ موجود رہے جو ...ں کو بھلائی کی طرف بلائے ۔۔۔ وادع الی ربک ولا تکونن من المشرکین (قصص: ۸۷) اور ...نے پروردگار کی طرف بلاتا رہ اور مشرکوں میں سے کبھی نہ ہو جیو۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ ...سنۃ۔ (النحل: ۱۲۵) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دانائی اور عمدہ عمدہ نصائح سے لوگوں کو بلاتا رہ۔

بلغوا عنی ولو آیۃ ۔ میری جانب سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی آیت ۔

(۲) علم : دوسری بنیادی چیز علم ہے ۔ ہمیں حلت و حرمت ، اجتہاد و استدلال ، قوانین شریعت کی حکمت و فلسفہ اور دلائل و براہین کا گہرا مطالعہ کرنا ضروری ہے : فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ واستغفر لذنبك ۔ (محمد : ۱۹) تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کرو ۔
بخاری شریف میں ہے : العلم قبل القول والعمل ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۶) قول و عمل سے پہلے علم ہونا ضروری ہے ۔ دین کی دعوت ، عمل بالکتاب والسنۃ سے پہلے علم ضروری ہے ۔

(۳) عمل بالقول و اصلاح نفس : اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے اپنی ، پھر اپنے اقرباء و خاندان کی اصلاح ضروری ہے : یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا ۔ (التحریم ۶) اے مسلمانو! تم اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو آگ سے بچاؤ ۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (الصف : ۳) یہ خدا کے نزدیک بڑے غضب کی بات ہے کہ جو کہو اس پر خود عمل نہ کرو ۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (بقرہ : ۴۴) کیا لوگوں کو بھلی باتیں بتاتے ہو اور اپنے آپ کو بھلاتے ہو ۔

(۴) حکمت : دعوت الی الدین میں حکمت و مصلحت کو مدنظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے : ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ ۔ حکمت کے تحت بہت سے امور آتے ہیں ، مثلاً رفق نرمی ، شفقت و محبت کو اپنانا اور کبر و نخوت سے اجتناب کرنا ۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك ۔ (آل عمران : ۱۵۹) تو اللہ کی رحمت سے ان کے لیے نرم ملا پیدا ہوا ہے ، اگر تو سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے یہ لوگ بھاگ جاتے ۔ من یحرم الرفق یحرم الخیر ، جو رفق و نرمی سے محروم ہے وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم ہے ۔ (مسلم ۳۲۲/۲)
لوگوں کے مزاج اور وقت کی رعایت کرنا ، اپنے کلام کو سلجھے ہوئے انداز میں اختصار کے ساتھ پیش کرنا ، مناسب وقت پر وعظ و نصیحت کرنا ، محض فتنہ و فساد کے خوف سے بعض جائز امور کو ترک کر دینا ، عفو و درگزر سے کام لینا حکمت و مواعظ حسنہ میں داخل ہے ۔

(۵) رفتار زمانہ سے ہم آہنگی : دعوت الی الحق میں ہمیں زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھنا ہوگا ۔ ہمیں زمانہ کے

بدلتے ہوئے تیوروں پر کڑی نگاہ رکھنی ہوگی۔ جس زمان و مکان میں خدمت اسلام کے جس اسلوب و طرز کی ضرورت محسوس ہو، ہم اسے بلا تکلف اختیار کریں۔ وقت کے تقاضوں کو سمجھیں۔ آج جبکہ مسلمانوں کو اسلام سے دور رکھنے کی سرتوڑ کوششیں کی جارہی ہیں۔ کیا وقت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق میں سرگرم عمل رہیں؟ غیر ضروری جزئی مسائل میں الجھے رہیں۔ نہیں! قطعاً نہیں، بلکہ وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ ہم خود متحد ہو کر منتشر افراد ملت کو ایک لڑی میں پروئیں۔ (اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا) اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔ کا درس دیتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں۔ اور یقیناً یہ پلیٹ فارم کتاب و سنت کا پلیٹ فارم ہے۔ لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی۔ قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہو تو ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔

(۶) **عوام کی زبان و معیار کی رعایت:** کسی ملک شہر یا گاؤں میں دین کی خدمت کے لیے ہمیں اس جگہ کی زبان و ادب کو جاننا ہوگا، قوم کو اس کی زبان میں تعلیم دینی ہوگی۔ ہماری تحریر و تقریر میں کشش، جاذبیت اور دلآویزی ہونا بہت ضروری ہے۔ انبیاء کرام نے اپنی قوم کو اس کی زبان میں دعوت دی: وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔ (ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا افصح العرب۔ (میں عربوں میں سب سے زیادہ صاحب فصاحت ہوں) ہمارے اسلاف کرام حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ اسماعیل شہید، ابن تیمیہ، امام حضرت شیخ جیلانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ نے اپنی لطافت ذوق، سلامت طبع، سخن فہمی و انشا پردازی سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے خیالات و رجحانات پر گہرا اثر ڈالا۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں ان کی زبان و قلم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(۷) **وسیع النظری:** داعی دین ہونے کی حیثیت سے ہم وسیع النظر، فراخ دل اور رواداری ہوں۔ ہمارے دل و دماغ ہر طرح کی غلط فہمی، غلط اندیشی، کوتاہ بینی، تنگ نظری، جانبداری اور خصوصاً تعصب سے پاک ہوں، کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ تعصب نے ہمیں نفرت، عداوت اور جمود و تعطل کے سوا کچھ نہیں دیا۔ موجودہ خانہ جنگیاں، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، گروہ بندیاں، اور مسلکی فتنے و موشگافیاں سب اسی کی پیداوار ہیں۔

(۸) **صبر و تحمل، توکل علی اللہ:** ہم جب پوری طرح تیار ہو کر میدان دعوت و جہاد میں آئیں گے تو ہمیں گوناگوں آلام و مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا ہوگا، ہمیں طعن و

تشنیع، طنز و استہزاء کا نشانہ بنایا جائے گا۔ روڑے پر روڑے ڈالے جائیں گے، رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ ہمیں ان صبر آزما مراحل کو خندہ پیشانی سے طے کرنا ہوگا۔ ذہن میں ہر لمحہ یہ بات رکھنی ہوگی۔

حوصلے پست نہ ہوں ولولے پژمردہ نہ ہوں　　وقت کے سانچے میں ڈھل کر ہی نکھرتی ہے حیات

ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنا ہوگا۔ ہم پر ضروری ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت صبر و تحمل سے کام لیں۔ ان شاء اللہ نصرت و تائید الٰہی، فتح و کامرانی، اقبال و ظفرمندی ہمارا استقبال کرے گی۔

علماء دین و زعماء قوم کے کچھ اہم ضروری کام:

۱۔ ریاستی، ضلعی یا کم از کم قصباتی پیمانہ پر محکمہ شرعیہ و دارالقضاء کا قیام اور فیصلے میں مسلک و مذہب کی رعایت۔
۲۔ اپنے اپنے علاقہ میں لائبریری قائم کرنا، اس میں دینی اسلامی کتب، رسائل و جرائد فراہم کرنا۔
۳۔ ریاستی پیمانے پر خصوصاً ہندی اور انگریزی پریس کا قیام۔
۴۔ ہندی اور انگریزی میں اسلامی سانچے پر ڈھالنے والے رسالے، لٹریچر اور کتابچوں کی اشاعت خصوصاً غیر مسلموں میں۔
۵۔ غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ سے اختلاط و قربت نیز اس سے تبادلۂ خیالات کرتے رہنا۔
۶۔ بیت المال کا قیام، جس میں کمزور و مفلس طبقہ کی روزی روٹی اور تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاسکے۔
۷۔ تعلیم بالغاں و تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دینا

آخری پیغام: سفینۂ حق کے ناخداؤ! تم اپنے سفینے کو طوفانی سمندر کے بیچ منجدھار میں ہچکولے کھاتا چھوڑ کر کہاں غفلت کی نیند سو رہے ہو۔ اٹھو تساہلی، عجز اور نادانی کی تمام دیواروں کو منہدم کر دو، اپنی کشتی کو غرق ہونے سے بچالو۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

●●●

مسئلہ بنیادی ہے!

عبیداللہ ناصر

"نام میں کیا دھرا ہے" ، چند برس پہلے اس عنوان کے تحت ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ جیسا کہ عنوان کے اسلوب سے واضح ہے، مضمون نگار نے یہ دکھایا تھا کہ بنیادی چیز انسان کا عقیدہ و کردار ہے، نام تو محض فرد کی تشخیص کا ذریعہ ہے۔ اس بنیاد پر رام داس نامی شخص ہو سکتا ہے ہندومت کا کٹر مخالف ہو، ٹھیک ویسے ہی جیسے عبداللہ و عبدالرحمان کسی ملحد کا نام ہو۔ جارج اور پال کسی عیسائی کا نہیں بلکہ کسی مسلمان کا نام ہو۔ اور شریف میاں کسی بدمعاش کا نام ہو۔ اور یہ بڑی واضح حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ کوکا کولا کی بوتل میں وہسکی بند ہو، تو صرف اس سے کہ بوتل کوکا کولا کی ہے، وہسکی کوکا کولا نہیں بن جائے گی۔ کسی عام ہوائی چپل پر باٹا کمپنی کا لیبل لگ جائے تو کیا وہ حقیقت میں باٹا کی ہو جائے گی؟ اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر آگے چلیے۔

"آخر سیکولرزم کیا ہے؟ یہی نا کہ ہندو مسلمان کے درمیان کوئی تفوق نہ رہنی چاہیے۔ مذہب کی بات بیچ میں نہ آئے۔ ہم سب ہندوستانی ہیں، ہم سب کے حقوق میں کوئی امتیاز نہ ہونا چاہیے۔ سارے ہندوستانیوں کو مساوی مواقع فراہم ہونے چاہییں۔ مسلم عورت اور ہندو عورت کے درمیان کوئی فرق نہ ہو، ہم سب کو مل کر مشترکہ سول کوڈ کی خاطر لڑنا چاہیے۔" "یہ بات انتہائی غیر مناسب ہے کہ کسی عورت کی کوئی ایک بھی سوت ہو، مسلم پرسنل لاء میں زبردست الٹ پھیر کی ضرورت ہے۔" "اسلام عورت کے حق میں اپنی آمد کے وقت پائے جانے والے مذاہب کے بالمقابل زیادہ مناسب تھا، لیکن اب مشترکہ سول کوڈ ہی مثالی قانون ہو سکتا ہے۔" "جب ہم ہر چیز میں مساوات کی بات کرتے ہیں تو آخر کیوں ترکہ کی تقسیم اس اصول سے ہٹ کے ہو۔" "مسلم عورت کے حقوق سے متعلق پارلیمنٹ میں زیر غور بل، ملک کو فرقہ وارانہ حدود میں بانٹ دے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر جمہوریت پسند اور سیکولر ذہن کا آدمی بلکہ پڑھا لکھا مسلمان بھی اس کی مخالفت کرے۔" یہ چند اقتباسات موضوع کی توضیح کے لیے کافی ہیں۔

ایسی باتیں کون لکھ سکتا ہے۔ کوئی مسلمان؟ اس کا جواب اثبات میں دے کر میں قارئین کے نزدیک اپنی دماغی

حالت مشکوک نہیں بنانا چاہتا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے یہ باتیں کہی ہیں۔ ان کے پاس جماعت مسلمین میں شامل ہونے کے لیے نام اور خاندان کی سند موجود ہے اور انھوں نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایسی باتیں کہی ہیں، اور چھاپنے والوں نے ان کی باتیں انھیں مسلمان مان کر چھاپی ہیں۔ لیکن اب آپ شاید یہ کہیں نام میں کیا دھرا ہے۔؟

اس جیسے لادینی افکار رکھنے والے اگر مسلمان ہونے کے مدعی ہیں تو انھیں جان لینا چاہیے کہ وہ اسلام کی الف ب بھی نہیں جانتے۔ مسلمانوں جیسا نام رکھ لینے اور اپنے کو مسلمان کہنے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا۔ مسلمان ہونے کے لیے کچھ شرطیں اور تقاضے ہیں۔ پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ فرد اسلام کے بنیادی اصول سے پورے طور پر متفق ہو یعنی اس کے دل میں اسلام کے بنیادی نکات میں سے کسی ایک بھی نکتہ کی جانب سے شک نہ ہو، بلکہ تمام نکات کو تہ دل سے ماننے اور زبان سے اقرار کرے۔ اس رو سے کسی کے اپنے کو مسلمان کہنے کا معنی یہ ہوگا کہ وہ صرف اللہ ہی کو اپنا خالق ومربی اور الٰہ یعنی معبود مانتا ہے اور صرف اسی کو حاکمیت کا مستحق سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو صرف اسی کا محکوم مانتا ہے، اس لیے حاکمیت، الوہیت کی بدیہی خصوصیت ہے۔ ”ان الحکم الا للہ“ ”الا لہ الخلق والامر“ ”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون“۔ اور اس بات کا بھی مقر ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی رسول آنے والا نہیں ہے اور جو شریعت آپ لائے ہیں، جو کہ ہمارے پاس قرآن مجید اور احادیث کی صورت میں محفوظ ہے، وہ اللہ کی جانب سے اتاری ہوئی شریعت ہے اور اس کی اتباع واجب ہے۔ اس میں کسی شک یا تبدیلی و تغیر کی گنجائش نہیں ہے: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ اور یہ کہ یہ شریعت رنگ و نسل، قوم و ملت اور زمان و مکان کے کسی امتیاز کے بغیر رہتی دنیا تک آنے والی ساری انسانی نسل کے لیے ہے۔ یہ ساری باتیں اسلام کی بنیادی باتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار اسلام کے منافی ہے۔

ان باتوں کا اعتقاد رکھنے والا کوئی شخص جب شریعت یا شریعت سے متعلق مسائل میں لب کشائی کرنا چاہے گا تو کیا اس بات کا ذرہ برابر بھی امکان ہے کہ وہ مشترکہ سول کوڈ کی بات کرے گا؟ تقسیم ترکہ کے اسلامی اصول کو ظلم و جبر پر مبنی ٹھہرائے گا؟ اسلام کو رجعت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ مانے گا؟ ہرگز نہیں کیوں کہ وہ مسلمان ہے، اور اس کا مسلمان ہونا اس بات کے ایمان کو مستلزم ہے۔ کہ شریعت کا مصدر وحی الٰہی ہے۔ یعنی اس شریعت کا واضع خطا اور نسیان سے مرکب انسان نہیں بلکہ اس کا واضع خود انسان اور ساری کائنات کا خالق اللہ ہے۔ وہ اللہ جو انسان کی

فطرت و طبیعت اور نفس و مزاج سے بخوبی واقف اور اس کی ہر قسم کی کمزوریوں اور ابیلوں کو جاننے والا ہے۔ اور ساتھ ہی کائنات کے نوامیس و قوانین بھی اس کی نظروں سے ایک لحظہ اوجھل نہیں، لہذا اس شریعت کا خصوصی امتیاز یہ ہوا کہ یہ علم و حکمت اور عدل و توازن پر مبنی ہے اور بشری کمزوری، نادانی و شہوت رانی سے پاک ہے۔ اس میں کسی فرد یا طبقہ یا قوم یا جنس یا رنگ یا نسل کے حق میں نہ تو جانبداری سے کام لیا گیا ہے، اور نہ ہی سوتیلا سلوک برتا گیا ہے اور اس شریعت کا یہ بھی امتیاز ہوا کہ اس میں انسانی فطرت، انسانی نفسیات اور انسانی کمزوریوں کی پوری رعایت موجود ہے اور ساتھ ہی جس دنیا میں رہ کر انسان کو اس شریعت پر عمل کرنا ہے، اس کے قوانین کا بھی مکمل لحاظ کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شریعت انسان اور کائنات تینوں کے مابین کامل ہم آہنگی ہے۔

گفتگو کے اس مقام پر پہنچ کر اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت حقہ و مطہرہ کے حق میں کوئی مسلمان مذکورہ بالا ناز یبا و غیر مناسب باتیں نہیں کر سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی لادینی فکر وہ لوگ پھیلا رہے ہیں، جن کے صرف نام مسلمان ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو عقیدہ کے معاملہ میں بالکل دیوالیہ ہیں، مسلمان کو فکری کج روی اور سلوکیاتی انحراف سے بچانے اور روحانی تعمیر میں پاکیزہ عقیدہ کا اہم رول ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں پاکیزہ عقیدہ مسلمان کی دفاعی قوت ہوتی ہے اور جب ضمیر ایمان کے سچے عقیدہ سے خالی ہو تو اس میں دفاعی قوت نہیں رہ جاتی اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لادینیت و الحاد کے ہر حملے کے آگے سپر انداز ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے انسانی جسم میں ایک دفاعی قوت ہوتی ہے جو انسان کی بہت سارے امراض سے حفاظت کرتی ہے، مگر جنسی شذوذ و انحراف کی وجہ سے جب یہ قوت ختم ہو جاتی ہے تو جسم مختلف مہلک امراض کی جولان گاہ بن جاتا ہے۔ اسی خطرناک مرض کو ایڈز کا مرض کہتے ہیں۔ بہر حال ایسے لوگ اسلام کی مخالفت میں جو کچھ کہتے ہیں، یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کے محاسن کو پا لیا ہے اور یہی ان کی مخالفت کا سبب ہے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم پڑتی ہے۔ مگر اس میں کوئی عجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ شری طبیعت ہی ہے خیر کی مخالفت کرنا۔ باطل نے کب حق کو برداشت کیا ہے، یا یہ کہ ان لوگوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی ہے کہ اسلام کیا ہے؟ مسلمان ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ لیکن اپنے کو مسلمان مانتے ہیں، اس لیے کہ مسلم خاندان میں پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں جیسا نام پایا ہے۔ ایسے لوگوں سے اسلام بڑے ہی واضح اور دو ٹوک انداز میں مخاطب ہے۔ " لا اکراہ فی الدین "۔ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اسلام کسی کو اسلام قبول کرنے یا مسلمان بنے رہنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ ہر آنے اور جانے والے کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ اسلام وہ

سیاہی انھیں جیسے افریقہ کے سیاہ فام باشندے اپنے والدین سے بطور میراث پاتے ہیں اور اگر چاہیں تب بھی اس سے نجات نہ پا سکیں۔ اسلام میں اگر کسی کی طبیعت نہ جمے تو جب چاہے اسے چھوڑ سکتا ہے۔

اور دوسری قسم ایسے مسلمانوں کی ہے جو عقیدہ و ایمان تو رکھتے ہیں مگر اتنا کمزور کہ اس عقیدہ کا ان کے ضمیر اور انداز فکر پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان کے ذہن و دماغ پر عصری آئیڈیالوجیوں اور افکار کا رعب اور برتری کا احساس چھایا رہتا ہے۔ لہٰذا جب دین کی بات آتی ہے تو بحیثیت مسلمان اپنے کو پسماندہ و قدامت پسند تصور کرتے ہیں، لیکن اسلام سے انھیں ہمدردی ہوتی ہے اس لیے اسلامی احکام میں تغیر لانے، اسلام کو عصری سانچے میں ڈھالنے اور ماحول کو موافق بنانے کی بات ان کی زبان پر آجاتی ہے، لیکن انھیں جاننا چاہیے کہ یہ فکر خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ گمراہ کن بھی ہے۔ اس لیے کہ دین ایک ایسا محور ہے، جس کے گرد انسانی زندگی گھومتی ہے۔ دین کا کام ہی یہ ہے کہ قافلۂ انسانی کی نگہداشت کرے اور جب بھی یہ قافلہ بے راہ روی کی طرف مائل ہو تو اسے روکنے اور فطرت کی شاہراہ پر لانے کی کوشش کرے، لہٰذا اگر کوئی یہ گمان رکھتا ہے کہ دین کو تغیر پذیر ہونا چاہیے تاکہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کے موافق ہو سکے تو وہ دین کو اس کی ڈیوٹی سے الگ کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں دین زندگی کے تابع ہو جائے گا، زندگی اسے جدھر چاہے گی کھینچ لے جائے گی، اور اس طرح دین زندگی کی قیادت کرنے کے بجائے اس کا منقاد بن جائے گا۔

اور یہ فکر گمراہ کن اس لیے ہے کہ اسے ماننا اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر تک پہنچا دیتا ہے، کیوں کہ اسے ماننا گویا یہ ماننا ہے کہ۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ (اللہ کی) بنائی ہوئی شریعت ناقص ہے۔ ہر عصر اور ہر ماحول کے موافق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس شریعت کو ہمیشہ کے لیے اپنا اٹل قانون ٹھہرا دیا، اور اس پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ کر دیا تو ضروری ہے کہ یہ شریعت ہر دور کے انسان کا مثالی ضابطۂ حیات ہو ورنہ اس شریعت پر نبوت کا خاتمہ نہ ہوتا اور اللہ اپنی اشرف مخلوق کو تجربات کی بھول بھلیاں میں ٹاک ٹوئیاں مارنے کے لیے چھوڑ نہیں دیتا۔

اس تابناک حقیقت کو ان تمام لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جائزہ لینا چاہیے کہ اسلام سے ان کا کیا رشتہ ہے، ان کی زندگی میں اس دین کا کتنا عکس ہے؟

●●●

عالیجناب ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری سے انٹرویو

فضل اللہ انصاری فضیلت سال آخر

۴ / اپریل ۱۹۸۶ء سیمینار کے افتتاح کے دن مہمان خصوصی جناب ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری مرکزی وزیر مملکت برائے ماحولیات وجنگلات کے ساتھ تیسرے پہر جامعہ کے کتب خانہ میں یونیورسٹیوں اور مدارس سے آئے ہوئے مہمانوں کے ہمراہ ایک مجلس تعارف منعقد ہوئی، اس موقع پر ہم نے اجازت پاکر چند سوالات بھی کیے، جن کا موصوف نے پُرمغز جواب دیا۔ ہم ذیل میں اسی شاندار اور زریں موقع پر آپ کے ساتھ کی گئی گفتگو کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

آپ کا سراپا یہ ہے : شیروانی پوش، میانہ قد، معتدل جسم اور مناسب شکل وشباہت کے مالک ہیں، گندمی رنگ کا گول مٹول چہرہ، ذرا سی مگر خوبصورت سفید داڑھی، سر پر پیشانی کو چھوتی ہوئی بلند کالی ٹوپی، آنکھوں پر گولڈن فریم کا چشمہ باریک باریک دانت اور رعب دار مونچھیں، مرعوب کن پُرجلال شخصیت، وضع قطع میں مولانا ابوالکلام آزاد کا رنگ ڈھنگ، بلکہ وہی انداز فکر ونظر، وہی بے باکی وحق گوئی، وہی جرأت مندانہ بیان وگفتار، نہ کرسی کی فکر، نہ حکومت کی پرواہ، نہ پریس والوں کے پروپیگنڈہ اور غلط بیانی کا خوف، بس حق کے پرستار، صداقت کے پجاری اور کردار کے غازی۔

آج ہندوستانی مسلمانوں کو کوئی صحیح مسلم قائد نہیں ملتا باوجودیکہ پارلیمنٹ میں بہت سے مسلم ممبران موجود ہیں، ایسے میں اگر ہم یہ دعویٰ کریں تو غالباً بے محل نہ ہوگا ۔

ہم جہاں میں تری تصویر لیے پھرتے ہیں۔
کسی صورت سے نہیں ملتی ہے تیری صورت

اللہ موصوف کو تادیر قائم رکھے اور مسلمانوں ہی کے لیے صرف نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے لیے صحیح قائد اور رہنما

کی حیثیت سے قائم رکھے۔ (آمین)

س: ہم ملت کے چند مسائل اور ان کے حل سے متعلق کچھ پوچھنا چاہیں گے!

ج: ضرور ضرور بالکل پوچھیے! (اور اس درمیاں آپ اپنے ہاتھوں سے ایسے اشارہ کر رہے تھے، جیسے اپنے کسی ہم عمر اور ہم نشیں سے بات کر رہے ہوں جو آپ کی بے لوث اخوت و محبت اور بلندی کردار کی دلیل ہے۔)

س: حکومت ہند نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں جو بل پیش کیا تھا، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ — (ابھی ہمارا یہ سوال پورا بھی نہ ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے آواز بلند کی کہ نہیں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ (کیوں کہ موصوف نے اپنی صدارتی تقریر میں، اس پر خوب بول چکے تھے۔ اس لیے اب اس سلسلے میں کچھ پوچھنا بے کار ہے۔)

ج: نہیں نہیں! جب سوال کیا جا رہا ہے تو ہم پھر سے اس کا جواب دیں گے کوئی دشواری نہیں ہے۔ حکومت ہند نے جو بل پیش کیا ہے وہ مکتوب اور شائع ہے اور وہ یقیناً جناب راجیو گاندھی کی فراست، عقلمندی اور صحیح جذبات کی عکاسی ہے۔ انھوں نے درحقیقت مختلف لوگوں سے مشورہ کر کے یہ بل پیش کیا تھا، اور میں اس بل سے بالکل متفق ہوں اور ابھی اگرچہ حزب مخالف نے کچھ اعتراضات کیے ہیں اور نقائص و عیوب بتلائے ہیں، تاہم خدا سے امید ہے کہ بل ضرور پاس ہوگا۔

س: ابھی حال ہی میں بابری مسجد کے متعلق جو فیصلہ صادر کیا گیا تھا، اور جس کی وجہ سے مختلف مقامات پر فسادات ہوئے اور مسلمانوں میں ایک طرح کی بے چینی پیدا ہو گئی۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔

ج: بابری مسجد کا مسئلہ عدالت کے سپرد ہے۔ اس مسئلہ میں جو فیصلہ عدالت نے کیا ہے وہ بنیادی طور پر غلط ہے، ہم کو اس پر مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ جذبات کی رو میں کسی مسئلہ کے صحیح حل تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے۔ نظم و نسق اور پورے انضباط کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ اس مقدمہ میں کامیابی حاصل کریں۔ بابری مسجد کا مسئلہ ہم اس لیے موخر کیے ہوئے ہیں کہ پہلے مسئلہ کا صحیح طور پر حل پورا ہو جائے، اور اس مسئلے کو لے کر جو فسادات ہوئے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عالیجناب نے بڑے ہی لطیف اور بذلہ سنج انداز میں کہا کہ صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہم بغیر فساد کے جی نہیں سکتے۔ ہم کو ہر جگہ فسادات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ کیوں کہ آج کی دنیا میں وہ ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کوئی پسندیدہ عمل ہے، بلکہ فتنہ و فساد انتہائی ناپسندیدہ اور معیوب عمل ہے۔ فسادات ہوتے ہیں، ہوتے رہیں گے، لیکن اس کے باوجود ہمیں چلنا ہوگا اور مدافعت کے تمام طریقے اپنانے ہوں گے۔

پھر ہم نے سوالات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا :

س : موجودہ عصری علوم کے حصول اور ان کی یافت کے وسائل عموماً مدارسِ اسلامیہ میں مفقود ہیں ، اگر ہیں بھی تو وہ دوسرے اسلامی اداروں کے بالمقابل نہیں ہیں ۔ ان علوم کو حاصل کرنے کی کوئی صورت آپ کے پاس ہو تو برائے کرم پیش کریں۔

ج :۔ میرے خیال سے اس کا جواب یہ ہے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو بھی حاصل کرنا چاہیے ، یا یہ کہ کوئی علیحدہ ہو جو اس دینی ادارہ سے وابستہ ہو اور مدارسِ اسلامیہ کے کارکن افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان علوم کے حصول کے لیے اسباب و وسائل مہیا کریں اور نصابِ تعلیم میں عصری علوم پر مشتمل کتابوں کو بھی داخل کریں ۔ میں نے اس کے ایک جگہ اور اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے عصری علوم کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی تھی ۔ انھوں نے دونوں کے علوم کے مقصدِ حصول کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا کہ دینی علوم ہم اس لیے حاصل کریں کہ ان کا حاصل کرنا ہمارے لیے ہے ، اور ان کے حاصل کیے بغیر ہم اپنی ان ذمہ داریوں کو نہیں ادا کرسکتے جو اسلام نے ہمیں سونپی ہیں ۔ اور عصری علوم لیے حاصل کریں کہ ان کی مدد سے ہمارا دعوتی کام اور اونچے پیمانے پر ہوگا ۔ ان سے کسب معاش کا کام لیا جائے گا ، اور حالت سدھرے گی ۔

س :۔ ملک میں خصوصاً اترپردیش میں اردو کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے ، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال کیا بہار کی طرح یوپی میں بھی یوپی کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جاسکتا ہے ۔ ؟

ابھی یہ سوال پیش ہی کیا گیا تھا کہ پٹنہ انسٹی ٹیوٹ سے آئے ہوئے ایک پروفیسر محترم جناب اطہر شیر صاحب کہا کہ اب ہم لوگوں کو بھی کچھ کہنے کا موقع دیجیے ۔ چنانچہ اسی پر ہمارے اور عالیجناب ضیاء الرحمٰن صاحب ان کے درمیان سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا اور آنجناب اور محترم اطہر شیر صاحب کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی ۔ ان کے ایک سوال کا جواب پورا ہی ہوا تھا کہ عصر کی اذان ہو گئی اور یہ مجلس تعارف و تبادلۂ خیالات برخاست ہو گئی۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے

سہ روزہ سیمینار، اور جلسۂ تقسیم اسناد کی مختصر رپورٹ

منعقدہ ۴/۵/۶/اپریل ۱۹۸۶ء مطابق ۲۳/۲۴/۲۵/رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

جامعہ سلفیہ بنارس میں ۴/۵/۶/اپریل ۱۹۸۶ء کو ایک سہ روزہ سیمینار اور جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوا، جس میں ملک کی مختلف بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور مدارس اسلامیہ کے مشاہیر علماء اور دانشوران نے شرکت فرمائی۔ سیمینار کا افتتاحی اجلاس ۴/اپریل ۱۹۸۶ء بروز جمعہ بوقت ۹ بجے زیر صدارت عزت مآب جناب ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری، وزیر مملکت (برائے ماحولیات و جنگلات، حکومت ہند) منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے خصوصی مہمان، جناب شیام لال یادو۔ ایم۔پی۔ صاحب تھے۔

اجلاس کا آغاز حافظ محمد ایوب صاحب متعلم جامعہ سلفیہ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد جامعہ کے پانچ طلبہ نے ترانۂ جامعہ پیش کیا۔ اس کے بعد سیمینار کے کنوینر جناب محمد صالح صاحب انصاری رئیس مدنپورہ بنارس نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پھر ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید عبدالحق صاحب سلفی نے تقریر کرتے ہوئے سیمینار کے انعقاد، مہمانوں کی شرکت اور جناب ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری اور شیام لال یادو صاحب کی تشریف آوری پر مسرت کا اظہار فرمایا پھر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وکیل الجامعہ نے جامعہ کا تعارف پیش کیا، مہمان خصوصی جناب شیام لال یادو صاحب نے اپنے شہر بنارس میں جامعہ سلفیہ کی جانب سے اس سیمینار کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی اور مسرت کا اظہار کیا۔ موصوف کے بعد مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعۃ السلفیہ نے صدر محترم کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ پھر صدارتی تقریر ہوئی، جس میں صدر معزز جناب ضیاء الرحمٰن انصاری صاحب نے بڑے محققانہ طور پر علم کی حقیقت، فضیلت اور

ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلم پرسنل لاء اور مطلقہ بائنہ کے نان نفقہ کے سلسلے میں شریعت کا نقطۂ نظر ظاہر کیا، اور یہ فرمایا کہ وزیر اعظم محترم راجیو گاندھی اس بات کے حق میں ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو۔ موصوف نے یقین دہانی کرائی کہ یقیناً یہ بل منظور ہوگا۔ صدارتی تقریر کے بعد صدر محترم، مہمان خصوصی اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا گیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ اگلا پروگرام ۳ بجے نماز عصر کے بعد ہوگا، جلسہ کے ختم ہونے کا اعلان کیا گیا۔

دوسرا اجلاس ۴ر اپریل ۱۹۸۶ء کو بعد نماز عصر منعقد ہوا، جس کی صدارت پروفیسر امین حسن عابدی صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ اس جلسہ کا آغاز حافظ وصی اللہ صاحب متعلم جامعہ سلفیہ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر اطہر شیر صاحب (ڈائرکٹر آف پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز پٹنہ)، پروفیسر میثر الحق صاحب (شعبہ مطالعات اسلامی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)، مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی، (ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے علی الترتیب "بہار کے مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عربی کی تعلیم اور اس کے مسائل"، "فقہی ادب کی ترویج واشاعت میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ"، "ہندوستان میں عربی زبان کے مشاہیر علماء اور مصنفین" کے موضوعات پر اپنے مقالات پیش فرمائے۔ چونکہ تیسرے مقالے کا اختتام مغرب کی اذان پر ہوا۔ اس لیے لوگوں نے جلسہ گاہ سے مسجد کا رخ کیا۔

رات میں عشاء کی نماز کے بعد خطاب عام ہوا، جس کی صدارت مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری نے فرمائی۔ محمد سلیم متعلم جامعہ کی تلاوت کلام پاک، اور اسلم صاحب کانپوری کی نظم کے بعد مولانا ابوالعاص وحیدی استاذ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر گونڈہ، قاری عبدالرشید صاحب بلیگ، خانجہاں پوری، مولانا ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کانپوری نے تقریریں کیں۔ اس جلسہ کی تقدیم و تنظیم مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری، مولانا ابوالقاسم صاحب سلفی استاذ جامعہ سلفیہ نے کی۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رات میں دعا اور شکریہ پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

۵ر اپریل ۱۹۸۶ء شنبہ کو صبح ۹ بجے حافظ محمد امین صاحب متعلم جامعہ سلفیہ کی تلاوت کلام پاک اور ڈاکٹر محمد راشد ندوی صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی زیر صدارت سمینار کے دوسرے اجلاس کا آغاز ہوا جو نماز ظہر کے وقت تک جاری رہا۔ اس جلسہ میں جن حضرات نے اپنے مقالات پیش کیے، ان کے اسمائے گرامی اور مقالوں کے عنوانات درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالرشید بن طاہری، پرنسپل الکلیۃ السلفیہ سری نگر کشمیر۔ "علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ"۔

مولانا عبدالعلیم صاحب ماہر صدر مدرس مدرسہ دارالتوحید، مینا عیدگاہ بستی۔ " اسلامی مدارس — عہد غزنوی سے عہد عالمگیر تک۔

پروفیسر سید امیر حسن عابدی صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی۔ " اخلاقیات کی ایک نادر فارسی کتاب کا تنقیدی جائزہ۔"

مولانا ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ " علماء ہند کی چند اہم تفسیریں "

ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی اور ان کی کتاب " کشاف اصطلاحات الفنون " کا تعارف۔

ڈاکٹر حفیظ الدین کرمانی شعبۂ فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس۔ " اسلامی تصوف پر فارسی میں پہلی کتاب اور اس کے مصنف۔

مولانا عبدالمبین ندوی دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ تفسیر و حدیث کی خدمات میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا حصہ۔

ڈاکٹر شعیب اعظمی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ " ہندوستان میں علوم اسلامی کے فروغ میں کتب خانوں کا حصہ"

ڈاکٹر عبدالعلی ازہری مدیر الدار السلفیہ بمبئی۔ " العلامۃ المحدث عبدالرحمن المبارکفوری وکتابہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی۔

سیمینار کا تیسرا اجلاس عصر کی نماز کے بعد تقریباً ساڑھے چار بجے ڈاکٹر امجد علی صاحب شعبۂ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ عبدالتواب متعلم جامعہ سلفیہ کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ یہ اجلاس نماز مغرب کے وقفہ کو چھوڑ کر رات ساڑھے آٹھ بجے تک چلتا رہا۔ اس اجلاس میں جن علماء اور دانشوران نے مقالات پیش کیے، ان کے اسماء گرامی اور مقالوں کے عناوین درج ذیل ہیں۔

مولانا عبدالواحد عبدالقدوس صاحب سلفی صدر مدرس، مدرسہ خیر العلوم ڈومریا گنج، بستی۔ سیر و مغازی میں ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اہم تحقیقی کارنامے۔

پروفیسر عبدالودود اظہر صدر شعبۂ عربی و فارسی جواہر لال یونیورسٹی دہلی۔ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں دہلی کا حصہ۔

صدر اجلاس ڈاکٹر امجد علی صاحب صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ تحفظ و تجدید قرآن و سنت میں

علماء ہندوستان کا حصہ "

مولانا ابوالعاص وحیدی استاد جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، گونڈہ "علماء ہند اور عربی ادب"
ڈاکٹر محمد راشد ندوی صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ "علامہ شبلی نعمانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل"
ڈاکٹر نور الحسن انصاری صدر شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی، دہلی۔ "علوم اسلامیہ اور ہندوستان کے فارسی دانشور"
پروفیسر محمد معین فاروقی صاحب شعبہ حیوانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ "علوم اسلامیہ"
ڈاکٹر عبدالباری صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ "ہندوستان میں بخاری شریف کی عربی شرحیں۔"
ڈاکٹر احمد کٹی شعبہ عربی کیرالا یونیورسٹی کالیکٹ کیرالا۔ "الحرکۃ السلفیۃ و دورہا فی نشر العلوم الاسلامیۃ والعربیۃ فی کیرالا۔"
مولانا محمد اثری صدر مدرس جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو اعظم گڑھ۔ "نواب صدیق حسن خان کی تصنیفی خدمات"
مولانا محمد اعظمی صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ مئو اعظم گڑھ۔ "توحید اور ہندوستانی مصنفین"
ڈاکٹر اعتشام بن حسن صاحب شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ "علوم اسلامیہ میں علی گڑھ کے علماء کا حصہ۔"

مقالات کی اس نشست کے خاتمے کے بعد نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوکر پھر اجلاس عام کی باری آئی۔ کوئی ساڑھے نو بجے شب میں تقریری پروگرام کا آغاز محمد عالم متعلم جامعہ سلفیہ کی تلاوت قرآن سے ہوا، مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی صاحب نے نظم پیش کی اس اجلاس میں مولانا عبدالسلام صاحب مدنی استاد جامعہ سلفیہ بنارس، شیخ انیس الرحمان اعظمی صدر مدرس جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری استاذ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند نے خطاب کیا۔ تقریباً ۱۲/۴۵ پر دعا اور شکریہ کے ساتھ جلسہ کا اختتام ہوا۔ اس جلسہ کی تنظیم و تقدیم مولانا عبدالسلام صاحب مدنی اور مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی استاذ جامعہ سلفیہ نے کی۔

تیسرے روز ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء یکشنبہ کو عزت مآب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ریکٹر محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض یونیورسٹی ریاض کی صدارت میں جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی جناب شیام لال یادو صاحب ایم پی تھے، جلسہ کا آغاز حافظ عبدالعزیز متعلم جامعہ سلفیہ شعبہ حفظ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا

جلسہ کی تنظیم وتقدیم مولانا انیس الرحمن اعظمی شیخ الجامعۃ المحمدیہ نے فرمائی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد جامعہ کے مولوی درجات کے چھوٹے چھوٹے طلبہ نے جامعہ کا ترانہ اپنے مخصوص شیریں انداز میں پیش کیا اس کے بعد مہمان خصوصی جناب شیام لال یادو صاحب ایم پی نے مہمانوں کی جامعہ سلفیہ میں تشریف آوری کا خیر مقدم کیا۔ اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ شہر بنارس ہندوستان کا مذہبی اعتبار سے بھی قدیمی شہر ہے۔ جس طرح سعودی عرب اور اس کا ایک شہر مکہ ایک مذہب کے پیروکاروں کا قبلہ ہے اور وہ اس مذہب کی اشاعت میں اس ملک کا بڑا ہاتھ رہا ہے اسی طرح ہندوستان و یہ شہر بنارس بھی ایک مذہب کے پیروکاروں کا قبلہ ہے۔ اس اعتبار سے آپ حضرات ایک مقدس شہراور ملک سے دوسرے مقدس شہراور ملک میں تشریف لائے ہیں۔ اور اس مقدس شہر کی عربی یونیورسٹی جامعہ سلفیہ میں آپ کا خیر مقدم کرتے اور خوش آمدید کہتے ہیں کہ ہمارا یہ تعلق ہمیشہ استوار رہے اور اس کے لیے ہم کوشش بھی کرتے ہیں۔" مہمان خصوصی کی اس تقریر کا عربی ترجمہ ساتھ ہی ساتھ جناب مولانا انیس الرحمان صاحب اعظمی نے کیا۔

پھر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب وکیل الجامعۃ السلفیہ نے مہمان محترم ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ریکٹر امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا اور ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے مہمان محترم کی تشریف آوری پر قلبی خلوص اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اسی ضمن میں جامعہ سلفیہ، اس کے تمام شعبوں کا مختصر تعارف پیش کیا۔ سپاسنامہ کے بعد مہمان محترم ڈاکٹر عبداللہ ترکی صاحب نے اپنے دست مبارک سے فارغین جامعہ کو اسناد تقسیم کیں۔ تقسیم اسناد کے بعد مہمان محترم نے جامعہ سلفیہ میں اپنی تشریف آوری پر مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ جامعہ سلفیہ کا قیام ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں اور بالخصوص اس کے بانیوں کا عظیم کارنامہ ہے۔ جامعہ سلفیہ اور اس کے اساتذہ وطلبہ و اراکین جو کام انجام دے رہے ہیں، اس سے ہم بہت خوش ہیں اور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ جامعہ روز افزوں ترقی کرے۔ مہمان محترم نے جناب شیام لال یادو صاحب کی تقریر پر بھی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے مابین تعلقات خوشگوار رہیں۔ مغرب کے وقت جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

رات میں ۹ بجے جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کی صدارت میں سہ روزہ اجلاس کا آخری پروگرام منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مسلم نوجوانوں کی تربیت کے موضوع پر مذاکرہ کا آغاز امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کی ایجوکیشن فیکلٹی کے استاد ڈاکٹر محمود و شوق کی تقریر سے ہوا۔ موصوف نے تربیت

اور تعلیم میں اسلامی اقدار کو ذہن نشین کرانے کے موجودہ علمی اسلوب پر روشنی ڈالی۔ اسی موضوع پر مذکورہ یونیورسٹی کے شعبۂ اجتماعیات کے استاد ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے تقریر فرمائی اور ان خطوط کی نشاندہی کی جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی تھی۔

اس مذاکرہ کے بعض اہم گوشوں پر ڈاکٹر عبداللہ الترکی نے بڑے فاضلانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ موصوف کی تقریر کا ترجمہ مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب نے فرمایا اور مذاکرہ کے بعد اجلاس سے خطاب بھی کیا۔ ۱۲ بجے صدر محترم کی دعاؤں پر اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

●●●

وفیات:

● دشا کھاپٹنم کی ایک نہایت اہم شخصیت جناب مولانا محمد صدیق صاحب رحمانی، ۲۵ رمارچ کو دن میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (محمد نذیر و محمد شمیم و محمد کبیر وشاکھاپٹنم)

● میرے والد بزرگوار مولانا نجم الدین صاحب ۱۹ رمارچ کو صبح ۱۱ بجکر ۵ منٹ پر حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ (احمد حسین دینا جپوری)

● ۳۱ رمارچ اور یکم اپریل کی درمیانی شب کو مولوی عبدالغفار صاحب انصاری مالک کارخانہ روغن احمر مئو ناتھ بھنجن انتقال کر گئے۔ انا للہ

● ۲۵ رمارچ کو منشی عبدالقیوم صاحب خازن جمعیۃ اہلحدیث بریلی اور رکن مدرسہ محمدیہ سلفیہ رچھا ضلع بریلی انتقال کر گئے۔ انا للہ ڈاکٹر اسلم حسین، رفیق احمد قریشی

● الحاج ملا قیدار صاحب ناظم مدرسہ دار الہدیٰ ہمدیوا ضلع بستی طویل علالت کے بعد ۱۳ رمارچ کو انتقال کر گئے۔ انا للہ (عبداللہ فیضی)

اللہ تمام مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان و لواحقین کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا کرے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

○ ادارہ ○

اسرار و حقائقِ صیام

تقدیم: محدث کبیر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی • ترجمہ و تلخیص: عبداللہ محمد اسماعیل ساگر دکھنی مرشد آباد

واضح ہو کہ حق تعالیٰ نے انسان کے اندر دو طرح کی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ ایک قوتِ بہیمیہ، چوپایوں حیوانوں کی قوت و خصلت، دوسری قوتِ ملکیہ، فرشتوں کی قوت و خصلت۔ صفتِ بہیمیہ کے غلبہ اور اس کی شدت کی وجہ سے صفتِ ملکیہ کا ظہور مشکل ہے، بنا بریں علیہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انسان کو ایک نسخۂ کیمیا عطا کیا، تاکہ قوتِ بہیمیہ کو انسان مغلوب کر سکے، اور فرشتہ صفت مخلوق ہو سکے، کیونکہ ابنِ آدم سے یہی مطلوب ہے۔ اور وہ نسخۂ کیمیا روزہ ہے۔ اس کے بارے میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

جب انسانوں کی صفتِ بہیمیہ کی شدت احکامِ ملکیہ کے ظہور میں مانع ہوئی تو ضروری ہوا کہ اس پر غلبہ حاصل کرنے کی طرف توجہ کی جائے۔ چونکہ صفتِ بہیمیہ کی شدت اور جوش، طغیانی اور دباؤ اور اس کی کثرت، کھانے پینے اور شہوانی لذتوں میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (کیونکہ نفسانی خواہشات میں انہماک کی وجہ سے وہ اسہرا انجام پذیر ہوتے ہیں جو محض شکم سیر ہو کر کھانے سے نہیں ہوتے۔) اس لیے ضروری ہوا کہ نفس پر غلبہ حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہو کہ ان اسباب میں کمی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دور نزدیک رہنے والے وہ تمام حضرات جو احکامِ ملکیہ کے ظہور کی خواہش رکھتے ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ قوتِ بہیمیہ کو بھڑکانے اور اس میں شدت پیدا کرنے والے اسباب کم کیے جائیں۔ نیز مقصود بھی یہی ہے کہ صفتِ بہیمیہ صفتِ ملکیہ کی اس طرح مطیع و منقاد ہو کہ اس کے اشارہ پہ چلے اور اسی کے رنگ میں رنگ جائے۔ کیونکہ صفتِ ملکیہ اسی قوتِ بہیمیہ کو اس کے خصائلِ رذیلہ کے قبول کرنے سے روکتی ہے ورنہ اس میں اس کے بُرے اثرات اس طرح منقش ہو جائیں گے جس طرح مہر کے نقوش موم کے اوپر منقش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا واحد راستہ یہی ہے کہ صفتِ ملکیہ بذاتِ خود اس سے کسی

شی کا تقاضا کرتے ہوئے اسے منوانے کی کوشش کرے کیونکہ اس صورت میں وہ مطیع و منقاد ہو جائے گی اور اس سے انحراف نہیں کرے گی۔ پھر اسی طرح کا تقاضا برابر جاری رہے اور وہ اس کا ایفا کرتی رہے تو وہ اس کی عادی اور مشاق ہو جائے گی۔

وہ اشیاء جن کا تقاضا صفت ملکیہ کرتی ہے اور جن کے ماننے پر صفت بہیمیہ کو مجبور کرتی ہے وہ در اصل ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو صفت ملکیہ کے لیے تو انشراح اور خوشی کی ہوتی ہیں لیکن صفت بہیمیہ کے لیے باعث تکلیف۔ مثلاً عالم ملکوت کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا، کیوں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو صفت ملکیہ کی خاصیت ہیں اور جن سے صفت بہیمیہ نہایت دور ہے یا مثلاً لذائذ شہوانیہ کہ صفت بہیمیہ تو انہیں چاہتی ہے اور ان میں بقدر شوق سے تجاوز کرنا چاہتی ہے، لیکن صفت ملکیہ اسے ترک کرنا چاہتی ہے۔ یہی روزے کا مقصد اور فائدہ ہے۔ چونکہ زندگی کی اہم ضروریات یعنی دولت و ثروت اور آل و اولاد میں خوش رہنے کی وجہ سے مذکورہ امور پر مداومت کرنا جمہور الناس کے لیے ناممکن ہے۔ اس لیے واجب و ضروری ہوا کہ وقتاً فوقتاً ہر زمانے میں اتنے مقدار کے لیے ان مذکورہ امور کی پابندی کی جائے جس سے صفت ملکیہ کے ظہور کی حالت اور اس کے مقتضیات سے خوش ہونے کا حال معلوم ہو، نیز ماتقدم خطاؤں کا کفارہ بھی ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی گھوڑا کسی کھونٹی میں رسی سے بندھا ہوا اور وہ اِدھر اُدھر چکر کاٹنے کے بعد پھر اسی کے پاس لوٹ آئے، اور یہ مداومت کا حقیقی ملاومت کے بعد کی چیز ہے۔

پھر ضروری ہے کہ اس مقدار کی تعیین ہو تاکہ لوگ افراط و تفریط سے بچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص وہ کام کرنے لگے جس میں کوئی فائدہ نہیں یا وہ حرکت اختیار کرے جو روزے کے احکام کے منافی ہے۔ تفریط کی صورت میں اس کی چستی ہی ختم ہو جائے گی اور اپنے نفس کو تھکا کر قبر کے قریب پہنچا دے گا۔

اگرچہ روزہ روح و جسم کے لیے باعث تکلیف ہے، پھر بھی نفس پر برے اور مضر اثرات ڈالنے والی چیزوں کے دفعیہ کے لیے تریاق کا کام دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ بقدر ضرورت اس کا استعمال ہو۔

کھانا پینا کم کرنے کا طریقہ بھی دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ کھانا پینا ہی بالکل کم مقدار میں ہو اور دوسرا یہ کہ کھانے پینے کے مابین عادت سے زیادہ کا وقفہ ہو۔ شریعت کے نزدیک دوسرے طریقہ کا اعتبار ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسان کو تکان اور کمزوری لاحق ہوتی ہے اور وہ عملی طور پر بھوک و پیاس کا مزہ چکھ لیتا ہے جس

کی وجہ سے صفت بہیمیہ کو سیرابی اور گھبراہٹ لاحق ہوتی ہے اور وہ ٹھکانے پر آجاتی ہے۔ کھانا پینا کم کرنے کا جو پہلا طریقہ ہے وہ انسان کو بے حد کمزور کر دیتا ہے، حتیٰ کہ غفلت ولاپرواہی کی بنا پر ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے، نیز پہلی قسم بغیر کلفت ومشقت کے قانوناً سب پر نافذ نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ لوگوں کے احوال وعادات مختلف ہیں کوئی ایک رطل کھاتا ہے تو کوئی دو رطل۔ لہٰذا وہی ایک رطل پہلے کے لیے کافی ومفید ہے اور دوسرے کے لیے ناکافی اور باعث تکلیف۔

رہ گیا کھانے پینے کے مابین کچھ وقفہ رکھنے کا سلسلہ تو اس پر عرب وعجم اور دنیا کے سارے صحیح المزاج انسان متفق ہیں۔ اسی لیے کبھی حضرات صبح وشام دو وقت کھانا کھاتے ہیں یا پھر دن رات میں ایک وقت کھاتے ہیں مگر بھوک کا احساس رات تک نہ کھانے سے ہو ہی جاتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کھانے پینے کے مابین کے وقفہ کی تعیین کا اختیار مکلفین کو دینا بھی ممکن نہ تھا کہ کہہ دیا جاتا کہ ہر شخص اتنی دیر تک کھانے پینے سے باز رہے۔ یا اتنی مقدار میں کھانا کھائے کہ اس کی صفت بہیمیہ مغلوب ومقہور ہوجائے، کیوں کہ یہ شریعت کے مقصد کے خلاف ہے، مثل مشہور ہے: ـــ جس شخص نے بھیڑیے کو مویشی کا چرواہا بنایا، اس نے ظلم کیا۔ اس طرح کا اختیار محض مستحبات میں دیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بھی لازم ہے کہ وہ وقفہ اس قدر طویل نہ ہو کہ مصیبت خیز اور جان لیوا بن جائے۔ جیسے متواتر تین دن مع تین رات روزہ رکھنا، کیوں کہ یہ مقصد شرع کے خلاف ہے اور اس پر تمام مکلفین عمل پیرا بھی نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کھانے پینے سے رکاوٹ متعدد دفعہ ہو تاکہ اطاعت وفرمانبرداری کی مشق بھی ہوتی رہے۔ ورنہ کسی ایک وقت کا کھانا چھوڑ دینے سے، خواہ اس کا وقفہ پرمشقت اور طویل ہی کیوں نہ ہو کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟ اور یہ بھی ضروری ہے کہ نفس پر غلبہ حاصل کرنے کا طریقہ اور اس کو مکرر اختیار کرنے کے ضوابط اس مقدار کے مطابق ہوں جو ہر فرد وبشر کے نزدیک معروف ومشہور ہو۔ اور ان امور کی رعایت کی جائے جن کو یا جن کی نظیر کو لوگوں کے بڑے بڑے طبقے استعمال میں لاتے ہوں، تاکہ اس کی شہرت کی وجہ سے لوگوں کو دشوار نہ معلوم ہو۔

مذکورہ ملاحظات سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ روزہ لگاتار ایک ماہ تک دن بھر کے لیے طعام وشراب اور جماع وغیرہ سے اجتناب کے ساتھ رکھا جائے۔ اس لیے کہ ایک دن سے کم مدت کے لیے کھانے پینے سے باز رہنا

لوگوں کے نزدیک معتاد ہے ، بلکہ لوگ اس کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ۔ نیز ایک دو ہفتہ روزہ رکھنا بھی قلیل مدت ہونے کی وجہ سے [illegible] ہے ۔ دو ماہ کی مدت بھی ٹھیک نہیں ، کیوں کہ اس میں آنکھیں دھنس جائیں گی ۔ اور نفس تھک جائے گا ۔ اور اس طرح کے واقعات تو بہت سی دفعہ ہمارے مشاہدہ میں آچکے ہیں ۔

روزہ کو طلوع فجر سے غروب شمس تک محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہل عرب کے حساب اور ان کے دن کی مقدار کے موافق ہے اور یہی مقدار ان کے پاس صوم عاشورا کے لیے معروف تھی ۔ مہینہ کی تحدید ایک ہلال سے دوسرے ہلال تک اس لیے ہے کیوں کہ یہ عربوں کا مہینہ ہے اور وہ مہینہ کو شمسی حساب سے نہیں جوڑتے ۔

روزے کی فرضیت کا مقصد جب بلا تفریق عرب و عجم سارے لوگوں کی اصلاح ہے تو ضروری تھا کہ مہینہ کی تعیین کے بارے میں لوگوں کو اختیار نہ دیا جاتا ۔ ورنہ ہر شخص اپنی سہولت اور آسانی کے مطابق کسی مہینہ کو اختیار کرتا اور اسی طرح لوگوں کو عذر اور بہانہ کا موقع مل جاتا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند اور شریعت کے عظیم مقصد اطاعت و انقیاد کا راستہ مسدود ہو جاتا ۔ نیز ایک ہی ساتھ ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی عظیم جماعت کا کسی ایک مقصد کے تحت متفق ہونا ایک دوسرے کے لیے روزہ رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے یہ ان کے لیے روزے کو آسان بنا دیتا ہے اور ان کی ہمت بندھ جاتی ہے ۔ نیز ایک ہی ساتھ روزہ رکھنے میں ہر کس و ناکس پر برکات ملکیہ کا نزول ہوتا ہے اور اعلیٰ لوگوں کا اثر ادنیٰ لوگوں پر پڑتا ہے ، اور ان کی دعائیں سب کو شامل ہوتی ہیں ۔

مذکورہ بیان کے مطابق مہینہ کی تعیین جب ضروری تھی تو رمضان کے علاوہ کوئی دوسرا مہینہ اس کے لیے زیادہ مناسب نہ تھا ، کیوں کہ اس میں نزول قرآن ہوا ہے ۔ ملت مصطفویہ کی بنیاد مضبوط ہوئی ہے اور اسی میں لیلۃ القدر کے پائے جانے کا احتمال و امکان ہے ۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ ان مراتب کا بیان ہو جائے جن کا جاننا بلا استثناء ہر شخص پر لازم ہے کہ اگر ان چیزوں میں کوئی غلطی کرے گا تو وہ اصل شرع میں غلطی کرے گا اور یہ بھی ضروری تھا کہ ان مراتب کا اعلیٰ بیان ہو جائے ، جن کو نکوکار اور پارسا لوگ صراحت اختیار کریں ۔ لہٰذا پہلی قسم یہ ہوئی کہ صرف رمضان کے روزوں اور پانچ فرض نمازوں پر اکتفا کریں اور اسی سلسلہ میں آپ کی حدیث ہے " من صلی العشاء والصبح فی جماعۃ فکانما قام اللیل " یعنی جس نے با جماعت عشاء و فجر کی نماز ادا کی گویا اس نے پوری رات عبادت کی ۔"

البتہ دوسری قسم پہلی قسم سے مقدار و کیفیت میں زیادہ ہے، اور وہ ہے رمضان کی راتوں کا قیام کرنا۔ زبان واعضاء کو غلط چیزوں سے محفوظ رکھنا، ششش عیدی روزے رکھنا، ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا۔ عاشورا و عرفہ کے دن روزہ رکھنا اور عشرہ اواخر میں اعتکاف کرنا۔ یہ چند باتیں روزے کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ان کو بیان کرنے کے بعد اب میں روزے سے متعلق احادیث کی تشریح شروع کرتا ہوں۔

روزے کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة، و فی روایة ابواب الرحمة۔ وغلقت ابواب جہنم وسلسلت الشیاطین»۔ یعنی جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ۔ دوسری روایت کے مطابق رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ۔ اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں نیز شیطان کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فضیلتیں صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں، کیوں کہ کفار لوگ اصرار کے ساتھ شعائر اللہ کی توہین وتذلیل کے سبب اس ماہ زیادہ ضلالت وگمراہی میں ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمان جب صوم صلاۃ کے پابند اور ان کے متقی لوگ روزے کے نور میں مستغرق ہوجاتے ہیں اور ان کی دعائیں دوسروں کو چھا جاتی ہیں تو ان کی تاثیر ادنیٰ طبقہ کے لوگوں تک پہنچتی ہے اور ان کی برکات سارے لوگوں کو شامل ہوجاتی ہیں۔ نیز ہر شخص اپنی استطاعت وطاقت کے مطابق تقرب الی اللہ اور اجتناب عن المعاصی کی کوشش کرنے لگتے ہیں تو ان کے لیے جنت کے دروازے کھلنے اور جہنم کے دروازے بند ہونے کی بات صادق آتی ہے کیوں کہ جنت وجہنم کی اصل رحمت ولعنت ہی کو قرار دیا ہے۔ چوں کہ مسلمان رحمت کے کام کرتے ہیں اس لیے جنت کھول دی جاتی ہے اور لعنت کے کام سے بچتے ہیں، اس لیے جہنم بند کردیا جاتا ہے۔

اور اس وجہ سے کہ جب تمام لوگ کسی صفت پر متفق ہوتے ہیں تو وہ صفت اپنی مناسبت سے اللہ کی رحمت وسخاوت کا سبب بنتی ہے، جیسا کہ ہم نے استسقاء کی نماز کے باب میں ذکر کیا ہے۔

نیز شیاطین کو بیڑیاں پہنانے اور لوگوں پر فرشتے نازل ہونے کی بات ثابت ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ شیطان اسی شخص پر اثر انداز ہوتا ہے جو اس کے لائق وقابل ہوتا ہے، اور قابل ہونے کا مطلب صفت بہیمیت

ودرندگی میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ (چونکہ اہل ایمان کے روزے کی وجہ سے ان کی صفت بہیمیہ مغلوب و مقہور ہو جاتی ہے، اس لیے شیطان ان پر اثر انداز نہیں ہوپاتا۔)

اور فرشتے بھی ان ہی کے قریب ہوتے ہیں جو ان کے لائق ہوتے ہیں۔ اور لائق ہونے کا مطلب صفت ملکیہ کا ظہور ہے اور روزے کی وجہ سے یہ صفت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے۔

نیز جب رمضان میں لیلۃ القدر کے پائے جانے کا احتمال ہے جس میں ہر محکم معاملہ کا فیصلہ ہوتا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ انوار مثالیہ ملکیہ اس وقت پھیل جاتے ہوں اور اس کی مخالف چیزیں رک جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے «من صام شهر رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه» یعنی جو شخص رمضان کا روزہ ایمانداری اور ثواب کی امید کے ساتھ رکھے گا، اس کی پچھلی خطاؤں کو بخش دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں، یہ اس وجہ سے ہے کہ رمضان میں اچھی خصلتیں نمایاں ہوتی ہیں اور بری خصلتیں دب جاتی ہیں نیز یہ ملکیت بہترین موقع ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت کی جستجو ہو تو پھر عجب نہیں کہ رمضان صاحب صوم کو ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل دے۔

زمانۂ رسالت۔ «ومن قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه» یعنی جو لیلۃ القدر کا قیام ایمان وامید ثواب کے ساتھ کرے گا اس کی پچھلی خطاؤں کو بخش دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ اس وقت اطاعت خداوندی ایسے ماحول میں پائی جاتی ہے جبکہ روحانیت وطبیعت عام ہوتی ہے اور مثالی سلطنت کا ظہور ہوتا ہے اس لیے وہ لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کرتی ہے کہ دوسرے وقت میں ویسا اثر نہیں کرتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ «كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف قال الله تعالى: الا الصوم فانه لي وانا اجزي به يدع شهوته وطعامه من اجلي» یعنی ابن آدم کی ہر نیکی کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مگر روزہ کہ اس کا بدلہ میں دوں گا، کیونکہ روزہ میرے لیے رکھتا ہے اور اپنی خواہشات کی چیزیں اور اپنا کھانا میرے ہی لیے ترک کرتا ہے

میں کہتا ہوں، حسنات میں زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب انتقال کر جاتا ہے اور اس کی صفت بہیمیت کی گرم تری ختم ہو جاتی ہے اور شہوانی لذائذ جو صفت بہیمیہ کے موافق ہیں، انسان سے چھوٹ جاتے ہیں تو صفت ملکیہ ظاہر ہوتی ہے اور دل میں اس کی روشنی چمکنے لگتی ہے۔ یہی حسنات میں زیادتی کا راز ہے۔ اس وقت اگر عمل کم بھی ہو تو بھی صفت ملکیہ کے ظہور اور اس کے موافق ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ہے۔

تمام اعمال میں روزے کو مستثنیٰ کرنے کا راز یہ ہے کہ اعمال کا اندراج صحیفوں میں اس طرح ہوتا ہے کہ عالم مثال میں ہر عمل کی ایک مثالی صورت ہو جاتی ہے جو اس آدمی کے لیے مختص ہے اور اعمال پر مرتب ہونے والے بدلے کی یہ صورت اس آدمی کی موت کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اعمال کے لکھنے والے فرشتے ان اعمال کے بدلے کو ظاہر کرنے میں توقف اختیار کرتے ہیں۔ جو خواہشات نفس کے مجاہدہ کے قبیل سے ہوں۔ کیونکہ اس کے اظہار کا دارومدار اس آدمی کے دل کی کیفیت کی معرفت پر ہوتا ہے، جس آدمی سے وہ عمل صادر ہوا ہو اور فرشتوں کے پاس اس کے ذوق اور اس کے وجدان کا علم نہیں۔ یہی راز ہے کفارات و درجات کے سلسلہ میں فرشتوں کے جھگڑنے کا۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ دعا کرتا ہے کہ بندہ کے اعمال کو اسی حالت میں لکھ لو اور بدلہ دینا میرے اوپر چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ "یدع شہوتہ وطعامہ من اجلی" (وہ بندہ میرے لیے اپنی خواہشات اور اپنے کھانے کو ترک کرتا ہے۔) اشارہ ہے اس طرف کہ روزہ ان گناہ مٹانے والی چیزوں میں سے جو نفس بہیمیت کے لیے باعث تکلیف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے۔ "للصائم فرحتان فرحة عند فطرہ وفرحة عند لقاء ربہ" روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت۔

اس میں پہلی مسرت تو فطری اور طبعی ہے، کیونکہ اس وقت نفس کا مطالبہ پورا ہوتا ہے۔ دوسری فرحت الٰہی ہے، یہ اس وقت حاصل ہوگی جب بندہ بہیمی چیزوں سے پاک وصاف رہ کر اللہ سے ملے گا اور اپنے اوپر یقین کا ثمرہ دیکھے گا۔ جس طرح نماز تجلی شہودی کے ظہور کا سبب بنتی ہے۔ اور اسی لیے رسول اللہ کا فرمان ہے (اگر اللہ کے دیدار کی خواہش رکھتے ہو تو مغرب اور فجر کی نماز ادا کرنے میں کبھی مغلوب نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک"

یعنی روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

میں کہتا ہوں، اس کا راز یہ ہے کہ اطاعت کے محبوب ہونے کی وجہ سے طاعت کا اثر بھی محبوب و محمود ہو جاتا ہے جو عالم مثال میں اس محبوب اطاعت کی جگہ اس جیسی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی وجہ سے فرشتوں کے خوش ہونے اور اللہ کی رضامندی حاصل ہونے کو ایک پلڑے میں اور مشک کی خوشبو سے انسانوں کے خوش ہونے کو دوسرے پلڑے میں رکھا تاکہ آپ اپنی امت کو غیبی اسرار جیتی مشاہدہ کی شکل میں دکھائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "الصیام جنة" روزہ ڈھال ہے

میں کہتا ہوں یہ اس لیے ہے کیوں کہ روزہ شیطان اور نفس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور انسانوں کو ان دونوں کی تاثیر سے دور رکھتا ہے اور اسے ان دونوں کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ سپر اور ڈھال کے معنی کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنی زبان کو گندی باتوں اور شہوانی کاموں سے پاک رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "فلا یرفث" یعنی بری بات نہ کہے سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اپنے آپ کو درندگی کے کاموں سے بھی محفوظ رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "ولا یصخب" فضول بکواس نہ کرنے کے ذریعہ اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز آپ نے خراب باتوں سے بچنے کی طرف اشارہ اپنے قول "فان سابہ" کے ذریعہ کیا ہے اور خراب کاموں کی طرف اشارہ اپنے قول "قاتلہ" سے کیا ہے۔ پہلے کے معنی ہیں گالی دینا اور دوسرے کے معنی ہیں لڑائی کرنا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ فرمان ہے کہ "فلیقل انی صائم" یعنی اگر کوئی گالی دے یا لڑنا چاہے تو روزہ دار کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور اس کے مفہوم میں لوگوں کا اختلاف، کسی نے کہا کہ وہ زبان سے ادا کرے گا، کسی نے کہا کہ دل میں کہے گا اور کسی نے فرض اور نفل روزہ کے اندر تفریق کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں وسعت ہے۔

احکام صیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه"

فان غم علیکم فاقدروا له ۔ وفی روایۃ ۔ فاکملوا العدۃ ثلاثین ، یعنی تم لوگ جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو عید بھی نہ کرو ، اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو جائے تو مہینے کی مقدار یعنی تیس کی گنتی مکمل کرو ۔

میں کہتا ہوں کہ جب روزہ قمری مہینہ اور رویت ہلال کی شرط کے ساتھ موقت ہے ، اور قمری مہینہ کبھی ۲۹ اور کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے تو اشتباہ کے وقت حدیث میں ذکر کردہ اصل کی طرف مراجعت کرنا چاہیے ۔ نیز آپ کا یہ حکم اس لیے بھی ہے کہ شریعت کی بنیاد عام لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے امور ظاہرہ پر رکھی گئی ہے ، نہ کہ تکلف و تعمق پر ، اور نہ نجومیوں کے حساب پر ، بلکہ شریعت اسلامیہ تو ان چیزوں کو مٹانے کے لیے آئی ہے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب "، یعنی ہم ظاہری تعلیم سے ناآشنا قوم ہیں ، حساب و کتاب نہیں جانتے ، کا مطلب یہی ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول " شہرا عید لا ینقصان رمضان و ذو الحجۃ ۔ یعنی عید کے دونوں مہینے رمضان و ذی الحجہ ناقص نہیں ہو سکتے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں ایک ساتھ کم نہیں ہو سکتے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳۰ یا ۲۹ کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی ۔ یہ آخری معنی قواعد شرعیہ کے زیادہ موافق ہیں ، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے وسوسہ کے سد باب کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے ۔

واضح رہے کہ روزے کے باب میں اہم مقصد بے جا تکلف و تعمق کا سد باب اور دین کے نام سے تکلف کرنے والوں کی گڑھی ہوئی باتوں کی تردید ہے ۔ اس لیے کہ یہ عبادت یہود و نصاریٰ اور عرب میں اہل کتاب کے دین کو قبول کرنے والوں کے مابین مشہور تھی سان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ روزہ کا مقصد نفس پر غلبہ حاصل کرنا ہے تو انہوں نے تکلف کر کے ، ایسی باتیں گھڑ لیں ، جن میں نفس پر ظلم و زیادتی ہے ۔ حالانکہ یہ بھی تحریف فی الدین اور مقصد شریعت کے خلاف ہے ، ان لوگوں کی طرف سے جو زیادتیاں ہوئی تھیں وہ اصل عبادت سے مقدار یا کیفیت میں زیادہ تھیں ۔

کمیت میں زیادتی کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم یوما فلیصم ذلک الیوم ۔ یعنی تم میں سے کوئی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر کوئی آدمی اگر اس دن کا روزہ رکھتا تھا تو وہ

اس دن کا روزہ رکھے ۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے ۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزہ رکھنے کی صورت میں دونوں کے مابین کوئی فاصلہ نہیں رہتا تو اس میں امکان ہے کہ بعد میں آنے والے تکلف کر کے اسے شریعت و سنت بنالیں ۔ پھر یکے بعد دیگرے یہ سلسلہ جاری ہو جائے ، جو دراصل تحریف فی الدین ہے ۔ تعمق و تکلف کی حقیقت یہ ہے کہ احتیاط کے مقام کو لازم کر لیا جائے ۔

کیفیت میں زیادتی کے تعلق سے یہ احکام ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال (کئی دن مسلسل بغیر افطار کیے ہوئے روزہ رکھنے) سے روکا ہے ۔ سحری کھانے کی ترغیب دی ہے ، سحری کو تاخیر سے کھانے کا حکم دیا ہے اور افطار میں جلدی کرنے کی تاکید کی ہے ۔ کیوں کہ ان تمام باتوں میں تشدد و تکلف اختیار کرنا جاہلیت کا کام ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول " اذا انتصف شعبان فلا تصوموہ " یعنی ماہِ شعبان جب نصف کو پہنچ جائے تو روزہ نہ رکھو " اور ام سلمہؓ کی حدیث کی " ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرین متتابعین الا شعبان و رمضان ۔ یعنی میں نے رسول اللہ کو دو مہینہ مسلسل سوائے شعبان و رمضان کے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا " کے درمیان کوئی تفاوت و اختلاف نہیں ہے ۔ اس لیے کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی ۔ آپؐ نے اپنی امت کو اس کا حکم نہیں دیا ہے ۔ نیز آپ کا مقصد صرف سدباب تھا نہ کہ کلی و عمومی حکم کو ختم کرنا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے مامون تھے کہ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں کر ڈالیں ۔ یا جن امور کا آپ کو حکم دیا گیا ہے ان میں زیادتی کر کے دل و دماغ کو تھکا ڈالیں ۔ جبکہ آپ کے علاوہ لوگ ان باتوں سے مامون نہیں ہیں اسی بنا پر ان کے لیے قانون نافذ کرنا اور شک و شبہات کا سدباب کرنا ضروری تھا ۔ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیوں کو چار سے زیادہ بیوی رکھنے سے منع کیا ہے ۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نو سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت تھی ۔ اس لیے کہ نہی کی علت ظلم و جور کو روکنا ہے ۔

چاند کا ثبوت کسی مسلم عادل یا مستور الحال مسلم کی شہادت سے ہوگا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کے لوگوں کی شہادت کو برقرار رکھا ہے ۔ (حدیث میں ہے) : جاء اعرابي فقال اني رأيت الهلال ، فقال اتشهد ان لا اله الا الله ؟ قال نعم ، قال اتشهد ان محمداً رسول الله ؟ قال نعم ، قال يا بلال اذن في الناس ان يصوموا غداً " ، یعنی ایک دیہاتی آدمی آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میں نے

چاند دیکھا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو اس نے جواباً کہا کہ ہاں ۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ وہ کل روزہ رکھیں ۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے روزہ رکھا ۔ اسی طرح امت کے ہر معاملہ کا ثبوت ان دونوں قسم کے لوگوں کی شہادت سے ہو جائے گا ، کیوں کہ وہ بھی اسی کے موافق ہوگا ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ، تسحروا فان فی السحور برکة ، یعنی تم سحری کھاؤ کیوں کہ اس میں برکت ہے ۔

میں کہتا ہوں ، اس میں دو طرح کی برکتیں ہیں ۔ ایک تو انسان کے جسم کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور کمزوری سے بچ جاتا ہے نیز تکان کا خوف نہیں رہتا ۔ اور دوسری برکت یہ ہے کہ ملت مسلمہ کو بے جا تکلف فی الدین یا اس میں تحریف اور تبدیل سے بچایا جاتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ، لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر ، یعنی لوگ جب تک افطار میں جلدی کریں گے تب تک بھلائی میں رہیں گے ۔ نیز آپ کا فرمان ہے ، فصل ما بین صیامنا وصیام اهل الکتاب اکلة السحر ، یعنی ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے مابین فرق سحری کھانے کا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے لوگوں میں میرے محبوب ترین بندے افطار جلد کرنے والے ہیں ۔

میں کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں اہل کتاب کی طرف سے تحریفیں داخل ہو چکی ہیں ، تو ان کی مخالفت و تردید کرکے ملت کو سیدھی راہ پر چلانا آپ کا مقصد تھا ۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال (مسلسل روزہ رکھنے) سے منع کیا تو عرض کیا گیا کہ آپ تو رکھتے ہیں ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون میری طرح ہو سکتا ہے ؟ میں رات بسر کرتا ہوں اور میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ صوم وصال کی ممانعت دو وجہ سے ہے ۔ ایک یہ کہ مصیبت کی حد تک نہ پہنچا جائے ، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ۔ دوسری یہ کہ ملت اسلامیہ میں تحریف و تبدیل نہ ہونے پائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ آپ کو قوت ملکیہ نورانیہ کی تائید حاصل ہے ، اس لیے آپ کو

خطرات سے مامون ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من لم یجمع الصوم قبل الفجر فلا صیام لہ۔" یعنی طلوع فجر سے قبل جس نے روزے کی نیت نہیں کی، اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ جب آپ کھانا نہیں پاتے تو فرماتے "انی اذاً صائم"، "تب میں روزے سے ہوں"۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں، کیوں کہ پہلا حکم فرض کے سلسلے میں ہے جبکہ دوسرا معاملہ نفلی روزے سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلی حدیث میں نفی سے مراد نفی کمال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا سمع النداء احدکم والاناء فی یدہ فلا یضعہ حتی یقضی حاجتہ منہ"، یعنی جب تم میں سے کوئی اذان کی صدا سنے درانحالیکہ برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ برتن نہ رکھے یہاں تک کہ اپنی ضرورت پوری کرلے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث "ان بلالاً ینادی بلیل" کی مختصر صورت ہے۔ یعنی بلال رات کو فجر سے پہلے اذان کہتے ہیں، لہذا ان کی اذان سن کر کھانا پینا ترک نہ کرو۔

آپ نے فرمایا "اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانہ طہور۔" یعنی تم جب افطار کرو تو کھجور سے افطار کرو کیوں کہ اس میں برکت ہے، اگر کھجور نہ پاؤ تو پانی سے کرو کیونکہ پانی پاک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیریں چیز طبیعت کو بھاتی ہے خصوصاً بھوک کے بعد، اور جگر کو بھی میٹھی شے محبوب ہے اہل عرب کھجور کے شیدائی تھے۔ نیز کسی چیز کی طرف میلان کا ایک اثر ہوتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ جسم کے مناسب محل میں مستقل ہو کر فائدہ دے، یہ بھی ایک قسم کی برکت ہے

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیز فرمایا کہ "من فطر صائماً او جھز غازیاً فلہ مثل اجرہ"، جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے یا کسی مجاہد کو سامان جنگ دے تو اس کو بھی روزہ دار اور مجاہد کے برابر ثواب ملے گا۔

میں کہتا ہوں کہ کوئی شخص جب روزے دار کو افطار کراتا ہے تو وہ بھی تعظیم کا مستحق ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ صدقہ ہے اور روزے کی قدر کرنا ہے، نیز اطاعت کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔ تو جب نامۂ اعمال میں اس کی شکل بننے کے معانی کو شامل ہو کر موجود ہوگی تو اس کا بدلہ ویسا ہی دیا جائے گا۔

افطار کی دعائیں

ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰه۔ یعنی پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہو گئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ثواب بھی ثابت ہو گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے شکریہ کا بیان ہے۔ ان حالات میں جن میں انسان کو طبعی اور عقلی دونوں اعتبار سے خوشی حاصل ہوتی ہے

دوسری دعا:۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ " یعنی اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیری ہی دی ہوئی روزی کے ذریعہ افطار کیا۔ اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ عمل میں اخلاص اور نعمت ملنے پر شکر ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان يكون في صوم يصومه احدكم "، یعنی راتوں میں سے جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے خاص نہ کرو اور نہ دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرو مگر اگر کوئی پہلے سے روزہ رکھتا چلا آرہا ہو تو وہ اس دن روزہ رکھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں دو طرح کے راز ہیں، ایک تو تکلف و تعمق کا سدباب ہے: یہ اس طرح کہ جب شریعت نے جمعہ کو ایک عبادت کے لیے خاص کیا اور اس کی فضیلت بیان کر دی ہے تو اس میں امکان تھا کہ لوگ بیجا تکلف کرتے ہوئے جمعہ کے دن کے روزہ کو بھی عبادت میں شامل کر لیتے۔ لہذا اس سے منع کر دیا گیا۔ دوسرا راز یہ ہے کہ اس میں عید کے معنیٰ کو ثابت کرنا ہے، اس لیے کہ عید خوشی کی خبر اور حصول لذت کا پیغام لاتی ہے۔ تو اس دن کو عید قرار دینے میں یہ راز ہے کہ لوگ یہ تصور رکھیں کہ جمعہ کا اجتماع ان اجتماعات کی طرح ہے جن کی طرف ان کی طبیعتیں بالجبر مائل ہو جاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " لَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الفطر والاضحى " یعنی عید اور قربانی کے دن روزہ ممنوع ہے، اور فرمایا کہ " ايام التشريق ايام اكل وشرب وذكر الله " یعنی ۱۱/۱۲/۱۳/ ذی الحجہ کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔

میں کہتا ہوں اس میں عید کے معنیٰ کو ثابت کرنا ہے اور سوکھی اور بےمزہ عبادت سے روکنا ہے۔ نیز دینی معاملات میں تعمق کی کوشش کو روکنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا یحل للمرأۃ ان تصوم و زوجها شاھد الا باذنہ، یعنی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔

میں کہتا ہوں - یہ اس لیے ہے کیوں کہ اس میں شوہر کے بعض حقوق فوت ہو جائیں گے۔ اور اس سے عورت کی بشاشت اور رونق ماند پڑ جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ،، الصائم المتطوع امیر نفسہ ان شاء صام وان شاء افطر،، یعنی نفلی روزہ دار کو اختیار ہے، چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو توڑ دے۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کو فرمایا -،، اقضیا یوماً آخر مکانہ ،، یعنی تم دونوں اس نفلی روزے کے بدلے ایک دن روزہ رکھ لو۔ مگر ان دونوں ارشادات کے درمیان کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اگر متنفل چاہے تو التزام قضا کی نیت سے روزہ توڑ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اپنی دونوں بیویوں کو استحباب کے طور پر قضا کا حکم دیا ہو، اس لیے کہ خود لازم کردہ چیزوں کو پوری کرنے میں طبیعت کو زیادہ سکون ملتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم ان دونوں کے لیے خاص ہو، جب آپ نے ان کے دلوں میں اس بارے میں خلجان محسوس کیا ہو تو اس کا حکم دیدیا ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کے ساتھ حج کے موقع پر کیا تھا۔ ،،لوگ تو حج و عمرہ دونوں کے ساتھ واپس جا رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ واپس جا رہی ہوں ،، تو ان کی اس بات پر آپ نے انھیں مقام تنعیم سے عمرہ کروایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے -،، من نسی وھو صائم فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ ،، یعنی کوئی شخص اگر روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو وہ اس روزہ کو پورا کرے - کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا اور پلایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دوسری عبادت مثلاً نماز اور احرام کے برعکس روزہ کی حالت میں بھول جانے سے معذور سمجھا گیا، کیوں کہ اس کے اندر کوئی ہیئت وحالت ایسی نہیں ہے جو روزہ دار کو یاد دلائے۔ مگر نماز اور احرام کے لیے خاص ہیئات وحالات ہیں۔ جیسے استقبالِ قبلہ اور سلے ہوئے کپڑوں سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ اس لیے انسب یہی ہے کہ روزے کے اندر انسان کو معذور سمجھا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے دن میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا، حکم دیا کہ تم ایک غلام آزاد

کرد۔ "اعتق رقبة"۔

میں کہتا ہوں کہ جب وہ شخص صرف خواہشاتِ طبع کے اکسانے سے شعائر اللہ کی حرمت کو توڑنے کے درپے ہوا۔ تو ضروری تھا کہ اس کے مقابلہ میں ایسی سخت سزا تجویز کی جائے جو اسے نفس کی سرکشی سے ڈرائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت مسواک والی حدیث اور "ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ" اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، والی حدیث کے مابین کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے کیوں کہ اس طرح کے کلام سے مراد مبالغہ ہوتا ہے۔ تو گویا کہ آپ نے فرمایا کہ روزہ دار اللہ کے پاس محبوب ہے، اگر اس کے منہ میں کوئی بو ہوتی تو اس کے محبوب ہونے کی وجہ سے وہ بھی محبوب ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لیس من البر الصیام فی السفر ذهب المفطرون بالاجر" یعنی سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں۔ روزہ نہ رکھنے والوں نے اجر حاصل کر لیا۔ اور آپ کا قول ہے "من کانت له حمولة تأوی الی شبع فلیصم رمضان حیثما ادرکه" یعنی جس کے پاس سواری ہو جو آسودگی کی جگہ تک پہنچا سکے۔ تو وہ جہاں کہیں رمضان پالے وہیں روزہ رکھے۔

ان دونوں ارشادات کے درمیان کوئی تباین و تناقض نہیں ہے۔ کیوں کہ پہلا واقعہ اس وقت کے لیے ہے جب روزہ رکھنا روزہ داروں کے لیے پرمشقت ہو اور ضعف لاحق ہونے کا خطرہ ہو جیسا کہ راوی کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس پر سایہ کر دیا گیا تھا۔ یا مسلمانوں کو ایسی ضروریات درپیش ہوں جو بغیر روزہ توڑے ہوئے سرانجام نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ راوی کے قول "سقط الصوامون وقام المفطرون" یعنی گرمی کی شدت کی وجہ سے) روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ والے قائم رہے۔ سے ظاہر ہے یا اس شخص کے لیے جو حالتِ سفر میں ترک روزہ کی رخصت کو مکروہ سمجھتا ہو۔ یا اسی طرح کے دوسرے اسباب ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرا حکم اس سفر کے لیے ہے جس میں قابلِ ذکر تکلیف و پریشانی نہ ہو، یا مذکورہ اسباب معدوم ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه" یعنی کوئی اگر اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ روزے باقی ہوں تو اس کا ولی قضا کرے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ "فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا" یعنی اس کا ولی ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ ان دونوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کیوں کہ اس میں گنجائش ہے کہ دونوں میں

سے کسی کو بھی کہہ دے تو کفایت کر جائے گا۔

اس میں دو طرح کے راز ہیں، ایک راز تو میت سے وابستہ ہے۔ وہ یہ کہ بہت سے نفوس جسد خاکی سے مفارقت کے بعد جب یہ ادراک کرتے ہیں کہ ان سے واجبات شرعیہ میں سے کوئی چیز فوت ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی گرفت ہو گی، تو وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں اور وحشت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کے انسان پر مہربانی یہی ہو گی کہ ان کے قرابت داروں میں سے کوئی اس فوت شدہ واجب کی ادائیگی اس ارادے سے کرے کہ وہ میت کی طرف سے کر رہا ہے، کیوں کہ یہ کام اس کے لیے فائدہ مند ہو گا۔ جس طرح دنیا میں رشتہ داروں کے مابین ہوتا ہے۔ یا اس قرابت دار کی جگہ پر دوسرے آدمی اس کام کو انجام دیدیں۔ یہی حال اس شخص کا بھی ہے جو صدقہ کرنے کی نیت لے کر وفات پا جاتا ہے تو اس کی طرف سے اس کا ولی صدقہ کرے۔ ہم نے جنازہ کی نماز کے بیان میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے کہ اگر زندہ حضرات، مُردوں کے لیے صدقہ کریں تو یہ ان کے لیے نفع بخش ہے۔ دوسرے راز کا فائدہ دینی ملت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حد درجہ کی تاکید ہے کہ روزہ حتیٰ الموت کسی سے ساقط نہیں ہوتا۔

روزے سے متعلق چند چیزیں

معلوم ہونا چاہیے کہ روزہ کا کمال یہ ہے کہ اس کو نفسانی خواہشات، افعالِ شیاطین اور بُری باتوں سے پاک رکھا جائے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں اخلاقِ رذیلہ کو یاد دلاتی ہیں اور بُرے کاموں پر ابھارتی ہیں نیز روزے کی تکمیل یہ بھی ہے کہ ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے جو روزہ کے توڑنے کی داعی اور باعث ہوں۔ پہلی قسم کے امور کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی صائم" یعنی جب کوئی روزہ سے ہو تو نہ بری بات کہے نہ فضول شور مچائے، اور اگر کوئی اسے گالی دے یا جھگڑنا چاہے تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ سے ہوں۔

نیز آپ نے فرمایا: من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ و شرابہ" جو شخص جھوٹی باتوں کا بولنا اور ان پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو اس کا کھانا پینا ترک کرنا، اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ یہاں نفی سے مراد نفی کمال ہے۔

اور دوسری قسم کے بارے میں آپ کا فرمان "افطر الحاجم والمحجوم" ہے۔ یعنی پچھنا لگوانے اور

لگانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ یہ اس لیے کہ پچھنا لگوانے والا ضعف وکمزوری لاحق ہونے کی وجہ سے روزہ توڑنے کے درپے ہوا۔ اور لگانے والا اس لیے کہ اس بات سے مامون نہیں ہے کہ کہیں خون کھینچ کر پیٹ میں نہ پہنچ جائے۔ اسی طرح بیوی کو بوسہ لینے اور اس سے اختلاط اختیار کرنے میں روزہ ٹوٹنے کا خوف ہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے مذکورہ امور میں افراط سے کام لیا اور ان میں تکلف کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ ان کو روزہ کا رکن سمجھ بیٹھے، تو آپ نے پچھنا لگوا کر، بیوی کا بوسہ لے کر اور اختلاط اختیار کر کے بتلا دیا کہ یہ چیزیں روزہ کو ختم کرنے والی نہیں ہیں۔ آپ نے لفظ رخصت کے ذریعہ بیان فرما دیا کہ آپ کے علاوہ لوگوں کے لیے ان چیزوں کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کو بیان کرنے پر مامور تھے۔ اس لیے ان کاموں کو کرنا آپ کے لیے اولیٰ تھا۔ یہی حال ان کاموں کا بھی ہے جو محسنین کے درجہ سے ساقط ہوں اور عام مومنین کے درجہ کی ہوں۔ واللہ اعلم۔

روزے کے سلسلہ میں انبیاء سابقین کے طریقے مختلف تھے۔ نوح علیہ السلام صوم دھر (سال کا سال مسلسل روزہ) رکھتے تھے۔ داؤد علیہ السلام ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام دو دن کے وقفہ سے روزہ رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر کبھی مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا کہ آپ روزہ ترک نہیں کریں گے۔ اور کبھی مسلسل بغیر روزہ ہی کے رہتے تھے یہاں تک کہ کہا جاتا کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔ پھر آپ روزہ رکھ لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ایک ماہ صرف رمضان میں روزہ رکھتے تھے۔

انبیاء کے روزوں کا یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ روزہ تریاق کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اس کو صرف بیماری کے مطابق ہی استعمال میں لایا جانا چاہیے۔ نوح علیہ السلام کی قوم سخت مزاج تھی۔ چنانچہ ان کی سخت مزاجی کے سلسلہ میں بہت سی باتیں مروی ہیں۔ داؤد علیہ السلام نہایت طاقتور اور مضبوط آدمی تھے۔ آپ کے بارے میں حضور کے کلمات تاثریہ ہیں۔ "وکان لا یفر اذا لاقی" یعنی حضرت داؤدؑ جب دشمنوں سے لڑتے تھے تو بھاگنے کا نام نہ لیتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نحیف الجسم اور فارغ البال آدمی تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنی حالت کے مطابق طریقے کو اختیار کیا، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے یا چھوڑنے کے فوائد سے بخوبی واقف تھے۔ اپنے مزاج اور اس کی مناسب چیزوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے آپ نے موقع ومصلحت کے مطابق جب ضرورت محسوس کی روزہ رکھا۔

آپ صلی اللہ وسلم علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے مزید کچھ روزے مشروع فرمائے ہیں۔ ان روزوں میں سے

عاشورا کا روزہ ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس دن فرعون اور لشکر فرعون کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی نصرت حاصل ہوئی تھی، اسی بنا پر حضرت موسیٰ نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا، یہ روزہ اہل کتاب اور اہل عرب میں رائج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے برقرار رکھا۔

آپ کے مشروع کیے ہوئے ان ہی روزوں میں یوم عرفہ کا روزہ بھی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ اس دن حجاج کی مشابہت اختیار کی جائے اور ان کی طرح مکہ پہنچنے کے شوق کو بیدار کیا جائے۔ نیز اس دن حجاج کرام پر جو خاص رحمت نازل ہوتی ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

یوم عاشورا اور یوم عرفہ کی فضیلت میں فرق اس طرح ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھ کر بعینہٖ اسی دن نازل ہونے والی رحمت میں شمولیت اختیار کی جاتی ہے، جبکہ عاشوراء کے روزہ میں جو رحمتیں امم سابقہ پر گزر چکی ہیں، انسے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریائے رحمت میں غوطہ لگانے کے نتیجہ کا مقصد فرمایا۔ یعنی سابقہ خطاؤں کا کفارہ ہوجانا اور آئندہ گناہوں سے اس طرح دوری اختیار کرنا کہ اسے دل سے قبول نہ کیا جائے، تو یہ فائدہ یوم عرفہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کا روزہ نہیں رکھا۔ کیوں کہ اس میں دراصل حجاج کرام سے تشبہ اختیار کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تشبہ غیر حاجی ہی کریں گے۔

آپ کے مشروع کردہ ان ہی روزوں میں شش عیدی روزے بھی ہیں۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا ہے:
من صام رمضان ثم اتبعہ ستاً من شوال کان کصیام الدھر کلہ۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے گا، وہ سال بھر روزے رکھنے کی طرح ثواب پائے گا۔

اس کی مشروعیت میں یہ راز ہے کہ یہ روزے نماز کی سنتوں کے مانند ہیں۔ جس طرح سنتیں فرض نمازوں کے نقصان کو پورا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ شش روزے رمضان کے روزوں کے نقصان کو پورا کر دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت صوم دہر کے ساتھ تشبیہ دیکر بیان فرمائی ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ شریعت کے قاعدے کے مطابق ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جاتا ہے تو چھ روزے بھی رمضان کے ساتھ مل کر اسی قاعدے کے مطابق پورے سال کے برابر ہو جاتے ہیں۔

آپ کے مشروع کردہ ان ہی روزوں میں سے ہر مہینہ تین تین روزہ رکھنا ہے۔ کیوں کہ اس میں بھی کل ذی حسنۃ بعشر امثالھا کے مطابق سال کا حساب پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس لیے کہ جمع کثرت کا اقل درجہ تین ہے۔ البتہ

روزے کس کس دن رکھے جائیں۔ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: "یا اباذر اذا صمت من الشهر الثلاثة فصم ثلاث عشرة واربع عشرة وخمس عشرة۔ یعنی اے ابوذر جب تم مہینہ میں تین روزے رکھو تو تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کو رکھو۔" یہ بھی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں سنیچر، اتوار اور سوموار کو روزہ رکھتے تھے، تو کسی مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کو۔ یہ بھی مروی ہے کہ ہر چاند کے شروع ہی میں تین روزے رکھتے تھے۔ نیز حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تین روزہ رکھنے کا حکم دیا جس کا پہلا دن سوموار اور جمعرات تھا، اور ان میں سے ہر ایک کی کچھ نہ کچھ وجہ ہے۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر کی دو راتیں ہیں، ایک وہ رات ہے: "فیها یفرق کل امر حکیم" جس میں ہر حکم حاکم کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اور جس میں پورا قرآن ایک ساتھ نازل ہوا تھا، پھر قسط وار نازل ہوا۔ یہ رات سال میں صرف ایک ہے اور ضروری نہیں کہ وہ رمضان ہی میں ہو، ہاں اس کے وقوع کا غالب امکان رمضان ہی میں ہے۔ اتفاقاً یہ نزول قرآن کے زمانہ میں رمضان ہی میں پڑ گئی تھی۔ دوسری لیلۃ القدر وہ رات ہے، جس میں روحانیت منتشر ہوتی ہے، فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ادھر اہل اسلام بھی اسی رات میں متفقہ طور پر عبادت میں مصروف و مشغول ہوتے ہیں تو ان کی روشنی ایک دوسرے پر پڑتی ہے۔ ان سے شیطان دور ہو جاتا ہے، اور ان کی دعائیں اور عبادتیں قبول کی جاتی ہیں۔ یہ رات رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، کبھی پہلے ہو جاتی ہے اور کبھی پیچھے۔ اب جس کسی نے پہلے مفہوم کو لیا، اس نے کہا کہ وہ رات پورے سال میں کسی روز ہوتی ہے۔ اور جس نے دوسرے مفہوم کو لیا اس نے کہا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اری رؤیاکم قد تواطأت فی السبع الاواخر فمن کان متحریها فلیتحرها فی السبع الاواخر۔"

میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اخیر کی سات راتوں کے بارے میں متفق ہیں، لہٰذا جو شخص اس کو تلاش کرنا چاہے وہ اواخر کی سات راتوں میں تلاش کرے۔

اور فرمایا کہ میں نے لیلۃ القدر کو خواب میں دیکھا پھر بھلا دیا گیا۔ میں نے اس رات کی صبح اپنے آپ کو کیچڑ پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر یہ واقعہ ۲۱ ویں رمضان کی رات کو پیش آیا۔ اس بارے میں صحابہ کا اختلاف بھی اسی بنا پر ہے کہ انھوں نے اس کو مختلف راتوں میں پایا تھا۔

لیلۃ القدر کی دعا: "اللهم انک عفو تحب العفو فاعف عنی"۔ یعنی اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے۔

اور معاف کرنا پسند بھی کرتا ہے ۔ لہذا تو مجھے معاف فرما دے ۔

اعتکاف

مسجد میں اعتکاف کرنا، چونکہ دلجمعی، صفاء قلب، اطاعت کے لیے خالی الذہن ہونے، فرشتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے اور لیلۃ القدر کو پانے کی کوشش کا ذریعہ اور سبب ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دس راتوں میں اعتکاف کرنا پسند فرمایا ۔ اور اپنی امت کے متقیوں کے لیے اسے مسنون قرار دیا ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں «السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضاً ولا یشھد جنازۃ ولا یمس المرأۃ ولا یباشرھا ولا یخرج لحاجۃ الا ما لا بد منہ، ولا اعتکاف الا بصوم، ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع ۔» یعنی معتکف کے لیے مسنون ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے ۔ جنازہ میں حاضری نہ دے، عورت سے جماع نہ کرے، اس سے اختلاط نہ رکھے صرف لابدی اور ضروری چیزوں کے لیے مسجد سے نکلے، اور اعتکاف صرف روزے کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے اور صرف جامع مسجد میں ۔»

اور یہ اس لیے تاکہ اعتکاف کا معنی متحقق ہو جائے اور تاکہ اطاعت کا احساس ہو، نفس پر مشقت ہو، اور عبادت سے الگ ہو ۔ واللہ اعلم ۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۸ (من ابواب الصوم)

المجمع الفقہی الاسلامی اور اس کے چند فتاوے

سعودی عرب مختلف ذرائع سے اسلام کی جو خدمات کر رہا ہے، ان میں سے ایک قابل ذکر کام یہ ہے کہ اس نے چند برس پہلے عالم اسلام کے اکابر علماء اور ماہرین شریعت پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی ہے، جس کا نام المجمع الفقہی الاسلامی ہے اور جس کا مرکز جدہ میں ہے۔ یہ کمیٹی وقفہ وقفہ سے اپنے اجتماعات کرتی ہے، اور عالم اسلام کو درپیش مسائل اور دنیا کی موجودہ تیز رو سائنسی اور میکینکل ترقی کے نتیجہ میں منظر عام پر آنے والے معاملات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لے کر ان کے بارے میں اسلامی موقف اور نقطۂ نظر کی تعیین کرتی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس کا نواں اجلاس منعقد ہوا تھا۔ ۲۹ / مارچ ۱۹۸۶ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس اجلاس میں اس نے مسلمانوں کو درپیش کئی اہم بالشان مسائل کے فیصلے کیے۔ ہم ذیل میں ہندوستان کے اندر ایک خاصے مختلف فیہ مسئلے کے بارے میں اس کے فیصلے کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

(۱) ہندوستان میں مقامی غیر عربی زبان میں خطبۂ جمعہ کے جواز میں مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی بعض لوگ اس بنا پر اسے ناجائز کہتے ہیں کہ یہ فرض نماز کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ اس پر مجمع فقہی کی مجلس نے غور کیا اور فقہاء مذاہب کی رایوں کو پیش نظر رکھ کر یہ طے کیا:-

سب سے معتدل رائے جسے مجلس اختیار کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جن ممالک میں عربی نہیں بولی جاتی، وہاں جمعہ اور عیدین کے خطبے عربی میں دینا شرط نہیں ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ خطبہ کے ابتدائی اجزاء اور قرآنی آیات عربی میں پڑھی جائیں تاکہ غیر عرب حضرات عربی زبان اور قرآن سننے کے عادی ہوں۔ اور اس طرح ان کے لیے عربی سیکھنا اور قرآن کو اس کی اصل زبان عربی میں تلاوت کرنا آسان ہو۔ اس کے بعد خطیب جو وعظ و نصیحت اور رہنمائی کرے وہ لوگوں کو اسی زبان میں کرے جس کو وہ سمجھتے ہوں۔

(۲) یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ خطبۂ جمعہ کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض طالبین علم

واہیات دلائل اور خیالات کی بنیاد پر اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں اور نماز کی قرأت اور تکبیرات کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں۔ بلکہ بڑی مساجد جن کے گوشے دور پڑتے ہوں گا، اس کا استعمال ہونا چاہیے، کیوں کہ اس سے شرعی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

ہر نیا آلہ جسے انسان اللہ کے دیے ہوئے علم اور اس کے مسخر کیے ہوئے وسائل کی مدد سے دریافت کرتا ہے۔ اگر وہ آلہ کسی شرعی مقصد اور اسلامی واجبات میں سے کسی واجب کی خدمت کر رہا ہو، اور اس سے اتنی کامیابی حاصل ہوتی ہو، جتنی اس کے بغیر نہیں ہو سکتی تو وہ آلہ اسی درجہ مطلوب ہو جاتا ہے، جس درجہ وہ شرعی مقاصد کی خدمت اور تکمیل کر رہا ہو۔ کیوں کہ معروف اصولی قاعدہ ہے کہ جس چیز پر کسی واجب کی ادائیگی اور تکمیل موقوف ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔

(اخبار العالم الاسلامی ص ۱۰ ۷ رجب ۱۴۰۶ھ ۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء)

.....

تحدیدِ نسل: مجمع فقہی نے ضبطِ ولادت (نسل بندی وغیرہ) کے معاملے پر بھی غور کیا۔ جسے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے تنظیم نسل، یا خاندانی بہبود کا الٹا نام دیا جاتا ہے۔

اس معاملے پر خاصے غور اور تبادلۂ خیالات کے بعد مجلس نے متفقہ طور پر یہ طے کیا۔

اس بات کے پیش نظر کہ شریعت اسلامی نسل کی کثرت اور پھیلاؤ پر ترغیب دیتی ہے۔ اور اولاد کو بندوں پر اللہ کا زبردست احسان اور بہت بڑی نعمت شمار کرتی ہے۔ اور اس پر کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت نصوص موجود ہیں جو بتلاتی ہیں کہ ضبطِ ولادت اور منعِ حمل کا خیال اللہ کی بخشی ہوئی فطرت انسانی اور بندوں کے لیے اللہ کی پسند کی ہوئی شریعتِ اسلامی سے ٹکراتا ہے۔

اور اس بات کے پیش نظر بھی کہ اس (ضبطِ ولادت اور منعِ حمل) کو اختیار کرنا، ایک قسم کا جاہلانہ عمل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی ہے۔ اور انسانی وجود کی کثرت اور ان کے باہمی ارتباط سے اسلام کا جو اجتماعی اور دفاعی وجود بنتا ہے، یہ عمل اس کی کمزوری کا سبب ہے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر مجمع فقہی اسلامی کی یہ مجلس اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تحدیدِ نسل

(ضبط ولادت) مطلقاً جائز نہیں۔ اور منع حمل بھی اس وقت جائز نہیں جبکہ وہ فقر وفاقہ کے اندیشہ کی بناپر کیا جا رہا ہو۔ کیوں کہ:

ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین — اللہ ہی رازق، قوت والااور متین ہے۔

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا — روئے زمین پر کوئی بھی چلنے والا جاندار نہیں، مگر اللہ کے ذمہ اس کی روزی ہے۔

اسی طرح اس وقت بھی منع حمل جائز نہیں جبکہ وہ فقر وفاقہ کے اندیشہ کے بجائے دوسرے کہ شرعاً غیر معتبر اسباب کی بناپر کیا جائے۔

ہاں بعض انفرادی حالات میں جبکہ ضرر پہنچنا یقینی ہو تو منع حمل یا تاخیر حمل کے ذرائع کو استعمال کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ مثلاً عورت معمول کے مطابق بچے نہ جنتی ہو، بلکہ بچے کو نکالنے کی خاطر آپریشن کےلیے مجبور ہوجانا پڑتا ہو۔ اسی طرح صحت سے تعلق رکھنے والے کچھ دوسرے اسباب ہوں، جس کی نشاندہی کوئی قابل وثوق مسلمان ڈاکٹر کرے تو بھی حمل کو روکنے یا موخر کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض حالات میں جبکہ قابل وثوق مسلم ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق بچے کی ماں کو نقصان پہنچنا یقینی ہو اور اس کی جان خطرے میں ہو تو حمل کو روک دینا متعین ہے۔

باقی جہاں تک ضبط ولادت اور منع حمل کی عام ترویج کے لیے پروپیگنڈے کا تعلق ہے تو یہ شرعاً جائز نہیں۔ اور اسباب وہی ہیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا، اور اس سے بھی بڑھ کر گناہ اور ممنوع یہ ہے کہ لوگوں پر اس کو جبراً تھوپ دیا جائے، اور اقتصادی ترقیات، تعمیری کاموں اور عوامی ضروریات سے صرف نظر کرکے اس راہ میں اپنے اموال ضائع کیے جائیں، جبکہ دنیا کی دوسری قومیں ہم پر تسلط حاصل کرنے اور ہمیں تاخت وتاراج کرنے کےلیے اسلحہ کی دوڑ میں بھاری بھرکم مال خرچ کررہی ہیں۔

(اخبار العالم الاسلامی ص ۱۰، ۱۰ رجب ۱۴۰۶ھ، ۱۰ مارچ ۱۹۸۶ء)

تعاون کی درخواست:

جامعہ سلفیہ علاقہ کچھ گجرات کی واحد اور اہم اہلحدیث درسگاہ ہے جو اس سال قحط سالی کے سبب مشکلات کا شکار ہے۔ اہل خیر سے تعاون کی پرزور اپیل ہے۔ جامعہ کے سفیر حضرات آپ کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں۔ پتہ: سید حمد خان، جامعہ سلفیہ، آزاد نگر گھوڑیوالی بنی بھوج کچھ گجرات

مرکزی جماعت اہلحدیث متحدہ عرب امارات
نئے دور کا آغاز

۹ر اپریل ۱۹۸۱ء کو شارجہ میں تاسیس جماعت اور کابینہ کا انتخاب ہوا۔ پھر ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو دبئی میں ایک اجلاس ہوا، جس میں کابینہ کی توثیق اور شعبۂ تبلیغ کا اجراء کیا گیا۔

۱۹۸۴ء کے اواخر میں مجلس شوریٰ کے ایک اجلاس میں طے پایا کہ جماعت کا ایک دستور بنایا جائے۔ دستور ساز کمیٹی کے اراکین نامزد ہوئے اور محمد منیر سیالکوٹی کو اس کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

دستور ساز کمیٹی نے دستور کا بڑا جامع و بلیغ مسودہ تیار کیا تو ۸ر جنوری ۱۹۸۵ء کو مجلس شوریٰ کے ایک اجلاس میں جو خاصا طویل اور بھرپور تھا، اس مسودے کو پڑھا گیا اور معمولی ترمیم و اضافہ کے بعد دستور کی منظوری عمل میں آئی۔

اس وقت سے دستور کے مطابق تمام ذیلی (مقامی و اماراتی) جماعتوں کی رکن سازی اور انتخابات ہوتے رہے اور اسی دوران جماعت کی دو اور شاخیں کھل گئیں، جن میں سے ایک دبا میں اور دوسری ام القوین میں ہے۔ اس طرح اب تک متحدہ عرب امارات کے تمام مقامات پر جماعت کی شاخیں ہو گئی ہیں، جن کے زیر انتظام ہر جگہ پر فری اسلامی لائبریریاں اور مدارس تحفیظ القرآن والسنہ کام کر رہے ہیں۔

۱۲ر جولائی ۱۹۸۵ء کو مجلس شوریٰ کے ایک اجلاس میں پانچ ارکان پر مشتمل مرکزی انتخابی بورڈ تشکیل دیا گیا۔

۷ر فروری ۱۹۸۶ء کو ایک اجلاس ہوا جس میں پانچویں سالانہ دورہ سیرت کانفرنس (شارجہ) کا انعقاد طے پایا، جو بدھ، جمعرات ۱۶، ۱۷ر اپریل ۱۹۸۶ء کو ہو رہی ہے۔

اس کے لیے پاکستان سے مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی (لاہور) اور برطانیہ سے مولانا محمود احمد میرپوری (ناظم الجمعیۃ، مدیر اعلیٰ صراط مستقیم و سکرٹری شریعت کونسل، یوکے۔) کو دعوت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

اسی اجلاس میں آئندہ تین سال کے لیے مرکزی کابینہ کے انتخابات کی تاریخ طے کی گئی۔

۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۸ر فروری ۱۹۸۶ء بروز جمعہ بعد نماز عصر

مرکزی انتخابات: مرکزی جماعت اہلحدیث متحدہ عرب امارات کے مرکز (شارجہ) میں مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک بھرپور اجتماع ہوا جس کے مہمان خصوصی مولانا عبدالوہاب خلجی ناظم جمعیت اہلحدیث انڈیا تھے۔

شارجہ، دبئی، ابوظبی، عجمان، ام القیوین، راس الخیمہ، الذید، کلبا، دبا، فجیرہ، خورفکان اور العین سے اراکین شوریٰ نے شرکت کی۔

دستور جماعت کے مطابق آئندہ تین سال کے لیے مرکزی عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا جو باقاعدہ خفیہ رائے دہی کے طریقے سے ہوا۔ آئندہ تین سال کے لیے منتخب ہونے والی اس نئی کابینہ میں مرکزی امیر اور ناظم اعلیٰ حسب سابق ہی ہیں۔ اس طرح پوری نئی کابینہ یوں ہے۔

امیر:- مولانا حافظ مقبول احمد، رکن مرکز دعوت وارشاد۔ دبئی

نائب امیر اول: مولانا حافظ محمد اسلم رکن مرکز دعوت وارشاد فجیرہ۔

نائب امیر ثانی: مولانا ظفر الحسن رکن مرکز دعوت وارشاد دبئی

ناظم اعلیٰ: محمد منیر قمر سیالکوٹی، مترجم شرعی کورٹ، ام القیوین

نائب ناظم: مولانا نجیب اللہ طارق، مرکز دعوت وارشاد، ام القیوین

ناظم تبلیغ (نشر واشاعت) مولانا محمد ابراہیم میرپوری، وزارت اوقاف فجیرہ

ناظم مالیات (خازن) جناب عبدالغفور صاحب۔ (شارجہ)

مرکزی مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد چالیس ہے جن میں سے اس انتخابی اجلاس میں چونتیس ارکان شریک ہوئے۔ اجلاس کے انتخابی مرحلہ اور انتخابی بورڈ کی طرف سے منتخب عہدیداران کے نام کے اعلان کے بعد مولانا حافظ مقبول احمد ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن اور معزز مہمان جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے خطاب فرمایا۔

دوران اجلاس نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی اور پھر کارروائی شروع ہو گئی۔ نماز عشاء کے قریب یہ اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

اراکین دستور ساز کمیٹی: ۱۔ حافظ مقبول احمد ۲۔ محمد منیر قمر سیالکوٹی ۳۔ مولانا محمد ابراہیم میرپوری ۴۔ ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن ۵۔ ڈاکٹر صغیر احمد۔

اراکین مرکزی انتخابی بورڈ: ۱۔ محمد منیر قمر سیالکوٹی ۲۔ حافظ محمد اسلم ۳۔ مولانا ظفر الحسن، ۴۔ ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن ۵۔ ڈاکٹر صغیر احمد

قارئین توجه دیں

◎ ماهنامه محدث اسلامی ادبی اورعلمی میگزین هے ، آپ اسکے خریدار بنیں . سال کے کسی بهی مهینه سے خریدار هوا جا سکتا هے .

◎ روپئے ارسال کرتے وقت یه ضرور لکهیں که آپ نئے خریدار هیں .

◎ پرانے خریداران خط وکتابت اور روپیــه بهیجتے وقت خریداری نمبر کا حواله هرگز نه بهولیں .

◎ پته اردو انگریزی دونوں میں صاف تحریر کریں ، ڈاکخانه سے پن نمبر بهی معلوم کر کے ضرر لکهیں ایسی صورت میں پرچه نه ملنے کا خطره ختم هوجاتا هے .

◎ پرچه عموماً وقت پر اور یو، پی، سی، ارسال هوتا هے ، نه پهونچنے پر اپنا پته جانچ لیں اور ڈاکخانه سے مراجعت کے بعد لکهیں .

◎ اختتـــام چنده کی خبر ملتے هی فورا چنده ارسال کردیں ، ورنه پرچه جاری نه رکها جاسکیگا .

◎ بهت سے خریداروں کے یہاں طویل مدت کا بقـــایا هے ، ان سے گذارش هے که قومی امانت کیساتھ خیانت نه کریں ، اور فوراً بهیج دیں .

◎ فروری ۸۲ ء سے ابتک کا شائع شده پرچه معدودے شماره کے علاوه سالانه بدل اشتراك کے حساب سے حاصل کرسکتے هیں ، فروری ۸۶ ء کا پرچه ختم هوجانے کے بعد کثرت مانگ کیوجه سے دوباره شائع کرایا گیا هے .

◎ ۱۲ شعبان تا ۱۰ شوال المکرم جامعه میں تعطیل رهےگی . اسلئے دوران تعطیل آنے والی ڈاکوں کا جواب نهیں ملےگا .

Reg. No. R. N. 40352/81

May & June **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA).

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مُحدّث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی و ادبی ماہنامہ

برگ وبار

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ: ۷ • جولائی ۱۹۸۶ء • ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ • جلد: ۵

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی
کاتب: انور جمال

صفی الرحمان مبارکپوری

بدل اشتراک
سالانہ: پچیس ۲۵ روپے
ششماہی: تیرہ ۱۳ روپے
فی پرچہ: دو روپے پچاس پیسے ۲.۵۰
بیرون ملک سے سالانہ پندرہ ڈالر

پتہ:

• خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی

• بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی۔

MAKTABA SALAFIAH REORITALAB VARANASI - 221010

ٹیلی گرام: دارالعلوم وارانسی • فون: ۶۳۵۷۷ (63577)

پیغام بیداری

محمد اقبال شاہد یعقوبی
متعلم جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو

•

اے مسلماں جاگ کہ سارا جہاں بیدار ہے
دیکھ تجھ سے تیرا دشمن برسرِ پیکار ہے

ہر طرف سے اٹھ رہا ہے کفر کا ابرِ سیاہ
آج ہر جانب سے تیرے دین پر یلغار ہے

ناز تھا سارے زمانے کو ترے کردار پر
آج لیکن صرف تو گفتار ہی گفتار ہے

کل زمانے کی نظر میں تو معزز تھا مگر
آج تو سب کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہے

چھین لی تجھ سے زمانے نے جھپٹنے کی ادا
تیرے بازو شل ہیں تیرا حوصلہ بیمار ہے

تھی ترے اخلاق حسنہ کی زمانے بھر میں دھوم
آج کیوں تو بے عمل، بے شرم، بدکردار ہے

نیند سے اب اٹھ اے شاہد خوابِ غفلت چھوڑ دے
دیکھ تیرے سامنے تلوار کی جھنکار ہے

•

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ راہ

شاہ بانو کیس اور اس کے معاً بعد بابری مسجد کے قضیہ سے پیدا ہونے والے حالات نے ہمارے ملک کے "قومی دھارے" میں جو اتھل پتھل پیدا کی ہے وہ کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں۔ اس کا جہاں ایک نہایت مضرت رساں پہلو یہ سامنے آیا کہ ملک کی سابقہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور کشت و خون کی فضا میں اس نئے عنصر کے اضافہ سے حد درجہ معتدل مزاج اور غیر جانبدار افراد کا دل و دماغ بھی زہر آلود ہوگیا، وہیں ایک مفید پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ اس "طوفان" نے ہمارے بحر کی موجوں کو "اضطراب" سے آشنا کر دیا۔ تحفظ شریعت اور تحفظ مقدساتِ اسلامیہ کے احساس نے مسلمانوں میں ایک ایسا ملی شعور، اجتماعی احساس اور جوش و خروش پیدا کر دیا، جس کی مثال کم از کم میرے جیسے بے تجربہ انسان کے سامنے اب تک نہیں آئی تھی۔ اسی احساس و شعور کا نتیجہ تھا کہ ایک مختصر سی پکار پر کسی وقت مسلم مکانات پر سیاہ جھنڈیوں کا بادل امنڈ آیا اور بازو پر بندھی ہوئی سیاہ پٹیوں نے سیہ کاریوں پر احتجاج کیا، تو کسی وقت تن بہ تقدیر سڑکوں پر نکل آئے اور گولیاں کھانے کے بعد بھی اپنا جوشِ جنوں قائم رکھا۔ اس طرح قوم کو اجتماعی شعور کی جس قوت کا مظاہرہ کرنا تھا اس نے بڑی حد تک اس کا مظاہرہ کر دیا۔

البتہ اس نازک مرحلے میں قیادت کا خلاء بہت زیادہ اُبھر کر سامنے آیا۔ مسلمانوں کو کوئی ایک منتظم اور مسلّم قیادت نہ مل سکی۔ ایک ہی مسئلہ کے لیے فقہی بلکہ رواجی اختلافات کے نتیجہ میں الگ الگ محاذوں سے الگ الگ اقدامات کیے گئے۔ بلکہ ایک ہی یا یکساں قسم کے اقدامات کے لیے الگ الگ محاذ بنائے گئے اور ایک محاذ نے دوسرے کو گرانے اور خود اُبھر کر مقبولیت و سربراہی کا علم سنبھالنے کی بھی خفیہ اور ظاہری کوششیں کیں۔ چھوٹے چھوٹے حلقوں، گروہوں اور جماعتوں کی قیادتیں اور ان قیادتوں کے دم چھلے جو کبھی کبھی

نازک مزاجی کی انتہا کو پہنچے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طوفان میں خس و خاشاک کی طرح بہ گئے، اور ان کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ ان کے ابھرنے اور ڈوبنے اور ڈوب ڈوب کر ابھرنے کا منظر انتہائی عبرت انگیز تھا۔

اس وقت طوفان تھم سے تھا ہوا ہے۔ مگر جو لوگ اس طوفان کو اپنے خلاف تصور کرتے تھے، ان کے دل و دماغ اپنے خطوط اور اپنی پالیسی کی تعیین میں مصروف اور رواں دواں ہیں۔ انھوں نے ہمارے تئیں اپنے مقاصد اور نصب العین کی تعیین کر رکھی ہے اور وہ بہر صورت اس کو بروئے کار لانے کی ٹھانے ہوئے ہیں ہمارے اقدامات اور رد عمل کو دیکھ کر وہ اپنے اسباب و وسائل اور حکمت عملی میں تو تبدیلی کر سکتے ہیں لیکن اپنے مقاصد تبدیل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمیں ایک دو جزوی اور فروعی مسائل کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق حل کر کے مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے۔ بلکہ ہمیں اپنے مقاصد اور ان کے ذرائع حصول کے متعلق بڑی سنجیدگی اور دور اندیشی سے غور کرنا چاہیے۔ ہم نے یہ تو طے ہی کر رکھا ہے کہ ہمیں ہندوستان میں رہنا ہے اور اسی سرزمین پر جینا اور مرنا ہے۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی دو گز زمین یہیں لینی ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی طے کر رکھا ہے کہ ہمیں اپنے پورے انسانی اور اسلامی حقوق کے ساتھ زندہ رہنا ہے، کسی اجتماعی یا انفرادی حق سے دستبردار نہیں ہونا ہے۔ پس ہمیں یہ بھی طے کرنا چاہیے کہ ہم اپنے ان مقاصد کو کس طرح بروئے کار لا سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو مختلف قسم کی رکاوٹیں آئے دن ابھرتی ہیں اور پیش آتی جا رہی ہیں ان سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، اسے طے کرنے کے لیے جہاں گہری دور اندیشی کی ضرورت ہے وہیں عزم و حوصلے، لگن، خلوص، استقامت اور صبر و تحمل کی بھی بے حد ضرورت ہے۔ اور یہ کام عوام کا نہیں، قیادت کا ہے۔ اسی لیے ہماری قیادت کو بڑی وسعت ظرفی، بالغ نظری اور خلوص سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑا نازک تاریخی مرحلہ ہے۔ اس مرحلے کی لغزشیں ہمیں بہت پیچھے ڈھکیل سکتی ہیں اور اس مرحلے کے صحیح اقدامات ہماری تاریخ کا ایک روشن باب بن سکتے ہیں۔

جن خریداروں نے رقم بھیجی ہے اور انھیں محدث نہیں مل رہا ہے وہ تفصیلات لکھ بھیجیں۔ تاکہ ضروری کارروائی کر کے ان کے نام پرچہ جاری کر دیا جائے۔

(ادارہ)

حدیث اور عقلی تقاضے

عبدالخالق عبدالمنان بستوی

دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں ان میں مزید کوئی نہ کوئی خامی ہے، صرف ایک دین اسلام ہے جو بالکل مکمل اور انسانوں کے لیے پورا پورا ضابطۂ حیات ہے اور بحکم آیت: ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ (اللہ کے نزدیک محبوب دین اسلام ہے)۔ یہی پسندیدہ، صحیح اور باعثِ نجات دین ہے۔ اس میں انسانوں کی معاشرت، تمدن اور دیگر ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی کو احسن طریقوں سے بتایا گیا ہے، اور ہر قسم کے احکامات و ہدایات ہیں۔

اسلام کی پوری تفصیل حدیث سے ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اصول و کلیات ہیں اور حدیث جزئیات کی شکل میں اس کی توضیح و تشریح ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ حدیثِ رسول کا ہونا یقینی قرار دیا گیا ہے۔ اگر حدیث سے فرار اختیار کیا جائے تو جو اہمیت اسلام کو حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ اسلام تشنۂ تکمیل رہ جائے گا۔ چوں کہ حدیث ظاہری طور الہامی نہیں ہے، اس لیے خوف لاحق ہوا کہ کہیں امتِ مسلمہ اس کو پس پشت نہ ڈال دے۔ اس لیے قرآن نے زبردست تنبیہ فرمادی: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔ (رسول اللہ بغیر اللہ کے حکم کے کچھ نہیں فرماتے ہیں۔) اور اس کے ساتھ ہی ایک زبردست اور محکم اصول نافذ کر دیا: وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔ (جو کچھ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ)

عرف میں حدیث کا لفظ قرآنِ عزیز اور آثارِ نبویہ پر بولا گیا ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔ حدیث لازمۂ قرآن ہے۔ اطاعتِ حدیث حبِ رسول کی نشانی ہے اور بغیر حدیث کے مانے ہوئے اسلام پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر ان حقائق کے باوجود مسلمانوں میں بزعم خویش ایسے عقل حضرات پائے جاتے ہیں جو یہ کہہ کر حدیث سے بھاگتے ہیں اور حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ حدیث عقلی تقاضے کے موافق نہیں ہے۔ ان ناقدرانِ حدیث کا میں نے یہاں تک نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ ان کی ایمانی اور دینی کمزوری ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر حدیث کو مان لیا تو ہماری مطلق آزادیاں ختم ہو جائیں گی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا عقل کو حدیث یا شرع اسلام کے حقائق کے لیے معیار قرار دیا جا سکتا ہے ؟ اور عقل کی مطابقت کو کسی درجہ میں شرط ٹھہرایا جا سکتا ہے ؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے : لوکان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ ۔ یعنی دین کا دارومدار اگر عقل پر ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپری حصے سے زیادہ مسح کا حقدار تھا ۔ کیوں کہ گرد و غبار سے اسی حصہ کو زیادہ واسطہ رہتا ہے ، لیکن شرع میں اوپر والے حصے کے مسح کا حکم آیا ہے ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عقل کو دین فہمی کے لیے شرط ٹھہرانا سرتا سر باطل خیال ہے ۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار یہ خیال کیا کہ طواف میں رمل کرنا (دوڑنا) کفار مکہ کو اپنی قوت دکھانے کی غرض سے تھا ، اب اسلام کا غلبہ ہے ۔ کفار مکہ رہے نہیں تو اب اس کی کیا ضرورت ؟ لیکن پھر عقل کے اس فیصلہ سے ڈر گئے کہ ممکن ہے کوئی اور سبب اس کے لیے ہو جس پر میری عقل محیط نہیں ، اس لیے باں عقل و فہم حضرت عمرؓ نے شریعت کے حکم کو برقرار رکھا اور اس کو اپنے عقلی تقاضے کے مطابق نہیں رکھا ۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے ایک شخص نے اپنی عقل سے کام لے کر کسی حدیث کو قرآن کے مخالف بتایا تو سعیدؒ نے جواب دیا : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم بکتاب اللہ منک ۔ یعنی رسول اللہ قرآن کریم کے مطالب کو تجھ سے زیادہ بہتر جانتے تھے ۔ اس سے یہی معلوم ہوا کہ عقل کو دین فہمی کے لیے معیار قرار دینا حماقت ہے ۔

علاوہ ازیں اس پر بھی غور کیجیے کہ عقل کی قوت کا نہ ہے کتنی کہ وہ ہر چیز کو ملحوظ کرے عقل بھی انسانی قوتوں کی طرح ایک مختلف المراتب قوت ہے ۔ یعنی جس طرح قوت باصرہ و سامعہ و قوت لامسہ وغیرہ میں اختلاف ہے چنانچہ کسی کی نگاہ تیز اور دور بین ہے اور کسی کی کمزور ۔ کسی کی آواز چند قدم پر رک جاتی ہے اور کسی کی میلوں چلی جاتی ہے ۔ اسی طرح عقل کی قوت میں بھی تفاوت ہے ۔ مشہور فلسفی نیوٹن نے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح ایک کمزور آدمی سے پختہ دو من کا اٹھانا مشکل ہے مگر ایک طاقتور پہلوان کے لیے یہ بالکل آسان کام ہے ۔ اسی طرح کمزور عقل کے لیے ایک بات کا ادراک مشکل ہے اور طاقتور عقل کے لیے اس کا مدرک ہو جانا آسان ہے ۔ اس لیے سوال یہ ہے کہ کون سی عقل کو معیار قرار دیا جائے ۔ اوسط کو ؟ اعلیٰ کو ؟ یا پھر اس سے اعلیٰ تر کو ؟ اور عقل کی اعلیٰ ترین حد بندی کیا ہوگی ؟ انیسویں صدی کی عقل معیار ہوگی یا بیسویں صدی کی ؟ کیوں کہ ہم فلسفہ قدیم و جدید کے نظریات کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہر صدی کے محققین اور عقلاء نے پچھلی صدی والوں کے اصول و نظریات کو توڑ کر رکھ دیا ہے ، تو آخر معیار کون سی صدی کی عقل ہوگی ؟ ایسی بودی اور بےحسی چیز سے شریعت کے محکم اور مستحکم اصولوں

کو پرکھنا آفتاب کی روشنی کو چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لو سے دیکھنے کے مرادف ہے۔ اقبال مرحوم نے عقلاء زمانہ کی انہی بے عقلیوں کو دیکھ کر لکھا ہے:

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے ؎ بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

اس کے ساتھ ہی ایک بات اور سمجھتے چلیے کہ ایک چیز ہے خلاف عقل ہونا اور ایک چیز ہے عقل سے مدرک نہ ہونا خلافِ عقل کی مثال یہ ہے کہ دو دو مل کر پانچ بناتے ہیں۔ یہ امر ہمیشہ عقل کے خلاف رہے گا۔ چاہے زمانہ کتنی ہی ترقی کر لے، عقل دو دو مل کر چار مانے گی، پانچ کبھی نہ تسلیم کرے گی۔ اس کے برخلاف عقل سے مدرک نہ ہوسکنا بالکل دوسری چیز ہے، اس کو خلافِ عقل کبھی نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً سریرِ سلیمانی کا ہوا پر اُڑنا۔ یہ خلافِ عادت تو ہے، مگر خلافِ عقل نہیں، کیوں کہ آج ہوائی جہاز کی ایجاد نے اس امر کا مشاہدہ کرا دیا کہ تختِ سلیمانی کا ہوا پر اُڑنا خلافِ عادت تو ضرور تھا لیکن خلافِ عقل نہ تھا۔ ایسے ہی انبیاء کرام کے معجزات، فرشتوں کا نزول و عروج، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی وغیرہ میں سے کوئی چیز خلافِ عقل نہیں ہے، البتہ خلافِ عادت ہے۔ کیوں کہ خلافِ عقل تو یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کوئی قانون اور کوئی سبب نہ ہو مثلاً آگ کا جلانا، عام قانونِ فطرت ہے خدا نے اس سبب میں یہ عادت ڈال دی ہے کہ وہ جلا دے، لیکن بالکل اسی طرح آگ کا نہ جلانا بھی قادرِ مطلق کے تابع امر ہے اور اس کے لیے بھی کوئی خاص قانون اور کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے مگر ہمیں اس کا علم نہیں دیا تو عدمِ علم سے علم بالعدم کا فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ نارِ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تو اس کے لیے کسی مخفی قانون کے نہ ہونے کا علم کیسے ہو گیا۔؟

کتاب و سنت کا کوئی عقیدہ اور کوئی بھی حقیقت عقل و درایت کے خلاف ہرگز نہیں ہے گو بادی الرای میں کوئی امر عقل و درایت کے خلاف معلوم ہو جیسا کہ حافظ ابن قیم اپنی کتاب اعلام الموقعین میں رقمطراز ہیں کہ کوئی حدیث عقل کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی حدیث خلاف قیاس نظر آئے۔ یعنی حدیث و قیاس میں بظاہر تطبیق نہ ہوسکے تو ان میں سے ایک ضرور ضعیف ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ خود قیاس ہی غلط ہو کیوں کہ قیاس صحیح اور قیاس فاسد میں تمیز کرنا ہر ایک کے لیے آسان نہیں ہے۔ معلوم ہوا جس عقل سے حدیث کی تغلیط کی جاتی ہے کبھی خود اسی میں فساد ہوتا ہے۔ پس ہر ایسی عقل و قیاس کو یہ اجازت نہ ہونی چاہیے کہ وہ کتاب و سنت کے مضامین کو اپنی عقلِ خام سے پرکھے۔ ہر عقل خام و قیاس کو حدیث پرکھنے کا حق دینا قطعاً ضلالت و جہالت ہے۔

آئیے! اب ذرا ان حضرات کے متعلق کچھ گزارشات ملاحظہ فرمائیے جنھوں نے عقل و درایت کی آڑ میں حدیث

کا انکار کیا ہے۔ سب سے پہلے جن لوگوں نے انکار کیا ہے وہ معتزلی حضرات ہیں۔ ان پر فلسفۂ یونان کا زیادہ اثر تھا اور اسی فلسفہ کی زیادتی نے انھیں انکار حدیث تک پہنچایا کیوں کہ ان کے نقطۂ نظر سے بعض باتیں عقل سے ٹکراتی تھیں، اس لیے انھوں نے حدیث کو درمیان سے ہٹانے کی کوشش کی تاکہ ایک طرف حدیث اور عقل کا ٹکراؤ ختم ہو جائے اور دوسری طرف حدیث کے مطابق نہیں بلکہ فلسفۂ یونان کے مطابق قرآن پاک کی آزاد تفسیر کی جائے۔

ہندوستان میں جن حضرات نے فقہ و درایت کی آڑ میں حدیث کے متعلق انکار کی آواز اٹھائی ان میں سرسید احمد خاں اور مولانا شبلی مرحوم زیادہ نمایاں تھے۔ ظواہر کتاب وسنت کے بجائے ان حضرات نے تاویل اور حقائق کے انکار کی راہ اختیار فرمائی اور اساسی طور پر عقل کو حکم قرار دیا۔ جو چیز ان کے عقول سے بالاتر ہوئی اس کا انکار کر دیا اور بڑی سنجیدگی سے فرمادیا یہ نیچر اور فطرت کے خلاف ہے۔ یہ نیچر اور فطرت عموم وشمول کے لحاظ سے عقل و درایت سے کچھ ملتی جلتی سی تھی۔ اس فقہ و درایت کا کوئی پیمانہ تھا اور نہ اس کی کوئی اصل مقدار تھی۔ اندھے کی لاٹھی تھی جس طرف چاہا گھما دی۔ ان حضرات نے اس کا استعمال قرآن پر بھی کیا اور حدیث پر بھی۔ قرآن سمجھ میں نہ آتا تو حسب منشا تاویل کر دی، اور حدیث کا انکار کر دیا۔

ان حضرات کے بعد ان کے پیروکار پیدا ہوئے جنھوں نے سرے سے حدیث کا انکار کر دیا اور اعلان کر دیا کہ حدیث دین میں حجت اور واجب العمل نہیں ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم صاحب نے عقل و درایت کی آڑ میں کئی احادیث کا انکار کر دیا اور اعلان کر دیا کہ حدیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہے، جس سے اگر کوئی چیز زیادہ سے زیادہ ثابت ہو سکتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم و یقین۔ اس لیے صحیح حدیث کو بھی کسی مسئلہ میں حجت قرار دینا ان کے نزدیک ایک مسلمہ اصول نہیں رہ گیا۔

لیکن حق یہ ہے کہ مسائل کے استنباط و استخراج میں حدیث رسول کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کے فہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام تھا وہ کسی دوسرے کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کوئی دوسرا یہ مقام حاصل کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصطفاء اور انتخاب عبث ہوگا نبی اور غیر نبی میں کوئی جوہری امتیاز نہیں رہے گا۔ حالانکہ ارشاد باری ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ (ہم نے تم پر قرآن صرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیان کرو اور لوگ اسے سوچیں) لہٰذا حدیث کو یہ کہہ کر کہ عقلی تقاضے کے موافق نہیں ہے، انکار کر دینے میں کامیابی نہیں ہے بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گمراہی سے بال بال بچائے رکھے آمین۔

مضمون اہل تحقیق کی توجہ چاہتا ہے۔ ادارہ۔

قبلہ رُو مَت تھوکیے!

ایک اہم وضاحت

محمد منیر قمر سیالکوٹی ترجمان ام القیوین کورٹ و ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہلحدیث (متحدہ عرب امارات)

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اور پہلے انبیاء) معصوم عن الخطا تھے۔ کیوں کہ ان کے پیچھے وحی کا سلسلہ جڑا ہوتا ہے۔ آپ کے علاوہ خلفاء راشدین ہوں یا دیگر کبار صحابہؓ، جلیل القدر تابعینؒ ہوں یا تبع تابعین عظام ائمۂ دین ہوں یا علماء کرام، ان سب سے تسامح ممکن ہے، جیسا کہ ارشادِ رسالتِ مآب ہے۔

کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون۔ ۱ — ہر انسان خطاکار ہے، اور بہتر خطاکار اپنی خطاء سے توبہ کرنے والے ہیں۔

اور اسی حقیقت کی وضاحت امام دارالہجرت حضرت امام مالک رحمہ اللہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں درسِ حدیث کے دوران ان الفاظ میں کیا کرتے تھے۔

کل احد یوخذ عنہ و یرد علیہ الاصاحب ھذا القبر۔ (و یشیر الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔) ۲ — ہر آدمی کی کوئی بات قابلِ تسلیم ہوتی ہے اور کوئی قابلِ تردید بھی، سوائے اس قبر والے کی بات کے۔ (اور یہ کہتے ہوئے آپ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔)

باعثِ تحریر انکلمہ: اس سطور کی تحریر کا باعث ماہنامہ "صراط مستقیم" برمنگھم (برطانیہ) کی ایک چھوٹی سی عبارت ہے جو یوں ہے۔

" ادب و احترام کی وجہ سے بعض بزرگان دین کعبہ کی طرف منہ کرکے تھوکنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ اب یہ ادب و احترام ہے۔ لیکن اگر کوئی تھوکتا ہے تو اسے آپ ناجائز نہیں کہیں گے۔ کیونکہ ناجائز قرار دینے کے لیے ہمارے پاس کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔" [1]

اس پیراگراف میں ادب و احترام کی وجہ سے قبلہ رو تھوکنے سے "پرہیز" کی بات کی گئی ہے اور کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے تھوکنے کی ممانعت کے بارے میں عدم دلیل یا کتاب و سنت سے عدم ثبوت کا اظہار کیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت قدرے اس کے برعکس ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرکے نہ تھوکنے کے بارے میں بعض "بزرگان دین" کا پرہیز بھی مبنی بر ثبوت ہے۔

قبلہ رو تھوکنے کی شکلیں: قبلہ رو تھوکنے کی عموماً یہی چار شکلیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مسجد میں (۲) حالت نماز میں (۳) مسجد سے باہر (۴) حالت نماز کے علاوہ۔ اور ان چاروں ہی شکلوں میں قبلہ رو تھوکنے کی ممانعت کتب حدیث میں موجود ہے۔

پہلی دو شکلوں کی ممانعت: مسجد میں اور نماز کی حالت میں قبلہ رو تھوکنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ان احدکم اذا قام فی صلاته فانه یناجی ربه او ان ربه بینه و بین القبلة فلا یبزقن احدکم قبل قبلته۔ الخ [2]

تم میں سے جب کوئی شخص نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ یا پھر اس کے اور قبلے کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے، لہذا وہ قبلہ رو ہرگز نہ تھوکے۔

اس حدیث کے شروع میں ہے کہ آپ نے مسجد کی قبلہ سمت والی دیوار پر تھوک دیکھا جس کے آثار

---

[1] ماہنامہ صراط مستقیم جلد: ۸ شمارہ: ۸، ۹ (مشترک)، صفحہ: ۴۴، کالم وسطی۔

[2] رواہ البخاری عن انس رض و رواہ مسلم ایضاً۔

آپ کے چہرۂ انور پر نمودار ہوئے۔ آپ خود اٹھے اور اسے اپنے دستِ مبارک سے زائل کیا اور فرمایا:

ان احدکم اذا قام ..... الخ

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ نے لکھا ہے:

وقال القرطبی: الحدیث دال علی تحریم البصاق فی القبلة [2] — امام قرطبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قبلہ رو تھوکنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی جہت قبلہ والی دیوار پر تھوک دیکھا اسے کھرچا، لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اذا کان احدکم یصلی فلا یبصق قبل وجهه فان الله قبل وجهه اذا صلی [3] — جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔

نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں اس کی طرف تھوکنا کتنا ناگوار عمل ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أیحب احدکم ان یستقبله رجل فیبصق فی وجهه۔ [4] — کیا تم میں سے کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ اس کی طرف منہ کر کے تھوک دے۔

(۳) سنن ابی داؤد اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ایک امام مسجد نے نماز پڑھتے ہوئے قبلہ رو ہوتے ہی تھوک دیا، اور اس کی یہ حرکت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا، تو آپ نے صحابہ سے فرمایا۔ یہ شخص آئندہ آپ لوگوں کو نماز نہ پڑھایا کرے۔ یہ کہہ کر اسے منصب امامت سے معزول کر دیا۔ اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس آدمی سے کہا:

انک آذیت الله ورسوله [5] (قبلہ رو تھوک کر) تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔

---

[1] اور سنن نسائی میں ہے: فغضب حتی احمر وجهه (آپ اتنے غضبناک ہوئے کہ چہرہ سرخ ہو گیا۔

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۵۰ [3] بخاری شریف مع فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۶ طبع بیروت

[4] صحیح ابن خزیمہ تحقیق ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی ج ۲ ص ۶۴ حدیث نمبر ۸۸۰ طبع الریاض السعودیہ [5] بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۴

[illegible]

اور طبرانی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ظہر کی نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، اور اس آدمی نے دوران نماز قبلہ رو تھوک دیا، جب عصر کا وقت ہوا تو آپؐ نے دوسرے آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اس پر پہلا آدمی گھبرایا ہوا آپؐ کے پاس آیا اور کہا۔

أأنزل فيَّ شيئ ؟ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم نے جماعت کراتے ہوئے اپنے سامنے تھوکا تھا اور اللہ اور ملائکہ کو اذیت پہنچائی تھی[1]

صحاح وسنن اور معاجم ومسانید میں مسجد اور نماز کے تعلق سے قبلہ رو تھوکنے کی ممانعت کے بارے میں بکثرت احادیث موجود ہیں۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ دوسری دو شکلیں اور مطلقاً قبلہ رو تھوکنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہدایت فرمائی ہے۔

دوسری دونوں شکلوں میں اور مطلقاً ممانعت :

عام دنیوی اصول ہے کہ کسی کی طرف منہ کر کے تھوکنا برا سمجھا جاتا ہے، اور سامنے والا بگڑ جاتا ہے کہ تم نے میری طرف تھوکا کیوں ہے ؟ کیوں کہ عرف عام میں یہ تحقیر کی علامت ہے۔ جبکہ قبلہ، کعبہ اور بیت اللہ شریف اس تحقیر اور توہین آمیز انداز سے کہیں بالا ہیں۔ اس جہت کا احترام واجب ہے اور قبلہ رو ہو کر تھوکنا حرام ہے۔ مسجد میں ہو یا باہر نماز پڑھ رہا ہو یا نماز کے بغیر ہو۔ مطلقاً ممنوع ہے۔

دلائلِ ممانعت :

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث انس رضؓ : فلا يبزقنّ احدكم قبل قبلته ۔ الخ تم میں سے کوئی شخص قبلہ رو ہرگز نہ تھوکے۔ کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

وهذا التعليل يدل على ان البزاق في القبلة حرام سواء كان في المسجد ام لا ولاسيما من المصلي[2] یہ تعلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبلہ رو تھوکنا حرام ہے۔ چاہے مسجد میں ہو یا باہر اور خصوصاً جب یہ نمازی سے صادر ہو۔

---

[1] طبرانی کبیر باسناد جید، کذا قال المنذری فی الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۶۹ بتحقیق محی الدین عبد الحمید طبع مصر۔ [2] بخاری مع فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۹ ؍ ۵۰۸ نیل الاوطار للشوکانی ج ۲ ص ۳۸۱ طبع مصر

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں حدیث:

اذا کان احدکم یصلی فلا یبصق قبل وجهه فان الله قبل وجهه الخ [1]

تم میں سے جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، کیوں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔

کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلا يقابل هذه الجهة بالبصاق الذي هو الاستخفاف بمن يبزق اليه واهانته وتحقيره۔ [2]

اس جہت (قبلہ رو) نہ تھوکا جائے کیوں کہ جب کسی کی طرف تھوکا جائے تو یہ اس کی سبکی توہین اور تحقیر شمار ہوتا ہے۔

(۴) قبلہ رو تھوکنے کی حرمت سے متعلق ایک حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے لکھا ہے:

العلة العظمى فى النهى احترام القبلة [3]

قبلہ رو تھوکنے کی ممانعت کا سب سے بڑا سبب احترام قبلہ ہے۔

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت حذیفہ ؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تفل تجاه القبلة جاء يوم القيامة وتفله بين عينيه۔ [4]

جس نے قبلہ رو تھوکا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (چہرے) پر ہوگا۔

(۵) صحیح ابن خزیمہ و ابن حبان اور بزار کی ایک مرفوع روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] [2]: شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۸ طبع بیروت

[3] فتح الباری ج ۱ ص ۲۷-۴۲۶ طبع قدیم

[4] بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۶ وعمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۰ و نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۸۱

يبعث صاحب النخامة في القبلة يوم القيامة وهي في وجهه [1]

قیامت کے دن قبلہ رو تھوکنے والے کا حشر یہ ہوگا کہ اس کا تھوک اس کے چہرے پر نظر آرہا ہوگا۔

جبکہ طبرانی کبیر میں حدیث ابی امامہ رضؓ کے الفاظ یہ ہیں:

من بصق في القبلة ولم يوارها جاءت يوم القيامة احمى ما تكون حتى تقع بين عينيه۔ [2]

جس نے قبلہ رو تھوکا اور پھر اس کو چھپایا بھی نہیں تو قیامت کے دن وہ تھوک سوزناک و گرم ترین ہوکر آئے گا اور تھوکنے والے کے چہرے پر دونوں آنکھوں کے درمیان آپڑے گا۔

مذکورہ بالا احادیث میں قبلہ رو تھوکنے کی مذمت کی گئی ہے اور سزا کا ذکر بھی کیا گیا ہے، فليتفكر

دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت:

قبلہ رو تھوکنے کی ممانعت اور شدید مذمت کے بارے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادِ محدثین آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور یہ تو قبلہ وکعبہ اور بیت اللہ کی عظمت و بزرگی اور عقیدت و احترام کا معاملہ ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب تھوکنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ دائیں جانب کو بائیں پر فوقیت و شرف حاصل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليحب التيمن في طهوره اذا تطهر و في ترجله اذا ترجل وفي انتعاله اذا انتعل۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے، طہارت اور کنگھا کرنے اور جوتا پہنتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے: ..... وفي شانه كله [4] اور ہر کام میں دائیں پہلو کو پسند فرماتے تھے۔

---

[1] بحوالہ فتح الباری ج۱ ص۶ ۵۰۲ و عمدۃ القاری ج۴ ص۱۵۰ و نیل الاوطار ج۲ ص۱۳۸۱ سبل السلام ج۱ ص۱۴۹ طبع جدید مصر۔ [2] بحوالہ الترغیب والترہیب ج۱ ص۱۶۸ احادیث نمبر ۲۲۳۔ [3] صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل مختصر صحیح مسلم للالبانی حدیث نمبر: ۱۲۴ جزء اول، طبع وزارت امور اسلامیہ، کویت۔ [4]

یہی وجہ ہے کہ آپ کھانے پینے، نہانے، پہننے، کوئی چیز پکڑنے پکڑانے، مسجد میں داخل ہونے، لیٹنے، الغرض ہر معاملہ میں دائیں ہاتھ پاؤں اور پہلو کو پسند فرماتے اور اسی کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

البتہ ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کے لیے بائیں ہاتھ اور لیٹرین میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کے لیے بائیں پاؤں کو اولیت دی اور اس کا سبب بھی واضح ہے کہ دائیں ہاتھ اور پاؤں کو جو شرف حاصل ہے، مذکورہ امور اس کے شایانِ شان نہیں، لہٰذا ان کے لیے بائیں کو خاص کر دیا۔

ممانعت کے دلائل : صحاح ستہ، صحیح ابن خزیمہ و ابن حبان اور معاجم و مسانید میں جہاں جہاں قبلہ رو تھوکنے کی ممانعت اور وعید آئی ہے، وہیں دائیں جانب تھوکنے کی بھی ممانعت موجود ہے، جن میں سے قبلہ رو تھوکنے کی طرح ہی بعض احادیث نماز و مسجد کے ساتھ خاص ہیں جبکہ بعض روایات اس قید سے آزاد اور مطلق ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں لائے ہیں جن میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا تنخم احدكم فلا يتنخمنّ قبل وجهه ولا عن يمينه وليبصق عن يساره او تحت قدمه اليسرى [۱]	جب تم میں سے کوئی تھوکے تو اپنے سامنے (قبلہ رو) ہرگز نہ تھوکے اور نہ ہی دائیں طرف بلکہ اپنے بائیں پہلو میں یا پھر بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

دوسری حدیث کا مفہوم بھی بالکل یہی ہے، سوائے اس کے کہ اس میں یتنخمنّ (بانون تاکید ثقیلہ) کی بجائے یتنخم (بلا نون) ہے۔

(۲) مذکورہ دونوں روایتوں کے بعد فتح الباری میں حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

وليس فيهما تقييد ذلك بحالة الصلاة۔ [۲]	ان دونوں حدیثوں میں دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت کے لیے حالت نماز کی بھی کوئی قید یا شرط نہیں ہے۔

(۳) ایسے ہی علامہ بدرالدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں ایک جگہ لکھا ہے۔

---

۱ بخاری شریف باب التیمن فی الوضوء والغسل وباب اللباس ۱ بخاری شریف مع الفتح ج۱ ص ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹
۲ [illegible]

ثم هذا الحديث غير مقيد بحالة الصلاة [1] — ویسے بھی یہ حدیث حالت نماز کے ساتھ مقید نہیں ہے

اگلے صفحہ پر لکھا ہے:

وليس فيه التقيد بالصلاة [2] — اور اس حدیث میں نماز کی کوئی شرط و قید نہیں ہے۔

حافظ عسقلانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان مذکورہ دونوں حدیثوں میں دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت مطلق ہے۔ نماز کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جبکہ یہ دونوں حدیثیں صحاح ستہ سنن، مسانید اور معاجم کی تقریباً تمام ہی کتب حدیث میں موجود ہیں۔

(۴) علامہ امیر صنعانی نے بلوغ المرام کی شرح میں لکھا ہے۔

ومثل البصاق الى القبلة البصاق عن اليمين فانه منهى عنه مطلقاً ايضاً [3] — قبلہ رو تھوکنے کی طرح ہی دائیں جانب تھوکنا ہے، اور یہ بھی مطلقاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

اور یہ بات ذکر کرنے کے بعد وہ احادیث بھی درج کی ہیں جو ان کی اس بات کی مؤید ہیں، [4]

شارح مسلم حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دائیں جانب تھوکنے کو جزماً ممنوع قرار دیا ہے، چاہے وہ نماز کی حالت میں ہو یا حالت نماز کے بغیر اور چاہے وہ مسجد میں ہو یا خارج از مسجد [5]

اور اس مطلقاً ممانعت کے بارے میں امام نووی کی تائید میں حافظ ابن حجرؒ نے درج ذیل روایات بطور شاہد ذکر کی ہیں۔

(۶) ا عبدالرزاق وغیرہ لائے ہیں۔

عن ابن مسعود: انه كره ان يبصق عن يمينه وليس فى الصلاة [6] — ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ دائیں جانب تھوکنے کو ممنوع و مکروہ سمجھتے تھے۔ چاہے یہ عمل خارج از نماز ہی کیوں نہ ہو

---

[1] عمدة القاری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۵۲ [2] عمدة القاری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۵۴

[3] سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ۱ ص ۱۴۹ [4] اور یہی احادیث امام شوکانی نے نیل الاوطار میں اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدة القاری میں نقل کی ہیں جو آگے ذکر کی جا رہی ہیں۔ [5] فتح الباری ج ۱ ص ۴۱۴

[6] ... عمدة القاری ج ۴ ص ...

(۷) ب) عن معاذ بن جبل قال: ما بصقت عن یمینی منذ اسلمتُ۔ لے
معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کبھی دائیں جانب نہیں تھوکا۔

(۸) ج۔ عن عمر بن عبد العزیز انه نهی ابنه عنه مطلقاً۔ لے
عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو مطلقاً دائیں جانب تھوکنے سے منع کر رکھا تھا

دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت کے بارے میں گزر چکا ہے کہ اس

ممانعت کا ایک اور سبب: کا سبب تیمن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں محبوب و مرغوب ہونا ہے اور اسے شرف و فوقیت حاصل ہے۔ جبکہ ممانعت کا ایک سبب یا تیمن کے محبوب و مرغوب ہونے کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ آدمی کے دائیں پہلو میں نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

فان عن یمینہ ملکاً　سے　کیوں کہ اس کے دائیں پہلو میں فرشتہ ہوتا ہے۔

انہی الفاظ کی شرح بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز کی حالت کے ساتھ خاص ہے اور ساتھ ہی ایک اشکال بھی وارد کیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس فرشتے سے مراد کاتب (کراماً کاتبین) ہے تو اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے

اشکال: کہ صرف دائیں جانب کو ہی کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ جبکہ بائیں جانب دوسرا فرشتہ بھی ہوتا ہے اور پھر اس اشکال کو حل کرنے کے لیے کئی جوابات ذکر فرمائے ہیں مثلاً:

(۱) بعض متقدمین نے کہا ہے کہ دائیں جانب والے فرشتے کو خاص کرنے میں یہ احتمال موجود ہے کہ اسے اس کے شرف و اکرام کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہو۔ مگر یہ بات محل نظر ہے۔ سے (کیونکہ بائیں جانب والا بھی تو فرشتہ ہی ہے، چاہے وہ برائیاں لکھنے پر ہی مامور کیوں نہیں ہے۔)

(۲) بعض متاخرین نے مذکورہ اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز بدنی اعمال میں سب سے بڑا اور اہم عمل (ام الحسنات البدنیہ) ہے، لہٰذا دوران نماز برائیاں لکھنے والے فرشتے (کاتب السیئات) کو کوئی دخل حاصل نہیں اور ابن ابی شیبہ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے، جس میں مذکور ہے۔

لے حوالہ بالا مع سبل السلام ج۱/ ص ۱۴۹ سے فتح و عمدہ و سبل صفحات مذکورہ بالا۔ سے بخاری شریف مع الفتح ج۱/ ص ۴۲۹ سے فتح الباری ج۱/ ص ۴۲۹

ولا عن یمینه فان عن یمینه کاتب الحسنات — اور نہ ہی دائیں طرف تھوکے، کیوں کہ دائیں طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے۔ ۱

یہی جواب علامہ عینی نے بھی ذکر کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات بھی محل نظر ہے۔ کیوں کہ کاتب السیئات اگر لکھتا نہیں تو کم از کم اپنی جگہ سے غائب بھی تو نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ ۲

(۳) طبرانی کی حدیث امامہ میں ہے۔

فانه یقوم بین یدی الله وملکه عن یمینه وقرینه عن یساره ۳ — نمازی اپنے اللہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ فرشتہ دائیں جانب اور قرین بائیں جانب ہوتا ہے۔

تو اس شکل میں جو بائیں جانب تھوکا جائے گا تو قرین پر پڑے گا جبکہ "قرین" شیطان ہے، اور بائیں جانب والا فرشتہ ایسی جگہ ہوتا ہے کہ وہ تھوک سے بچ جاتا ہے۔ یا پھر بائیں جانب والا فرشتہ بھی حالت نماز میں دائیں جانب ہی چلا جاتا ہے۔ ۴

علامہ عینی نے بھی (فاحسن ما یجاب به) کہتے ہوئے یہی "قرین" والا جواب ہی پسند کیا ہے۔ ۵

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اور ثواب و عقاب کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان "بتیس دانتوں میں زبان کی طرح نہایت محتاط رہتا ہے کہ ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوا تو دین و ایمان کو گزند پہنچنے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام سے پہلے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے، اور پھر پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے کہ ہمارے خالق و مالک کا حکم کیا ہے؟ کہیں نافرمانی کا ارتکاب تو نہیں کر رہا ہوں۔

جب کوئی مسلمان اس درجہ کو پالیتا ہے تو اس کی زندگی "ہمہ وقت" عبادت بن جاتی ہے اور امور محرمہ تو درکنار وہ امور مشتبہ سے بھی کلی احتراز و اجتناب کرتا ہے۔ اور — استبرأ لعرضه ودینه — کی بشارت ۶ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام محرمہ و مشتبہ امور سے کلی اجتناب کی توفیق سے نوازے۔ آمین یا اللہ العالمین

---

۱ ابن ابی شیبہ بحوالہ فتح الباری صفحہ مذکورہ وفیہا الجواب الثانی لحل الاشکال تمر۔ ۲ عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۵
۳ طبرانی۔ بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۹۲۵ ۴ حوالہ بالا از فتح الباری ۵ حوالہ بالا از عمدۃ القاری۔ ۶ یہ بشارت بخاری و مسلم عن النعمان بن بشیر اور دیگر کتب حدیث میں موجود اور معروف ہے، جبکہ بعض روایات میں "استبرأ لعرضه ودینه" کے بعد "وسلم" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، تمر میر

نوجوانان اسلام سے

برادرانہ گزارشات

اختر عظیم بستوی

...... عالم اسلام میں نوجوانوں کے دلوں میں ایک حیرت انگیز تبدیلی بلا شبہ ایک نیک فال ہے۔ یہ ایک نئی اسلامی لہر ہے اور گزشتہ عہد میں جبکہ صحیح ایمان کے تقاضوں سے دور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک ناگفتہ بہ حالت ہو گئی تھی، اس عہد کے مایوس دلوں میں یہ تبدیلی ایک نئی شمع روشن کرتی ہے۔ اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ پندرہویں صدی ہجری اپنے جلو میں مسلمانوں کے لیے عام طور سے اور مسلم نوجوانوں کے لیے خاص طور سے ایک نئی صبح کا پیغام لے کر آئی ہے۔ مسلمان جہالت و پسماندگی کی زندگی گزار رہے تھے، اب انھوں نے وہ مرحلہ طے کر لیا ہے۔ ان میں تعلیم نے فروغ حاصل کیا ہے، علم و ثقافت کے مراکز کو وسعت ملی ہے، ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر میں جدت اور تنوع آیا ہے اور دور اختلاف کے مقابلے میں مسلمانوں کے درمیان تعارف دعوت کے وسائل نسبتاً بہتر ہو گئے ہیں۔

ماضی قریب میں جزیرۃ العرب، ہندوستان، مصر، سوڈان اور بعض دیگر اسلامی ممالک کے اندر اصلاحی تحریکوں کا قیام بجائے خود ایک خوش آئند اقدام تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک، تحریک اہلحدیث، انصار السنہ جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کی تحریک وغیرہ اس کی روشن مثالیں ہیں۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں جو سرگرمیاں وجود میں آئیں، ان کی خاطر جان و مال کی قربانی کے بعد جو نتائج حاصل ہوئے، جن کی وجہ سے ان میں وسعت اور تیزی آئی۔ اس کے نتیجے میں یہ دیکھنے میں آیا کہ ان تحریکوں کے راستے میں حائل ہونے والے شدائد نے انھیں اور قوت عطا کی ہے۔ اسلامی سرگرمیوں میں ہم خیالوں اور مؤیدین کا اضافہ ہوا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ مختلف اوقات میں نئی جماعتیں وجود میں آئی ہیں اور جذبات اور ردعمل اچھے رخ پر گامزن ہیں۔

نوجوان دوستو! اس پس منظر میں آپ کی تحریک یا تنظیم کا عملی قیام نہ صرف یہ کہ ایک محمند اور خوش آئند اقدام ہے، بلکہ یہ ایک مربوط پروگرام ہے جو اسلاف کی قربانیوں کا بہترین مظہر اور ان کے نقوش قدم کی اتباع کا ایک خوبصورت موڑ ہے۔

یوں تو طلبہ کی بہت سی تنظیمیں میدان میں کام کر رہی ہیں اور تقریباً سب کا دستور کتاب وسنت ہی ہے لیکن کتاب وسنت کے شیدائی اور ان سے علمی وعملی شغل وتعلق رکھنے والے اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونیوالی مومنانہ فراست کے حاملین کسی اور ہی انتظار میں تھے۔ میں سمجھتا ہوں آپ ان کے خواب کی شاندار تعبیر ہیں، کیونکہ حقیقی معنوں میں منہاج سنت پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے دیگر تنظیموں کے اندر صحیح ایمانی بصیرت پیدا نہ ہوسکی اور وہ نمود ونمائش، نعرے بازی اور جوشِ جذبات میں بہہ گئے۔ بعض پہلوؤں میں ان کی ایجابی کوشش قابل قدر ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ محراب سنت سے دور ہیں۔ جس کی وجہ سے رطب ویابس میں تمیز نہیں کر پاتے اور یہی سنت کے نام لیوا سنت کے معاندین کے دوش بدوش چلتے ہیں اور اسلام کے نام پر اٹھنے والی ہر آواز کا بغیر تدبر وبصیرت کے ساتھ دیتے ہیں۔ اس کی عمومی وجہ مولانا علی میاں ندوی صاحب بیان کرتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ ملت کے اس رہنما اور سربراہ طبقہ کی (جو ملت کی علمی وسیاسی قیادت کر رہا ہے) موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے بُعد، آسمانی مذاہب کے مخالف مادی اقدار کی غلامی، مصنوعی طریقوں، اور مغربی طرز فکر سے وابستگی۔ اور اس کے اثر سے اسلام کی ایک نئی تعبیر اور ایک نئی تفہیم دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ منہاج ومزاج نبوت سے ناآشنائی اور اس کی اصل قدروقیمت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس طبقہ کو نہیں معلوم کہ زندگی، تہذیب وتمدن اور عقل انسانی پر نبوت کے کیا احسانات ہیں، اس نے دنیا کو کیا کیا عطا کیا، اور اس سے نئی نسل بننے تمدن کا رشتہ منقطع ہو جانے سے زندگی اور انسانی معاشرہ کس غلط راستے پر پڑ گیا ہے، اور وہ تباہی کے کس عمیق ومہیب غار کی طرف رواں دواں ہے"

(منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین)

اس صورتحال میں آپ کا یہ عزم نو دراصل بہت بڑی ذمہ داری کا ثبوت ہے اور نوجوانوں کی زندہ جاوید تاریخ کا ایک اہم باب۔ آپ کی راہ میں بڑے خطرات ہیں اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ عالم اسلام کے نوجوانوں کی اس بیداری اور احساس پر مغربی دنیا کا پورا نظام چونک گیا ہے۔ اور اس نے اپنی پوری قوت اس لہر کو دبانے کے

لیے وقف کردی ہے کہ اسلام دشمن قوتیں اپنے استعماری پروگراموں کے لیے اسے بڑا خطرہ سمجھتی ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ نظریاتی اختلاف کے باوجود اسلام دشمن طاقتیں اپنے فکر و نظر کو مربوط و منظم پروگرام کے تحت اور وقیق تحقیقات کے ساتھ کام میں لارہی ہیں۔

یہود اور ان کے صلیبی حلفاء نے یہ طے کر رکھا ہے کہ خلافت اسلامیہ کے بعد کسی دوسری اسلامی قوت کو پنپنے نہ دیا جائے گا۔ اس کے لیے انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی، فوجی، اقتصادی اور روحانی قوت کے خاتمہ کی ہر ممکن تدبیر کی۔ ساتھ ہی نوجوانوں کی قوت کو تہس نہس کرنے کے لیے — کہ یہ ایک زبردست اور موثر قوت ہے — یہودیوں نے نوجوانوں پر سینما، ریڈیو اور تمام ذرائع ابلاغ، رقص اور گانے، قہوہ خانے، ساحل سمندر کی رنگ رلیاں اور عریاں صحافت مسلط کر دی تاکہ یہ انھیں اللہ اور اس کے دین سے دور کر دے اور انھیں کسی معاملہ میں سنجیدہ نہ ہونے دے۔ یہ سازشیں ہیں جن کے مقابلے میں آپ نوجوانوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے پر کمربستہ ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذمہ داریاں بڑی سخت ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چار دشمنوں، یہود، نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کا تذکرہ کیا ہے۔ لا الہ الا اللہ کے یہ دشمن تاریخ کے کسی دور میں اپنے کام سے غافل نہیں رہے، لیکن موجودہ عہد خاص طور سے ان کی دشمنی کا واضح ثبوت ہے۔ اس لیے ان کے مقابلے میں آپ کو نبوت کی وراثت کا حق ادا کرنا ہے۔ لہذا دعوت اسلامی کی تبلیغ اور اعدائے اسلام کی سرکوبی کے لیے آپ کو انبیائی تحریکوں کا مزاج اور رنگ اپنے ہر قدم میں اختیار کرنا ہوگا۔ وہ صبر و استقامت وہ عقیدہ کی پختگی، حکمت و فراست و بصیرت، اخلاق عالیہ کا التزام وغیرہ صفات میں جب آپ کی علامت بن جائیں گی تو پھر آپ اپنی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ اور بارگاہ رب العزت میں آپ کی کوششیں شرف قبولیت حاصل کریں گی۔

آج جب قرآن کے آئینہ میں امت مسلمہ کو دکھایا جاتا ہے تو یہ قرآنی امت کے بجائے کوئی اور ہی امت نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف "خیر" سے کی ہے اور اس کے خیر امت ہونے کی نشانی یہ بتائی ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہے اور خود بھی اسی اصول پر کاربند ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس — تم بہترین امت ہو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو۔
تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ۔ — اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

لیکن آج ہماری امت اس فریضہ سے غافل ہے بلکہ اس بارے میں اس کا احساس ہی مردہ ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خوبی یہ بیان کی ہے:

وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً (البقرہ ۱۴۳) ہم نے تمھیں میانہ رو امت بنایا ہے۔

لیکن آج یہ منہج وسط سے دور ہے۔ صراطِ مستقیم کھو بیٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون۔ (الانبیاء ۹۲) یہ تمھاری امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمھارا پروردگار ہوں۔ بس میری ہی عبادت کرو۔

لیکن یہ امت استعماری خواہشوں کے مطابق منتشر جماعتوں میں بٹ چکی ہے، جو ایک دوسرے کی دشمن ہیں بلکہ ایک دوسرے کو قتل کر رہی ہیں۔

اس طرح ہم اگر اپنی امت کو مادی ترقی اور پیش قدمی کے پہلو سے دیکھیں تو یہ بہت پیچھے ہے۔ اپنی اقتصادی اور فوجی زندگی میں دوسری قوموں کی دست نگر ہے۔ بلکہ اپنی بقا کے لیے بقدر کفاف روزی بھی نہیں پیدا کرتی ہے اپنے پاس بے پناہ طاقتیں رکھتے ہوئے انھیں استعمال نہیں کرتی ہے۔ آج وقت اور وسائل کا ضیاع اس امت کا شعار ہے۔ ہماری عملی طاقتیں تعطل کا شکار ہیں، کیوں کہ ہم ہر چیز میں تقلید کے عادی ہوگئے ہیں۔ ایجاد و اختراع کے باب میں اب ہمارا کوئی کردار ہی نہیں، جبکہ ہم عمل ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک)

یہ امت کی اجمالی صورت ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے، اس کے اسباب کیا ہیں، ان بحثوں سے قطع نظر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت آپ کی کیا ذمہ داری ہے۔

آپ کی ذمہ داری ہے انقلاب و تغیر۔ امت کے اس منظر کو پردہ سے ہٹانا۔ آپ علوم نبوت کے وارث ہیں راہِ حق کے داعی ہیں، مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنا صحیح کردار ادا کریں۔

نوجوان دوستو! دینی خیر خواہی کے تقاضے کے تحت چند باتیں عرض ہیں۔ ایک دردمند دل، سسکتی انسانیت کا خیر خواہ آپ سے تعاون کا طالب ہے کہ آپ اس انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لیے کچھ کریں اور اسے اطمینان دلائیں کہ غم نہ کر اے آدمیت میں تیرے کام آؤں گا۔ ان شاء اللہ۔

دعوتِ ربانی کا جو سلسلہ آپ دراز کرنا چاہتے ہیں، اس کے اصول و ضوابط تو بہت ہیں، لیکن میں

بنیادی امور کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دعوت کے راستے میں بنیادی مرحلہ خود داعی کا اصلاحِ نفس ہے۔ یہ ایک مسلم کا اولین فریضہ ہے۔ دیگر واجبات کے تئیں بھی اصلاح نفس کا بڑا اہم کردار ہے۔ اصلاحِ نفس کا دار و مدار اصلاحِ عقیدہ پر ہے کہ جس عقیدہ کی روشنی میں مسلمان کی تمام حرکات صادر ہوتی ہیں، جو ہمارے سلفِ صالح کا عقیدہ تھا۔

عقیدہ سلیمہ کے بعد اصلاح نفس میں عبادت کا دور آتا ہے اور صحیح عبادت کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ عبادت سے عبارت ہو۔ (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ہم نے جن اور انسان صرف عبادت کی خاطر پیدا کیے ہیں۔) ایک داعی کو یہ حقیقت ثابت کرنی ہے کہ اس کے تمام اعمال اور مقاصد صحیح ہوں۔ چنانچہ کھانا پینا، علم و عمل، کھیل کود، شادی وغیرہ، تمام وسائل ایسے معیار کے اختیار کیے جائیں جو اللہ کی عبادت میں ممد و معاون ثابت ہوں، جس کی بدولت گھر، مدرسہ، کارخانہ، ہسپتال بازار، تمام کے تمام محراب کی حیثیت حاصل کرلیں۔ جہاں اللہ کی عبادت ہوتی ہو، اور اس عبادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے موافق ہو۔

۵۔ اخلاق ایک فرد کی زندگی کا اہم پہلو ہوتا ہے۔ اصلاح نفس کے مراحل میں ایک خاص کردار اخلاقِ اسلامیہ سے مزین ہوتا ہے۔ دعوت کی راہ میں یہ اخلاق دوسروں کے درمیان رابطہ کا کام دیتے ہیں۔ داعی کو ان سب کے لیے نمونہ بننا ہے، اور صرف نظریاتی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر اسلام پیش کرنا ہے۔

۵۔ اصلاحِ نفس کی جن خوبیوں سے داعی کو متصف ہونا چاہیے اس کے لیے ضروری ہے کہ داعی فکری پہلو سے متصف ہو، فکری ثقافت کے کئی پہلو ہیں: اسلام کی مکمل اور صحیح معرفت، اس سے صحیح ہم آہنگی وغیرہ امور، جس کی بدولت محفوظ طریقے سے اسے اپنی ذات پر منطبق کرسکے اور بہترین انداز میں دوسروں تک پیش کرنے کے قابل بنائے۔ عالم اسلام کے نشیب و فراز کا علم، اس کے ماضی و حال سے باخبری۔ اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں پر بیداری۔ اسلام کے خلاف ہونیوالی سازشوں کی اطلاع، بلکہ خود دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کی بابت مکمل معلومات، ان کے انداز فکر طریقہ کار، اور ان کے ساتھ تعاون کی صورتوں سے واقفیت وغیرہ امور کا علم ایک داعی کے لیے از بس ضروری ہے۔

پھر دعوت کی راہ میں سب سے اہم مرحلہ قدوہ حسنہ کا آتا ہے۔ یوں تو علم تربیت میں قدوہ کے مختلف نفسیاتی

اور شکلی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن داعی کی زندگی میں قدوہ کی نمائندگی اور یہی حیثیت رکھتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ وعظ و خطبات اور کتابوں کی بہ نسبت افکار و مبادی کی ترویج و اشاعت میں عملی قدوہ کی تاثیر بہت زیادہ ہوتی ہے، کیوں کہ عملی نمونہ ان افکار و مفاہیم کی چلتی پھرتی تصویر ہوتا ہے، کتابیں ہر ایک نہیں پڑھ سکتا۔ پڑھنے کے بعد بھی اس کے مقاصد ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ اکثر اوقات کتاب کی باتیں صفحات کی زینت بنی رہتی ہیں، کوئی ان پر عمل نہیں کرتا۔ اولین مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بے مثال قابل تقلید نمونہ تھی۔ آپ کی شخصیت کی بدولت انہیں اسلام سمجھنے میں بڑی آسانی ہوئی، پھر انھوں نے تمام معاملات میں آپ کی اتباع کی۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات یا شب و روز کے معمولات۔ صحیح معنوں میں اللہ سے قربت، خشیت و انابت، احساس ذمہ داری، تعلیمات اسلام پر عمل داری، مومن اور داعی کے اندر خلوص کا ظاہری اثر بھی پیدا کرتی ہے جو دعوت کی راہ میں قدوۂ حسنہ کے توسط سے ایک فعال عنصر کا کردار ادا کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی یقین کر لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آپ کی صحیح اتباع کرنے والے اسلام کے اولین مبلغین کا حال قرآن بیان کرتا ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود چہرے پر سجدے کا نشان ان کی علامت ہے آپ غور کیجیے! کیا یہ خوبیاں ضائع جائیں گی۔

قدوہ عملیہ کی یہی اہمیت تھی جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے داعیوں کو قول اور عمل کی مخالفت سے شدت سے منع فرمایا۔

یآیھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون	تم لوگ ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے خود نہیں کرتے اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضی کی بات ہے کہ وہ بات کہو جو خود نہ کرو۔
دوسری جگہ فرماتا ہے: اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔	کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم لوگ کتاب پڑھتے ہو، کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے۔

حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے ساتھ

چکر لگائے گا، جیسے گدھا چکی کے ساتھ چکر لگاتا ہے۔ تمام جہنم والے اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے۔ اے فلاں تمہیں کیا ہوا، کیا تم ہمیں معروف کا حکم نہیں دیتے تھے اور منکر سے نہیں روکتے تھے۔ وہ کہے گا کہ ہاں میں معروف کا حکم تو دیتا تھا، لیکن خود نہیں کرتا تھا اور منکر سے روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔ (متفق علیہ)

عصر حاضر میں دعوت کی راہ میں جو لوگ ہمارا ٹارگیٹ ہیں، ان میں کفار و مشرکین کے دوش بدوش مسلمان بھی ہیں، ایسے مسلمان جو اپنے موجودہ طرز عمل کو صحیح اسلام سمجھتے ہیں۔ یہ اسلامی آداب و طریقے انھیں ورثے میں ملے ہیں۔ ان میں بہت سے خرافات آلودہ ہیں۔ اس لیے جب اپنے موقف کی طرف ہم انھیں دعوت دیتے ہیں تو اکثر اوقات نزاع و تعدی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے اگر دعوت دینے والے صحیح اسلوب اختیار نہ کریں۔ ایسی صورت میں داعی کو مکمل طور پر اسلام کی عملی تصویر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین اخلاق اور وسیع ظرف کا مالک ہونا چاہیے۔ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے ہم دونوں کو فتح کر سکیں اور طالب و مطلوب کے مابین اعتماد کی فضا بحال ہو۔ مسلمانوں میں دعوت کا کام اس طرح سے کرنا چاہیے کہ انھیں اپنائیت اور قربت کا احساس ہو، وہ اسلام کے داعیوں کو ایک بالاتر مخلوق نہ شمار کریں۔ اس لیے کہ یہ رویہ مطلوب سے اجنبیت پیدا کر دے گا۔ کافر تو صرف دعوت و تبلیغ کا حق رکھتا ہے۔ لیکن مسلمان خواہ کتنا ہی منحرف ہو وہ اخوت کا بھی حق رکھتا ہے اور اخوت کا تقاضا ہے کہ اسے کفر و نفاق سے مطعون کرنے کے بجائے اس کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔ ان مسلمانوں پر اخوت اسلامی کی اخلاقیات کا گہرا اثر ہوگا، اور وہ بہت جلد ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ قرآن کی اکثر آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ مشترکہ آیا ہے۔ ایک داعی کے اندر اس مشترکہ امتزاج کی انتہائی آخری صورت نظر آنی چاہیے۔ بلکہ اسے تو ان منتخب ایمان والوں میں ہونا چاہیے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ جو لوگ اپنے دعویٰ میں صادق تھے وہ اسلامی تعلیمات کی پیروی میں صادق نکلے۔ اپنے رب سے کیے ہوئے وعدہ میں سچے اور ثابت قدم رہے۔ پھر اس شان سے باری تعالیٰ ان کا ذکر کرتا ہے:

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

اہل ایمان میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد و پیمان پورا کر دیا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنی مدت حیات پوری کر چکے، اور کچھ منتظر ہیں مگر انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

دعوت کی کامیابی کے لیے قدوہ کا ایجابی پہلو جتنا موثر اور کارگر ہے اس کا منفی اور سلبی پہلو نتائج کے اعتبار سے اتنا ہی خطرناک اور تباہ کن ہے ۔ اس لحاظ سے کہنے والے کا یہ قول غلط نہیں نظر آتا کہ قول وعمل کی مخالفت کرنے والے اسلام کے لیے اعدار اسلام سے زیادہ مضر رساں ہیں ۔کیوں کہ ایک نیا شخص انھی کے اعمال کو صحیح اسلام سمجھتا ہے اور پھر وہ اسلام سے بدظن ہو جاتا ہے ، قدوہ کی نمائندگی میں وسط ، اعتدال ہر حال میں ضروری ہے جو کہ دین اسلام کا خاصہ ہے ، افراط و تفریط ہر لحاظ سے نقصان دہ اور غیر مطلوب ہے ۔ امت وسط ہونا اس امت کا امتیاز ہے ۔ بلکہ اس کی شناخت ہے اور ہر حال میں تنظیم ، توازن اور اعتدال ضروری ہے ۔ گلشن نبوت کے خوشہ چیں ہونے کی حیثیت سے اسلام کی علمی خدمت و تبلیغ میں آپ کی ذمہ داری ہے ۔ اس لیے اس سلسلہ میں ، چند اہم کام آپ کو کرنے ہیں ۔

- اسلام کی صحیح تاریخ نویسی اور ترتیب :۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ابتدا ہی سے اسلامی تاریخ کی ترتیب میں اسلام دشمنوں اور بعض اسلامی شخصیت کے دشمنوں کا خاص کردار رہا ۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ رہا کہ دنیا اسلام کے بہت سے منور پہلوؤں سے محروم رہی وراس کا بہت غلط اثر بھی پڑا ۔ دشمنوں کی چالیں اس میں اتنی گہری اور پرفریب انداز میں کھیلیں کہ عصر جدید میں بھی مختلف تصورات کے سایہ میں اسلامی تاریخ مرتب کرنے والے ، شعوری یا لاشعوری طور پر ان سے متاثر رہے ۔ یہ آپ کا علمی فریضہ ہے کہ آپ اپنی تنظیم کے ذریعہ ایسے محققین پیدا کریں جو کسی جانبداری کے بغیر اسلام کی صحیح تاریخ مرتب کریں اور اس کا صحیح رخ دنیا کے سامنے پیش کریں ۔
- ثقافتی اختلاط کے زمانہ میں بعض انتہا پسند روحانی لہروں کے داخلے سے متعدد مذاہب و فلسفے اسلامی پردے پر ظاہر ہوئے ، جن کی خاص اصطلاحات اور الگ رموز ہیں اور جو انحراف کرتے ہوئے آخر کار اشراق ، حلول ، وحدۃ الوجود اور عملی طور پر طریقت و معرفت کے نظام کی شکل میں ظاہر ہوئے ، جن سے نہ صرف اسلامی حقائق کی تحریف ہوئی ، بلکہ خرافات اور بے بنیاد کہانیوں اور رسومات نے اسلام کے چشمۂ صافی کی جگہ لے لی ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ پرفریب تصور اسلامی ثقافت پر اثر انداز ہوا ۔ جس کی وجہ سے قرون اخیر میں اسلامی ثقافت پس پردہ چلی گئی اور اس کے لتنے دور رس اثرات مرتب ہوئے کہ آج بیسویں صدی میں بھی ایسے روشن خیال ، مثقفین جو نصف صدی تک غیر اسلامی نقطۂ حیات کے مطالعہ میں مصروف رہے ۔ جب ہدایت پاکر اسلام کی طرف مائل ہوئے تو وہ بھی ان غلط اور درآمد کردہ تصورات سے متاثر ہو گئے (رجا جارودی کی بعض فکری اور معاشرتی لغزشیں

اس کا واضح ثبوت ہیں) اس لیے آپ کی ذمہ داری ہے کہ صحیح اور صاف ستھرے اسلام کو علمی اور عملی طور پر اہل علم اور عوام کے سامنے پیش کیجیے ۔ مغربی تہذیب کی چولیں ہل رہی ہیں اور منصف مزاج دانشور اسلام کے سایہ میں اپنی ذہنی اور علمی و عملی پراگندہ حالی کا حل تلاش کر رہے ہیں ۔

اس وقت اسلامی تربیت کے نقوش مدھم پڑ گئے ہیں ۔ دینی گرفت کمزور پڑ گئی ہے ۔ جس کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ انتشار اور انارکی کا شکار ہے ، اس سے افراد متاثر ہوئے ہیں اور آج سیاسی دوڑ دھوپ ذاتی اغراض کی تکمیل تک محدود ہے ۔ ہر ایک اپنے لیے مال و دولت کی تلاش میں سرگرداں ہے ۔ خواہ کسی طریقے سے اور کسی قیمت پر ملے اس وجہ سے دھوکہ اور فریب میں اضافہ ہوا ہے ۔ خاندان کا نظام درہم برہم ہو رہا ہے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ تربیتِ اسلامیہ کو پوری طرح سے معاشرہ میں رائج کیا جائے کہ جب بھی تربیتِ اسلامیہ پوری طرح سے رائج ہوگی ۔ اور فردِ مسلم اپنے نفس ، معاشرہ اور اپنے رب کے ساتھ اپنے تعلقات اور اپنی ذمہ داریاں محسوس کرے گا ، خواہ مرد ہو یا عورت ، بڑا ہو یا چھوٹا ، حاکم ہو یا محکوم ، تو لازمی طور پر مسلم معاشرہ کی مشکلات کم ہو جائیں گی ۔ کیوں کہ ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی ہونے کی وجہ سے اسلام نے خاندان اور معاشرہ میں ہر فرد اور ہر رکن کی ذمہ داریاں متعین کر دی ہیں ۔

اس لیے اسلامی تربیت ہی ہر وقت معاشرہ اور ملک کے سکون و سلامتی کی ضمانت ہے ۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے صنم کدے میں بلال رضی اللہ عنہ کی طرح اذان دی ہے اور صنم کدہ کی موجودہ حالت شاعر یوں بیان کرتا ہے ؎

عصرِ حاضر کے مردانِ آزاد نے　　اک خدا کے سوا سب کو سجدے کیے

اس لیے اس مشرکانہ ماحول میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کی طرح احد احد کا نعرہ آپ کو دوبارہ زندہ کرنا ہے ۔ اس لیے کہ انسانیت کی نجات توحید ہی میں ہے ۔ اور یہ توحید تمام انبیاء کی دعوتوں کا نقطۂ ارتکاز رہا ہے ۔ اس کے لیے آپ کو بہت محنت کرنی ہے ۔ اپنا آرام و سکون قربان کرنا ہے ۔ کیوں کہ ؎

وقت فرصت ہے کہاں ، کام ابھی باقی ہے　　نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے ۔

آج خالق و مخلوق کا رابطہ کٹ گیا ہے ، جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں سے ذمہ داری اور جوابدہی کا احساس نکل گیا ہے ۔ اس تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے آپ زیادہ سے زیادہ مساجد کو استعمال کیجیے کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسجد کا شاندار کردار رہا ہے ۔ عبادتوں اور دینی پروگراموں کے ذریعہ مسجد کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنائیے ۔ دینی اور دنیوی

ہر قسم کے مقاصد کے لیے مساجد کو استعمال کیجیے، حقیقت تو یہ ہے کہ مسجد اور لائبریری کا دروازہ کبھی بند نہیں ہونا چاہیے مسجد میں ایک مختصر لائبریری کا نظم کیجیے۔ نمازوں کے بعد مستقل اور خاص خاص موقعوں پر دینی وتاریخی موضوعات پر تقریر کا انتظام کیجیے۔ جمعہ کے خطبوں کو زیادہ سے زیادہ حصول مقصد کا ذریعہ بنائیے۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ کے کندھوں پر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔

آپ کی ذمہ داری تو جہد مسلسل ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے دین وعقیدہ کا یقین دوبارہ راسخ کیجیے اور خود عقیدہ، عبادت اور اخلاق وسلوک میں اس یقین کی ترجمانی کیجیے۔ آپ کو کام ہی کام کرنا ہے کہ امت مسلمہ کی جہالت، فقر، امراض اور مایوسیاں دور کریں۔ متحد ہو کر اپنی قوم سے ذلت وبزدلی دور کریں۔ ان کے اندر بلا کی عزت کا احساس پیدا کریں، آپ علوم ومعرفت کے وسائل اختیار کیجیے۔ صنعت وتجارت میں درک حاصل کیجیے کہ ان تمام میدانوں میں آپ کا بہترین کردار ہونا چاہیے۔

انسانیت کا آپ سے تقاضا ہے کہ آپ کی بدولت دنیا میں امن وامان اور اخوت ومحبت کا دور دورہ ہو آپ تعاون، مساوات اور عفو ودرگزر کی دعوت عام کیجیے۔ اپنے مال، وقت، طاقت اور محبت کی قربانی دیجیے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کے افکار ورجحانات میں یکجہتی اور اتحاد پیدا کیجیے کہ وہ دنیا میں اللہ کی دعوت کے لیے پھیل جائیں اور اس کے دین کی بشارت سنائیں۔

آپ کانفرنسیں اور اجتماعات کیجیے جن میں اپنے مسائل کا تجزیہ اور اپنے احوال کا مطالعہ کیجیے اور احتساب کا بامقصد عمل انفرادی اور جماعتی سطح پر ہر وقت جاری رکھیے۔

اپنے وطن کے پچیس کروڑ عوام کی جہالت دور کرنے میں بالفعل حصہ لیجیے کہ دعوت حق قبول کرنے میں جہالت بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اپنے بلند اخلاق کے ذریعہ امتیازی شان پیدا کیجیے، افعال واقوال میں اپنا نمایاں رنگ اور تشخص برقرار رکھیے کہ کسی خارجی تہذیب کا رنگ ان پر غالب نہ آسکے۔

آج دنیا کو ایک متحرک اسلام کی ضرورت ہے جو صرف مسجدوں، مدرسوں اور وعظ وخطبات میں محدود نہ ہو۔ آپ اپنے عزم میں توکل اور یقین کی گہری آمیزش کر کے کامیابی کی طرف قدم بڑھائیے، علامہ اقبال کہتے ہیں۔

یہی نشاں ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا ۔ کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق ومروت ہے زندگی ان کی ۔ معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال ۔ یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

مسئلۂ حاضر و ناظر پر ایک تحقیقی نظر

مطیع الرحمن عبد الحکیم مالدھی۔ ع م

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

مشرکین عرب کا یہ دعوی تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور دین حنیف کے راہرو۔ اولاد ابراہیم ہونے میں تو ایک حد تک سچے تھے، لیکن عقائد میں ان کو حضرت ابراہیم سے کوئی تناسب نہیں تھا۔ مگر چوں کہ مشرکین عرب کو ان سے بے حد عقیدت و محبت تھی، اس لیے اپنے عقائد فاسدہ کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے اور حقیقی حنیف کو صابی کہتے تھے۔ کلام معجز نے جابجا ان کی تردید کی ہے۔ چنانچہ فرمان باری ہے۔ وما کان من المشرکین۔ تقریباً یہی حال عصر حاضر کے بعض نام مسلمانوں کا ہے، کہ کلام پاک، حدیث شریف اور بزرگان دین کی طرف ایسے غلط عقائد منسوب کرتے ہیں جن کی تردید کے لیے بعثت نبوی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک مسئلہ حاضر و ناظر کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر چیز اس سے قریب ہے یا وہ ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ اسی طرح انبیاء عظام و اولیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہر آن ہر مقام میں حاضر و ناظر ہیں۔ فرق فقط یہ کہ اللہ تعالی کی یہ صفت ذاتی و قدیم ہے، اور مخلوق کی یہ صفت عطائی و حادث ہے۔ طوالت سے احتراز کرتے ہوئے میرا مبحث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رہے گی۔ آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر مجمل آیات و مجمل احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ معجزات کو اس عقیدہ کی بنیاد بنانے کی جان توڑ کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ معجزہ انبیاء کے اپنے اختیار سے صادر نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کے ہاتھ پر اللہ سبحانہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حاضر و ناظر ہونا اللہ کی صفت ہی نہیں، لہذا اس کا کسی دوسرے میں ماننا شرک کیسے ہوا؟ حاضر و ناظر ہونا مخلوق کی صفت ہے۔ اس دعوی کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اول تو باری تعالی کے ننانوے اسماء میں یہ [illegible]

حاضر و ناظر کوئی نام نہیں۔

دوسرے حاضر اس کو کہتے ہیں جو پہلے نہ ہو اور پھر آجائے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں)۔ اور ناظر اس کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جسمانی آنکھوں سے منزہ و مبرا ہے، لہٰذا وہ ناظر کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدائے پاک زمان و مکان سے پاک ہے۔ الیٰ ان قال: خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہے ملاحظہ ہو (جاء الحق و زہق الباطل ص ۱۵۳)

اب میری گزارشات پڑھیے اور دیکھیے کہ براہین قاطعہ کے سیلِ رواں میں یہ کاغذی کشتی کیسے زیر و زبر ہوتی ہے

اول: بلاریب اللہ تعالیٰ جگہ و مکان کا محتاج نہیں اور اس کے معروف اسماء حسنیٰ ننانوے ہیں۔ لیکن کیا اسی سے زیادہ اور نہیں ہیں سنیے! علامہ نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ و علامہ خازن" جلد دوم ص ۲۴۴ میں رقمطراز ہیں کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اسماء باری فقط ننانوے میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن العربی نے اللہ جل شانہ کے ایک ہزار نام جمع کیے ہیں۔ اور کہا ہے کہ یہ بھی کم ہیں۔ حافظ ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار اسماء حسنیٰ ہیں جو قرآن حکیم اور صحیح احادیث اور سابق آسمانی کتابوں میں بتائے گئے ہیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹)

لہٰذا یہ ارشاد کہ اللہ کے ناموں میں حاضر و ناظر نہیں۔ ایک بھونڈی لاعلمی ہے۔

دوم: ہم بالفرض تسلیم کریں کہ اسماء حسنیٰ صرف ننانوے ہی ہیں تو یہ بتائیے کہ ان ناموں کا غیر عربی زبان میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو فرمائیے رب کو پروردگار کہنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر آپ کہیں کہ جائز ہے تو پھر ہم عرض کریں گے کہ حاضر و ناظر شہید اور بصیر کا ترجمہ ہے۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ ناظر وہی ہو سکتا ہے جو جسمانی آنکھوں سے دیکھے، مگر یہ محض فریب ہے۔ ذیل کی آیات و احادیث پر غور کیجیے!

(۱) قرآن حکیم میں حضرت کلیم اللہ کا وہ واقعہ جس میں انہوں نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

قال عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون (اعراف ۱۲۹)

قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین کا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم لوگ کیسے کرتے ہو۔

اگر نظر کرنا محض جسمانی آنکھ سے ہو تو بتلایئے ینظر کا کیا مفہوم ہوا؟

ایک دوسری جگہ میں فرمانِ ایزدی ہے۔ ثم جعلنا کم خلٰئف فی الارض من بعد ھم لننظر کیف تعملون۔ (یونس: ۲) پھر ہم نے تمھیں زمین میں ان کے بعد جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم لوگ کیسے عمل کرتے ہو۔

صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ میں ایک طویل حدیث میں ہے: ان اللّٰہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب۔ (الحدیث) اللہ نے اہلِ زمین کی طرف دیکھا، پس ان کے عرب و عجم سے ناراض ہوا، سوائے کچھ بچے کھچے اہلِ کتاب کے۔

ایک حدیث میں یوں مذکور ہے: ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی اعمالکم (الحدیث: مسلم ج ۲ ص ۳۱۷) اللہ تمھاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ تمھارے اعمال دیکھتا ہے۔

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک نظر کرتا ہے اور کرے گا۔ لہٰذا اللہ کو ناظر نہ ماننا قرآن و حدیث سے جہالت و بغاوت ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح نظر کرتا ہے جو اس کے شایان شان ہے۔ لیس کمثلہ شیٔ، اسی طرح وہ ہر ایک کے ساتھ ہے مگر جس طرح اس کے لیے زیبا ہے، وھو معکم اینما کنتم بلکہ ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۴ ابن ماجہ ۲۹۷ میں یہ جملہ صراحۃً مذکور ہے: ان اللّٰہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون۔ (اللہ زمین میں تمھیں جانشین بنائے گا پس دیکھے گا کہ تم کیسا کرتے ہو۔

اس حدیث میں صاف طور پر لفظ ناظر موجود ہے، اور مفتی احمد یار خاں اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ماننے کو بے دینی کہتے ہیں۔ سوچیے! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیسی جرأت ہے کہ آپ کے ارشاد کو بے دینی کہا جائے۔

چہارم: فرمانِ الٰہی ہے، وما کنا غائبین (اعراف) (ہم غائب نہیں۔

بخاری شریف ج ۲ ص ۶۰۵ اور مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۶ وغیرہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ کسی وقت باآوازِ بلند ذکر کر رہے تھے حضور صلعم نے اس سے منع فرماتے ہوئے فرمایا:

انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ (تم لوگ کسی بہرے غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔)

قرآن حکیم کی آیت مذکورہ اور حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ غائب نہیں ہے۔ مگر مفتی احمد یار خان

صاحب کہتے ہیں کہ وہ حاضر نہیں۔ فیصلہ کیجیے کہ مسلمان کس کو اپنائیں؟

آیئے اب چند احادیث صحیحہ بطور نمونہ با حوالہ ملاحظہ فرمایئے کہ جناب سید الرسل خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہے اور بے شمار معجزات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک پر ظاہر فرمائے مگر آپ ہر آن اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے اور نہ جمیع ماکان و مایکون کا علم ہی آپ کو عطا کیا گیا تھا۔؟

(۱) بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴۸ کی روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ جب میں معراج سے واپس آیا اور مشرکین سے اس واقعہ کا اظہار کیا کہ میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ اور پھر جہاں تک خدا وند قدوس کو منظور تھا۔ سیر کر آیا ہوں تو مشرکین نے کہا کہ اچھا اگر آپ واقعی گئے تھے تو بتایئے کہ بیت المقدس کی فلاں فلاں چیزیں کہاں اور کس موقع پر واقع ہیں؟۔ اس پر آپ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئے تو مشرکین نے پھبتیاں کسیں۔ آپ کا ارشاد ہے: فکربت کربة ماکربت مثله قط۔ مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ ایسی تکلیف کبھی نہ ہوئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے حاضر کر دیا۔ پھر مشرکین جو کچھ پوچھتے تھے میں جواب دیتا جاتا تھا۔ غور کیجیے اگر آنحضور حاضر و ناظر ہوتے تو پریشانی کی کیا بات تھی۔ خصوصاً جبکہ ان حضرات کے خیال میں حضور صلعم کو معراج ہی میں علم غیب بھی عطا ہوا تھا۔

بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک غزوہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کا ہار ضائع ہو گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جملہ ہم سفر صحابہ کرام رض بھی جن میں ہر ایک اپنی جگہ بلند پایہ ولی تھا۔ پوری توجہ مبذول کرنے کے باوجود وہ ہار نہ پا سکے۔ بار کر جب کوچ کا فیصلہ ہو گیا اور وہ اونٹ جس پر حضرت صدیقہ رض سوار ہوتی تھیں، اٹھا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اگر جناب محمد صلعم اور صحابہ کرام رض حاضر و ناظر ہوتے تو وہ ضرور انھیں نظر آتا، لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔ اب ذرا ایک طرف اس حقیقت کو دیکھیے اور دوسری طرف ان حضرات کا عقیدہ ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے یہاں کمال نبوت و ولایت کی شرط یہ ہے۔

لا تستقر نطفة فی فرج انثی الا ینظر ذلك الرجل (الكامل) الیها۔ ملاحظہ ہو دافع الزمن ص ۱۰۶ ۔ مشہور بریلوی عالم دعلام محمود صاحب کی تصنیف) یعنی کسی عورت کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ بھی ٹھہرتا ہے تو وہ کامل آدمی (ولی) اسے ضرور دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(۳) بخاری ج ۲ ص ۵۶۸ میں یہ روایت ہے کہ حضور صلعم نے عاصم بن ثابت رضؓ کی سرکردگی میں ۹ صحابہ کو بطور جاسوس مشرکین کے احوال معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا ۔ جب یہ حضرات مقام ہدہ پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان نے ان کو گھیر لیا ۔ آٹھ صحابہ کو تو اسی جگہ شہید کر دیا، جن میں سالارِ قافلہ بھی تھے اور خبیب بن عدی و زید بن الاثنہ کو مکہ پکڑ کر لے گئے ۔ کچھ ایام بیتنے پر ان کو بھی تختۂ دار پر لٹکا دیا ۔ حضرت عاصم نے شہادت کے وقت یہ پُردرد جملہ کہا:
اللھم اخبر عنا نبیک ۔ (اے اللہ اپنے نبی کو ہمارے حال کی خبر کر دے ۔)

غور کا مقام ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم حاضر و ناظر تھے تو اولاً ان صحابہ کرام کو آپ نے کیوں بھیجا ؟ کیا آپ نے دیدہ دانستہ ان کو قتل کرا دیا ۔ پھر حضرت عاصم کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اے اللہ ہمارے حال کی خبر اپنے پیغمبر کو دیدے ۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عاصم رضؓ وغیرہ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اطلاع کرنے سے ہی آپ مطلع ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں ۔ اب جو لوگ اہلحدیث اور دیگر فرقوں کو اسی عقیدے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں، وہ صحابہ کرام کے بارے میں کیا کہیں گے ۔

(۴) بخاری ج ۲ ص ۶۱۰ میں یہ روایت ہے کہ (۷ھ میں) جب خیبر فتح ہوا تو ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا ۔ آپ نے بھی ایک لقمہ کھایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی ۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت بشر بن براء بن معرور کی شہادت ہو گئی ۔ بلکہ ابوداؤد میں ہے : وتوفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ الخ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۲) جن صحابہ نے اس بکری کے گوشت سے کچھ کھایا تھا وہ وفات پا گئے ۔

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے تو یہودی عورت کو یقیناً زہر ڈالتے ہوئے دیکھا ہوتا ، اور ایسی صورت میں آپ نہ خود کھاتے اور نہ صحابہ کرام کو کھانے دیتے ۔ ورنہ کیا دیدہ و دانستہ آپ نے ان صحابہ کرام کو زہر کھانے اور مرنے دیا ۔ العیاذ باللہ ۔

(۵) مسلم شریف ج ۲ ص ۳۶۸ و مسند احمد وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ منافقین مدینہ نے حضور صلعم کی کنیز حضرت ماریہ رضؓ کو حضرت مابور رضؓ نامی ایک غلام سے متہم کر دیا ۔ یہ خبر اس زور سے پھیلی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی یقین آگیا ۔ آپ نے حضرت علی رضؓ کو تلوار دی اور غیرت میں آکر یہ فرمایا کہ مابور جہاں بھی ملے قتل کر دینا ۔

۔۔۔ علی نے تلاش کرتے کرتے مابور کا سراغ لگا ہی لیا۔ وہ بیچارہ ایک کنویں پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت حیدر نے اس
۔۔۔ کھینچا تو اس کشمکش میں اس کا تہ بند کھل گیا۔ اور وہ ننگا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لم یخلق اللہ ماللرجال
۔۔۔نے اس کے لیے وہ چیز پیدا ہی نہ کی تھی جو مردوں کے لیے پیدا کی ہے۔) یعنی وہ غلام پیدائشی ہیجڑا تھا۔ حضرت
۔۔۔نے اسے قتل نہ کیا اور آ کر آپؐ کو یہ قصہ سنایا۔ فخر دو عالم، سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
۔۔۔ھد یری مالا یری الغائب (موجود آدمی وہ چیز دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔) یہ جملہ مسند احمد کا ہے
غور کا مقام ہے کہ اگر رسالتمآب صلعم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے ناکردہ گناہ کو کیوں مجرم تصور کیا؟ اور
۔۔۔کے قتل کا آرڈر کیوں دیا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ فطری نامرد ہے لہذا اس کا ماریہؓ سے ناجائز تعلق
۔۔۔ہو سکتا۔ اگر اس بیچارے کی لنگی نہ کھلتی اور حضرت علیؓ کا مشاہدہ نہ ہوتا تو اس کی خیر ہی نہ تھی۔
اس حدیث میں نبی کریم صلعم خود اپنے آپ کو غائب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور نہ دیکھنے کی صراحت فرماتے ہیں۔
۔۔۔ی بات اگر ہم کہیں تو کافر؟ کیسا انصاف بلکہ کیسا اسلام ہے؟
بعض چالاک لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے کہ نبی صلعم پورے پورے عالم الغیب اور حاضر و ناظر وفات کے وقت
۔۔۔ہو گئے۔ لہذا مناسب ہوگا کہ ایک حدیث ہدیہ قارئین کر دی جائے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر بعض لوگوں کو ان کے اعضاء وضو کی چمک دیکھ کر ان کے حق میں سفارش
۔۔۔گے اور فرشتوں کو فرمائیں گے۔ میرے اصحاب ہیں آنے دو۔ مگر ملائکہ جواب دیں گے۔ انک لا تدری
۔۔۔حدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی (بخاری ج ۲ ص ۶۶۵) یعنی آپ نہیں جانتے کہ
۔۔۔وں نے آپ کے بعد کیا کیا ایجاد کیا۔ اس پر آپ فرمائیں گے، دوری اور بربادی ہو اس کو جس نے میرے بعد میرے
۔۔۔ میں تبدیلی کی۔
معلوم ہوا کہ اگر آپؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے اور آپ کو ہر بات کا تفصیلی علم ہوتا تو فرشتے یہ نہ فرماتے
۔۔۔آپ کو علم نہیں ہے۔ بلکہ مزید معلوم ہوا کہ قیامت تک آپؐ نہ حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں نہ عالم الغیب۔ لہذا آپؐ کو
۔۔۔ت کے وقت عالم الغیب بنائے جانے کا دعویٰ غلط ہے۔ نیز یہ بھی عیاں ہو گیا کہ فرشتوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ
۔۔۔ور صلعم حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں ہیں۔ کیا فرشتوں پر بھی کفر کا فتویٰ لگے گا جن کے بارے میں فرمان ایزدی
۔۔۔۔ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔ (سورہ تحریم آیت ۶) (وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی

نہیں کرتے اور جس بات کا حکم دیا جاتا ہے، اسے بجا لاتے ہیں۔

محترم بھائیو! آپ نے بطور نمونہ یہ چند احادیث صحیحہ باحوالہ ملاحظہ کریں۔ اس مضمون کی تمام صحیح احادیث کا استیعاب دشوار ہے۔ مگر ایک محسن و منیب شخص کے لیے اس قدر دلائل واضحہ و براہین ساطعہ کافی ہیں۔

اب آئیے اس امر کو بیان کروں کہ حضرات محدثین کرام و فقہاء عظام نے جناب محمد صلعم کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ اور حاضر و ناظر کے قائلین کے بارے میں کیا ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔ یہ بات کسی باشعور مسلمان سے مخفی نہیں، کتاب و سنت کی روایت و درایت کے اعتبار سے گرامی محدثین عظام و فقہاء اسلام نے کی ہے، چونکہ حاضر و ناظر کے قائلین حنفیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لیے میں فقہاء احناف کے اقوال پر مختصراً اکتفا کرتا ہوں، تاکہ اپنے گھر کے فیصلے کی روشنی میں اپنے عقائد درست کریں۔ فقیہ کبیر حسن بن منصور المعروف بقاضیخان المتوفی ۵۹۲ھ رقمطراز ہیں۔

رجل تزوج بغیر شہود فقال الرجل للمرأۃ (خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم) قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ (فتاویٰ قاضی خان ص ۸۸۳)

یعنی ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقت بیاہ یہ کہا کہ ہم خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بناتے ہیں۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اس کا یہ کہنا کفر ہے۔ کیوں کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلعم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو بھلا وفات کے بعد کیسے غیب جانیں گے۔؟

الشیخ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم المصری المتوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں۔

لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انہ صلعم یعلم الغیب (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۶) یعنی اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح سرے سے منعقد نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ حضور صلعم عالم الغیب ہیں۔

حافظ ابن ہمام اور ملا علی قاری اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلعم یعلم الغیب (مسامرہ ص ۸۸، ۲۲ و

شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵) یعنی حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے والا کافر ہے ۔

یہ تو تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر نہ ہونے کی بحث ۔ اب اولیاء کرام کے بارے میں فقہاء احناف کا فیصلہ سنیے ! قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴) ہمارے علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ کہے، مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور جانتی ہیں وہ کافر ہے ۔

دوستو! آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ یہ عقیدہ غیر اللہ کے لیے رکھنا کفر ہے خواہ وہ کتنے ہی عظیم رتبے کا ہو۔ لہذا ہماری التجا ہے کہ عصبیت سے الگ ہو کر حق قبول کریں ۔

آئیے ! اب ذرا غلط عقیدہ رکھنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات بھی سنتے چلیں ۔

پہلی دلیل: ان حضرات نے حضور صلعم کے حاضر و ناظر ہونے پر قرآن کے لفظ شاہد و شہید سے استدلال کیا ہے بعض نے تو اس کا ترجمہ ہی حاضر و ناظر کیا ہے اور بعض نے اس کا معنی گواہ بتایا ہے اور پھر یوں دلیل دی ہے کہ اگر حضور صلعم ہر امتی کے احوال سے واقف و آشنا نہیں رہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں رہیں تو آپ گواہ کیسے کیوں کہ شاہد کے لیے مشاہدہ ضروری ہے ۔(دیکھیے جاء الحق ص ۱۳۲)

لفظ شاہد و شہید سورۂ مزمل ، بقرہ ، اور احزاب میں وارد ہیں ۔

جواب: قبل اس کے کہ جواب عرض کروں ۔ مناسب یہ ہے کہ چند اصولی باتیں عرض کروں تاکہ معاملہ کے افہام و تفہیم میں سہولت ہو ۔

(۱) قرآن حکیم کا نزول آسمان سے یکبارگی نہیں ہوا ہے بلکہ حسب مصالح و حوائج تھوڑا تھوڑا تدریجاً غار حرا سے آغاز ہو کر آخری کلم تک ۲۳ برس میں مکمل ہوا ہے ۔ اس میں نہ تو تناقض ہے اور نہ اس کی گنجائش ۔

(۲) قرآن کریم کی ترتیب نزول وہ نہیں ہے جو اس کی موجودہ ترتیب ہے ۔ کیوں کہ سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ اقراء باسم ربك ۔۔۔ الایہ ہے اور یہ آخری پارہ میں ہے ۔ اور سب سے اخیر میں جو سورہ نازل ہوئی وہ سورہ برأت ہے ۔ اور عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ آخر سورة انزلت تامة سورة التوبة (مسلم ج ۲ ص ۲۵) آخری سورہ جو پوری کی پوری نازل ہوئی وہ سورہ توبہ ہے ۔

(۳) قرآن حکیم کی جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں ، بقول علامہ سیوطی ان کی ترتیب یہ ہے ۔ سورہ بقرہ ، انفال آل عمران ، احزاب ، ممتحنہ ، نساء ، اذا زلزلت ، حدید ، قتال ، رعد ، رحمن ، طلاق ، لم یکن ، حشر ، اذا جاء نصر اللہ

نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، جمعہ، تغابن، صف، فتح، مائدہ اور سورۂ توبہ علی الترتیب نازل ہوئیں (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ج ۱ ص ۱۱)۔

اس اصولی گفتگو کے بعد میری گزارش پر غور کیجئے۔ سورہ مزمل مکہ میں نازل ہو چکی تھی اور سورہ بقرہ، احزاب، فتح اگرچہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن سورہ منافقون التحریم اور توبہ ان کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اگر شاہد و شہید کا معنی حاضر و ناظر ہوتا تو جو سورتیں ان سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اس دعویٰ کی تردید نہ ہوتی۔

حالانکہ سورہ منافقون کا شان نزول صحیح بخاری پ ۲۷ ج ۲ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں شریک تھے۔ اثناء سفر میں میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ان کمینوں (حضور اور صحابہ کرام) کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے رئیس المنافقین کو طلب کیا۔ یہ پوچھنے پر اس نے حلف اٹھا کر کہا کہ بخدا میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ زید رض فرماتے ہیں کہ: فکذبنی رسول اللہ وصدقہ فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط۔ اس پر حضور نے مجھے جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کو سچا مان لیا۔ اس سے مجھے ایسا غم ہوا کہ کبھی ایسا غم نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد پوری سورہ نازل ہوئی، منافقین، رسوا اور تضحیک ہوئے۔

غور کیجیے! اگر شاہد و شہید کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو آپ کو شاہد و شہید تو اس واقعہ سے پہلے ہی کہا جا چکا تھا، پھر کیوں نہ آپ نے عبداللہ بن ابی کو کہتے وقت ہی دیکھ لیا اور کیوں ایک سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیدیا؟

ذرا عاشقانِ رسول ارشاد فرمائیں کہ کیا حضور نے دیدہ و دانستہ ایسا کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضور صلعم نے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے کوئی بات ذکر کی اور فرمایا کہ کسی کو نہ بتلانا۔ انھوں نے غلطی سے راز کی بات فاش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ نظم قرآنی دیکھ لیجیے: واذا سر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبأت بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نبأھا بہ قالت من انبأک ھذا قال نبأنی العلیم الخبیر (تحریم ک ۱)

جب نبی نے اپنی بعض بیویوں سے ایک راز کی بات کہی۔ تو جب اس بیوی نے اس کی خبر دیدی اور اللہ نے نبی کو اس سے آگاہ کر دیا۔ تو آپ نے اس معاملے کے بعض پہلوؤں کو جتایا اور بعض سے گریز کیا، تو جب آپ نے اس

۔ بیوی کو اس سے آگاہ کیا (یعنی اس پر لوکا) تو اس نے کہا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی۔ آپ نے کہا مجھے علیم و خبیر نے خبر دی۔

غور کیجیے! یہ تو نص قطعی ہے، ازواج مطہرات کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ ہر جگہ موجود و حاضر و ناظر ہیں اور سب کچھ جانتے اور جان لیتے ہیں۔ نیز اگر حضور صلعم حاضر و ناظر ہیں تو سورہ توبہ کی اس آیت کا معنی بتلائیے: ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم۔ (توبہ ک ۱۳) بعض اہل مدینہ نفاق پر تل گئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔

میری پرخلوص اپیل ہے۔ آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر عدل و انصاف سے کام لیں اور سوچیں کہ اگر شاہد و شہید سے مراد حاضر و ناظر ہے تو باعتبار نزول آخری سورت میں اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ دور کی بات نہیں خود مدینہ ہی میں جو لوگ نفاق کے حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کو آپ نہیں جانتے ہیں، میں جانتا ہوں۔ لہٰذا یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی کہ شاہد و شہید کا معنی ہرگز وہ نہیں جو ان حضرات نے بیان کیا ہے۔ کیوں کہ کتاب اللہ میں تعارض و تناقض کی کوئی گنجائش نہیں۔

شاید آپ پریشان ہوں کہ جب شاہد و شہید کا معنی حاضر و ناظر نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اس لیے آئیے خود جناب رسول اللہ سے اس کا مطلب سن لیجیے۔

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ جب روز جزا میں تمام مخلوقات کو جمع کرے گا تو تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے کہ قد بلغت (میں نے تیرا دین ان تک) پہنچا دیا تھا۔ لیکن نافرمان کافر انکار کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے پوچھے گا، کیا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں ہماری گواہ امت محمدیہ ہے۔ چنانچہ امت محمدیہ ان پر گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر گواہی دیں گے۔

آیت قرآنی: لتكونوا شهداء على الناس (بخاری ج ۲ ص ۶۴۵)

آیت قرآنی: لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا بھی اسی معنی کو بتلاتی ہے تم امت وسط اس لیے ہو کہ لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضور صلعم ہم پر اس لیے گواہی دیں گے کہ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ کیوں کہ شاہد کے لیے مشاہدہ ضروری ہے تو تمام امت محمدیہ بھی حاضر و ناظر ہو گی، کیوں کہ وہ بھی امم سابقہ پر گواہی دے گی تو پھر حضور صلعم کی خصوصیت کیا رہی؟

آئیے میں آپ کو بتادوں کہ گواہ کے لیے اصل واقعہ میں حاضر و موجود ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ صحیح حالات کا علم ہو جانا کافی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: انما یجوز للشاهد ان یشهد بالاشتهار وذلک بالتواتر و باخبار من یثق به ۔ (هدایة ج ۳ ص ۱۴۳) گواہ کے لیے شہرت کی بنیاد پر گواہی دینا جائز ہے مثلاً تواتر یا باعتماد شخص کے ذریعہ خبر ثابت ہو۔ اگر شہادت کے لیے بچشم خود دیکھنا ضروری ہوتا تو اذان تک نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیا آپ کے موذنوں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے۔

(۲) دوسری دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: أَلَمْ تَرَ. کیا تو نے نہیں دیکھا، فلاں قوم یا نبی کو نہیں دیکھا؟ (دیکھیے جاء الحق ص ۱۳۵)

جوابات: قرآن حکیم میں حضور صلعم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ألم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه ۔ کیا آپ نے اسے نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے متعلق بحث کی۔ مذکورہ دلیل بلکہ مغالطہ کی رو سے ثابت ہوا کہ حضور صلعم ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی موجود اور حاضر و ناظر تھے۔ اس کو یاد رکھیے، اور چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اللہ تعالیٰ مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: وما کنت ثاویا فی اهل مدین (پ ۲۰) آپ اہل مدین میں موجود نہ تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک وما کنت لدیهم اذ اجمعوا امرهم (یوسف ک ۱۱) یہ غیب کی خبریں ہیں، جس کی وحی ہم آپ کی طرف کر رہے ہیں۔ اور جب انھوں نے اپنے معاملہ کو پختہ کیا تو آپ ان کے پاس نہ تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی گزارش فرماتا ہے: وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسیٰ الامر وما کنت من الشاهدین (قصص ک ۵) آپ جانب غربی میں نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی جانب معاملہ کا فیصلہ کیا اور آپ شاہدین میں سے بھی نہ تھے۔

قارئین کرام! اگر ألم تر سے حضور صلعم ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاضر و ناظر ثابت ہو رہے ہیں تو ان کے بعد حضرت شعیب، یوسف اور موسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے زمانے میں آپ کہاں غائب ہو گئے اور حاضر

ناظر کیوں نہ رہے؟

دوم : اگر جملہ الم تر سے حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو تو لازم آئے گا کہ تمام انسان خواہ مومن ہوں یا کافر، سب حاضر و ناظر ہو جائیں ۔ تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا۔ (نوح ک ۱) کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح طبق در طبق سات آسمان پیدا کیے ۔
ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہے : الم تروا کم اھلکنا قبلھم من قرن الایة (انعام ک ۱) ان کافروں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے گروہوں کو ہلاک کر دیا ۔

اگر بریلوی دلیل تسلیم کر لی جائے تو ثابت ہوا کہ کافر و مشرک بھی زمانہ ماضیہ میں حاضر و ناظر تھے ۔

سوم : لفظ "تر" رویت سے ماخوذ ہے ۔ آیئے لغت میں اس کا معنی دیکھیں :
صراح میں ہے ص ۱۵۱ : رویت : دیدن بچشم ۔ و دانستن ۔ تفسیر خازن ص ۲۱۰ و معالم التنزیل میں ہے : الم تر ای الم تعلم یا محمد باعلامی ایاک
امام اللغہ حسین بن محمد لکھتے ہیں : کل ما فی الکتاب الم تر فھو من رویة القلب والعلم لا من رویة العین (اعراب ثلاثین ص ۱۹۱) یعنی رویت میں آنکھ سے دیکھنا اور جاننا دونوں ہی آتے ہیں، اور قرآن میں جہاں جہاں الم تر کا لفظ آیا ہے اس سے آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کے بتلانے پر دل سے جاننا مراد ہے۔

تیسری دلیل : صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث مروی ہے کہ قبر میں فرشتے میت سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ بھی ہے : ماکنت تقول فی ھذا الرجل (الحدیث) تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے تھے کہا جاتا ہے کہ لفظ ھذا اشارہ قریب کے لیے آتا ہے ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلعم قبر میں ہر میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں ۔

جواب :۔ جب کوئی آدمی یا مقام یا کوئی شے، مشہور و معروف ہو یا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو تو اس کو حاضر کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے اگرچہ وہ موجود و حاضر نہ ہو ۔ اگرچہ یہ استعمال قلیل ہے ۔ ویجوز علی قلة لفظ الحاضر نحو قال ھذا الرجل وان کان غائباً (مطول ص ۱۳۱) بخاری میں ایک حدیث آئی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ (سنہ ۸ھ میں) وفد عبد القیس خدمت نبوی میں حاضر ہوا جس نے یہ شکایت کی : بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر (الحدیث) ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ ہے ۔ ذرا جغرافیہ و تاریخ کی

ورق گردانی کیجیے تو پتہ چلے گا کہ قبیلہ مضر مدینہ منورہ سے کتنی دور آباد تھے۔ لیکن تعبیر کرنے والے نے ھٰذا الحی سے تعبیر کیا ۔ شاید ان حضرات کے نزدیک یہ قبیلہ بھی حاضر وناظر ہوگا۔

(۳) مستدرک ج ۲ ص ۴۹۶ میں ایک صحیح حدیث ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ جب فرعون نے اپنی بیٹی کی خادمہ اور اس کی اولاد کو گرم کڑاھی میں پھینک دیا تو ان میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا جس نے ماں سے کہا ، اماں جان صبر کر، تیرا دین سچا ہے ۔ اس کے بعد حضور صلعم نے فرمایا : "تکلم اربعة وھم صغار ھٰذا و شاھد یوسف و صاحب جریج وعیسی بن مریم ۔ چار نے چھوٹے ہوئے بات کی : اس نے ، یوسف علیہ السلام کے شاہد نے ، صاحب جریج نے ، اور عیسیٰ بن مریم نے ۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ فرعون اور حضور صلعم کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ تھا ، لیکن اس کو حضور صلعم نے ھٰذا سے تعبیر کیا ۔ کیا یہ بچہ بھی حاضر و ناظر تھا ۔ ؟

(۴) ابراہیم علیہ السلام نے پہلے پہل عالم بالا پر غور کیا تو تارے ، چاند اور سورج کو باری باری دیکھ کر فرمایا : ھٰذا ربی یہ میرا رب ہے ۔ اور سورج کے بارے میں کہا ھٰذا اکبر ۔ حالانکہ یہ لاکھوں اور کروڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں ۔

آئیے ذرا ان حضرات کے اعلیٰ حضرت کی ایک عبارت بھی پڑھیے ، اگر کتاب وسنت ان کے لیے شافی دلیل نہیں تو یہ سرمۂ بریلی ہی شاید اکسیر ثابت ہو جائے ۔ خانصاحب کوکبۂ شہابیہ ص ۴۰ میں حضرت مولانا اسماعیل شہید کے بارے میں لکھتے ہیں : " یہ شخص غیر مقلدی اور دین الٰہی میں ہر گونہ آزادی کا پھاٹک کھولنے کے لیے کہتا ہے ۔" اسی کتاب کے ص ۴۱ میں مظلوم شاہ صاحب کو یوں کہا گیا ہے " کاش یہ ظالم " ۔ اور ص ۲۲ پر لکھا ہے " یہ شخص امام"

حضرات آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا شہید ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ کو شہید ہوئے تھے ، اور مولوی احمد رضا خاں ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ نیز خانصاحب کا مولد و مدفن بریلی ہے ۔ اور شاہ صاحب ہزارہا ہزار میل دور بالاکوٹ کی سنگلاخ زمین میں شہید و مدفون ہوئے لیکن خانصاحب انہیں " یہ شخص " اور " یہ ظالم " سے تعبیر کرتے ہیں کیا یہ ھٰذا الرجل ، کا ترجمہ نہیں ہے ؟ اور پھر کیا اس قاعدہ کی رو سے شاہ شہید ان کے بزعم فاسد میں ظالم و کافر ہونے کے باوجود حاضر و ناظر نہیں ہوئے ؟ اگر آپ کے نزدیک " یہ شخص " ان کی شہرت کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے درست ہے تو وہی یا ویسی ہی وجہ ھٰذا الرجل کے سلسلے میں کیوں قابل قبول نہیں ؟ فما جوابکم فھو جوابنا۔

حج — ایک ضرورت — اسرار و مقاصد

اشفاق احمد محمد اقبال گونڈوی عالمیت چہارم

اسلام کا پانچواں اور آخری رکن حج ہے۔ حج کے لغوی معنی زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔ شریعت کی زبان میں حج کی عبادت کو حج اس لیے کہا گیا کہ اس میں انسان کعبہ کی زیارت کا قصد رکھتا ہے۔ حج ہر اس بالغ و عاقل مسلمان پر فرض ہے جو بیت اللہ تک جانے کی مع زاد و راحلہ وسعت رکھتا ہو جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔

اگر کوئی شخص قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا ہے تو اپنے مسلمان ہونے کی تکذیب کرتا ہے۔

حج ایک فطری ضرورت: اسلام دین فطرت ہے۔ دین فطرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر جو تقاضے رکھے گئے ہیں اسلام نے ان سب کی رعایت کی ہے۔ انہی مقتضیات میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مقام مشہود ہو جو شوق و تعلیم کا مرکز بن سکے۔ کیونکہ ایسی چیز کی جستجو اور آرزو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے، جس کو وہ اپنی مادی آنکھوں سے دیکھ سکے اور جس کو دیکھ کر اللہ کی نشانیاں اور انعامات یاد آتے ہوں۔ جن کا نام اللہ نے شعائر رکھا ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ۔ الآیۃ

انسان کی فطرت میں عشق و محبت کا عنصر بھی موجود ہے۔ اور انسان کا اپنے رب کے ساتھ محبت اور پاکیزہ جذبات کا رشتہ ہے۔ یہ ایسا رشتہ ہے جس پر ذوق و شوق، عشق و قربانی، دلسوزی و بیقراری کا غلبہ ہونا چاہیے۔ حج بیت اللہ اس جذبہ عشق و محبت کی تسکین کے لیے سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔ جیسا کہ امام غزالی نے اپنی نادرہ روزگار ذہانت اور شریعت کے گہرے مطالعہ سے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا کہ محبت و شوق ایک زندہ اور سلیم الطبع انسان

کا حقیقی ضرورت ہے۔ وہ اس کی تسکین کے لیے ہمیشہ طلب و جستجو میں رہتا ہے۔ بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک و مقامات ہیں وہ اس سچی اور حقیقی ضرورت کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں[۱]۔ حضرت شاہ ولی اللہ بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت قرار دیتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے، محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لیے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے۔

دوسرے مذاہب میں حج اور اسلامی حج سے اس کا تقابل : دنیا کی کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں جو کچھ نہ کچھ متبرک مقامات کا عقیدہ نہ رکھتی ہو اور اس کے متبعین کسی خاص دینی تقریب پر ایک جگہ جمع نہ ہوتے ہوں۔ پھر ان مذہبی مقامات کے مذہبی سفر کے لیے کچھ اصول و ضابطے اور رسوم و روایات ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عمل فطرت بشری کے عین مطابق اور ضمیر کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ وہ ایک ایسا عظیم اور بڑا عمل جانا جاتا ہے، جس سے اس کے بڑے بڑے گناہوں اور مہلک غلطیوں کی تلافی ہو سکے اور وہ مذہبی حس کی کھٹک تقصیر اور معاشرے کی ملامت سے نجات حاصل کر سکے، جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب کا کوئی دور مذہبی سفروں اور مقدس زیارت گاہوں سے خالی نہیں۔ جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ کے حضور یا اپنے خود ساختہ دیوی اور دیوتاؤں کے لیے قربانیاں نہ کرتے ہوں اور نذریں نہ مانتے ہوں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ — ہم نے ہر قوم کے لیے ایک عبادتگاہ بنائی تاکہ (جہاں) وہ اللہ کا نام لے۔ (سورہ حج: ۳۴)

یہودی اور مسیحی مذہب اس سلسلے میں ہم سے زیادہ قریب ہیں۔ انھوں نے تاریخ اور علم کی روشنی کا ایک طویل زمانہ پایا ہے۔ یہ دونوں اب بھی دو ایسی بڑی اور زندہ قوموں کا مذہب ہے جو تہذیب و تمدن، علم و ادب اور سیاسی قوت کے مالک ہیں۔ بیت المقدس اور اس کے قریب و جوار کی زیارت گاہیں اور مقامات ان کا مرکز عقیدت ہیں۔ اس کا حج ان کے یہاں بہت قدیم زمانہ سے رائج اور معروف ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ جب ہم اسلامی حج سے کرتے ہیں تو ہمیں ان کے حج کی تصویر بہت مبہم، غیر واضح اور ناتمام نظر آتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حج کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "حج کی اصل ہر امت میں موجود ہے

ہرامت لازمی طور پر ایسے مقامات کا تعین کرتی ہے، جہاں وہ اللہ کی نشانیوں کے ظہور کا مشاہدہ کر کے قربانیاں پیش کر سکے اور اپنے اسلاف کے روایتی طریقوں پر مناسک حج ادا کر کے برکت حاصل کر سکے۔ بیت اللہ سے زیادہ حج کے لائق کوئی مقام نہیں۔ کیوں کہ اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں موجود ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۹)
اس لیے اگر کوئی شخص اسلامی حج کا موازنہ اور تقابل دوسرے مذاہب کے ساتھ کرے گا تو وہ بھی بآسانی اس نتیجہ پر پہنچے گا اور یہ آیت اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی۔ لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنك فی الامر وادع الی ربك انك لعلی ھدی مستقیم۔ ہرامت کے لیے ہم نے ایک عبادت گاہ بنائی ہے جہاں وہ عبادت کرتے ہیں لہذا اس معاملے میں وہ آپ سے منازعت نہ کریں۔ آپ اپنے رب کی طرف بلائیں۔ آپ یقیناً ہدایت مستقیم پر ہیں۔ (الحج : ٦٧)

محبت وشوق کا سامانِ تسکین حج ہی کیوں؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہو سکتا تھا کہ انسان اپنے رب کی اس شوق ومحبت اور ان جذبات وکیفیات کی تسکین ان نمازوں کے ذریعہ کر لیتا، جنھیں دن میں کئی بار ادا کرتا ہے۔ وہ نماز میں اپنے پیمانۂ دل کو چھلکنے دیتا اور محبت وعشق کی اس تپش وسوز پر اپنے آنسوؤں کے کچھ چھینٹے ڈال لیتا۔ اس طرح اس کو روح کی پیاس بجھانے اور سوزشِ دل کو آرام پہنچانے میں رمضان میں بھی مدد مل سکتی تھی۔ اس لیے کہ خلوئے معدہ اور احتیاط وپرہیز کی وجہ سے اس کی روح کو غذا ملتی ہے، اور صفائی قلب نصیب ہوتی ہے۔ وہ اس بے قراری کو زکوٰۃ کے ذریعہ بھی دور کر سکتا تھا جو حولانِ حول اور مالکِ نصاب ہوتے پر ادا کرتا ہے۔ کیوں کہ صدقہ وخیرات سے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور دنیا کی حرص سے دل پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن نہیں، ایسا نہیں ہوا ...... کیوں کہ نماز میں اشک کے وہ چند قطرے تھوڑی دیر کے لیے اس کے دلوں کو گرم اور آنکھوں کو نم ضرور کر سکتے ہیں لیکن اس کی تشنگی کو نہیں بجھا سکتے اسی طرح روزہ میں بھی چند گنی چنی گھڑیاں ہیں جو اکثر ایسی چیزوں سے گھری رہتی ہیں جن سے روزہ کا اثر برابر کمزور ہوتا رہتا ہے اور چاروں طرف نفیس ومرغن غذاؤں کی وجہ سے راحت طلبی وشکم پروری کا ایسا ماحول بن جاتا ہے جو اسے یکسو نہیں ہونے دیتا۔

اس لیے ان تمام امور کی وجہ سے اس کو ایک ایسی جرأت مندانہ قلندرانہ ہجرت کی ضرورت تھی جو اس کے طوق وسلاسل کو پاش پاش کر کے رکھ دے اور اس کو ایک ہی چھلانگ میں اپنے قدیم اور تنگ وتاریک قیدخانہ سے آزاد

کر دے ۔ اور وہ حج بیت اللہ ہی ہے ۔

حج کی شانِ جامعیت: ان تمام باتوں کے علاوہ اگر مراسم حج پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ یہ حج گرچہ کہنے کو ایک عبادت ہے مگر فی الواقع اس میں ہر عبادت اور ہر عمل خیر کی روح موجود ہے ۔ چنانچہ وہ نماز بھی ہے ، کیوں کہ نماز کی حقیقت اللہ کا ذکر ہے اور حج ذکرِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے ۔ وہ زکوٰۃ بھی ہے ۔ اس لیے کہ ہر حاجی کو حکم ہے کہ وہ قربانی کا گوشت غریبوں کو کھلائے : واطعموا البائس الفقیر ، اور یہ بات تو بالکل عیاں ہے کہ محض اللہ کی خاطر اپنی دولت خرچ کیے بغیر حج نہیں کیا جا سکتا ۔ اور زکوٰۃ کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی خاطر اپنی دولت خرچ کی جائے ۔ وہ روزہ بھی ہے ۔ اس لیے کہ جنسی ملاپ اگر اس میں صرف دن کو ممنوع ہے تو دورانِ حج راتوں کو بھی ممنوع ہے ۔ رہا کھانے پینے کا مسئلہ تو روزے کی طرح اگرچہ حج میں کھانا پینا منع نہیں ہے مگر اس کے بجائے زیب و زینت وغیرہ کی جو دوسری بہت سی پابندیاں ہیں وہ بڑی حد تک اس ممانعت کی قائم مقام ہو جاتی ہیں ۔ وہ توحید کا معلم بھی ہے ، کیوں کہ کعبہ کی تعمیر ہی توحید پر ہوئی ہے اور اسے دیکھتے ہی مومن کے دل میں وحدانیت کی روح جاگ اٹھتی ہے ۔ اس کے علاوہ لبیک ، اللھم لبیک کی مسلسل پکار اور حج کے بہت سے افعال ایسے ہیں جو انسان کو توحید کے جذبات سے سرشار کرتے ہیں ۔
وہ آخرت کی یاد دہانی بھی ہے ۔ کیوں کہ جمرات کے ستون ابرہہ کا انجام یاد دلاتے ہیں ، جو قانونِ جزا کی ایک کھلی ہوئی شہادت ہے ۔

حج اور جذباتِ عبودیت: اس طرح حج کے ارکان کا کوئی نہ کوئی سر ہے ۔ کیوں کہ حج کے ان ارکان پر اگر گہری نظر ڈالیں تو ایک ایک چیز بندگی کی ابھرتی ہوئی تصویر دکھائی دے گی ۔ مثلاً احرام کا لباس ، لباس نہیں ہے بلکہ ایک طرف فقیری کے احساس کا اور دوسری طرف فداکاری کے جذبے کا منہ بولتا نشان ہے ۔ جس وقت ایک فقیر بے نوا اپنی جھولی لیے کسی داتا کے دربار میں ، یا ایک جانباز فوجی اپنی وردی پہن کر اور اپنا اسلحہ لے کر میدانِ جنگ کی طرف جاتا ہے تو اس کے جذبات و مقاصد کو سمجھنے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی ہیئت ہی سب کچھ بتلا دیتی ہے ۔ ٹھیک اسی طرح کعبہ کی طرف جانے والے کی ہیئت خود بولتی ہے ۔ وہ اللہ ہی کے دروازے کا بھکاری ہے اور اسی کے اشاروں پر نثار ہو جانے کے اشتیاق میں کھویا ہوا ہے ۔ وہ ایک فقیر بھی ہے اور کفن بردوش سپاہی بھی ۔ اس کے علاوہ یہ احرام کا لباس ایک اور عظیم حقیقت

کا اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام اسلامی قومیں اپنے ان قومی و ملکی لباسوں سے آزاد ہو کر جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہوتی ہیں۔ اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کر لیتی ہیں اور سبھی عاجزی وانکساری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ہی ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔ ان میں حاکم و محکوم، آقا و نوکر اور امیر و فقیر میں کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ ان کے لباس اور ان کی صداؤں دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔

جس وقت ہر چہار سو فضا میں مسلسل لبیک اللھم لبیک کی آوازیں گونجتی ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیم نے اپنے آقا کے فرمان واذن فی الناس بالحج کی تعمیل میں حج کی جو منادی کی تھی یہ آوازیں اسی کا جواب ہیں۔ اس کے بعد جوں ہی کعبہ پر نظر پڑتی ہے۔ تصور کی نگاہوں میں، وہ سب کچھ پھر جاتا ہے جو اس کی تعمیر سے وابستہ ہے۔ ان کو یاد آتا ہے کہ میں اسی امت کا ایک فرد ہوں جس کے ظہور کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور اس کا نام انھوں نے امت مسلمہ رکھا تھا۔ جس کی حیثیت یہ قرار پائی "کہ وہ اللہ کی راہ میں وقف ہو۔

حجر اسود پر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ رکھتا ہے تو دل پر یہ حقیقت نقش ہو جاتی ہے کہ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے ہم معنی ہے۔ یعنی میں بندگی اور غلامی کا عہد تازہ کر رہا ہوں۔ پھر ہاتھ رکھنے کے بعد جب اسے بوسہ دیتا ہے تو ایک اور شعور بیدار ہوتا ہے۔ ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ میں جس ہستی سے بندگی کا یہ عہد تازہ کر رہا ہوں وہ میرا حقیقی حاکم و آقا بھی ہے اور حقیقی محبوب و مقصود بھی۔ اسی لیے اس کے دربار کی حاضری کے وقت ضروری ہے کہ اس کی آستاں بوسی بھی کریں۔

طواف کیا ہے؟ فقط رضائے الہی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دینے کا والہانہ جذبہ۔ جب مومن کعبہ کے اردگرد چکر لگاتا ہے تو شمع و پروانہ کا شاعرانہ تخیل ایک واقعہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے مالک کے اشاروں پر نثار ہو جانے کے لیے بے تاب ہے۔ پھر یہ طواف کچھ اور بھی بتاتا ہے۔ کالے، گورے، عربی، عجمی، سامی، آریائی، غرض ہر رنگ، ہر نسل، ہر زبان، ہر قومیت کے لاکھوں انسانوں کا یہ بھاری گروہ جب ایک ہی لباس پہنے اور ایک ہی جذبات لیے کعبہ کے گرد گھومتا ہے تو یہ منظر یقین دلاتا ہے کہ جس طرح اللہ ایک ہے اسی طرح اس کے ماننے والے بھی ہزار اختلاف کے باوجود ایک ہیں۔ اس طرح یہ دنیا کے مساوات کا عظیم درس دیتا ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان کی سعی اس التزام کا اظہار ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا راستہ ہی ہمارا راستہ ہوگا۔ اور اس راستے پر چلنے میں ہم اپنے قدموں کو سست نہ ہونے دیں گے مروہ کی شہادت گاہ تک

بار بار ہمارا دوڑ کر پہنچنا صرف یہ ذہن نشین کرنے کے لیے ہے کہ ہمارے سفر حیات کا آخری مرحلہ بھی ایسی ہی کوئی شہادت گاہ ہوگی۔

ساتویں ذی الحجہ سے لے کر دسویں تک سارے حاجیوں کا ایک امام کی قیادت میں اجتماعی کوچ، پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہنے کا سلسلہ جس کے دوران کبھی منیٰ میں ہیں تو کبھی مزدلفہ میں اور کبھی عرفات میں۔ اس دوران کبھی خطبہ سنتے ہیں تو کبھی تلبیہ پکارتے ہیں ــــ یہ ساری باتیں وباتیں واضح طور پر ایک منظم فوجی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہیں اور لاکھوں بندگانِ خدا کا یہ احرام پوش گروہ کفن بردوش سپاہیوں کا لشکر جرار نظر آتا ہے۔ یہ صورتحال بتلاتی ہے کہ امتِ مسلمہ کے تصور کے ساتھ نظم اجتماعیت اور فوجی زندگی کا تصور لازمی شے ہے

جمرات کے ستونوں پر کنکریاں مارنا پتھروں کی اس بے پناہ بارش کی یادگار ہے جس نے ابرہہ کے لشکر کو انھی مقامات پر تہس نہس کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان جمرات کی رمی کو دوام بخشنا ہمیشہ مخلصین و محبین سے اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ شیطان کو ذلیل کرنے اور ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے ابراہیم خلیل الرحمن کی اقتدا و پیروی کے جذبہ کے ساتھ ساری کہانی اسی طرح دہرایا کریں۔

ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہہ کر اللہ کی کبریائی کا اعلان کرتے جانا، گویا اپنے اس عزم اور اس فیصلے سے دنیا کو خبردار کرنا ہے کہ کوئی اللہ کے دین پر بری نظر ڈالے گا تو اس کا منہ توڑ دیں گے۔

منیٰ میں جانوروں کی قربانی کرنا دراصل اپنے آپ کو قربان کرنے کے قائم مقام ہے۔ یہ اس بات کا خاموش اقرار ہے کہ ہماری جان اللہ کی راہ میں نذر ہو چکی ہے اور وہ جب ہم سے طلب کرے گا ہم بلا تامل پیش کر دیں گے۔

حج کے مقاصد :

حج کا ایک بڑا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیمؑ سے تجدید تعلق کیا جائے، اللہ کے پیارے کی حفاظت کی جائے۔ ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا موازنہ کیا جائے۔ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں، فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصل سرچشمے کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے۔ جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب و تجزیہ کر سکتے ہیں اور وہ ان قوموں و سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، جن کے درمیان وہ رہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: من المصالح المرعیہ فی الحج موافقة ما تو ارث الناس

عن سیدنا ابراھیم واسماعیل علیھما السلام فانھما اماما الملة ومشرعاھا للعرب والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث لتظھر بہ الملة الحنیفیة وتعلو بہ کلمتھا وھو قولہ تعالیٰ ملة ابراھیم (حجة اللہ ص ۵۹) یعنی حج کے مقاصد میں سے اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل نے ہمارے لیے چھوڑی ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں ملت حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے موسس اور بانی ہیں۔ حضور کی بعثت بھی اسی لیے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب ہو اور اس کا پرچم بلند ہو۔ شاہ صاحب دوسری جگہ اسرار حج پر بڑی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہوئے اس پہلو کی وضاحت کرتے ہیں۔

ومنھا تحقیق معنی العرضة فان لکل دولة او ملة اجتماعا یتوارده الاقاصی والادانی لیعرف فیہ بعضھم بعضا ویستفیدوا احکام الملة ولیعظموا شعائرھا والحج عرضة المسلمین وظھور شوکتھم واجتماع جنودھم وتنویہ ملتھم وھو قولہ تعالیٰ واذ جعلنا البیت مثابة للناس (حجة اللہ البالغہ ص ۵۹) یعنی حج کے مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لیے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں۔ جس کو دیکھنے کے لیے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے مقدس مقامات کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اسی طرح حج مسلمانوں کی نمائش یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں۔ ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہی ہوا کہ حج جیسا عظیم رکن، انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور اثر انداز ہے۔ جس سے ایک معاشرہ کی صحیح تشکیل کی جا سکتی ہے۔ وفقنا اللہ وھو ولی التوفیق۔

• • •

اسلامی عدل کا ایک روشن کارنامہ

عبدالخبیر زاھد۔ جھنڈانگری
رکن جمعیۃ الشبان جھنڈانگر۔ نیپال

آیئے آپ کو ایک حکایت سناتا ہوں، جو مساوات اسلامی سے متعلق ہے، جس میں اسلامی عدل و انصاف کی ایک جھلک ہے اور جس سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ اسلام کی نظر میں چھوٹا بڑا، شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر ہیں۔ یہ قصہ علامہ اقبال نے اپنی مثنوی "اسرار خودی" میں ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ملک خجند میں ایک بہت بڑا ماہرِ فن معمار رہا کرتا تھا۔ بادشاہ نے معمار کو حکم دیا کہ ایک عالیشان مسجد تعمیر کرو۔

یہ اس دور کی بات ہے جب بادشاہوں کو شوق تھا تو مسجدیں بنوانے کا اور نیکی کے کاموں کے

بڑے آدمی : ذریعہ اجر حاصل کرنے کا۔ وہ ذات واحد کے حکم پر سر جھکا دینا عین ایمان جانتے تھے۔

مگر آج کے دور میں بڑے بڑوں کو گھوڑ دوڑ، دولت کی بے جا نمائش اور مختلف قسم کے مقامات کی سیر اور اسی قسم کے دوسرے لہو و لعب کا شوق ہے۔ مسجدوں اور مدرسوں سے کیا رغبت، اب تو ان کا نام لینا بھی قدامت پسندی سمجھا جاتا ہے۔

ہاں آج کل کے مسلمان سینما، تھیٹر، سرکس اور کلب میں بڑے شوق سے پہنچتے ہیں، گھروں کی تعمیر کو ترقی کا زینہ تصور کرتے ہیں۔ مسجدیں آباد کرنے کی آج کل کے بڑے آدمیوں سے امید نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اکثریت ان میں ایسی ہے، جنہیں مسجد کے نام سے الجھن ہوتی ہے۔ بتلایئے کیا کبھی آپ نے ان کو مسجد میں دیکھا ہے۔ ان میں سے کوئی صاحب اقتدار کسی عید یا جمعۃ الوداع کے موقع پر مسجد میں آجائے تو سارے ملک میں شور مچ جاتا ہے اور محفلوں میں اس کا ذکر آتا ہے مگزینوں اور اخباروں میں خبریں بلکہ تصویریں شائع ہوتی ہیں کہ فلاں آدمی نے فلاں مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ جو چیز انوکھی اور نئی ہو، اس کا اہتمام سے اعلان کیا جاتا ہے۔

جس شوق سے یہ ہر سال لندن و پیرس کے لیے نکلتے ہیں اور گرمیوں میں خوشگوار اور ٹھنڈے مقامات کا سفر کرتے ہیں، کیا کبھی مکہ و مدینہ کی طرف ان کا رُخ آپ نے دیکھا ہے؟ اگر ایسا ہوا بھی تو نام و نمود سے خالی نہیں۔

مسجد و مدرسہ کی تعمیر تو دور کی بات ہے۔

ہاں! تو میں ایک معمار کی کہانی سنا رہا تھا، اس معمار کو ایک بادشاہ یعنی سلطان مراد نے یہ حکم دیا کہ وہ ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہ ہو۔ اس معمار نے فن تعمیر کی اپنی ساری قابلیت بروئے کار لاکر ایک عالیشان مسجد تیار کردی۔ جب مسجد تیار ہوگئی تو سلطان اس مسجد کو دیکھنے کے لیے آیا۔ مگر افسوس یہ تعمیر اس کو پسند نہ آئی۔ اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، اور اس قصور پر معمار کے دونوں ہاتھ کاٹنے کا فرمان جاری کردیا۔

دیکھیے اس نظارے کو کہ ایک حکمران نے ایک زبردست سلطان نے ایک بیچارے غریب کاریگر کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ وہ معمار بے چارہ بے کار ہوگیا۔ مگر اس ملک میں اسلامی نظم تھا۔ عدل و انصاف تھا۔ لادینیت نہ تھی، دین حق کا دور دورہ تھا، مظلوم کی زیادرسی جاتی تھی، وہ معمار اسی وقت قاضی شہر کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ کہ قاضی صاحب! یہ دیکھیے مجھ غریب کا ہاتھ ایک ظالم نے کاٹ کر بیکار کردیا ہے۔ لہٰذا مجھے انصاف چاہیے۔ قاضی صاحب نے فرمایا، اے مظلوم! اس ظالم کا نام بتا، تاکہ اس کے ظلم کا بدلہ دے کر انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے۔ معمار بولا حضور! اس ظالم کا نام ہے سلطان مراد۔ قاضی سلطان مراد ہی کا مقرر کیا ہوا تھا۔ اگر غیر اسلامی دور ہوتا تو وہ کہتا کہ اتنے میاں! اگر بادشاہ نے تم پر ظلم ڈھایا ہے تو کیا تم نے بھی مجھے ملازمت سے برخاست کرانے کی ٹھانی ہے شکر کرو کہ بادشاہ نے ہاتھ ہی کاٹا ہے، سرقلم نہیں کردیا ہے۔ مگر وہ اسلامی حکومت کا دور تھا۔ قاضی صاحب نے ڈرنے کے بجائے فوراً بادشاہ کے نام حاضری کا سمن جاری کردیا۔ اور سمن جب بادشاہ کے پاس پہنچا تو وہ بھڑک نہیں اٹھا کہ وہ میری بلی مجھ ہی سے میاؤں۔ قاضی صاحب نے سمن میں قرآن کی آیت بھی لکھ دی تھی: ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب۔ (عقل والو! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے۔)

بادشاہ نے قرآن کی آیت پڑھی تو چہرہ زرد ہوگیا اور مجرموں کی طرح عدالت میں حاضر ہوگیا۔ کسی کتاب میں اتنی طاقت ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کو مجرموں کی طرح عدالت میں کھینچ لائے؟ بادشاہ عدالت میں پہنچا تو قاضی صاحب نہ تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ اس کو اپنے پاس بٹھایا۔ بلکہ کہا کہ اے بادشاہ یہ مدعی ہے۔ اس کے ساتھ سامنے کھڑے ہو جاؤ اور بتاؤ کہ اس غریب کے ہاتھوں کو کیوں کاٹا گیا ہے؟ بادشاہ کوئی جواب نہیں دے سکا۔ قاضی نے کہا اب اس کے بدلے تمہارا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک غلام کا آزاد سے یا ایک غریب کا امیر سے مرتبہ انصاف کی نگاہ میں کم نہیں، اور بادشاہ کا خون رعایا کے خون سے زیادہ رنگین نہیں۔

قاضی نے کہا کہ اے سلطان! اپنا ہاتھ کٹوانے کے لیے تیار ہو جا۔ کیوں کہ قرآن کا یہی ارشاد ہے۔ اور سلطان مراد نے قرآن کے ارشاد پر سر خم کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قاضی کے آگے بڑھایا اور کہا کہ لیجیے مجرم کا یہ ہاتھ حاضر ہے اسے کاٹ کر قیامت کے دن کی گرفت سے بچا لیجیے۔ اللہ اکبر۔ بادشاہ کی یہ حالت؟

جب مدعی (معمار نے) یہ ماجرا دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھا۔ قاضی صاحب میں نے بادشاہ کو خدا کے لیے معاف کر دیا۔

مدعی نے جب معاف کر دیا تو قاضی نے بادشاہ کو بری کر دیا۔ اور بادشاہ نے معمار کو بہت سی دولت دے کر اس کے روشن مستقبل کے سامان فراہم کر دیئے۔

یہ تھی ہمارے پیارے رسولؐ کی تعلیم اور اسلام کے عدل و انصاف کا اثر، جس پر ہمارے بزرگوں نے عمل کیا۔ اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی عدل و انصاف کا پیکر بنائے! آمین۔

بقیہ: قرآن اور اس کے اثرات:

(آسمانی) کا غور و فکر کے ساتھ ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ پروفیسر: مجھے اس چھوٹے سے فقرے کی صوری ادبی و معنوی خوبیوں نے از خود رفتہ اور مسحور کر رکھا ہے اور میرا دل بے اختیار مطالعہ قرآن کی طرف کھنچ رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں پورا قرآن فکر کے ساتھ مطالعہ کروں گا تو شاید مسیحی مذہب سے برگشتہ ہو کر قرآن کا پیرو بن جاؤں گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک متعصب جرمن پروفیسر پر قرآن کے ایک مختصر سے ٹکڑے کا یہ اثر ہوا تو اگر ہم غور و فکر کے ساتھ کلام الہی کی تلاوت کریں تو کیا ہمارے قلوب نورِ ایمان و عرفانِ الٰہی سے روشن اور منور نہیں ہو سکتے۔؟؟؟

اس طرح کے ایک دو نہیں سیکڑوں واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ایک متعصب یورپین کے یہ تاثرات ہمیں بتلاتے ہیں کہ قرآن سے وہ ہمہ گیر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، جن سے آج کی ماڈرن دنیا ناواقف ہے۔ •••

قرآن اور اس کے اثرات

آمیر محمد طارق انصاری متعلم جامعہ فیض عام مئو

قرآن کی حیثیت درحقیقت ایک انسائیکلوپیڈیا کی ہے۔ قرآن کے اندر یہ خوبی اور جاذبیت بھی موجود ہے کہ وہ دنیا والوں کے لیے مشعل راہ اور نور مبین ہے۔ قرآن کے اندر زندگی کے ہر شعبے کی ہدایات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہ بات ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کو مدنظر رکھ کر آدمی اپنی زندگی اور آخرت اور برزخ کو سنوار سکتا ہے۔ درحقیقت قرآن کا عظیم مقصد انسان کا تزکیہ معاشرہ کا سدھار اور نفس کی اصلاح ہے۔ وہ جہانبانی اور بادشاہت کے اصول بھی بتاتا ہے، جن کو اساس بنا کر گورنمنٹ اپنے لا اینڈ آرڈر استوار کر سکتی ہے۔ یہ قرآن کریم کی وہ خوبی ہے، جو اس کے مطالب وضوابط میں پوشیدہ ہے۔ جسے معنوی خوبی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ دوسری خوبی وہ ہے جو اس کے الفاظ میں ہے، یعنی تراکیب میں چستی اور بندشوں میں انوکھا پن۔ قرآن کی عظیم اور پرشوکت خوبی کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس زمانے کو نگاہ میں رکھنا چاہیے، جس میں اس کا نزول ہوا ہے۔ میں اس زمانہ کی ایک تصویر پیش کرتا ہوں تاکہ دھندلا سا تصور آپ کے ذہن میں آجائے۔

قرآن کا نزول اس دور میں ہوا جبکہ عربوں کی فصاحت وبلاغت کے دریا رواں تھے۔ وہ جہاں کھڑے ہوتے اپنی بے مثال خطابت سے ایک حشر افزوں قیامت برپا کر دیتے، اور جہاں بیٹھتے شعر وسخن سے مجلس سجا لیتے، ان کے یہاں ہر دم رزم وبزم کے ہنگامے جاری رہتے۔ بڑے برتی اور سرکش، چالاک، تندخو اور بڑے خوش گفتار تھے۔ ان کی ادبیت وزباندانی کا آفتاب عین نصف النہار پر تھا۔ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو عجمی (گونگا) کہتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک فارس (ایران) کو فارس نہیں عجم کہتے تھے۔ ان کے کلام میں عقیدت وایثار کم اور فخر زیادہ تھا۔ گھر گھر عربیت کا چرچا تھا، بچہ بچہ شعر خوانی کر سکتا تھا۔ ایک معمولی آدمی کے لیے ابیات موزوں کر لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے بلا تکلف اشعار کہا کرتے تھے۔ صحراؤں میں حدی خوانی

کا مشغلہ تھا۔ اب ایسی حالت میں آپ سوچیں کہ اگر کوئی معمولی کلام ہو تو اس کی وقعت ہی کیا۔ مگر خدائے عزوجل کے اصول الگ رکھے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک نبی کی بعثت ہوئی اور ان کو ایک عظیم کلام سے نوازا گیا جو واقعتاً ان عظیم وحشی عربوں کے لیے ایک معدوم النظیر ثابت ہوا اور ان کی فصاحت و بلاغت سے سجی ہوئی انجمنیں ماند پڑ گئیں۔ اعتماد سے لبریز نہایت مرعوب کن اور نہایت دلآویز آواز بلند ہوئی: فاتوا بسورۃ من مثلہ (پس اس کی ایک ہی سورت بنا لاؤ) اپنے عہد کے بے مثال خطیبوں و فصاحت و بلاغت کے سرتاج اور ارشاد ہوا۔ سے یہ للکار تھی اور جب ساد ہو کر بیٹھ گئے ان کی یہ شعلہ فشاں اور پرشور محفلیں ویران اور نابود ہو گئیں۔ نیا حرف شیریں سحور کر گیا، اس میں بیک وقت عقل فلسفہ، منطق اور سائنسی اسلوب میں اور ان سب سے مل کر نا قابلِ تقسیم وحدت وجود میں آئی۔ بڑے سے بڑے علماء اس کی عظمت اور اس کے جلال کے قائل ہیں، اور چونکہ قرآن کا یہ چیلنج بھی ہے۔ (فاتوا بسورۃ من مثلہ) آج چودہ سو سال میں کوئی ایسا نہ پیدا ہو سکا جو قرآن میں ایک غلطی نکال سکے۔ آج تک یورپ اور دنیا والے اس مقدس کتاب پر لاکھوں ریسرچ کر چکے ہیں اور سبھی دنیا کی طرف سے کتنی ترمیمی کوششیں وجود کے اسٹیج پر آ چکی ہیں۔ مگر قرآن کے اندر وہی شان پہلے جیسی ہے اور وہی دلکشی و جاذبیت باقی ہے جو تمام عقلِ سلیم رکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دے رہی۔ اس سے ان گنت معجزے ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ معجزات کا ایک تسلسل بندھا ہوا ہے۔ جس نے اس میں ذرا غور کیا اس پر حقیقت آشکارا ہوئی اور وہ اس مبارک کلام کا گرویدہ ہو گیا۔ قرآن ولید و عتبہ جیسے کافروں پر ایسا اثر انداز ہوا کہ وہ مسحور و بے خود ہو گئے۔ واقعہ یوں ہے کہ:

جب ہمارے نبی کافروں کی اذیتوں اور بدسلوکیوں کے باوجود لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے تلے رہے تو قریش نے ایک ترکیب سوچی اور تمام لوگوں کی متفقہ تجویز پر یہ رائے پاس ہوئی جس کی رو سے آپس میں یہ طے ہوا کہ محمد کو بہلا پھسلا کر اس کام کے چھوڑ دینے کے لیے راضی کر لیا جائے۔ اس غرض سے انھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیجا۔ عتبہ نے آ کر کہا، محمد! سچ سچ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو، کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہو؟ دولت کا انبار چاہتے ہو؟ ہم تمھارے لیے ہر چیز مہیا کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر تم کہو تو تم کو ملک کا بادشاہ ہی بنا لیں۔ مگر اپنی باتوں سے باز آ جاؤ جو تم دین اور اسلام کے بارے میں پھیلا رہے ہو۔ عتبہ کو پورا یقین تھا کہ ہمارا یہ وار خالی نہیں جا سکتا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ہمارے نبی نے جب قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو عتبہ پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ قریش والوں کے پاس گیا تو انھوں نے دیکھتے ہی محسوس کر لیا کہ چہرہ بدلا ہوا ہے۔ پھر اس نے تمام ماجرا کہہ سنانے کے بعد

آخر میں کہا جو بات میں نے سُنی ہے، وہ نہ تو شعر ہے نہ افسانہ، نہ جنون نہ کہانت۔ میری بات مانو، محمد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا، او ہو، عتبہ پر بھی محمد کا جادو چل گیا۔ اس طرح کی سیکڑوں مثالیں ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ آج بھی کتنے زباندان ہیں جو نہ صرف اس کی عقلانیت، معنوی خوبی، لفظی نشست، پرکشش و معنی خیز الفاظ اور رواں عبارات سے انگشت بدنداں ہیں۔

زبان آور ایران سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں:

تو ان ور بلاغت بسحباں رسید   نہ در کنہ بیچوں سبحاں رسید

آئیے ایک اور واقعہ پیش کروں جو عبرت انگیز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی۔ اور متلاشیان حق کے لیے مشعل راہ بھی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب علی گڑھ کی مسلم یونیورسٹی کا نام محمڈن اینگلو اورینٹل کالج تھا۔ اس میں ایک جرمن پروفیسر مقرر تھا جو بی اے اور ایم اے کلاسوں کو عربی ادب پڑھاتا تھا۔ ایک دن کی بات ہے کہ بی اے کی کلاس میں آیا کتاب لے کر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر طلبہ سے یہ وعدہ کرکے چلا گیا کہ اس کتاب کو کل پڑھاؤں گا۔ اس نے دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی حرکت کی۔ چوتھے دن پروفیسر کے کلاس میں آنے سے پہلے ہمارے صوبہ یوپی کے شہر گورکھپور کے ایک طالب علم نے نہایت جلی اور خوشخط حروف میں کلام پاک کا مندرجہ ذیل ٹکڑا بلیک بورڈ پر لکھ دیا:

"لِمَ تقولون ما لا تفعلون"

پروفیسر صاحب کلاس میں داخل ہوئے، بورڈ پر جونہی نظر پڑی دریائے حیرت میں غوطے کھانے لگے۔ اور بے خودی کے عالم میں سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر غور و فکر کے سمندر میں غوطے کھانے کے بعد طالب علموں سے مخاطب ہوئے۔ بورڈ پر یہ عبارت کس نے لکھی ہے؟ ایک طالب علم: جناب میں نے اس کو تحریر کیا ہے۔ پروفیسر: تمھیں یہ عبارت کہاں سے ملی؟ تم میں یہ لیاقت اور استعداد کہاں سے آگئی کہ ایسا فصیح و بلیغ فقرہ لکھ سکو؟ بڑے بڑے فاضل ادب کے لیے بھی ایسی عبارت لکھنی محال ہے۔ طالب علم: سر! یہ فقرہ ہماری مقدس کتاب قرآن مجید کی ایک آیت کا جزو ہے۔ کیا آپ نے کبھی ایسی مقدس اور متبرک کتاب کا مطالعہ نہیں کیا؟ پروفیسر: پڑھا تو ضرور ہے مگر کہیں کہیں سے، وہ بھی ادب کی دل شادگی کی نظر سے۔ طالب علم: جناب والا! یہ ایک عدیم المثال کتاب ہے۔ زبان و ادب کے ماہر ہونے کی حیثیت سے آپ کو اس صحیفہ سماوی

جماعت و جامعہ

جامعہ میں عرب مشائخ کی آمد اور دورۂ تدریب: جامعہ میں حسب معمول شعبان کے آخری عشرہ میں سالانہ تعطیل ہوئی ہی تھی کہ مدینہ یونیورسٹی کے تیرہ مشائخ کا ایک وفد تشریف لایا اور جامعہ سلفیہ کے ہی طلبہ کے علاوہ دیگر جامعات و مدارس کے منتہی طلبہ اور بعض اساتذہ کو بھی ۲۷ رشعبان سے مختلف کتابوں کے درس، حفظ قرآن، زبان عربی اور خطابت وغیرہ کی تربیت کے ایک جزوی کورس کا آغاز کیا۔ پورے ماہ رمضان میں یہ سلسلہ جاری رہا اور کوئی نصف شوال تک مکمل ہوا۔ اخیر میں تمام شرکاء تدریب کا باقاعدہ امتحان لیا گیا۔ اور مدینہ یونیورسٹی کی طرف سے اس کی باقاعدہ سند دی گئی۔ ۱۵ رشوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۳ رجون ۱۹۸۶ء کو یہ وفد مراجعت فرمائے سعودی عرب ہوا۔ اللہ تعالیٰ مہمانوں کی اس تشریف آوری اور افادہ فرمائی کے اثرات و برکات کو پائندہ و تابندہ بنائے رکھے۔ آمین۔

سال نو کا آغاز: حسب دستور اس سال بھی دس شوال سے جامعہ کے تعلیمی سال کا آغاز ہو گیا۔ اور داخلہ کے امیدوار طلبہ کی ایک خاصی بڑی تعداد جامعہ میں وارد ہوئی۔ ۱۵ رشوال کو داخلہ کا امتحان لیا گیا اور اس کے بعد نتائج مرتب کرکے مستحق طلبہ کو داخل کیا گیا۔ پھر ضروری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد باقاعدہ تعلیم شروع ہو گئی اور اس چمن علم و حکمت میں تعلیم و تعلم کی رونق اور چہل پہل دکھائی دینے لگی۔

بقیہ: امیر محمد افضل الفاروی: اسی رمضان کی تعطیل میں گھر آکر ابھی پانچ ہی دن گزرا تھا کہ ۳ ررمضان ۱۴۰۶ کو ایک انجکشن لگوایا۔ اس کے دو گھنٹہ بعد خون کی قے ہوئی اور دم توڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عزیز موصوف بڑی اچھی صلاحیت کے مالک تھے۔ ذہانت و فطانت سے آراستہ تحریر میں سلاست و شگفتگی اور پختگی، علوم و فنون سے دلچسپی، مطالعہ اور طلب علم میں انہماک۔ بڑی امیدیں وابستہ تھیں اور بڑی بڑی توقعات قائم کی گئی تھیں، مگر حیف کہ اس غنچۂ نیم شگفتہ کو شگفتگی کا پل نصیب نہ ہو سکی اور وہ اعزہ و اقربا و متعارفین و متعلقین کو سوگوار و دلفگار چھوڑ کر اچانک راہی آخرت ہو گئے۔ اللہ رحمت و مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل ارزانی کرے۔

وفیات

حکیم عبدالسمیع صاحب رح: افسوس کہ مؤلف تحفۃ الاحوذی جناب مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ کے بھتیجے اور مبارک پور کی ایک اہم علمی شخصیت مولانا حکیم عبدالسمیع صاحب ۲۱ رشعبان [illegible] یکم مئی ۱۹۸۶ء کو قدرے طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف شرافت ونجابت اور زہد وتقویٰ کا نمونہ تھے اور تمام حلقوں میں مقبول اور ہر دل عزیز تھے۔ مبارک پور میں جماعت اہلحدیث کے نشو وارتقاء کے صرف واقف کار ہی نہیں بلکہ بعض بعض واقعات کے شاہد بھی تھے۔ طب میں بڑی اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ عام امراض کے علاوہ بعض بڑے کٹھن اور مشکل امراض کا نہایت مفید اور زود اثر علاج فرماتے تھے۔ آپ کا دواخانہ مفید عام مرجع خلائق رہا۔

علمی شغف اور مسلسل مطالعہ کی وجہ سے علوم کتاب وسنت پر آپ کی اچھی نظر تھی۔ اخیر کے چند برسوں میں موتیا بند کے سبب بینائی سے محروم ہو گئے تھے، مگر اس دوران اہم مضامین ومقالات پڑھوا کر سنتے تھے۔ جماعت اہلحدیث ہند وپاک کی تاریخ سے وابستہ بہت سے واقعات کے حافظ وامین تھے۔ ظرافت و ذہانت اور حاضر جوابی بلا کی تھی۔ ایک دو جملوں میں فریق مخالف کا کس بل نکال دیتے تھے۔ ایک بار ایک رافضی نے علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی یا دارالمصنفین کی کسی اور کتاب کا نام لے کر کہا کہ اس میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ جاتے ہوئے مقام حوأب سے گزریں تو ان پر کتے بھونک رہے تھے۔ رافضی کا مقصد بالکل عیاں ہے۔ حکیم صاحب نے جھٹ فرمایا۔ آپ اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں؟ ان پر تو آج بھی کتے بھونکتے رہتے ہیں۔ اس جواب میں جو ظرافت اور نکتہ سنجی ہے اس کا کیا کہنا۔ اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔ ہم نے بطور نمونہ یہ واقعہ درج کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرتے ہوئے ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

امیر محمد افضل انصاری: یہ نام قارئین محدث کے لیے نیا نہیں۔ بعض قدیم شماروں کے علاوہ ابھی گزشتہ اپریل کے شمارہ میں "چند نادر مخطوطات کی تحقیق" کے عنوان سے موصوف کا ایک اہم معلوماتی مضمون چھپ چکا ہے۔ افسوس کہ یہ نوجوان جامعہ فیض عام مئو اور جامعہ سلفیہ بنارس سے تکمیل کر کے ابھی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اپنی تعلیم کا پہلا سال گزار سکا تھا کہ وقت موعود آ گیا۔

(باقی ص ۵۵ پر)

◎ بھیلواڑہ کی مقامی جمعیۃ اہلحدیث کے سرگرم رکن جناب محمد فاروق صاحب کی دادی صاحبہ جو سابق ناظم جمعیۃ جناب محمد اسماعیل کی والدہ محترمہ تھیں ۱۱ / مارچ ۱۹۸۶ بروز منگل انتقال کر گئیں۔ بعد ازاں اسماعیل صاحب کی اہلیہ محترمہ ۲۷ / مئی ۱۹۸۶ کو رحلت کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ رحمت فرمائے اور بلندئ درجات سے نوازے آمین

(عبد السلام ٹی ٹی ای)

◎ جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبد اللہ پور جسے مولانا مصلح الدین صاحب نے تیس سال تک اپنے خون جگر سے سینچا او نکھارا تھا اسکے تبلیغی اور تدریسی کاموں کی وسعت کے پیش نظر ۱۳ / اپریل ۱۹۸۶ کو ایک وسیع قطعۂ اراضی پر اسکی جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور اس مناسبت سے ایک زبردست جلسۂ عام بھی ہوا۔ اس موقع پر طلبہ کا نتیجۂ امتحان سناتے ہوئے تفسیر وحدیث میں اول ودوم آنے والوں کو انعامات دئے گئے۔ اور پورے جامعہ میں اول آنے والے طالب علم عبد الرؤف کو خصوصی انعام دیا گیا۔ اس موقع پر فارغین کی دستار بندی بھی ہوئی۔ اور فن قراءت کا امتحان لیکر اول ودوم آنے والوں کو انعامات بھی دئے گئے۔ اس اجلاس کو بعد نماز مغرب وزیر قانون بہار بیرسٹر ہدایت اللہ صاحب نے بھی اپنی شرکت اور خطاب سے نوازا۔ اجلاس ظہر کے بعد سے ضروری وقفوں کے ماسوا اذان فجر تک جاری رہا۔

(شمس الہدی سکریٹری جامعہ)

Reg. No. R. N. 40352/81

July **MOHADDIS** 1986

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

ہماری اردو مطبوعات

(۱) قادیانیت اپنے آئینہ میں	Rs. 16/00
(۲) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری	Rs. 16/00
(۳) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	Rs 10/00
(۴) " " (حصہ دوم)	Rs. 15/00
(۵) وسیلۃ النجاۃ	Rs. 7/50
(۶) اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	Rs. 28/00
(۷) " " " " (جلد دوم)	Rs. 30/00
(۸) " " " " (جلد سوم)	Rs. 50/00
(۹) رسالت کے سائے میں	Rs. 15/00
(۱۰) کتاب الکبائر	Rs. 30/00
(۱۱) رمضان المبارک کے فضائل واحکام	Rs. 3/00
(۱۲) ماسونیت ایک تاریخی دستاویز	Rs. 22/00
(۱۳) اتباع سنت اور تقلید	Rs. 12/00
(۱۴) قیاس ایک تقابلی مطالعہ	Rs. 10/00
(۱۵) رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف	Rs. 1/25
(۱۶) جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات	Rs. 9/00
(۱۷) جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات (طبع ثانی)	Rs. 25/00
(۱۸) قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام	Rs 15/00
(۱۹) تقلید اور عمل بالحدیث	Rs. 8/50
(۲۰) خاتون اسلام	Rs. 9/00

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، بنارس

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.



ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ : ۸ ● ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ، اگست ۱۹۸۷ء ● جلد نمبر ۵

برگ و بار

پتہ :-
منیجر محدث
B18/1G . ریوڑی تالاب
وارانسی
پن :- ۲۲۱۰۱۰

حمد

فضا ابن فیضی

تو ہست ، تو ہی بود ، تری ذات لاشریک
دائم ترا وجود ، تری ذات لاشریک

پروردگار و خالقِ پست و بلند تو
بے بندش و قیود ، تری ذات لاشریک

تو رازق و کریم ، ترا نام کبریا
ہم ہیں ترے حمود ، تری ذات لاشریک

یہ ساری کائنات ، ترے کُن فکاں کا نقش
ہر نقش خوش نمود ، تری ذات لاشریک

قندیل سے تری ہیں منوّر ازل ، ابد
نوریں ہے جس کا دود ، تری ذات لاشریک

رنگِ ظہور میں ترے امکان و عرش گم
بے سمت و بے حدود ، تری ذات لاشریک

قدرت کے تری معجزے ، وہ دشت ہو کہ در
وہ راغ ہو کہ رود ، تری ذات لاشریک

انساں کی کیا مجال ، تری رحمتوں سے ہے
ہر عقدے کی کشود ، تری ذات لاشریک

تو جس کو چاہے افسر و دیہیم بخش دے
ابرِ سخا و جود ، تری ذات لاشریک

معبود تو ، فریب بتانِ گمان و وہم
کیسا زیاں و سود ، تری ذات لاشریک

بھٹکے جو تیری راہ سے ، غارت ہوئے تمام
کیا عاد ، کیا ثمود ، تری ذات لاشریک

میرے لیے ہے اشھد ان لا إله کا ورد
سرمایۂ سعود ، تری ذات لاشریک

ہیں شش جہت سے نغمۂ وحدت کی بارشیں
بے بربط و سرود ، تری ذات لاشریک

آئینۂ مشاہدۂ غیب ہے تیرا عکس ،
گنجینۂ شہود ، تری ذات لاشریک

تیرے لیے رکوع بھی مرا اور قیام بھی
تو لائقِ سجود ، تری ذات لاشریک

ہے باوضو قلم بھی کہ لکھتا ہوں تیری حمد
تو ربِّ ہست و بود ، تری ذات لاشریک

توفیق دے فضاؔ کو کہ تیرے حبیب پر
پڑھتا رہے درود ، تری ذات لاشریک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوز و سازِ زندگی

یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ گیارہ ماہ کے طویل اور صبر آزما وقفے کے بعد ماہنامہ "محدث" اپنی راہ کی تمام دشواریوں اور آئینی مشکلات کی دیواریں پھلانگ کر دوبارہ منظرِ عام پر آ گیا ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

ہمیں توقع ہے کہ ان شاء اللہ اب یہ اپنی سابقہ روایت کے مطابق پورے استقلال اور تسلسل سے شائع ہوتا رہے گا اور کوئی نئی افتاد کانٹا بن کر اس کے دامنِ نشر و اشاعت سے نہ الجھے گی۔ وللہ الامر من قبل و من بعد۔

توقف کے اس عرصہ میں قارئین سے ہمارا ربط کبھی نہ ٹوٹ سکا۔ محدث کے ساتھ ان کے قلبی لگاؤ نے انہیں مسلسل بے چین و مضطرب رکھا اور ان کا یہ اضطراب نوع بہ نوع سوالات اور تبصروں کی شکل میں ہمارے سامنے برابر آتا رہا جن سے ہمیں یہ اندازہ لگانے میں بڑی سہولت ہوئی کہ ہماری کوششیں اور خدمات بحمد اللہ بار آور ہوتی رہی ہیں۔ اور "محدث" اپنے اثر اور اپنی فعالیت کے لحاظ سے، دینی صحافت کے میدان میں ایک مفید کام انجام دیتا رہا ہے۔

اب جبکہ ہم دوبارہ اس رسالہ کی اشاعت کا کام شروع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید ہے کہ وہ ہمیں پچھلی روایت کو برقرار رکھنے بلکہ اسے ترقی دینے اور نوع بہ نوع مفید عناصر کا اضافہ کرنے کی توفیق دے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوتِ عمل اور ٹوٹی پھوٹی صلاحیتوں کو اپنے دینِ متین کی خدمتِ صحیح میں لگا دے اور ہم بندگانِ ضعیف و ناتواں سے جو کچھ ہو سکے اسے اثر و قبولیت کے فیضان سے نوازے۔ ہمیں غرورِ نفس و شرورِ ظاہر و باطن سے محفوظ رکھے اور ہماری لغزشوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

....

ہمارا ملک انارکی، لاقانونیت، انسان اور انسانیت کی بے حرمتی اور خصوصاً مسلمانوں کی نسل کشی کے جس بھیانک دور سے گزر رہا ہے، وہ حد درجہ المناک اور اضطراب انگیز ہے۔ نیلی (آسام) اور بھیونڈی (مہاراشٹر) کے اندر بپا ہونے والے انسانیت سوز مسلم کش حادثات کا دھواں ابھی فضا میں پوری طرح تحلیل بھی نہ ہوا تھا کہ میرٹھ (یوپی) میں ان سے کہیں زیادہ بربریت آگ اور خون آشام چنگیزیت کا الاؤ بھڑک اٹھا اور دو پاؤں پر چلنے والے درندوں نے ظلم و جور کے وہ فن دکھلائے کہ تخیل و تصور کی قوتوں نے بھی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کیا ہمارے ساتھ ہونے والی یہ چنگیزیت ہمارے ملک کا ایک مستقل معمول ہے۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ ہم پوری دقت و گہرائی اور ہوش مندی سے پوری صورتحال کا جائزہ لیتے اور اس کا جامع حل تلاش کرتے۔ مگر افسوس کہ ہمارے جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے فہم و بصیرت اور غور و فکر کی صلاحیتوں سے نوازا ہے انھوں نے اور تو بہت کچھ کیا مگر یہی بنیادی کام نہیں کیا جو سب سے پہلے کرنے کا تھا۔

یہ کام ظاہر ہے کہ تنہا کرنے کا نہیں۔ اس کے لیے ارباب فہم و اصحاب رائے کے جمع ہونے کی ضرورت ہے تاہم چند نکات جو غور و فکر کے متقاضی اور حل طلب ہیں، ان کی طرف ایک سرسری اشارہ کر دینا بے جا نہ ہوگا۔ تاکہ ممکن ہو تو انھیں اساس بنا کر قوت جہد و عمل کو مہمیز دی جا سکے۔

ہمیں سب سے پہلے اس بات پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا ربط و تعلق کیسا ہے۔؟ یعنی ہم نے اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں اپنے دین اسلام کو کتنی جگہ دے رکھی ہے۔ توحید، نماز و روزہ، زکوٰۃ و حج میں ہمارے کردار و عمل کی نوعیت کیا ہے؟۔ ہم اپنی کمائی میں اپنے اخلاق و اعمال میں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں حلال و حرام کی کتنی تمیز کرتے ہیں؟ اسلامی اور انسانی بھائی چارے اور ذاتی اور خاندانی مفادات کے درمیان ٹکراؤ کی صورت میں ہمارا طرز عمل کیا ہوا کرتا ہے۔؟ اور ہم اپنے دائرۂ کار اور دائرۂ عمل میں انصاف کے تقاضے، کس حد تک پورے کرتے ہیں۔؟ کیا زندگی کے ان میدانوں میں اور ان جیسے دوسرے میدانوں میں ہماری حالت مجموعی طور پر اطمینان بخش ہے؟ اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مسلم معاشرہ میں خیر کا پہلو کم از کم جس حد تک غالب رہنا چاہیے اس حد تک غالب ہے؟ اور ہمیں جس حد تک جہد و کاوش کرنی چاہیے، ہم کر رہے ہیں؟۔

یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جسے نظر انداز کر کے اگر ہم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ہم منزل مراد تک پہنچنے کے بجائے مسائل کے صحرا میں گم ہو کر رہ جائیں گے۔ اور جس ڈور کو سلجھانا مطلوب ہے اس کا سرا نہ پا سکیں گے۔

افسوس ہے کہ جب اس بنیادی نکتے پر انگلی رکھی جاتی ہے تو اچھے خاصے ذی ہوش و ذی فہم مسلمان بھی تلملا اُٹھتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ دنیا اللہ کی ہے، بندے اللہ کے ہیں اور بالخصوص مسلمان اس کی مرضیات کے نمائندے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے اللہ کے دامن رضا و رحمت سے علاحدہ ہوکر محض اسبابِ ظاہری کی بنیاد پر کامیابی و کامرانی کا تصور محض ایک طفل تسلی ہے۔ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس بنیادی شرط کے بغیر کوئی پائیدار کامیابی حاصل کر سکیں۔ اگر کبھی کوئی ظاہری اُبھار آیا بھی تو وہ جھاگ کے وقتی اُبھار سے قطعاً مختلف نہ ہوگا۔ اللہ نے ہمیں خود صاف لفظوں میں بتا دیا ہے کہ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ۔ اگر اللہ نے تمھاری مدد کردی تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور اگر تمھیں بے سہارا چھوڑ دیا تو اس کے بعد پھر کون ہے جو تمھاری مدد کر سکے۔ اور اللہ نے اپنی مدد کے لیے یہ شرط بیان کی ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ تمھاری مدد کرے گا۔ اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔

اس ایک بنیاد کو صحیح رُخ پر لانے کے عزم اور جہد و کاوش کے ساتھ ہی ہمیں مزید نکات اور دائروں پر نظر ڈالنی چاہیے۔

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے ملک میں برپا ہونے والے ان ہنگاموں کے پیچھے تہذیبی کشاکش اور تہذیبی غلبے کے شعوری یا لاشعوری جذبات اور دو الگ الگ مذہبی اور تہذیبی قوم ہونے کے احساسات کے پہلو بہ پہلو یہ خصوصی احساس بھی شدت سے کارفرما ہے کہ ہم کمزور و کم تعداد بھی ہیں اور اندرونی و بیرونی سہاروں سے محروم بھی جبکہ ہمیں مٹانے کا عزم رکھنے والے شہ زور و کثیر التعداد بھی ہیں اور ملکی اور بین الاقوامی سہاروں اور پشتیبانوں کے مدد یافتہ بھی۔

پھر ان ظالمانہ جذبات و احساسات کو مزید قوت اور تپش اس ماحول، ان کتابوں اور ان افسانوں سے ملتی ہے جو ملکی تاریخ کے نام پر ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائے، سنائے اور دکھلائے جاتے ہیں۔
پھر کتنے ہی لیڈر اور کتنی ہی سیاسی پارٹیاں ہیں جو دو قومی کشاکش کی اس فضا سے استفادہ کے لیے اس قسم کے خفتہ جذبات کو کسی "مناسب" وقت پر بیدار کردیتے ہیں اور اجتماعی ماحول کی راکھ میں دبی ہوئی تہذیبی کشاکش کی چنگاریوں کو کرید کر ہنگامۂ کشت و خون کا الاؤ بھڑکا دیتے ہیں۔ بلکہ اب تو کئی کئی ایسی تنظیمیں وجود میں آگئی ہیں، جن کے لیڈروں اور قائدین کی مہم ہی یہ ہے کہ وہ چنگاریوں کو کریدیں اور الاؤ بھڑکانے کے لیے افراد اور فضا دونوں کو تیار رکھیں۔

ایمان اور عشق کا تعلق اِن آیات سے بھی واضح ہوتا ہے۔ جن میں عمل کی جزا بھی شامل ہے:

"ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنھیں یہ آیات سنا کر جب نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے اعمال کی جزاء میں اُن کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔ بھلا کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے تو جنتیوں کی قیام گاہیں ہیں۔ ضیافت کے طور پر اُن کے اعمال کے بدلے میں۔ اور جنھوں نے فسق اختیار کیا ہے، اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے

(سورۃ السجدہ ۳۲ - رکوع ۲)

جذبۂ عمل کے عشق سے جلا پانے پر مندرجہ بالا آیات کی ترجمانی اقبال نے اِس شعر میں کی ہے۔

مردِ خدا کا عمل، عشق سے صاحبِ فروغ

عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام

(بالِ جبریل۔ "مسجد قرطبہ")

چوں کہ انسان اپنی ہی جنس کے قول و فعل کو سُن اور دیکھ کر ان پر فطری طور پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اِس لیے خدا نے اِس عشق و محبت کا رُخ قرآن مجسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ کہہ کر موڑ دیا کہ:-

"اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" اِن سے کہو کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمھاری یہ دعوت قبول نہ کریں، تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اِس کی اور اُس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔" (سورۃ آل عمران ۳ - رکوع ۴)

انھی آیات کی ترجمانی اقبال کے درج ذیل شعر میں ملتی ہے۔-

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں۔
(بانگ درا۔ جواب شکوہ)

اس طرح عمل صالح کا محرک عشق رسول میں گردیدگی قرار پایا اور اسی لیے اسوۂ حسنہ کی پیروی ایک مومن کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح کا باعث بن جاتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔" (سورۃ الاحزاب: ۳۳ رکوع ۳)

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے انجام کار کے متعلق فرمایا خدائے برتر و بزرگ نے:۔
"جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ اور حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔
(سورۃ النساء ۴۔ رکوع ۹)

چوں کہ نیک اعمال نتیجہ ہیں براہ راست عشق رسول میں گردیدگی اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کے اس لیے متذکرہ بالا زمرہ میں شامل کیے جانے کی شرط بھی نیک اعمال پر ہی رکھی گئی ہے:۔
"اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے۔ ان کو ہم ضرور صالحین میں داخل کریں گے۔ (والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لندخلنھم فی الصّٰلحین۔ سورۃ العنکبوت ۲۹ رکوع ۱)
ایمان لا کر نیک عمل کرنے والے صرف صالحین ہی کے زمرہ میں نہیں آتے بلکہ خدا نے اُن کو "بہترین خلائق" (خیر البریہ) سے بھی موسوم کیا ہے:۔
"اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے (یہاں کفر سے مراد محمدؐ کو ماننے سے انکار ہے) وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ (اولٰئک ھم شر البریۃ۔) ۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں

(اولئک ھم خیر البریۃ) اُن کی جزا اُن کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔" (سورۃ البیّنۃ ۹۸۔ رکوع ۱)

دوسری جگہ جنتیوں کو "نیک بخت" "سعید" اور جہنمیوں کو "بدبخت" "شقی" کے نام بھی دیئے گئے ہیں :۔

"کچھ لوگ اس روز (روزِ حشر) بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت (فمنھم شقیٌّ وّ سعیدٌ) جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ (فامّا الّذین شقوا ففی النّار) ۔ ۔ ۔ ۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے۔ (و امّا الّذین سُعِدوا ففی الجنّۃِ)" اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا ۔ (سورۃ ہود۔ ۱۱ - رکوع ۹)

اقبال نے عشقِ رسولؐ میں گرویدگی اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی کو "جذبِ مسلمانی" کا نام دیا ہے، جو شاخِ یقین کو نمناک کرتی ہے اور عمل کے راستے متعین کرتی ہے ؎

اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا، نے شاخِ یقیں نمناک

(بالِ جبریل - غزل ۸۱)

عملِ صالح کے ان جذبوں کی بنیاد ایک مومن کے ایمان میں کائنات اور انسان کی تخلیق پر غور و فکر کی وجہ سے ہی پڑتی ہے اور یہی غور و فکر عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کا باعث بنتے ہیں :۔

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو، اور اس دنیا کو جو اُن کے درمیان ہیں فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کیا ہے۔ اور ایسے کافروں کے لیے بربادی ہے جہنم کی آگ سے، کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، اور اُن کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں، یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں؟ ۔"

(سورۃ ص ۳۸ - رکوع ۳)

"اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جب کہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تم کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے ۔"

(سورۃ ہود ۱۱ رکوع ۱)

غور و فکر نہ کرنے والوں اور نتیجۃً عمل کے جذبوں کے فقدان پر اسی لیے اقبال نے طنز کیا ہے ؎

فکر بے نور ترا ، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات

(ضربِ کلیم ۔ "دعا")

عمل کے اِن محرکات میں مومن کے پیشِ نظر خدائے لم یزل کی یہ تنبیہیں بھی کارفرما رہتی ہیں :۔

"پس یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم اُن لوگوں سے باز پُرس کریں، جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں کہ (انھوں نے پیغام رسانی کا فرض کہاں تک انجام دیا، اور انھیں اس کا کیا جواب ملا۔) پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ ساری سرگزشت اُن کے آگے پیش کر دیں گے آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے ۔ اور وزن اس روز عینِ حق ہوگا ۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے ، وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے ۔ کیوں کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہتے تھے ۔

(سورہ الاعراف ۷ ، رکوع ۱)

"جس اللہ نے سب کچھ تمھیں دیا جو تم نے مانگا ۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے ۔" (سورہ ابراہیم ۱۴ ۔ رکوع ۵)

"پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں اُن کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں ۔ یقیناً تمھارا رب اِن سب کو اکٹھا کرے گا ۔ وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی ۔" (سورۃ الحجر ۱۵ ۔ رکوع ۲)

"اے ایمان لانے والو ! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط جما دے گا ۔" (سورہ محمد ۴۷ ۔ رکوع ۱)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے ۔" (سورۃ الملک ۶۷ ۔ رکوع ۱)

"جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اُڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی پھل نہ پاسکیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گم گشتگی ہے۔" (سورہ ابراہیم ۱۴: رکوع ۳)

"تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو...... اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا...... اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔" (سورہ محمد ۴۷: رکوع ۴)

"تمھارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اُس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمھاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے۔ جس طرح اُس نے تمھیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اُٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے۔"

(سورۃ الانعام ۶: رکوع ۱۶)

عمل صالح کرنے والوں کو خدا صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی قولِ ثابت کی بنیاد پر ثبات عطا کرتا ہے:۔

"جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارک باد سے ہوگا......

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قولِ ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے۔ (یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ) اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔ (وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ) اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (سورہ ابراہیم ۱۴: رکوع ۴)

"اللہ نے اُن (ظالموں) کو دنیا ہی کی زندگی میں رُسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔ سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۱۳)

عمل خدا کے نزدیک شکر کے مترادف ہے۔

"اے آلِ داؤدؑ! عمل کرو شکر کے طریقے پر (اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا) میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔" (سورہ سبا ۳۴: رکوع ۲)

قرآن سرچشمۂ ہدایت ہے جو سیدھی راہ ہی نہیں بتاتا بلکہ منزل کا پتہ دیتا اور برے انجام سے بچاتا ہے۔ چوں کہ عمل کا تعلق انجام سے ہے، اس لیے راہِ عمل متعین کرنے کے لیے اپنے اعمال کو قرآنی احکامات و ارشادات کا تابع رکھنا سب سے مقدم ہے۔

"ہم (اللہ) نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں، ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے۔ تاکہ یہ برے انجام سے بچیں۔"

(سورۃ الزمر ۳۹: رکوع ۳)

"حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں، انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لیے بڑا اجر ہے۔ (وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا) اور جو لوگ آخرت کو نہ مانیں انھیں یہ خبر دیتا ہے کہ اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔" (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۳)

"اور اے پیغمبر جو لوگ اِس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اِس کے مطابق) اپنے عمل درست کرلیں، انھیں خوشخبری دے دو کہ اُن کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔"

(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۳)

اعمال کے جزا و سزا کے متعلق فرمایا خدائے تعالیٰ نے:۔

"جو کوئی نیک عمل کرے گا، اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا، اُس کا وبال اُس پر ہوگا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔" (سورہ حم السجدۃ ۴۱: رکوع ۶)

"ان سے پوچھو یہ انجام (جہنم) اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو اُن کے عمل کی جزا اور اُن کے سفر کی آخری منزل ہوگی، جس میں اُن کی ہر خواہش پوری ہوگی، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس کا عطا کرنا تمھارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے۔ (كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا)۔" (سورہ الفرقان ۲۵: رکوع ۲)۔

" انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے، جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا، اس کے لیے اس سے بہتر بھلائی ہے اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا، جیسا وہ کرتے تھے۔" (سورۃ القصص ۲۸ : رکوع ۹)

" اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو صالح، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اُس کو خوب جانتا ہوں۔" (سورۃ المومنون ۲۳ - رکوع ۴)

"جس نے آج توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے وہی توقع کرسکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔" (سورۃ القصص ۲۸ : رکوع ۷)

" اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامۂ اعمال اُس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا۔ اُس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔"

(سورۃ الانشقاق ۸۴ - رکوع ۱)

"جس نے کفر کیا ہے، اُس کے کفر کا وبال اُس پر ہے، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے وہ اپنے ہی لیے (فلاح کا راستہ) صاف کر رہے ہیں تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور عملِ صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے۔" (سورۃ الروم ۳۰ : رکوع ۵)

" جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے، اُن کی برائیاں ہم اُن سے دور کر دیں گے اور اُنھیں اُن کے بہترین اعمال کی جزا دیں گے۔" (سورۃ العنکبوت ۲۹ - رکوع ۱)

عمل کی فضیلت کے متعلق ارشاد ہے:۔

" جو کوئی عزت چاہتا ہے، اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے۔ اُس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عملِ صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو بیہودہ چال بازیاں کرتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر خود ہی غارت ہونے والا ہے۔" (سورۃ فاطر ۳۵ - رکوع ۲)

عمل کی بنا پر درجہ کے متعلق فرمایا:

"ہر شخص کا درجہ اُس کے عمل کے لحاظ سے ہے۔ (وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا) اور تمہارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔" (سورۃ الانعام ۶، رکوع ۱۶)

"حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا، اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ جیے گا نہ مرے گا۔ اور جو اپنے رب کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں۔ (فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى) سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔" (سورۃ طٰہٰ ۲۰: رکوع ۳)

انسان دنیا میں دنیاوی شان و شوکت، جاہ و جلال، مال اور اولاد کی بنا پر اپنے کو دوسروں سے جو کمتر ہیں حقیر سمجھتا ہے۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیات میں فرمایا گیا کہ صرف عملِ صالح ہی عزت بخشتا اور درجہ متعین کرتا ہے۔ مزید ارشاد ہے:۔

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ (اِس فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر (سُن لو کہ) ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اِس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔ پھر (سُن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لوگے۔ پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔" (سورۃ التکاثر ۱۰۲: رکوع ۱)

درجہ اور عزت کے متعلق اکبر الہ آبادی نے انہی آیات کی ترجمانی درج ذیل اشعار میں کی ہے:۔

سمجھیں نہ حضور تھرڈ والوں کو حقیر — انجن تو وہی ہے جس کی ہم سب کو ہے آس
اسٹیشنِ گور تک ہے یہ فرسٹ و سکنڈ — بعد اُس کے موافقِ عمل ہوگا کلاس

عملِ صالح سے غفلت برتنے والوں کے متعلق قرآن میں مذکور ہے:۔

"سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر — ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو

روکتے ہیں، اُس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ..... ناگزیر ہے کہ وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر گھاٹے میں رہیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب ہی کے ہو کر رہے تو یقیناً وہ جنتی لوگ ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اِن دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم (اس مثال سے) کوئی سبق نہیں لیتے۔؟

(سورہ ہود: ۱۱ رکوع ۲)

"کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور اسے کھا کر سرکشی نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا، اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔ البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا راستہ چلتا رہے۔ اُس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔"

(سورہ طٰہٰ ۲۰: رکوع ۴)

"اِس دوزخ کا ذکر اِس کے سوا کسی غرض کے لیے نہیں کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو"

(سورۃ المدثر ۷۴: رکوع ۱)

قرآن میں مذکور طرزِ عمل سے منحرف لوگوں کے متعلق فرمایا خدائے جل شانہٗ نے:۔

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی ہیں اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، اُن کو آخری ٹھکانہ جہنم ہو گا ان بُرائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اِس غلط عقیدے اور غلط طرزِ عمل کی وجہ سے) کرتے رہے۔"

(سورۃ الانعام ۶۔ رکوع ۴)

عمل کی یہ کارفرمائیاں فرد کی رو سے صرف اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اِس کا دائرہ عمل پوری قوم و ملت ہے کیوں کہ بقول اقبال ؔ

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

(بانگِ درا۔ "شمع اور شاعر" شمع)

چنانچہ عمل صالح کے معاملہ میں فرد پر ملت کی ذمہ داریوں کے متعلق ارشاد ہے :۔

"وہی اللہ ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں تمھاری آزمائش کرے۔ بے شک تمھارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔"

(سورۃ الانعام ۶ - رکوع ۲۰)

انھی ذمہ داریوں کی نشاندہی اقبال نے ان اشعار میں کی ہے :۔

ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اُمم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بُرّاں صفتِ تیغ، دو پیکر نظر اُس کی

"ضربِ کلیم۔" "تقدیر"

نفسِ مضمون کی مناسبت سے اِس مضمون کو اقبال ہی کے اِن اشعار پر ختم کرنا مناسب ہوگا :۔

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

(ضربِ کلیم۔ "تسلیم و رضا")

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر!

(بالِ جبریل۔ غزل ۵)

اِعلان

ان شاء اللہ ماہ نومبر ۱۹۸۰ء میں جامعہ سلفیہ کے اندر ایک سیمینار منعقد ہوگا، جس میں ملک و بیرون ملک کی اہم شخصیات کی شرکت متوقع ہے۔ مفصل اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

دفتر جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب۔ بنارس۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید

جن پر شہادت اور جنت البقیع میں تدفین کی صورت میں احسانات الٰہی کا ظہور ہوا۔

پاکستان میں علامہ موصوف اور جماعت اہل حدیث کے خلاف جو بہیمانہ حادثہ پیش آیا، اس پر ہر حساس دل تڑپ اٹھا۔ ذیل کی تحریر اسی سلسلے کی ایک بنیادی کڑی ہے۔ (ادارہ)

۲۳ر مارچ ۱۹۸۷ء (یوم جمہوریہ) کو رات گئے جمعیت اہل حدیث پاکستان کے جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوارہ چوک قلعہ لچھمن سنگھ لاہور میں ایک طاقتور بم کا دھماکہ عین اُس وقت ہوا جب علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر ابھی ابتدائی مراحل میں تھی۔ بم اسٹیج کے قریب ایک زبردست تہلکہ خیز دھماکے سے پھٹا، جس نے آس پاس کی آبادی کو لرزا کے رکھ دیا۔ اور جلسہ میں قیامت برپا کر دی۔ اس کی زد میں آنے والے کم و بیش نوے افراد زخمی ہوئے، اور سات افراد جاں بحق ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جاں بحق ہونے والے شہداء میں جمعیت اہل حدیث پاکستان کے نائب ناظم مولانا حبیب الرحمان یزدانی، جمعیت اہلحدیث کے نامور عالم اور محقق علامہ عبدالخالق قدوسی، اہل حدیث یوتھ فورس کے صدر نوجوان قائد محمد خان نجیب، صدر جلسہ شیخ احسان الحق، معراج دین، عبدالسلام اور دو ویڈیو فلم بنانے والے نوجوان شامل تھے۔

قائد جمعیت اہل حدیث علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کی بائیں ٹانگ ناکارہ ہو گئی اور بایاں بازو شدید زخمی ہو گیا علامہ صاحب کو میو اسپتال میں انتہائی نگرانی کے یونٹ میں رکھا گیا۔ علامہ صاحب کو ۲۴ر مارچ کی شام تک ایمرجنسی وارڈ سے سرجیکل وارڈ میں منتقل کر دیا گیا، جہاں ایک میڈیکل بورڈ کی نگرانی میں ان کا علاج ہوتا رہا۔ خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی خصوصی دعوت پر ہفتہ ۲۸ر مارچ کو ایک خصوصی طیارے کے ذریعہ علاج کے لیے الملک ملٹری اسپتال ریاض لے جایا گیا، جہاں ڈاکٹروں نے ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تاہم وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور وہ پیر ۳۰ر مارچ کو نماز فجر کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت مرحوم کی عمر ۴۲ سال ۶ ماہ تھی۔

اس طرح عالم اسلام کا ایک نامور عالم دین ایک شعلہ نوا مقرر و خطیب، ایک بے باک صحافی، بے مثال محقق، تقریباً ۱۵ عربی و اردو و انگریزی کتابوں کا مصنف و مؤلف، ایک عبقری سیاستدان، ایک محب وطن پاکستانی، ایک صاحب طرز

دیب ، دنیا کی پانچ زبانوں کا ماہر، اسلام کا بے لوث خادم، جمعیت اہلِ حدیث کا سرپرست قائد و رہنما، نوجوانوں میں سلام کی روح کو بیدار کرنے والا، اپنے عالم شباب ہی میں شہادت کے منصب پر فائز ہوگیا۔ مرحوم کی تمنا اور آرزو بھی تھی کہ وہ شہادت کا درجہ حاصل کرے اور دیارِ رسول میں دفن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کی دونوں خواہشیں پوری کردیں۔ ہادت کا درجہ بھی حاصل ہوا اور جنت البقیع کے قبرستان میں اُن صحابہ کرامؓ کے پہلو میں دفن ہوئے جن کی مدافعت ور مداحی میں ساری زندگی گزاری اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا

علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم میرے بچپن کے دوستوں میں تھے، جب بھی وہ کراچی آتے مجھے فون کرکے بلوا لیتے اور پھر کراچی میں میرا اُن کا ساتھ رہتا۔ جہاں کہیں آنا جانا ہوتا، دونوں ساتھ ہوتے۔ مختلف دینی سماجی، سیاسی شخصیات سے ایک ساتھ ملاقات ہوتی اور پھر اُن تمام سیاسی، سماجی، دینی و سیاسی تصنیفی، تعلیمی، تنظیمی اور تحقیقی سرگرمیوں کا علم ہوتا بے شمار جلسوں میں ملاقاتیں ہوئیں، پاکستان کے کسی بھی شہر میں کسی دینی جلسہ میں میرا جانا ہوتا تو علامہ صاحب فوراً مجھے اپنے پاس بلا لیتے اور پھر جب تک اس شہر میں قیام رہتا، مجھے اپنے ہی ساتھ رکھتے تھے، بلکہ اکثر و بیشتر وہ پنجاب کے کسی بھی شہر میں جب جلسہ ختم ہوتا تو مجھے اپنی کار میں لاہور لاتے تھے۔ اپنی کتابوں کی تالیف کے سلسلہ میں وہ مجھ سے مشورہ کرلیتے تھے اور میری بعض باتیں مان لیتے تھے۔ کتابیات کے سلسلہ میں بھی مجھ سے مشورہ لیتے، بلکہ بعض کتابیں میرے توسط سے حاصل کرتے تھے۔

حالاتِ زندگی: علامہ احسان الٰہی ظہیر آج سے تقریباً ۴۲ سال قبل پاکستان کے تاریخی شہر سیالکوٹ کے ایک کاروباری گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد شیخ ظہور الٰہی جناب بھی بقیدِ حیات ہیں، کپڑے کے ایک بڑے تاجر ہیں اور ابتدا ہی سے دینِ اسلام کے شیدائی اور علماءِ حق کی صحبتوں میں بیٹھنے والے اور خادم العلماء ہیں، وہ ایک متقی پرہیزگار اور نیک صالح تہجد گزار بزرگ ہیں۔ ان کے والد نے بچپن ہی میں انھیں حافظِ قرآن بنایا۔ اور انھوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا، اور اس کے ساتھ ساتھ پرائمری تعلیم بھی جاری رہی۔

حفظِ قرآن سے فارغ ہونے کے بعد ان کے والد نے انھیں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گوجرانوالہ کے مشہور و معروف دینی مدرسہ جامعہ علیہ اسلامیہ میں داخل کردیا، جہاں انھوں نے برصغیر کے مشہور و معروف سلفی علماء سے دینی علوم حاصل کیے۔ ان کے نامور اساتذہ میں شیخ العرب والعجم علامہ حافظ محمد گوندلوی مرحوم کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جو محدث کے لقب سے مشہور ہوئے اور جنھوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تدریسِ حدیث کے فرائض انجام دیے۔ علامہ صاحب نے ان سے کتبِ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ صاحب کو ان کی دامادی کا بھی شرف حاصل ہوا۔ گوجرانوالہ کے بعد فیصل آباد

میں مولانا شریف اللہ صاحب سے معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ یہیں سے انھوں نے فلسفہ اور منطق کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس طرح انھوں نے ۱۹۶۰ء میں دینی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے عربی میں بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں وہ مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوگئے۔ وہاں انھوں نے امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ پھر وہ پاکستان آئے اور انھوں نے اردو، فارسی، فلسفہ اور تاریخ میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور اسی کے ساتھ کراچی یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری بھی حاصل کی۔

مدینہ یونیورسٹی میں قیام کے دوران علامہ صاحب نے ۱۰۲ ممالک کے طلبہ سے رابطے قائم کیے اور مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ کرام سے خصوصی طور پر فیض حاصل کیا اور عربی زبان میں خطابت میں کمال حاصل کرلیا۔ انھوں نے اپنی پہلی کتاب بزبان عربی "القادیانیہ دراسات وتحلیل"، زمانہ طالب علمی ہی میں مکمل کی، جس کا انگریزی ترجمہ "قادیانیت: این اینالیٹکل سروے" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

پاکستان آنے کے بعد علامہ احسان الٰہی ظہیر لاہور کی تاریخی مسجد جامع مسجد اہل حدیث چینیاں والی میں خطیب مقرر ہوئے اور اپنے فن خطابت سے ایک خاص مرتبہ ومقام حاصل کیا۔ علامہ صاحب نے فن خطابت کے ساتھ ساتھ فن صحافت سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا۔ چٹان، لیل و نہار، اقدام اور بعض دیگر جرائد میں مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی فرماتے رہے وہ جمعیۃ اہل حدیث کے جریدے "الاعتصام" میں مدیر اعلیٰ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد میں ہفت روزہ "اہل حدیث" اور "الاسلام" سے بھی منسلک رہے، اور اس کے بعد انھوں نے اپنا ایک ماہنامہ پرچہ "ترجمان الحدیث" بھی جاری کیا جواب بھی بڑی شان وشوکت سے جاری ہے۔ علامہ صاحب کو مدینہ یونیورسٹی اور دنیائے اسلام کی کئی یونیورسٹیوں کی پروفیسری کی پیش کش ہوئیں، مگر انھوں نے اس بناپر کسی بھی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ کیوں کہ ان کی خواہش تھی کہ انھوں نے دین میں جتنا بھی علم حاصل کیا ہے، اور جو کچھ ان کے پاس ہے، اس سے وہ اپنے ملک کی خدمت کرسکیں۔ انھوں نے جو کتب لکھی ہیں، وہ زیادہ تر عربی زبان میں ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) القادیانیہ دراسات وتحلیل (عربی) (۲) قادیانیت۔ این اینالیٹکل سروے (انگریزی) (۳) مرزائیت اور اسلام (اردو) (۴) البابیہ عرض ونقد (عربی) (۵) البہائیہ نقد وتحلیل (عربی) (۶) الشیعہ والسنۃ (عربی) (۷) الشیعۃ والسنۃ (فارسی) (۸) الشیعۃ والسنۃ (انگریزی) (۹) الشیعۃ والسنۃ (پشتو) (۱۰) الشیعۃ والسنۃ (تامیل نندی)۔ (۱۱) الشیعۃ واہل البیت (عربی) (۱۲) الشیعۃ والقرآن (عربی) (۱۳) الشیعۃ والتشیعۃ (عربی) (۱۴) الشیعۃ الفرق

(۱۵) الاسماعیلیہ (عربی) (۱۶) البریلویہ عقائد و تاریخ (عربی)

ان کی کئی کتابوں کے دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بیشمار مضامین ہیں جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔

۱۹۶۸ء میں براہِ راست سیاست میں شریک ہوئے۔ نمازِ عید کے اس خطبہ کو جس میں انھوں نے ایوب خان کے خلاف اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا، ان کی پہلی سیاسی تقریر کہا جا سکتا ہے۔ بھٹو کی حکومت کے دوران انھیں قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ انھوں نے بنگلہ دیش تحریک نامنظور میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ تحریک استقلال میں شریک ہوئے اور اس کے مرکزی سکریٹری اطلاعات بھی رہے۔ اور ۱۹۷۷ء میں تحریک کے دوران وہ تحریک استقلال کے قائم مقام سربراہ بھی رہے۔ صدر ضیاء الحق کی حکومت میں انھیں علماء کی ایڈوائزری کونسل میں بطور رکن نامزد کیا گیا تھا، لیکن انھوں نے اس سے استعفاء دیدیا۔ وہ کچھ دن صدر ضیاء الحق کے مشیر بھی رہے، اور اس حیثیت میں انھوں نے متعدد عرب ممالک کا دورہ بھی کیا۔ تحریک استقلال سے علیحدگی کے بعد انھوں نے جمعیت اہلِ حدیث کو از سرِ نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۸۱ء میں اس سلسلہ میں گوجرانوالہ میں بہت بڑا کنونشن منعقد ہوا تشکیلِ نو کے بعد مولانا عبد اللہ کو جمعیت کا امیر منتخب کر لیا گیا۔ اس موقع پر انھوں نے ذاتی طور پر کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، لیکن بعد میں جماعت کے بے حد اصرار پر ناظم اعلیٰ کا عہدہ نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنے عہد میں جمعیت اہلِ حدیث کو منظم کیا اور پاکستان میں ایک اہم سیاسی قوت بنا دیا۔ انھوں نے نوجوانوں میں بیداری پیدا کرنے کے لیے اہلِ حدیث یوتھ فورس قائم کی جس کے وہ سرپرست اعلیٰ تھے اور اس تحریک کے ذریعہ نوجوانوں میں اسلام کی خاص تڑپ پیدا کردی۔

علامہ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ ایک شخص یا فرد نہیں بلکہ ایک پوری تحریک تھے، ان کی زندگی کے بے شمار پہلو تھے اور وہ ہر جہت سے ایک عظیم انسان تھے۔

بحیثیت خطیب و مقرر: علامہ صاحب عطاء اللہ بخاری مرحوم کی طرزِ خطابت کے عاشق تھے، انھوں نے خطابت کا آغاز زمانۂ طالب علمی سے کردیا تھا۔ مگر ان کی باقاعدہ خطابت کا آغاز لاہور کی تاریخی مسجد جامع مسجد اہلِ حدیث چینیا نوالی سے ہوا۔ وہ اردو اور عربی زبان کے ایک بے مثال اور صاحبِ طرز خطیب تھے۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو کہ جہاں ان کا خطاب نہ ہوا ہو۔ ان کی مادری زبان اگرچہ

پنجابی تھی، لیکن وہ ہمیشہ اردو ہی میں تقریر کرتے تھے۔ میرا ان کے ساتھ بے شمار جلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا، اور میں نے ان کی بے شمار تقاریر سنی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ ہر جلسہ کے ہیرو ہوتے تھے۔ کسی بھی موضوع پر خطبہ و خطاب ہو وہ سب سے بازی لے جاتے تھے۔ اکثر لوگ انھیں شورش ثانی کہتے تھے، مگر ان کا اپنا منفرد انداز تھا جس کے ہزاروں افراد مقلد ہیں، وہ جس جلسہ میں جاتے، ان کے سننے والوں کی تعداد ہزاروں بلکہ اکثر مرتبہ لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی اور ان کی تقریر کے بعد مجمع منتشر ہو جاتا تھا۔ مشترکہ دینی جماعتوں کے جلسوں میں بھی وہ سب سے کامیاب مقرر رہتے تھے۔ پھر ان کی تقریر موضوعاتی ہوتی تھی، وہ جس موضوع پر بولتے اس کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے، پھر ان کی تقریر میں قرآن و حدیث اور تاریخ سے دلائل بھی ہوتے تھے۔ عربی زبان میں ان کی تقریر کا یہ عالم تھا کہ دنیائے عرب کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں ان کا خطاب نہ ہوا ہو۔ عربی زبان کے بڑے بڑے ماہرین ان کی تقاریر کو سنتے اور متاثر ہوتے تھے۔ بلکہ ایسی فصیح و بلیغ تقریر ایک غیر عربی سے عربی زبان میں سن کر حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ عربی اور اردو دونوں زبانوں کے صفِ اول کے خطیب و مقرر تھے۔ ان کے استاد شیخ عبدالعزیز بن باز مفتیٔ اعظم سعودی عرب اور شیخ الجامعہ مدینہ منورہ کو اپنے شاگرد پر بہت ناز تھا۔

علامہ صاحب نے عربی اردو زبان تقریباً ۱۵ کتب تحریر کی ہیں، زیادہ تر کتب عربی زبان میں ہیں ان کی تمام کتب معیاری اور مستند ہیں۔ دنیا میں یہ شرف علامہ کے علاوہ اور کسی دوسرے عالم دین کو حاصل نہیں جن کی کتب لاکھوں کی تعداد میں کئی کئی مرتبہ چھپ کر پوری دنیا میں پھیلی ہوں۔ کتابوں کے علاوہ ان کے بے شمار علمی اور تحقیقی مضامین بھی ہیں، جن سے ان کی علمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتب کے مواد حاصل کرنے کے سلسلے میں بے شمار ممالک کے سفر بھی کیے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم عالم اسلام کے ایک بہت بڑے مبلغ تھے۔ تبلیغ دین کے سلسلہ میں انھوں نے پاکستان کے چپے چپے میں تقاریر کیں۔ ہزاروں انسان ان کی تقاریر سے متاثر ہو کر اسلام کے قریب آئے۔ جو خاندانی مسلمان تھے وہ عملی مسلمان بنے اور ہزاروں انسانوں نے اپنے عقائد درست کیے۔ تبلیغ کے سلسلہ میں ہندوستان، چین، روس، اسرائیل کو چھوڑ کر انھوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کے تبلیغی دورے کیے بے شمار کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی، بے شمار یونیورسٹیوں میں خصوصی خطابات کیے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک محب وطن پاکستانی تھے اور وہ پوری دنیا میں اسلام اور پاکستان کے غیر سرکاری

سفیر تھے۔ انھوں نے، ان کے خطابات، ان کی کتب، ان کے دوروں نے پاکستان کا نام پوری دنیا میں روشن کیا۔ علامہ مرحوم نے ادارہ ترجمان السنۃ کے نام سے لاہور میں کتب شائع کرنے کا ایک بہت ہی بڑا اور معیاری ادارہ قائم کیا، جس نے نہ صرف ان کی بلکہ بے شمار عربی، اردو، فارسی اور انگریزی زبان میں اسلام کے مختلف موضوعات اور پہلوؤں پر بڑی معیاری کتب شائع کیں۔ ان کا ذاتی کتب خانہ ملک کے چند گنے چنے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے جہاں نادر مسودات اور کتب موجود ہیں۔

علامہ مرحوم ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں مادی دولت سے بھی نوازا تھا ہزاروں غریبوں، بے کسوں کی مدد کرتے تھے۔ بے شمار دینی اداروں کی خود بھی مالی مدد فرماتے اور دوسرے لوگوں سے بھی ان کی مدد کراتے۔ انھوں نے بہت سی مساجد کی تعمیر میں خود بھی حصہ لیا اور لوگوں کی توجہ دلا کر تعمیر بھی کرائیں۔

بحیثیت انسان وہ بے شمار اخلاقی خوبیوں کے مالک تھے، ان کا اگر کسی سے اختلاف تھا تو علمی بنیاد پر تھا ذاتی نہیں وہ بڑے خوش اخلاق، ملنسار، مروت والے انسان تھے اور بڑے روادار بھی تھے اور بڑے وسیع القلب عفو و درگزر ان کی زندگی کا خصوصی وصف تھا۔ ان کے عقائد و نظریات کی بنیاد پر بے شمار لوگ ان سے جلتے اور حسد کرتے تھے، مگر علامہ صاحب سب کچھ جاننے کے باوجود بھی درگزر کر دیا کرتے تھے بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے تھے۔ وہ کبھی کسی کی غیبت، چغلی اور برائی نہیں کرتے تھے۔ نہایت صاف گو، سچے اور مخلص انسان تھے۔ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ اپنی بات منہ پر کہتے تھے صرف تقویٰ سے مرعوب ہوتے تھے۔ اگر انھیں کوئی بات بری لگتی تو فوراً اس کا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے، اللہ سے محبت کرنے والے عاشقِ رسول ﷺ تھے، کتاب و سنت اور صحابہ کرام سے محبت ان کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو تھا عالم اسلام اور خاص طور پر عرب ممالک کی وہ صفِ اول کی شخصیت تھے۔ عالم عرب کے کسی کونے سے بھی کوئی بڑا عالم، مذہبی سیاسی سماجی رہنما آتا وہ علامہ صاحب سے ضرور ملاقات کرتا تھا۔

ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے خاص طور پر لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے زخمی ہوتے ہی ساری دنیا کے اہم افراد نے ان کی مزاج پرسی کی۔ بے شمار اسلامی ممالک میں ان کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگی گئیں اور خادم الحرمین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے خصوصی توجہ فرمائی اور ان کے علاج خصوصی کی نہ صرف پیش کش کی بلکہ خصوصی طیارہ بھیج کر ان کو ریاض کے ملٹری اسپتال میں بلا کر ان کا خصوصی علاج کرایا گیا۔ شیخ عبدالعزیز بن باز نے ریاض میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان کی نماز جنازہ ایک مرتبہ ریاض میں، دوسری مرتبہ حرم شریف میں اور تیسری مرتبہ مسجد نبوی میں ادا کی گئی اور پھر انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جنت البقیع میں صحابہ کرام کے دامن میں دفن کیا گیا۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ قبر کی زندگی میں انھیں راحت عطا فرمائے۔ آخرت میں ہر قسم کی آزمائش سے بچائے اور جنت الفردوس میں بلند مرتبہ ومقام عطا فرمائے۔ آمین۔

میں ایک سفر حجاز میں علامہ کے ساتھ تھا۔ جنت البقیع میں داخل ہوا تو علامہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "دیا مین! میرے لیے دعا کرو کہ شہادت کی موت پاؤں اور یہاں دفن ہونے کی سعادت بھی حاصل کروں"۔

آج میں اس دعا کی مقبولیت پر حیران ہوں۔ شہادت کہاں ہوئی؟ زندگی کا آخری سانس کہاں لیا اور تدفین کس جگہ عمل میں آئی!

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

●●●

خریداران محدث سے

پچھلے سال "محدث" بند ہونے تک جن خریداروں کی مدت خریداری ختم ہو چکی تھی، اور جن خریداروں کی مدت خریداری ابھی باقی تھی، موجودہ شمارہ اُن سب ہی کو بھیجا جارہا ہے۔ لیکن آئندہ شمارے صرف انھی خریداروں کے نام بھیجے جائیں گے جن کی مدت خریداری باقی ہے۔ لہٰذا بقیہ حضرات سالانہ یا ششماہی خریداری کی رقم بھیج کر اپنی خریداری کی تجدید کرالیں۔

نوٹ:۔ اگر اس دائرہ ○ میں سرخ نشان ہے تو آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

مرحوم ومغفور

ابوالکلام آزاد کی دینی فکر

(ایک خط بنام شیخ الجامعہ مرکزی دارالعلوم بنارس)

جنابِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ نے شنکرنگر سے روانگی کے وقت مظلوم ملت ابوالکلام آزاد کے متعلق بالکل غیر متوقع طور پر جو سوال کردیا تھا اس نے مجھے مجبور کردیا کہ ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کی حالیہ کڑیوں کو جوڑ کر ملت کے سامنے رکھ دوں تاکہ وہ دینی فضا میں دین کے نام پر اڑتے ہوئے گرد وغبار میں اپنا راستہ کھو نہ جائے۔ وباللہ التوفیق۔

اختصاراً عرض ہے کہ مرحوم اپنے دینی عقائد وفکر میں بالکل اہلِ سنت کے سلفی مسلک کے آدمی تھے، اگرچہ مرحوم کی عمر بھر کی سیاسی زندگی نے اور اس کے ساتھ ہی مرحوم کے غیر معمولی ذوقِ جمال نے اس پر دبیز پردے ڈال دیے تھے اور وہ انہی شکوک وشبہات کی فضا میں دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی دینی فکر کی افادیت قریباً ختم ہو گئی مرحوم کے ذوقِ جمالیات کے متعلق راقم الحروف صرف یہ عرض کردینا چاہتا ہے کہ اسے تاریخِ اسلام کے ایک محدثِ کبیر علامہ ابن حزم کے "طوق الحمامہ" کی طرح ایک "لغزشِ مستانہ" کی حیثیت سے دیکھا جائے۔

اس بزم میں جو گردشِ پیمانہ ہوگئی   ہم سے بھی ایک لغزشِ مستانہ ہوگئی۔

مرحوم کی تفسیر: تفسیر سورہ فاتحہ کے پہلے صفحہ پر آزاد مرحوم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا صرف ایک ملفوظ نقل کیا ہے اور تفسیر قرآن مجید کے متعلق سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے بیسیوں دیباچوں سے کہیں زیادہ اپنے مسلک کو واضح کردیا ہے۔ یہاں ادب وخطابت کے سلسلے کے ابوالکلام (جس کا ہندی ترجمہ بعض منچلے لوگوں نے مہا بکو کیا ہے۔) آزاد نے اپنے آپ کو نہایت درجہ پابندِ مسلک کردیا ہے۔ اللہ پاک اس دیباچے کی پاکیزگی کے طفیل ان کی ساری لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے انہیں اپنے

سلسلے کے ائمہ۔ ابن تیمیہ وغیرہ رحمہم اللہ۔ کی معیت نصیب کرے۔ اللھم آمین۔

"اذا قلت فی القرآن شیئاً برای" اور کہا تھا "ای سماء تظلنی وای ارض"......

مرحوم کی تفسیر سورہ فاتحہ کا مطالعہ کرنے کا راقم کو مئی ۱۹۳۸ء میں رانچی کی اس مسجد میں ہوا تھا، جہاں مرحوم رانچی کی نظر بندی کے دوران درس قرآن دیا کرتے تھے۔ لہذا حضرت صدیق کے الفاظ راقم کو اب پوری طرح یاد نہیں ہیں۔ تفسیر کو دیکھ کر انھیں درست کر لیجیے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ کی یہ پہلا ایڈیشن تھی۔ اپنے آپ کو اسی "عروۃ الوثقی" سے باندھ دینے کے بعد مرحوم نے چند سطروں میں متقدمین کے بعد سے شروع ہونے والے اس تفسیری سلسلے پر مرحوم نے جو بےلحاظ قسم کی تنقید شروع کی ہے، اس سے معلوم ہونے لگا کہ آزاد اس پل صراط سے گزرتے ہوئے بھی اپنی آزاد منشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر جب وہ ابن کثیر کو ایک استثنائی و مثالی حیثیت سے لاتا ہے تو معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ اس صراط مستقیم کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اللہ مغفرت کرے۔ اس کے ساتھ ہی جب وہ بعض متاخرین مفسرین کی اس کج فکری کا تنقیدی انداز سے ذکر کرتا ہے کہ متقدمین گو اپنے عمل میں فضیلت رکھتے تھے مگر متاخرین علم میں ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تو مطلع دور دور تک صاف ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ علم کے لفظ سے کیا معنی لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تو یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے مقابل قرآن مجید "ظن وتخرص" کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں صرف دو جگہوں پر علم کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، جس معنی میں وہ بعد میں استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہوں میں اہل کفر سے خطاب ہے اسے اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک جگہ تو قارون کی زبان سے اور دوسری جگہ قارون ہی کی طرح کسی دوسرے اہل کفر سے۔ اس طرح آزاد ابتدا سے آخر تک اپنے آپ کو صراط مستقیم کا پابند کرتے ہوئے تفسیر نویسی کی وادی میں اترا ہے۔

اس کے باوجود اسے معصوم عن الخطا قرار دینا بالکل باطل ہوگا۔ اس سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں گی مگر ان کی حیثیت صرف لغزش مستانہ کی ہوگی نہ کہ الحاد فکری کی۔

الحادِ فکر کی واضح ترین مثال

آزاد کے تفسیری نقطۂ نگاہ کے مقابل تفہیم القرآن کے مصنف کا نقطۂ نگاہ قطعاً الحادِ فکر کی ایک واضح مثال ہے۔ چوں کہ ایک منظم پارٹی اسے موجودہ دور کی مثالی تفسیر قرآن کی حیثیت سے امت اسلامیہ کے ہر ہر حلقے میں رواج دے رہی ہے، لہذا اس کی کجی کو واضح کرنا ایک دینی فرض ہے۔

تفہیم القرآن کے مصنف نے جس دین کو امت میں رائج کرنے کی کوشش کی ہے وہ قطعاً اس کا اپنا دریافت کردہ دین ہے جس کا روایتی دین سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔ اس کے اپنے لفظوں میں راقم نے اسے اپنے کتابچے "جماعت اسلامی کے دین کا خلاصہ" میں نقل کر دیا ہے، اور یہ کتابچہ آپ کے یہاں کے اساتذہ اور خود آپ کو پہنچایا جا چکا ہے۔ اس پر ایک گہری نظر ڈال لیجیے۔

اس نے اپنی تفسیر کے لیے جو اصول معین کیے ہیں وہ اس کی مختصر کتاب "قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں درج ہیں۔ اس شخص نے الٰہ و رب کے حقیقی معنی سیاسی اقتدار اعلیٰ کے مالک کے لیے ہیں۔ عبادت کے حقیقی معنی طاعت کے بتائے ہیں اور دین کے حقیقی معنی موجودہ دور کے جامع ترین ریاست کے لیے ہیں۔

چوں کہ اس نے دین کے حقیقی معنی موجودہ دور کے کلی ریاست کے لیے ہیں اور

اصل ترتیب: کلی ریاست کلی سماعت و اطاعت کے سوا ایک دن بھی نہیں چل سکتی، لہٰذا اس نے عبادت کے حقیقی معنی یادِ خدا، پوجا، پاٹ اور دعا، الحاد کے بجائے اطاعت کے کیے ہیں اور چوں کہ کلی ریاست و کلی سماعت و اطاعت کلی اقتدار اعلیٰ کے سوا چل نہیں سکتی لہٰذا الٰہ رب کے حقیقی معنی اس کے نزدیک صاحب اقتدار اعلیٰ کے ہیں۔ اس طرح اس کی تفسیر کی بنیادی فکر بنی ہے اور اسی اصول پر تفہیم القرآن لکھی گئی ہے۔ چوں کہ الٰہ و رب و عبادت و دین کے یہ معنی اس فکری ترتیب کے ساتھ آج تک کی تمام معتبر تفاسیر میں ندارد ہیں، لہٰذا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ مفسرین زمانۂ رسالتمآب میں رائج لغات عرب کو نہیں سمجھ سکے، لہٰذا انھوں نے الٰہ و رب و عبادت و دین کے معنی اپنی سوجھ بوجھ سے بنائے ہیں، جن کا اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ دعویٰ وہ شخص کر رہا ہے جس کی اپنی عربی دانی کی حالت یہ ہے کہ اگر اسے اپنے کسی دس صفحے کے پمفلٹ یا چار صفحے کے بیان کو عربی میں شائع کرنا ہوتا تو اس کے لیے کسی مسعود عالم ندوی کا اسے محتاج ہونا پڑتا۔

یہ ہے تفہیم القرآن کے مصنف کے دینی نقطۂ نگاہ کی "کل کی کل نہ کم نہ زیادہ" حقیقت۔ اس شخص کا سب دینی نقطۂ نگاہ اور تمام شرح دینی فسطائی ریاست کے فلسفے کا ہو بہو چربہ ہے۔ اس کلی ریاست ـــ Totaliterian State ـــ کا سب سے بڑا شارح اور اس کے فلسفے کا مرتب کنندہ جرمنی کا شہرۂ آفاق مفکر ہیگل ہے۔ اس کی فکر نے ساری دنیا کو اب تک بھونچکا کر رکھا ہے۔

اس کے بالمقابل آزاد کی کوشش یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ روایت دین کے سلسلۃ الذہب کا ایک اجمالی

نگرمیں تصور جمہور امت کو دیا جائے ۔ غالباً اس کی نگاہ آئندہ کے خطرات پر تھی ۔

جب میں نے اس تفسیر کو پڑھا قرآن کے رحمت و ربوبیت و عدل
مجھ پر اس تفسیر کا اثر: خداوندی کے استدلال نے مجھے کافی متاثر کیا مگر جب " صراط الذین انعمت علیہم " کی تفسیر پر پہنچا تو دل و دماغ کدورت سے بھر گیا ۔ میرے نزدیک یہ وہ مقام تھا جہاں مرحوم کو رسالت کے مفہوم کو پوری وضاحت سے بیان کر دینا چاہیے تھا ۔ مگر مرحوم نے اس کا کوئی ذکر نہ کیا اور سورہ فاتحہ کی تفسیر کو ختم کر دیا ۔ ادھر نہ صرف مسلم لیگ کے حلقوں نے بلکہ بعض علماء تک نے مرحوم پر یہ الزام لگا رکھا تھا کہ وہ " برہمو سماج " کی قسم کے کسی مذہبی تصور کو ہوا دے رہا ہے ۔ اس الزام نے بھی مجھے متاثر کیا اور میں نے مرحوم کے نام بارہ صفحات کا ایک خط لکھ دیا اور کلکتہ پہنچ کر اُسے مرحوم کے ایک بے تکلف ملنے والے ۔ چودھری نذیر احمد مدیر روزنامہ " آزاد بنگلہ " ۔ کے ہاتھ سے مرحوم کو پہنچا دیا ، ساتھ ہی یہ گزارش بھی کر دی کہ ایک عقیدت مند بھائی کی حیثیت سے ملنے کے لیے کلکتہ آیا ہوں لہٰذا وہ میری اس تنقید کو " رحم اللہ من دلّنی الیٰ عیوبی " کہتے ہوئے اور کسی اخبار یا رسالے میں شائع کرتے ہوئے میل ملاقات کی راہ صاف کر دی ۔

مگر میرے خط کا مرحوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور یوں میرا سفر کلکتہ ناکام ہوا ۔

میرا اندازہ تھا کہ برصغیر ہند میں جو حالات پیدا ہو چکے تھے اس میں مسلمانوں کی حد تک صرف آزاد مرحوم ایسے شخص تھے ، جو کوئی واضح رہنمائی دینے کی پوزیشن میں تھے ۔ ساتھ ہی یہ ارادہ تھا کہ آزاد کو اتنے کام پر آمادہ کر کے خود بنگلور چلا جاؤں گا اور چند بھیڑ بکریاں لے کر کسی جنگل میں جا بیٹھوں گا اور باقی ایام حیات صوفیانہ دھیان گیان اور یادِ خدا میں گزاروں گا ۔ مگر

چاند کو چھو لینے کا قصہ بھول پی جانے کی بات
ہر سہانی آرزو ہوتی ہے دیوانے کی بات

مگر آزاد سے ملاقات نہ ہونے کے باعث کلکتہ میرے لیے زنجیر پا ثابت ہوا ۔

پایم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

راقم بلا کسی عزم و ارادے کے مرحوم کے قائم کردہ ادارے " انجمن حزب اللہ " کی گدی سے درس قرآن

دینے پر مجبور ہوگیا۔ چوں کہ راقم کی زبان قال سے کہیں زیادہ حال کی ہوتی تھی لہٰذا درس سننے والوں پر اس کا اچھا اثر ہوتا تھا۔ چوں کہ راقم موجودہ دور کے افکار سے بھی کسی نہ کسی حد تک شناسا تھا۔ لہٰذا یہ بیان اور بھی موثر ہوجاتا تھا۔ یہ درس نمازِ صبح کے فوراً بعد پارک سرکس کے کھلے میدان میں ہوتا تھا۔ ایک دن راقم درس دے رہا تھا کہ ایک باوقار قسم کے شخص بھی درس میں آکر بیٹھ گئے۔

راقم اُس ذہنی رابطۂ آیات پر تنقید کررہا تھا جسے بعض منطقیین کے لوگ آیاتِ قرآنی میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ میری تنقید کا انداز یہ تھا کہ یہ ذہنی کرید محض ایک مصنوعی کاروبار ہے، جس کا فطرتِ انسانی بلکہ کائناتِ فطرت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ انسان میں سمع وگوش کی کائناتِ خارجی کے پہلو بہ پہلو انسان کا تخیل، اس کا وہم اور اس کے جذبات اور ان سب سے بڑھ کر اس کی یقین جوئی کا داعیہ اپنے اپنے تقاضوں کی تسکین کا جویا رہتا ہے اور وحیِ الٰہی ان سب کی تربیت کا متوازن سامان کرتی ہے، بلکہ ان سب قوتوں کی تربیت کے علاوہ ان کی حد بندی بھی کرتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ محض اپنی ذہنی کرید کی تسکین کے لیے قرآن مجید میں ایک منطقی ربط کی تلاش کرتے ہیں وہ ایک طرف فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو نظر انداز کرجاتے ہیں تو دوسری طرف وہ وحی آسمانی کی پوری کی پوری غرض وغایت کو فوت کرتے ہوئے ایک بے حقیقت سراب میں عمر بھر گھومتے ہیں اور اپنے اور دوسروں کے "خسران الدنیا والآخرہ" کا سامان کرجاتے ہیں۔ لہٰذا یہ صنعت کاری صرف سراب پیمائی ہے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا اپنے خودساختہ ذہنی پیمانوں سے قرآن مجید کو ناپنے تولنے کی گمراہی کو یکسر چھوڑ کر اور ان ذہنی پیمانوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد خود قرآن مجید کے نقطۂ نگاہ میں فنا ہونے سے ہی ہدایت مل سکتی ہے، ورنہ "یضل به کثیرا" کا خطرہ ہر وقت لاحق رہے گا۔ قرآن مجید نے اپنا تعارف خود ان الفاظ میں کرایا ہے "ذالك الكتٰب لاريب فيه هدىً للمتقين الخ" لہٰذا ذہنی تجسس کو مطمئن کرنے کے لیے قرآن میں منطقیانہ امکانات تلاش کرنا قرآن مجید کے سارے مدعا کو فوت کرنے کے مساوی ہے۔ وہ پانی میں آگ کی تلاش ہے، لیکن اگر اپنے سب مزعومات کو چھوڑ کر اور اپنی سب صواب دید کو قرآنی نقطۂ نگاہ میں فنا کرتے ہوئے متقیانہ طریق کو اپنایا جائے تو ہدایت کا ملنا تو یقینی ہوگا، اس کے ساتھ منطقیانہ تجسس کا بھی علاج ہوجائے گا۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، "من فسر القرآن برائه فقد كفر" کا یہی مفہوم ہے۔ یہی حضرت صدیق اکبر کے اس ملفوظ کا مفہوم ہے جسے اپنی "ترجمان القرآن" کا مقدمہ بناکر آزاد نے تفسیر نویسی شروع کی تھی۔

اس کے بعد راقم نے اسی استدلال کو کائناتِ خارجی اور انسان کے ذہنی نظریات کے سلسلے میں بھی قدرے واضح کیا اور درس کو ختم کردیا۔

درس کے ختم ہونے کے بعد جب راقم سے باوقار بزرگ کا تعارف کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سیرۃ النبی کے مؤلف علامہ سید سلیمان ندوی ہیں۔ سید صاحب نے راقم سے ہاتھ ملانے کے ساتھ ہی سوال کردیا۔ مدیہ کس استاد سے پڑھا ہے یا "علمناہ من لدنا علماً" کا حصہ ہے۔

سید صاحب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے سلسلے میں کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ اور وہاں کے ایک بڑے تاجر، امین بردرس کے مہمان تھے، مگر چند گھنٹوں کے اندر ہی وہ میرے ہاں خود تشریف لائے اور دفتر کے ایک تخت پوش پر بستر ڈال دیا۔ دو دنوں تک وہاں مقیم رہے اور امام غزالی و شاہ ولی اللہ کے متعلق مختلف سوالات کرتے رہے۔ سلوک و تصوف کے سلسلے میں بھی بعض سوالات زیر بحث آئے۔

تفہیم القرآن :

مندرجہ صدر تفسیر بالرائے کا جو بدترین نمونہ آج تک راقم کی نگاہ سے گزرا ہے وہ تفہیم القرآن ہے۔ اس کی شرح کتاب دین کو پڑھتے ہوئے بعض وقت تو لاریب طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ عمداً و قصداً اس راہِ ضلالت کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ وہ قرآن مجید کے حقائق ثابتہ کو دلوں میں اتارنے کی صراطِ مستقیم سے بالکل علاحدہ ہو کر اور ان سب یقینی حقائق کو منطقیانہ نظریات کا درجہ دے کر موجودہ دور کے انتشار زدہ اذہان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی فکر میں بالکل سطحی قسم کی جدلیت ——— (Surface Deep Dilachtes) ـــ کا سہارا لے کر کالجوں اور اسکولوں سے بھاگے ہوئے لڑکوں کے لیے کتاب دین کو سیاسی الیکشن لڑنے کا سلوگن بنا رہا ہے۔ موجودہ دور کے کسی سائنٹیفک نظریہ پر خالص علمی انداز کی بحث کا آپ کو اس کے ہاں نام تک نہ ملے گا۔ البتہ ابدی و غیر متبدل اصول و حقائق دینی کو یقین کے مقام سے گرا کر انھیں منطقیانہ نظریات و امکانات بنانے کے فن میں اُسے وہ مہارت حاصل ہے، جو اسی دور میں اسی کا حصہ ہے۔

کاش جہاد آزادی کا ہیرو بننے کے بجائے ابوالکلام نے تفسیر ہی کی تدوین کو اپنا مشن بنایا ہوتا، "تفہیم القرآن" کے بھنگ دھتورے کے جنگل کا "امتہ وسطاً" کی کھیتی میں نام و نشان نہ ہوتا۔ آزاد! اللہ پاک تیری صحتِ نیت کے بدلے میں تیری لغزشوں کو معاف کردے مگر امت کو تجھ سے یہ شکایت رہے گی کہ تو نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ (ابوالکلام ابن تیمیہ کے اتباع میں مصنف تفہیم القرآن کا عینی الضد ہے، اس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے)

آزاد کی چوک: اوپر ذکر آچکا ہے کہ "صراط الذین انعمت علیہم الخ" کی تفسیر کے موقع پر مرحوم نے رسالت کی حقیقت کا کوئی اشارہ تک نہ کیا لہٰذا راقم اس سے قریباً کٹ گیا کافی عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شبہ مرحوم کے خاص معتقدین کو بھی ہوا تھا۔ انھوں نے مرحوم کو اس طرف متوجہ بھی کیا تھا اور مرحوم نے انھیں جواب دیا تھا کہ وہ رسالت کے متعلق سورۂ مائدہ کے کسی خاص مقام پر یہ بحث کریں گے۔ مگر عام شکوک وشبہات کی فضا کو صاف کرنے کے متعلق مرحوم نے کوئی توجہ نہ کی اور اپنے آپ کو اسی تاریکی کے اندر مستور رہنے کو ترجیح دی۔ یہ اُن کی ایک بڑی چوک تھی۔ مرحوم کی تفسیر اول درجے کی دینی فکر کو دین کا پابند کرسکتی ہے اور تجدد پسند فکر کے الحاد سے بچا کر صراطِ مستقیم پر رکھ سکتی ہے، مگر عام مسلمانوں کے لیے اُن کی آسمان پیما ادبیت ایک حجاب ہے۔

مرحوم مغربی فکر سے کافی حد تک واقف ہیں مگر یہ واقفیت نیوٹن، ڈارون، برگسان وآئیمن اسٹائین کے ذریعہ نہیں والٹر، ٹالسٹائے جیسے اُدبا کے ذریعہ سے۔ انھوں نے یورپ کی سیر ادب کے ذریعہ کی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ادب وشعر منطق وفلسفے کے مقابل مذہب سے کہیں زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہے۔ مذہب گو خالص وارداتِ الٰہیہ کا سلسلہ ہے اور اس کا تعلق ذہن ودماغ کے بجائے قلب سلیم سے ہے۔ اور شعر وادب کا تعلق جذبے، تخیل اور بعض صورتوں میں وہم سے ہے، لیکن اس بنیادی فرق کے باوجود جذبہ وہ حد اوسط ہے۔ جہاں مذہب وادب کا کبھی کبھی میل ملاپ ہوجاتا ہے۔ ماضی کے مذہبی تاریخ کے بہت سے ابواب ادب وشعر کے لباس میں ہی ملبوس ہیں۔ ساتھ ہی مذہب کی طرح شعر وادب کا مخاطبہ بھی عوامی ہوتا ہے لیکن منطق وفلسفے کی اپیل نہ تو عوامی ہوتی ہے نہ اس کا تعلق جذباتِ قلبی سے ہوتا ہے، لہٰذا مذہب سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔

نہ رسد فسوں گرے خرد بہ طپیدن دلِ زندہ
زکنشتِ فلسفیاں درابحریم سوز وگداز من (اقبال)

ایک افسوسناک یاد: بانی جماعت اسلامی نے جس زمانے میں اپنے من گھڑت دین کو تنظیمی شکل دینے کے لیے پہلا اجلاس بلوایا تھا، تو راقم کو بھی بڑے ادب وآداب کے ساتھ دعوت نامہ بھیجا تھا۔ چند گھنٹے کے اضطراب کے بعد میں نے حاضری سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے اُن سے ایک سوال کردیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ "ہدایت آسمانی کا مخاطب قلب سلیم ہے یا ذہن ودماغ؟"

چوں کہ وہ تمام ایمانیات ویقینیات وغیر مبتدل اصول دین کو منطقیانہ نظریات کی حیثیت دے کر پوری کتاب دین کو اسی حیثیت سے سر نو مرتب کرنے کے اشارے کر رہے تھے اور چوں کہ یہ طرز فکر مکمل الحاد دین تھا، لہذا میں نے اس طرز فکر کی جڑ ہی کاٹ دینے کے لیے اُن سے صدر کا سوال کر دیا تھا، دو تین ہفتے کے بعد ان کا جواب آیا (بادل ناخواستہ قسم کا جواب) کہ "ڈینامو" تو میرے خیال میں قلب سلیم ہی ہے۔ چوں کہ میری غرض یہ تھی کہ کتاب دین کو جو "کتاب لاریب فیہ" ہے منطقیانہ نظریہ سازی سے محفوظ کرتے ہوئے اسے کتاب دین کی اسی حیثیت کا پابند کر دوں، لہذا میں نے قدرے کڑے لفظوں میں انھیں دوبارہ لکھ بھیجا کہ میں اور میرا خیال کے مشکوک طریقہ کو چھوڑ کر لکھیں کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ وہ بحیثیت امر واقعہ کے اس سوال کو گرفت میں لائیں۔

اس دوسرے خط کا انھیں ملنا تھا کہ وہ بالکل بدک گئے اور بے راہرو ہوگئے۔ انھوں نے بوکھلاہٹ کی حالت میں یہ بیان دیا کہ "میں ایسے شخص کو کیا جواب دے سکتا ہوں، جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کا عادی ہو چکا ہو اور جس کا یہ بیان ہو کہ اس نے فلاں فلاں بزرگ کو سور کی شکل میں دیکھا ہے" یہ جواب جس درجے کا ایماندارانہ ہے وہ ظاہر ہے۔ لہذا میں تو وقتی طور پر خاموش رہا مگر صدق جدید کے مدیر مرحوم مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے اس جواب پر اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا اور وہ خاموش ہو گیا، مگر میں نے اُس سے قطع کرنے کے خیال کو دل میں نہ آنے دیا۔ موقع کی تلاش میں رہا۔

داعی جماعت اسلامی کا موقف : انگریز کے فاتح منذ ہونے کے ساتھ ہی علماء ملت کے ایک بڑے گروہ نے انگریز حکومت سے تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ ہی خود انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے خلاف بھی فتویٰ دے رکھا تھا۔ اس کے مقابل سرسید مرحوم نے نہ معلوم کتنے عرصے کی سوچ بچار کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اگر مسلمانان ہند نے ایک طرف انگریزی تعلیم سے بائیکاٹ جاری رکھا اور دوسری طرف حکومت میں حصہ رسدی کے بجائے عدم تعاون کیا تو وہ بہت جلد ہندوستان کی ایک نئی اچھوت کلاس بن جائیں گے اس لیے کہ مسلمانوں کے ہمہ جہتی عدم تعاون کے مقابل برہمنوں نے تعلیم و حکومت کی دونوں سطحوں پر انگریز سے تعاون پوری طرح شروع کر دیا تھا۔ لہذا سرسید مرحوم نے دونوں سطحوں پر انگریز سے تعاون کے لیے پورے زور سے آواز بلند کی، مگر یہاں پر اس حقیقت کو پوری طرح سامنے رکھنا ہوگا۔ سرسید کا یہ فیصلہ منشاء دین کو پورا کرنے کا کوئی فقہی فیصلہ نہ تھا بلکہ ملت اسلامی کی مجموعی فلاح کے پیش نظر اس نے یہ راستہ اختیار کیا تھا، اس کا تعلق وقتی مصلحت ملی سے تھا۔

پھر جب سرسید نے اس کے لیے فضا تیار کردی تو مرزا غلام احمد قادیانی اپنے الہامات و اجتہادات کو لے کر میدان میں آئے۔ انگریزی حکومت کو رحمت خداوندی کا نیا ظہور قرار دیا اور اسے ساری دنیا میں محفوظ کرنے کو عین منشاء دینی قرار دیا۔ یہاں تک کہ اسی سوال پر وہ ملت اسلامیہ سے کٹ گئے بلکہ بالکل یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ اگر امت اسلامی ان کی توثیق و تصدیق نہیں کرتی تو وہ دائرہ دین سے خارج ہے۔

مسلم لیگ نے ۱۹۳۶ء سے اپنی جس تنظیم جدید کا آغاز کیا تھا، اس کے دو حصے تھے۔

(الف) اس نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے زیر اثر کانگریس کے قومیت متحدہ کے دعوے کو رد کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کی قومیت کا قوام ان کے عالمگیر دین سے ہے نہ کہ نسل و وطن سے، ؎

غبار آلودۂ نسل و وطن ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

موجودہ دور کے اصنام آفاقی کا ذکر کرتے ہوئے مرحوم نے اپنے عندیے کو ذیل کے شعر میں ظاہر کیا ہے ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

(ب) لیگ تحریک کی نشأۃ ثانیہ کا دوسرا جزو یہ تھا کہ چوں کہ ان کی ملت کا قوام عالمگیر وحدت انسانی ہے لہٰذا انھیں آزاد ہند میں اپنا حصہ اس طرح ملنا چاہیے کہ وہ ملینے بین الملی رابطے مضبوط کر سکیں، اسے ختم کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ مسلم لیگ کے خود ارادیت Self Determination کا یہی مفہوم تھا۔ گویا سرسید نے انگریزی حکومت میں حصہ رسدی کے جس اصول کو مسلمانوں اور انگریزوں سے منوایا تھا۔ مسلم لیگ کی نشأۃ ثانیہ آزاد ہندوستان میں وہی اصول کانگریس سے منوانا چاہتی تھی اور وہ نتیجہ تھا کانگریس کی ایک کوتاہ نظری کا۔ ۱۹۳۶ء کا الیکشن کانگریس اور مسلم لیگ نے نہایت عمدہ اور دوستانہ فضا میں لڑا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں ہندو مسلم الیکشن کمیونل بنیادوں پر لڑے جاتے تھے۔ اس پر بھی کانگریس نے کوشش کی کہ لیگ کے امیدواروں کے مقابل حتی المقدور وہ اپنا کوئی مسلمان امیدوار نہ کھڑا کرے۔ کانگریسی جمعیۃ العلماء نے لیگ کا پراپیگنڈہ کیا، لیکن جب کانگریس کے اکثر صوبوں میں اکثریت حاصل ہوگئی تو وزارت سازی کے موقع پر اس نے مسلم لیگ سے یکایک یہ مطالبہ کر دیا کہ اس کے نمائندوں کو صرف اسی صورت میں وزارت میں لیا جائے گا کہ وہ کانگریس کے مینی فیسٹو پر دستخط کر دیں (اور شاید یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ قومیت متحدہ کے اصول کو مانیں)

اب مسلمان لیڈروں کو محسوس ہوا کہ ان کی سیاسی تنظیم کو ختم کیا جارہا ہے بلکہ اُن کی معاشرتی و دینی حیثیت کو بھی ختم کیا جارہا ہے۔ لہٰذا انھوں نے دونوں مطالبوں کو رد کرتے ہوئے اپنی تنظیم کو مضبوط کرنا شروع کردیا۔ اس زمانے کا ایک سلوگن یہ بھی تھا کہ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"۔

اور فضا اس درجہ مکدر ہوگئی کہ رسول دار کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اُدھر جمعیۃ العلماء نے مسلم لیگ کی مخالفت کا فیصلہ کردیا، ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے کہ جو انگریز کی مخالفت کو پوری نیک نیتی سے اپنا جزو ایمان جانتے تھے۔ یہ گروہ انھی علماء کا جانشین تھا، جنھوں نے خود سرسید کی تحریک کو اسلام سے خروج قرار دیا تھا۔ وہ انگریز سے کسی درجے کے تعاون کو بھی ارتداد کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔

علماء کے منظم گروہ کی مخالفت کے باوجود مسلم لیگ نے مسلمانوں کی تنظیم کرڈالی مگر اس میں منظم دینی گروہ کے نہ ہونے سے ایک دینی خلا پیدا ہوگیا تھا۔

ٹھیک اسی مخدوش حالت میں بانی جماعت اسلامی دبے پاؤں مسلم لیگ کے ہوا خواہوں کی حیثیت سے آگے بڑھے اور جب ان کے من گھڑت افکار کو "دینِ خالص" اور "کل دین نہ کم نہ زیادہ" کی حیثیت سے ایک گروہ نے تسلیم کرلیا تو انھوں نے اس گروہ کو ہمراہ لے کر اپنے دعوے کو یہاں تک بڑھا دیا کہ ان کے دینِ خالص کو رد کردینے سے امت اسلامیہ یہود کی طرح مغضوب ہوسکتی ہے۔ ساتھ ہی پاکستان تحریک کے متعلق یہ اعلان کردیا کہ اگر پاکستان بن بھی گیا تو اسلام کے لیے کفار کی حکومت سے زیادہ مضرت خیز ہوگا۔

یہ دعوت تھوڑے فرق کے ساتھ، جو وقت کا تقاضا تھا، بالکل قادیانیت کی طرح ایک نئے باطل فرقے کا آغاز تھا۔ ان لوگوں کا دعویٰ بلکہ بالفاظ صحیح دھمکی تھی کہ آج تک کی امت مسلمہ کی اصلاحی تحریکوں پر ان کا قیاس کرنا غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش رکھتی تھیں، لہٰذا انھیں رد کرنے کے سبب عذاب الٰہی کا نزول نہ ہوسکتا تھا، لیکن چوں کہ ان کی تحریک ایک طرف تو دینِ خالص (وہی ہیگل ازم) کی دعوت ہے، دوسری طرف کل کے کل دین نہ کم نہ زیادہ کی دعوت (وہی کلی ریاست کے فلسفے) سے لہٰذا اسے رد کرنے پر مسلم اقوامِ عالم یہود کی طرح مغضوب ہونے سے نہیں بچ سکتی۔

یہ تھا نئی قادیانیت کے داعی کا موقف۔ مرزا قادیانی صاحب نے جس طرح اپنے دعاوی و مزعومات کو اصلِ دین قرار دے کر امت کے دین و ایمان و نجات کو ان کے ماننے پر منحصر بتایا تھا۔ ایک نقطہ فرق کے سوائے بانی جماعتِ اسلامی نے اپنے افکار کو امت کے مقابل یہی حیثیت دی۔ رودادِ جماعتِ اسلامی حصہ دوم صفحہ ۱۸

کو ملاحظہ کر لینے کی ضرورت ہے۔ بنا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس اصلی دعوے کو بدلتے جا رہے ہیں۔ میرے پاس اس جماعت کی جو روداد ہے وہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی دہلی ۱۹۵۱ء کی شائع کردہ ہے۔

جب بانیٔ جماعتِ اسلامی یہ قدم اُٹھا رہے تھے تو کئی برس بعد میں نے انھیں پھر خط لکھا کہ لیگ کی تنظیم اور اس کے مقصد کی مخالفت کرنے کے بجائے اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے جمہور عوام کو دین سے مربوط کرنے کا کام کریں دین کو امت میں راسخ کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے، مگر انھوں نے مجھے لکھ بھیجا کہ اس طرح کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جمعیت علماء ان کا ساتھ دے۔ وہ بلا دھکے نابح کے لیے نومن تیل کی موجودگی کو شرطِ اول قرار دے رہے تھے، لیکن ان کا اصل دین یہ تھا کہ دین ایک کلیت حقہ ہے! اسے یا تو، کل کا کل،، لینا ہوگا یا، کل کا کل رد کرنا ہوگا۔ ورنہ، اذا فات الجزء فات الکل،، کا معاملہ ہوگا۔ وہ دین کو کلی ریاست، Totaliterian State، قرار دے چکے تھے مگر مجھ سے کھل کر وہ یہ بات کہنے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔

ان کا یہ فلسفہ ان کی تفہیم القرآن کی کل روح ہے، جیسا کہ ان کی کتاب الاصول،، قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں،، سے ظاہر ہے،، دین کے معنی کلی ریاست، عبادت کے معنی اس ریاست کی کلی اطاعت، الٰہ و رب کے معنے صاحب اقتدارِ اعلیٰ ان کی شرح دینی کی کل حقیقت ہے، یہی ان کی تفہیم القرآن کا اوراق کی ساری تعبیر کا خلاصہ ہے، جسے بے نظیر تفسیرِ دین کے نام سے ہر ہر مسلم ادارے میں رواج دیا جا رہا ہے اور جس سطح سے قدامت پسند علماء کی طرف سے اس پر تنقیدیں ہو رہی ہیں وہ نو تعلیم یافتہ طبقات میں اس کی قبولیت میں اضافہ کر رہی ہیں۔

آزاد مرحوم: مرحوم و مغفور آزاد کانگریس و لیگ کی اس ساری چپقلش کے دوران الوٹ کانگریسی رہے مگر دین و قومیتِ متحدہ کے دینِ جدید کے متعلق صدر جمعیۃ علماء ہند اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے درمیان جو تلخ بحث ہوئی اس کے متعلق راقم کی نگاہ میں ان کا ایک حرف بھی نہیں آیا۔ اُدھر میری اپنی حالت یہ تھی کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے ذیل کے ترانے نے مجھے ماؤف کر رکھا تھا، خاص کر ان کے تیسرے شعر نے۔ وہ میرے لیے پیمانِ الست کی یاد دہانی کراتا تھا۔ ؎

گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

زندگی میں پیشتر فولاد پیدا کر،
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

غبار آلودۂ نسل و وطن ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اُڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

لبیک ربی، لبیک والخیر کلہ بیدیک والشر لیس منک والیک۔

ادھر مجھے اپنے بنگلوری منصوبے کو ملتوی کر کے کلکتہ نشین ہونا پڑا تھا۔ کبھی کبھی مولوی صاحب مرحوم کے سکریٹری اجمل خان عشاء کے وقت میرے ہاں آجایا کرتے، ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہتے، مگر مجھ پر تو "اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا" کا جادو سوار تھا۔ میں اس حالت میں کسی رمز و کنائے کو سمجھنے سے قاصر ہو چکا تھا، لہٰذا ایک دن اُن سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں نے نہایت درجہ حقارت آمیز لہجے میں آزاد پر تنقید کی اور وہ اس طرح اٹھ کر چلے گئے کہ پھر کبھی نہ آئے۔

مرحوم سے ملاقاتیں: ۱۹۴۲ء کے آخر میں میں نے فیصلہ کیا کہ آزاد سے بہر صورت ملاقات کا راستہ پیدا کیا جائے اور پھر یکے بعد دیگرے تین ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی ملاقات تلخ و ترش، مگر دوسری ملاقات میں راقم ان کے پورے عندیے کو سمجھ گیا۔ مجھے صاف محسوس ہوا کہ فنا فی الکانگریس ابوالکلام آج بھی وہی اعتقاد رکھتا ہے جو اعتقاد وہ الہلال کے زمانے میں رکھتا تھا مگر حالات نے موجودہ ابوالکلام کو اپنی ذات کے اندر سمٹ آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک حادثہ: آزاد نے جب کانگریس میں بھرپور شمولیت کا فیصلہ کیا تھا تو اس نے بالکل گاندھی کی طرح اپنے کام کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔

گاندھی نے اگر ایک طرف جہادِ آزادی کی رہنمائی قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو سیاست کے راستے پر ڈال دیا تھا تو دوسری طرف اس نے ہندوستان کے آشرموں کو قومی تعمیر کے ادارے بنا دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ آزاد کا پس منظر گاندھی سے کہیں زیادہ مذہبی تھا۔ سرحد پار کے مجاہدین سے نہ معلوم کب سے اس کا رابطہ تھا۔ لہٰذا اس نے ایک طرف انجمن حزب اللہ قائم کی یا پہلے سے قائم کر رکھی تھی۔ دوسری طرف خاص خاص احباب سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے چچا مرحوم حریری صاحب بھی آزاد سے بیعت کیے ہوئے تھے۔ مگر جب قدامت پرست علماء کو اس کا پتہ چلا تو وہ آزاد کے جانی دشمن ہو گئے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کے چند علماء کو مستثنیٰ کرتے ہوئے قریباً سب قدامت پسند علماء آزاد کے دشمن رہے اور آخر کار آزاد نے اس سلسلۂ بیعت و تنظیم کو ختم کرتے ہوئے ان قدامت پسند علماء کو مطلع بھی کر دیا۔ جناب مفتی عتیق الرحمٰن اس ساری داستان کے قریباً شاہدین میں سے ہیں، وہ اگر مناسب سمجھیں تو اس پر روشنی ڈال کر آزاد کی برأت میں حصہ لے سکتے ہیں۔ خلافتِ اسلامیہ کے ٹوٹ جانے کا اثر بھی آزاد پر تھا مگر اس دوسرے حادثے نے اس کے حوصلے پست کر دیے تھے، ادھر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آزاد

محمد علی جوہر کی طرح جو کبھی جنگ لڑنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے ۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انھیں اعتماد میں لے کر اور انھیں اپنا اعتماد دے کر مسلمان آزاد سے بڑی سے بڑی خدمتِ دینی لے سکتے تھے مگر یہ کام اُن سے نہ ہوا اور اپنے دور کا ذہین ترین ، معاملہ فہم ترین اور صحیح ترین دینی اعتقاد رکھنے والا ایک عالم محض گو مگو میں ضائع کر دیا گیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اس کے مقابل آزاد کے برخلاف گاندھی کو اپنی ملت کی طرف سے بھرپور تعاون ملا ۔ آزاد بلاشبہ ابن تیمیہ کے مسلک کے انسان تھے مگر ہمہ جہتی جنگ ، جو تمام اول درجے کے مجاہدین کی تاریخی خصوصیت رہی ہے ، وہ آزاد میں نہ تھی ۔

اقبال مسلم لیگ : اقبال نے اپنے دینی ترانوں سے ہندوستان کی مسلم ملت کو بیدار تو کر دیا مگر بحیثیت ایک مصلح کے ملت کی منزلِ مقصود کو متعین کرنا اور پھر اسے "ففروا الی اللہ" کی دعوت دیکر مرتب شکل میں اسے منزلِ مقصود کی طرف بڑھانا اس کے بس کی بات نہ تھی ۔ لہٰذا جہاں اپنے ترانوں سے اس نے ملت کے رگ و پے میں شہادت و جہاد کی روح کو بیدار کر دیا وہاں منزلِ مقصود کے تعین میں وہ سرسید مرحوم کی مصلحت پرستی سے آگے کوئی قدم نہ بڑھا سکا نہ کوئی یک رنگ ملی سیرت تعمیر کر سکا ۔ حالانکہ سید کی مصلحت شناسی ایک وقتی ہنگامی ضرورت سے زائد کچھ نہ تھی ۔ لہٰذا ایک وقتِ خاص میں اُس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ بات کہنا عین حق ہے کہ آئندہ چل کر وہ ملت کے دینی احیاء و تجدید کے لیے از حد مضر ثابت ہوئی وہ ملت کے اندر دوغلا پن پیدا کر گئی جو آئندہ نسلوں کے لیے اسلام کی روح کو سمجھنے کے لیے حجابِ اکبر ہوئی ۔ نہ معلوم اس دینی خلا کو پُر کرنے کے لیے قادیانی انداز کے کتنے لوگ کہاں کہاں گھات لگائے ہوں گے ، اللہ پاک مسلمانوں میں سے انفرادی خود مرکزیت و خود سری و خود غرضی کو ختم کرتے ہوئے اس میں "امرھم شوریٰ بینھم" کی روح ملی کو بیدار کرے اور اس ملت سے وہ کام لے جس کے لیے اُسے اللہ نے پیدا کیا تھا ۔

ایک مفید تفسیری کام : مولوی عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کی تعلیم ابتداء سے مدرسے کے بجائے اسکول کالج اور یونیورسٹی کی تھی اور ان کا خاص مضمون فلسفۂ جدید تھا ۔ فلسفے کو انھوں نے مذہب کا مقام دے دیا تھا اور وہ مغربی الحاد کا نمونہ بن کر نمودار ہوئے تھے ، لہٰذا یہ کہنا بالکل حقیقت ہے کہ وہ مغربی الحادِ فکر کے آزاد و مصنف تفہیم القرآن سے کہیں زیادہ واقف تھے ۔ وہ کچے پکے ملحد نہ تھے بلکہ پکے ملحد تھے ۔ وہ مخلص ملحد تھے ، اس کے مقابل بانیٔ جماعت اسلامی کا نہ تو الحادِ فکر مخلصانہ تھا نہ مذہب سے ان کا رابطہ مخلصانہ تھا ۔

لہذا انھوں نے دین والحاد کے درمیانی اعراف میں بیٹھ کر اپنا داعیانہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ مگر عبدالماجد صاحب کا الحاد بالکل مخلصانہ اور ظاہر و باطن کی یک رنگی رکھتا تھا، اُن کے متعلق کسی کو کوئی شک نہ تھا کہ وہ کیا ہیں، لہذا جب وہ چند ٹھوکریں کھانے کے بعد دین کی پناہ میں آئے تو بہت جلد اللہ پاک کے یہاں ان کی توبہ قبول ہوئی، چوں کہ اللہ پاک کے ہاں اخلاص ہی وہ دولت ہے جس کے ذریعہ انسان رضائے الٰہی خرید سکتا ہے۔ لہذا اللہ پاک نے انھیں ہدایت سے نوازا اور وہ قرآن فہمی میں مدت العمر کے لیے مصروف ہوگئے۔ جس کا پھل تفسیر ماجدی کی شکل میں ملت اسلامی کو ملا۔ اپنی سابقہ لغزشوں اور حالیہ ہیچ مدانیوں کا احساس ان کی تحریرات کی خصوصیت ہے۔ اس کے بالمقابل آزاد کے یہاں ادّعا کا پہلو اس درجہ غالب ہے کہ اکثر اوقات وہ نہایت درجہ کڑوا کسیلا محسوس ہوتا ہے۔ ایسے سب مقامات پر آزاد کی حیثیت ایک محتاط دینی آدمی کے بجائے ایک اول درجے کے ادیب کی ہو جاتی ہے۔

ادب دراصل کسی فرد کے اظہار خودی ہی کا دوسرا نام ہے، اس کے بالمقابل دین اپنی اخلاقی شخصیت کی تعمیر کا نام ہے۔ اس کو جیسے کا "عروۃ الوثقیٰ" محاسبۂ نفس ہے و مبدم کا یہ محاسبۂ نفس اپنی ایک ایک بھول چوک پر نظر رکھتا ہے اور اپنی بھول چوک کی موجودگی میں انسان کو اپنی ساری خوبیاں نور و ظلمت کے ملے جلے دھبے محسوس ہوتے ہیں۔ اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیوب نفسہ "جب اللہ پاک کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی کمزوریوں کو دیکھنے کی بصیرت عطا کر دیتا ہے۔

یہ نفس دید عبدالماجد کی ساری فکری دنیا ہے۔ اُس نے اُسے فہم قرآن میں مہلک فکری غلطیوں سے بچا لیا ہے لہذا اس نے اپنی تفسیر میں ترجمے کے خلاء کو تو مولوی فتح محمد جالندھری کے ترجمۂ قرآن سے پُر کیا ہے۔ اس لیے کہ اس ترجمے کو بہت سے ثقہ علماء کی توثیق حاصل تھی اور جہاں تفسیر کا تقاضا ہوا وہاں احادیث، اقوال صحابہ، ملفوظات تابعین و تبع تابعین سے اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔ بیچ بیچ میں محفوظ حد تک علم الکلامی نکات بھی درج کر دیے اس طرح عبدالماجد نے اس سارے خلا کو پورا کر دیا جو آزاد کے تفسیری منصوبے کا تقاضا تھا۔ آزاد نے حضرت ابوبکر صدیق کے مقولے کو اپنی تفسیر کا دیباچہ بناتے ہوئے اور ابن کثیر کو استثنائی صحت کا مقام دے کر جس طرح اپنی فکری حدود کو معین کر دیا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ وہ روایات حدیث و اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے زیادہ سے زیادہ کام لیتا، مگر سارا راستہ صاف کر دینے کے باوجود اس نے ایسا نہ کیا، لہذا اس کی تفسیر جمہور ملت کو روایت دینی سے فکر و عمل کی دونوں سطحوں پر مربوط کرنے میں ناکام رہی؛ اگرچہ آئندہ کے فکری الحاد کو روکنے کے لیے اس نے ایک مضبوط روک تیار کر دی اور چوں کہ آزاد بہت جلد جمہور ملت کے حسن ظن سے محروم ہو چکا تھا، لہذا اس کی تفسیر کو

وہ قبولیت عام حاصل نہ ہوئی جو عملاً الحاد فکر کو رد کرنے کے لیے ضروری تھی لہذا وہ اس دائرے میں بھی کامیاب نہ ہوئی۔

اور تفہیم القرآن : اس کے مصنف نے دین کی ساری مندرجہ صدر حدود سے باہر ہو کر اور سارے روایت و درایتِ دینی کو ناقابلِ توجہ قرار دے کر پوری کتابِ دین کو از سرِ نو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے نزدیک دین کے معنی موجودہ دور کی کلی ریاست، عبادت کے معنی اطاعت توحید الوہیت و توحید ربوبیت کے معنی سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کے ہیں اور اسی اصول پر اُس نے تفہیم القرآن لکھی ہے بلکہ ساری روایتِ دینی کی شرح کی ہے لہذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جاتی ہے۔ یہ شخص دین کے نام پر مشہور جرمن مفکر ہیگل کے فلسفۂ سیاست کو رائج کر رہا ہے۔ ہیگل ریاست کو خالق کائنات کا مظہر کامل قرار دیتا ہے اور یہ فلسفہ اُس لادینیت کا مظہر کامل ہے جسے مذہب سے قطع تعلق کرنے کے بعد یورپ نے اختیار کیا تھا۔ ہیگل کا یہ خدا وہ خدا نہیں ہے جسے مذہب خالق کائنات قرار دیتا ہے، بلکہ یہ مصنوعی خدا وہ صنم اکبر، اور مہا دیو ہے جسے یورپ کی لادینی فکر نے خود گھڑا ہے اور ہیگل نے اس پر مختلف قسم کی مینا کاری کرنے کے بعد سارے عالم انسانی کو دعوت دی ہے کہ آؤ اور خدائے حقیقی کو پوجو ؎

میتراشد فکرِ ما ہر دم خداوندِ دگر
است از یک بند تا افتاد در بندِ دگر (اقبال)

ایک تاریخی حقیقت : ماضی میں جب کہ انسان کا اجتماعی شعور اپنی ابتدائی حالت میں تھا تو مشرک طبائع کسی غیر معمولی صلاحیت کی شخصیت کو خدائے کائنات کا مظہر کامل قرار دے کر اسے پوجنے کی دعوت دیتی تھیں اور موجودہ دور میں جوں کہ انسان کا اجتماعی شعور اپنی آخری حد کو جا پہنچا ہے لہذا ان ملحد مفکرین نے ریاست کو (جو انسان کے اجتماعی ارادے کا کامل ترین مظہر ہے) مہا دیو قرار دے کر اس کی پوجا کی دعوتِ عام دی ہے اور جماعتِ اسلامی کے بانی نے اس کو مذہبی روپ دے کر اس پر ایک امت کھڑی کر دی ہے۔

اس شخص کا صاف دعویٰ ہے کہ اسے جس دینِ خالص و کامل کو ایک دعوت کی صورت میں پیش کیا ہے وہ دینِ خالص کا دل ہے، لہذا اسے رد کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امتِ اسلامی مغضوب یہود کی طرح خدائی مواخذے کے کٹہرے میں آجائیگی۔ مودودی ازم یہی کچھ ہے۔

اُدھر ریاست کے مہا دیو کے مندر کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے انارکزم کا فلسفہ بھی سر اُٹھا چکا ہے۔ یورپ کے

جمہوری ممالک میں اس انارکزم کا نمائندہ یہی تحریک ہے اور اشتراکی ممالک میں اس نے دہشت پسندی کا روپ دھارن کرلیا ہے۔ یہی تحریک اخلاقی نراج کی داعی ہے تو دہشت پسندی یا سیاسی معاشی بدنظمی کی دعوت ہے خود اشتراکیت کا بھی یہ صاف دعویٰ ہے کہ ریاست ایک عبوری حالت ہے، آخر وہ ختم ہوگی اور نوع انسانی اپنی فطری حالت کی طرف عود کرے گی۔

بہرحال آزاد کی تفسیر نے اگر فہم دین کی حدود کو پوری صحت کے ساتھ معین کردیا ہے تو عبدالماجد نے اپنی تفسیر کو روایتِ دینی سے مربوط کرتے ہوئے جمہور امت کو روایتِ دینی سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے اور آج کے عالمگیر انتشار میں امتِ اسلامیہ کی یہی مرکزی ضرورت ہے۔

قرآن وحدیث کا تعلق: قرآن مجید ایک الہامی کتاب الاصول ہے۔ جبریلِ امین نے رسول خدا کو کس طرح نماز روزہ، زکوٰۃ و حج لکھائے۔ عام انسانوں کے لیے یہ سب کچھ عالم الغیب سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا ہم لوگ بطورِ خود اپنے حدس و ذہانت سے ان اصولوں کی کوئی بھی شکل معین کرنے کے موقف میں نہیں ہیں، ان اصولوں پر عمل کرنے میں ہم سب اتباع و اطاعتِ رسول کرنے کے لیے مجبور ہیں اور یہ حق خود اللہ پاک نے رسول کو دیا ہے " انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم لعلھم یتفکرون۔" "اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون"، لہٰذا قرآن مجید کو قول و فعل رسول سے آزاد کرتے ہوئے سوچنے سمجھنے کی جو عادت چل نکلی ہے وہ اس کتاب کو "ذالک الکتب لاریب فیہ ھدی للمتقین" کے مقام سے گراکر اسے منطقیانہ امکانات کے درجے پر لے آتی ہے، اور ریب وتشکیک کو دین کے نام پر رائج کرتی ہے۔ اس طرح نوعِ انسانی کو ایک صراطِ مستقیم کا پابند کرتے ہوئے ایک منظم قافلے کی طرح اپنی منزل مقصود کی طرف لے جانے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

لہٰذا جس شخص کو کتاب اللہ کو اپنی ہدایت کے لیے مطالعہ کرنا ہے اسے قرآن و بیان القرآن کو باہم مربوط صورت میں لینا ہوگا۔ قرآن مجید تو سب کے سامنے ہے مگر بیان القرآن — قول و فعل اور عمل — کو خود قرآن کے ساتھ مربوط کرنا ہوگا۔ اور اگر ہدایت طلبی ہی پیش نظر نہ ہو تو پھر جس کا جو جی چاہے وہ کرے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

تحریکِ مجاہدین میں بنگالی مسلمانوں کا کردار

پروفیسر عبدالرحمٰن، شعبہ نباتات جے آر ایس کالج جمالپور مونگیر

حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۷۸۶ - ۱۸۳۱) کی "تحریک محمدی" میں بنگالی مسلمانوں نے ایک غیر معمولی کردار پیش کیا ہے
یہ لوگ ۱۸۱۸ سے ۱۸۷۰ تک اس تحریک میں مجاہدین کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر چلتے رہے۔ اگرچہ اس
تحریک کا اصل مقصد مذہبی و سماجی اصلاح تھا، مگر صورت حال کے پیش نظر سیاسی پہلو بھی شامل ہو گیا۔
اسلام میں دین و سیاست میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنا ممکن نہیں۔
علامہ اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جب سید صاحب حج بیت اللہ (۱۸۲۴) سے تشریف لائے تو ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک جامع
پروگرام مرتب کیا اور ۱۸۲۶ء میں جب سکھوں سے جنگ لڑنی پڑی تو تحریک مکمل طور سے ایک فوجی طاقت
میں بدل گئی۔ چنانچہ سید صاحب فرماتے ہیں۔

"ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سنن سید المرسلینؐ ہے، لیکن تحریک کے پیش نظر یہ بھی
مقصد تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت اور شان و شوکت کو از سر نو بحال کیا جائے، اور اس کے لیے
ضروری تھا کہ ملک کو برطانوی تسلط سے آزاد کیا جائے اور حکومت اسلامیہ قائم کی جائے۔

مولوی جعفر تھانیسری "سوانح احمدی"، ص ۳۰۴ میں لکھتے ہیں:

"..... بارھویں صدی ہجری کے آخر میں .... ہندوستان میں خصوصاً اسلام پر بہت
ضعف آچکا تھا، توحید جو اصل تمغۂ اسلام کا ہے، برائے نام رہ گئی تھی .... شرک و

وبدعت کھلی ہوا کرتی تھیں ..... اگر خدانخواستہ یہی کیفیت اور ایک دو سو صدی رہتی تو اسلام اور کفر ایک ہو جاتا اور اسلام کا نام بھی باقی نہ رہتا ۔

یعنی اسلام اپنی خالص پاکیزگی سے بہت دور جا پڑا تھا ۔ اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ اسلام کی اصل پاکیزگی کو پیش کیا جائے ۔ چنانچہ سید صاحب کی تحریک اس کسوٹی پر پوری اترتی ہے ۔

بنگالی مسلمان فطری طور پر مذہبی خیالات و سیاسی شعور کے حامل رہے اور مذہب کی خاطر قربانی پیش کرتے رہے، جس کا روشن ثبوت جنگ آزادی کی جدوجہد ہے ۔ وہ لوگ سید صاحب کو اپنا مرشد اعلیٰ و قائد تسلیم کرتے اور ان کی قدر و منزلت تہ دل سے کرتے ۔ سید صاحب کے پروگراموں کی تکمیل میں کوشاں رہتے جب قیادت مولانا ولایت علی اور عنایت علی صاحبان کے ہاتھوں آئی تو بھی سر تسلیم خم کردیا ۔ اور جہاد کی ترغیب پر لبیک کہا، چنانچہ بنگالی مسلمانوں نے مال و زر، جسم و جاں ہر طرح کا تعاون پیش کرکے ایک عظیم ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دی، جسے تاریخ ہرگز فراموش نہیں کرسکتی ہے ۔

سید احمد شہید کے حج بیت اللہ کے سفر میں دو دفعہ ۱۸۲۰ء اور ۱۸۲۲ء میں کلکتہ میں قیام فرمایا ۔ اول تشریف آوری کے موقع پر شایان شان خیر مقدم کیا گیا، جس کی منظر کشی سر ولیم ہنٹر نے اپنی مایہ ناز کتاب " OUR INDIAN MUSALMANS " میں کیا ہے ۔

" سید احمد شہید کے گرد مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا ۔ حضرت صاحب کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ ہر شخص سے بیعت کریں ۔ کیوں کہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرے، لہٰذا حضرت صاحب نے اپنی پگڑی کھول کر پھیلا دی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص پگڑی کے کسی بھی حصہ کو چھولے گا وہ میرا مرید بن جائے گا "

مولوی جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص ۱۷ ، میں بیعت کی کیفیت یوں بیان کی ہے ۔

" ہزار پانسو آدمیوں کو ایک جگہ جمع کرکے سات آٹھ پگڑیوں کو مجمع میں پھیلا کر ہر ایک ۔ بیعت کنندہ کو حکم دیتے تھے کہ ایک کنارہ کسی پگڑی کا منجملہ ان پگڑیوں کے پکڑ لیوے ، پھر آپ ان پگڑیوں کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں تھام کر کلمات بیعت کو باآواز بلند تلقین کرتے تھے ۔ یہ کیفیت دن بھر رہتی تھی ۔ "

" آپ کی برکت سے کلکتہ رشک ارم ہو گیا ۔ ہر ایک بیعت کرنے والے سے نکاح اور ختنہ کا حال پوچھا جاتا، اگر غیر مختون یا بے نکاحی کھورو والا ہوتا تو فوراً یہ سنت ادا کردی جاتی .... ہر ایک

بیعت کنندہ کے شراب نوشی سے تائب ہوئے پر شراب کی دوکانیں بند ہوگئیں۔ کلکتہ اور اس کے نواح میں اس قدر کثرت ان کے مریدوں کی ہوئی، جو کوئی آپ سے بیعت نہ کرتا اسے برادری سے خارج کردیتے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں سید صاحب دوسری مرتبہ کلکتہ تشریف لائے، تین ماہ کا قیام فرمایا، مثل سابق ہزارہا خلقت اس دفعہ بھی آپ سے فیض یاب ہوئی۔ ایک شخص سید حمزہ نام جو برہما کے ملک سے سونا اور جواہرات سے کر آیا ہوا تھا، آپ کی بیعت سے مشرف ہوا اور سند خلافت اور نقل صراط المستقیم کی ساتھ لے گیا اور اپنے ملک جاکر ہزاروں خلقت کو راہ راست پر لایا۔" (سوانح احمدی ص ۴۸)

حضرت کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے بنگال کے مختلف اضلاع مثلاً ڈھاکہ، چٹاگاؤں، سلہٹ وغیرہ مقاموں سے حجاج کرام تشریف لائے۔ خلفاء میں سے بالخصوص مولانا امام الدین نواکھالی، صوفی نور محمد چٹاگاؤں اور مولانا عبداللہ ڈھاکہ کو بنگال کے دیہی علاقوں میں بھیجا۔ جو سرحدی جنگ میں بھی رہے اور جہاد سے لوٹنے کے بعد چٹاگاؤں اور اس کے نواح میں تبلیغ کا کام کرتے ہوئے اپنی زندگی صرف کردی۔ حضرت کا مزار چٹاگاؤں کے نظام پور میں موجود ہے۔ مولانا امام الدین بالاکوٹ کی عظیم جنگ میں شریک رہے۔

میر نثار علی عرف تیتو میر بنگال کے اول شہید کے زیر قیادت ۱۸۲۷ء میں محمدی تحریک ایک عوامی تحریک بن چکی تھی۔ تیتو میر نے سید احمد شہید کے دستِ مبارک پر ۱۸۲۲ء میں ہی مکہ مکرمہ میں بیعت کی تھی۔ حج سے واپسی کے بعد تیتو میر نے چوبیس پرگنہ کے نواح میں حضرت صاحب کے مشن کی تبلیغ و اشاعت ۱۸۲۷ء ہی سے شروع کردی تھی۔ حضرت صاحب کی طرح تیتو میر بھی ہند میں برطانوی سامراج کو "دارالحرب" سمجھتے تھے، اور ان کی یہی خواہش تھی کہ ہندوستان میں حکومتِ اسلامیہ قائم ہو۔ اوکینلی نے لکھا ہے کہ کم و بیش اٹھارہ میل لمبے اور بارہ میل چوڑے علاقے میں ان کا اثر و رسوخ تھا۔

۱۸۳۰ء میں تیتو میر کو چوبیس پرگنہ کے ہندو زمین داروں اور نیل کوٹھیوں کے انگریز مالکوں سے لڑائی کرنی پڑی۔ اس تحریک کو کچلنے میں رام نرائن نارکونیا، گوری پرشاد ناگرپور، کرشن دیو رائے پورنا کے زمین داروں کا کھلا ہوا ہاتھ تھا۔ کرشن رائے نے اپنے مسلمان کسانوں پر اڑھائی روپیہ فی کس کے حساب سے داڑھیوں کا ٹیکس (BEARD TAX) لگادیا اور خود اپنے حلقے کا دورہ کرتا تھا۔ چنانچہ پورنا میں تو وصول لیا

ہوئی لیکن سرفراز پور کے کسانوں نے محصول دینے سے صاف انکار کر دیا، کیوں کہ یہ غیر اسلامی فعل تھا۔ چنانچہ غصہ میں آکر کرشنا دیو رائے نے اپنے دو تین سو آدمیوں کی مدد سے سرفراز پور کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، گاؤں کو لوٹ کر آگ لگا دی، ایک مسجد شہید ہوئی۔ مصیبت زدہ لوگوں نے محکمۂ پولیس اور عدلیہ کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا، لیکن بے سود۔ اس لیے کہ ہندو زمین داروں کا انگریز افسران پر کافی اثر و رسوخ تھا۔ بالآخر ۱۸۳۱ء میں کسانوں نے ایک جمعیت بنا کر کرشنا دیو رائے کے گاؤں میں جا کر ایک گائے ذبح کی اور اس کی غلاظت سے مندر کو آلودہ کر دیا۔» (MOHAMMAD ABDULLAH: SOME MUSLIM STALWARTS : 15-16

«اس طرح تیتو میر کی تحریک ہندو زمین داروں کے خلاف ایک سماجی و اقتصادی تحریک بن گئی تھی۔ نیل کوٹھیوں کے انگریز مالکان نے ہندو زمین داروں کے ساتھ مل کر تحریک کو دبانے کی پوری کوشش کی، لیکن تیتو میر نے ان پر فتح پائی۔ ان لوگوں نے حکومت برطانیہ سے اپیل کی کہ مجاہدین کے خلاف فوج کشی کی جائے، کیوں کہ یہ لوگ امن عامہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لہٰذا حکومت برطانیہ نے کلکتہ سے دو دستہ فوج بھیجی، جس میں سوار اور پیادے بھی تھے، ان کے ساتھ دو بیں تھیں۔ آخر کار تیتو میر نے چھ سو آدمیوں کی مدد سے نرکل باڑی میں انگریزوں سے جنگ لڑی اور ۲۹ رنومبر ۱۸۳۱ء کو انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑا، آخر کار اسی جنگ میں انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔»
(غلام رسول مہر: سرگزشت مجاہدین: ۲۱۴)

ٹھیک اسی سال حضرت سید صاحب کی شہادت بالاکوٹ کی جنگ میں ۶ رمئی ۱۸۳۱ء کو ہوئی، یعنی تیتو میر کی شہادت حضرت صاحب کی شہادت کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔

بہر کیف سید صاحب اور تیتو میر کے انتقال کے بعد بھی یہ تحریک زندہ رہی، اور اسے زندہ رکھنے کا سہرا اہل صادق پور پٹنہ کے سر ہے۔ سرحد پر جنگ کا سلسلہ جاری رہا اور ہندوستان سے سیکڑوں کوس پار کر کے مجاہدین اور ساز و سامان بھیجنے کی تنظیم جاری رہی۔ اس تنظیم کا جال بنگال سے سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ وعظ و تبلیغ، مجاہدین کو بھرتی کرنا اور روپیوں کی فراہمی جیسے اہم کام تھے۔ یہ سب کام جاری تھے، اور برسوں تک جاری رہا۔ اور اس سلیقے کے ساتھ ہوتا رہا کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ ایسی تنظیم کی مثال ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی نہیں ملتی اور اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ (ڈاکٹر کلیم الدین احمد: اپنی تلاش میں)

لوی عنایت علی عظیم آبادی (۱۷۹۴ء-۱۸۵۸ء) سید صاحب کے عظیم خلفاء غالباً ۱۸۳۱-۱۸۳۲ء میں
بنگال تشریف لائے۔ حالانکہ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ وہ سید صاحب کے ہمرکاب جہاد میں شامل ہوں
ولانا عنایت علی کو تبلیغ و ہدایت کے لیے بنگال روانہ کیا گیا تو۔

" آپ نے بار اول مسلسل سات برس اس خطہ زنجاری میں قریہ بہ قریہ نہایت جانفشانی اور
علم کے ساتھ گشت فرمایا، لاکھوں خلقت کو قعر ظلمت سے نکال کر شمع ہدایت کا گرویدہ کر دیا۔ اور
قرآن و حدیث نبوی صلعم کے اتباع کی طرف توجہ دلایا، جناب کے مسترشدین اور ان کی اولاد
آج تک خطہ بنگال میں " محمدی " کے لقب سے ممتاز ہیں۔"

(مولوی عبدالرحیم : تذکرہ صادقہ : ص ۱۸۹)

مولانا نے جیسور، نادیہ، فرید پور اور بوگرہ کے نواح میں وعظ و تبلیغ رشد و ہدایت کا کام انجام دیا
حکیم پور کے حاجی مفیدالدین خان اور مدح خان اور ان کے
ہ ومشہور مریدوں میں سے تھے۔

" لوگوں کو اصلاح حال اور فیصلہ طاغوتی سے بچنے کے لیے ضرورت تھی کہ جہاں لوگوں کو فساد
و فتن سے روکا جائے، وہاں ان میں عدل و تعمیج کی روح بھی پھونکی جائے ..... جناب ہر
ایک بستی میں جہاں مسجد ہوتی وہاں امام مقرر کرتے ..... اور فصل خصومات کا بار اسی کے شانہ
پر رکھتے۔ چار پانچ کوس کے حلقہ میں کسی بڑی مسجد کو جامع مسجد قرار دے کر ایک تعلیم یافتہ
متدین امام کے سپرد کر دیتے اور امام بمنزلہ سیشن جج منصور ہوتا اگر اس پر بھی لوگوں کی تسکین
خاطر نہ ہوتی تو متخاصمین کی اپیل پر بذات خود ان مقامات پر پہنچ کر فصل تنازع فرماتے اور
ملفوظات کیمیا اثر سے تالیف قلوب فرماتے۔"

(مولوی عبدالرحیم : تذکرہ صادقہ : ۱۹۰-۱۸۹)

آپ کے وعظ سادے اور عام فہم، ولولہ انگیز اور جوش سے لبریز ہوتے، جس کی وجہ سے مسلمانوں
یں نئی بیداری آئی۔
سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) میں شہادت کے بعد شیخ ولی محمد پھلتی،

مولوی محمد قاسم اور مولوی نصیر الدین دہلوی نے علی الترتیب مجاہدین کی قیادت سنبھالی۔ ۱۸۴۰ء میں حضرت نصیر الدین دہلوی کا انتقال ایک قبائلی جھڑپ میں ہوگیا۔ ایسے حالات میں وادی کاغان کے سردار سید ضامن شاہ نے مولوی ولایت علی کو مرکزی قیادت سنبھالنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مولوی ولایت علی نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت علی کو بنگال سے واپس بلالیا، ان کے ساتھ ۲۰۰۰ بنگالی مجاہدین کی جماعت پٹنہ آئی۔ حکومت کی روک تھام سے بچنے کے خیال سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں رضا کار کچھ کچھ وقفہ کے بعد پٹنہ سے سرحد کی جانب روانہ ہوتے رہے۔ ۴ یا ۵ ماہ کا وقت لگ گیا۔ ان لوگوں کے ساتھ اسلحے اور دیگر ضروری سامان بھی وہاں پہنچائے گئے۔ مولانا عنایت علی نے جائے مرکز "استھانہ" میں پہنچ کر قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سکھوں کو بالاکوٹ سے نکال باہر کردیا اور ہزارہ کے اوپری ضلع میں ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

۹ اکتوبر ۱۸۴۷ء کو مولانا ولایت علی سرحد پہنچ کر اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت علی سے جا کر مل گئے۔ غرض کہ مولانا کے وہاں پہنچتے ہی کل کارخانہ مولوی عنایت علی نے آپ کے سپرد کردیا اور جملہ مجاہدین نے مولانا کے ہاتھ پر بیعت امارت کرلی۔ ۱۸۴۷ میں سکھوں کے ہاتھوں مجاہدین کو "درہ دب" کی جنگ میں نقصان اٹھانا پڑا، کیوں کہ دو انگریز افسران انگینو (ANGNEW) اور لمیزن (LUMPSDEN) نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں پہنچ کر ملکیوں کو مجاہدین سے برگشتہ کردیا اور ایک روز مقرر کرکے سارے مقبوضات میں غدر کرادیا۔ عمال و اہلیان پولیس نے مجاہدین کا قتل عام کردیا، غرض کہ دونوں بھائیوں کو قید کرکے گورنمنٹ کے خرچ سے باہتمام و اکرام بقیہ مجاہدین کے ساتھ پٹنہ پہنچادیا۔ اور دو برس کے لیے مچلکہ دو دو سو کا دونوں بھائیوں پر لایا گیا۔ (تذکرہ صادقہ ص ۱۶۲) جبکہ ڈاکٹر قیام الدین نے / دس ہزار روپئے کی ضمانتی رقم تحریر کی ہے۔ اور یہ حکم بھی سنایا گیا کہ بغیر اطلاع پٹنہ سے باہر نہ جائیں۔

بعدہ مولوی عنایت علی نے بنگال میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ پھر شروع کیا اور یہ ۱۸۴۹ء تک چلتا رہا۔ اسی اثنا میں دونوں بھائی کسی طرح سے ہجرت کرکے ستھانہ پہنچے، مولوی ولایت علی نے یکم ستمبر ۱۸۴۹ء کو اور مولوی عنایت علی نے ۱۹ جون ۱۸۵۰ء کو پٹنہ چھوڑا۔ آخر کار دونوں بھائی لدھیانہ میں ۱۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو جاکر ملے اور ستھانہ ۱۰ فروری ۱۸۵۱ء کو پہنچے، دونوں کی آمد سے مجاہدین میں خوشی کی لہر پھیل گئی اور پھر

قیادت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ۱۸۵۲ء میں مجاہدین اور انگریزوں کے درمیان دوسری شدید جنگ ہوئی، کوٹلہ کے قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، مجاہدین کو اپنے صدر مقام استھانہ سے بھی پیچھے ہٹنا پڑا، کچھ عرصہ کے لیے ان کا مرکز منگل تھانہ منتقل ہوگیا اور اسی دوران نومبر ۱۸۵۲ء میں مولوی ولایت علی کا انتقال ہوگیا، وہ استھانہ میں مدفون ہیں۔ اور ۱۸۵۸ء میں مولوی عنایت علی کا انتقال ہوگیا۔

(ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک ۱۶۴)

۱۸۵۲ - ۱۸۵۸ء کے دوران وہابیوں کی قائم کردہ ریاست کافی مستحکم ہوگئی تھی، ضلع ہزارہ اور اطراف کے قبائلی نواح کا بڑا حصہ اس کے ماتحت تھا، ان کی فوج میں دس ہزار باضابطہ سپاہیوں کے علاوہ ۳۰ ہزار قبائلی رضاکار شامل تھے، کچھ سول عہدہ داران بھی تھے۔ خراج اور عشر جمع کرنے کے باضابطہ انتظامات بھی تھے سید احمد شہید کی قائم کردہ سرحدی ریاست کی بقا و استحکام میں ان دونوں بھائیوں کی خدمات بہت اہمیت رکھتی ہیں، اس کا اعتراف ان کے شدید نکتہ چیں ہنٹر نے بھی کیا ہے۔"

(ڈاکٹر قیام الدین احمد: بہار میں وہابی تحریک ۳۷)

دوسرے اہم خلفاء میں سے مولانا کرامت علی جونپوری (۱۸۰۰ - ۱۸۷۳ء) حالات سے سمجھوتہ کرکے جہاد کی تبلیغ و اشاعت سے پرہیز کرنے لگے اور خطۂ بنگال میں دینی تعلیم اور رشد و ہدایت میں اپنی زندگی کے اکیاون سال وقف کر دیے، جابجا درس گاہیں قائم کیں۔" (غلام رسول مہر: جماعت مجاہدین: ۳۶۸)

حاجی شریعت اللہ (۱۷۸۰ - ۱۸۴۰) نے بنگال کے ہینڈلوم کی صنعت و حرفت کو بگڑتے ہوئے دیکھا بنگال میں بڑھتے ہوئے نوآبادی نظام زمین داروں کا عروج اور معاش پر برطانوی سامراج کے اثر نے معمولی کسانوں کی زندگی دوبھر کر دی تھی، جس کا تذکرہ سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب OUR INDIA MUSALMANS میں اس طرح کیا ہے۔

"یوں تو دو سو سال قبل یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ بنگال کا پیدا شدہ مسلمان غریب ہو لیکن اس کے لیے اب یہ ناممکن ہے کہ وہ خود کو فارغ البال باقی رکھ سکے۔"

۱۸۰۲ء میں حج بیت اللہ شریف سے لوٹنے کے بعد انھوں نے بنگال میں ایک خالص اسلامی تحریک کی بنیاد رکھی جسے "فرائضی تحریک" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں شرعی بجا آوری پر خاص زور دیا جاتا تھا۔

"درحقیقت فرائضی تحریک نہ تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی "وہابی تحریک" اور نہ ہی سید احمد شہیدؒ کی "تحریک مجاہدین" جیسی تھی۔ حالاں کہ ان دونوں تحریکوں کا بھرپور اثر تھا۔ کیوں کہ کردار کی اصلاح، شرک و بدعت سے احتراز اور احیائے سنن المرسلین مقصود بالذات تھا۔ تھوڑی ہی مدت میں ان کا اثر دور دور تک پھیل گیا۔ غریب مزدور اور کسان ان کی تحریکِ اصلاح میں عددرجہ متاثر ہوئے اور سب مولوی صاحب پر جانیں نچھاور کرنے لگے۔　　(غلام رسول مہر: سرگزشتِ مجاہدین)

حاجی شریعت اللہ نے غریب کسانوں سے اپیل کی کہ وہ زمین داروں کے خلاف متحد ہو جائیں، چنانچہ فرائضی تحریک سے زمین داروں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف ۱۸۰۴ء میں پہلی جنگ ہوئی۔ فرائضیوں نے زمین داروں کو بے دخل کرنے کی مانگ کی جسے مستعدی سے دبا دیا گیا۔ مگر فرائضیوں نے نظریہ دارالحرب کی کھلم کھلا تبلیغ واشاعت کی۔ جس کی وجہ سے بے کار بنکر بھی اس تحریک میں کسانوں کے ساتھ ہوگئے اور ایک منظم جمعیتہ کی شکل بن گئی۔ حاجی صاحب نے دیکھا کہ برطانوی سامراج نے ہندی مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو بری طرح مجروح کر دیا۔ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اور ان کے مرید عوام کو صلوٰۃ جمعہ و عیدین پڑھنے سے روکتے تاآنکہ انگریزی حکومت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے بعد فرائضیوں نے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کیں۔

۱۸۴۰ء میں حاجی شریعت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند محی الدین المعروف بہ دادو میاں (۱۸۱۹ء - ۱۸۶۰ء) نے فرائضی تحریک کی باگ ڈور سنبھالی، وہ بڑے پرجوش و سرگرم آدمی تھے، انھوں نے گردو پیش کے تمام کسانوں کو سچا مسلمان بنا کر پیش کیا، ان کی اپنی پنچایتیں قائم کر دیں جو ہر قسم کے تنازعات کا فیصلہ کرتیں، اس طرح اپنے تمام مریدوں اور معتقدوں کو ایک مستقل نظام سے وابستہ کر دیا۔ آخر دادو میاں نے "الارض للہ" کا نعرہ بلند کیا اور اعلان کر دیا کہ زمین خدا کی ملکیت ہے، کسی کو حق نہیں کہ بطور وراثت اس پر قابض ہو، جو لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں وہی اس کے مالک ہیں، حکومت ان سے واجبات لے سکتی ہے نام نہاد مالکانِ اراضی ان سے کوئی لگان وصول کرنے کے حقدار نہیں۔ اس اعلان پر بڑے بڑے زمیں دار دادو میاں کے جانی دشمن ہوگئے، انھوں نے دادو میاں کے خلاف متعدد فوجداری مقدمات دائر کر دیے ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۸ء تک فریقین کے درمیان مقدمات اور جوابی مقدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار

دادو میاں ریاستی قیدی کی حیثیت سے علی پور جیل میں بند کر دیے گئے۔ غرض کہ فرائضیوں کو چھ د
جنگ کرنی پڑی۔ ۱۸۰۴، ۱۸۳۱، ۱۸۴۱، ۱۸۴۴، اور ۱۸۶۴ء میں
بہابتی تحریک اور فرائضی تحریک سے بنگالی مسلمانوں میں حب حریت کا جذبہ اجاگیا اور اسلامی حکو
کی غاصب قوم کو نکال باہر کرنے کے احساس کو چمکایا، جس کا اثر بالآخر ۱۸۵۷ء کے "غدر" کی شکل میں ا
مختصر یوں کہ "تحریک مجاہدین" ہدایتی تحریک اور فرائضی تحریک نے مل کر بنگالی مسلمانوں میں جذ
پیدا کیا، جس کی وجہ سے ان لوگوں نے مالی وزر، آلات حرب، جسم وجان وغیرہ سے سید احمد شہید کی قیاد
میں ہو رہی سرحدی جنگ میں تعاون کیا۔ یہ سلسلہ ۱۸۷۰ء تک چلتا رہا۔
ایک رپورٹ کے مطابق ایک سرحدی چوکی میں ۴۳۰ مجاہدین میں ۱۰٪ آدمی بنگالی تھے، جن ا
نے مجاہدین کے لیے جنگی ساز و سامان، چندہ کی فراہمی اور فوجی بھرتی کے لیے کام انجام دیا، ان میں مالدہ کے ر
اور ان کے لڑکے امیر الدین کا نام تاریخ کے اوراق میں سنہرے حرفوں سے لکھا جاتا رہے گا۔
ہندوستان میں مجاہدین کے مرکزوں کی خطرناک طاقت اور ساتھ ہی کچھ نا اتفاقی کے بڑھتے ہو
احساسات ہی کا نتیجہ تھا کہ ملک میں کچھ سربرآوردہ مجاہد قائدین کے خلاف درج ذیل سرکاری مقدمات کا سل
چلا، جس میں بنگالی مسلمان بھی شامل تھے۔

(۱) ۱۸۶۴ء کا مقدمہ انبالہ (۲) ۱۸۶۵ء کا مقدمہ پٹنہ (۳) ۱۸۷۰ء کا مقدمہ مالدہ
(۴) ۱۸۷۰ء کا مقدمہ راج محل (۵) ۷۱-۱۸۷۰ء کا عظیم وہابی مقدمہ

بنگالی مسلمان اپنے وطن عزیز سے ۲ ہزار میل دور سرحدی محاذ پر بہاری پنجابی اور پٹھان مجاہدین کے شانہ
میدان کارزار میں مصروف نظر آتے تھے، کہیں تو مقدمات کے سلسلہ میں عدلیہ کے کٹہرے میں کھڑے دکھائی پڑتے
کسان، چاول، چندہ جمع کرتے اور مجاہدین کی خدمت میں ارسال کرتے، ان کاموں کے لیے جگہ جگہ دفاتر قائم
یہ نظم ونسق احسن طریقے سے چلتا تھا۔ آج بھی بنگالی مسلمانوں کے نشانات واثرات سرحدی محاذوں پر خیموں
قبرستانوں میں یا کشمیر کی وادیوں میں پائے جاتے ہیں۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ تحریک مجاہدین میں بنگالیوں کی خدمات پر ایک جامع ومفصل تاریخ لکھی جا
تاکہ حقائق سامنے آئیں۔ کیوں کہ یہ کام ابھی تک نہیں ہوا ہے۔

دورِ جدید اور
اُمّتِ مسلمہ کا فریضہ

رضوان احمد انصاری
مدیر تہذیب، انجمن تہذیب البیان بحرالعلوم مئو

اس دنیا کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جیسے اسے انسان کے مسکن اور رہائش کے موافق بنایا اور اس کے جسمانی نشو و نما کے لیے معاش کے وسائل پیدا کیے ویسے ہی اس نے انسان کی روحانی زندگی و بالیدگی کے معنوی عناصر سے اسے روشناس کرنے کے لیے محمدؐ کے زمانہ تک اپنی ہدایتوں کے ساتھ بے شمار انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اس سلسلے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا کیوں کہ آپ کی رسالت آپ کے دور سے لے کر جب تک اس دنیا کا سلسلہ رہے گا۔ ہر زمانہ کے لیے اور سب کے لیے ہے اور آپ کے بعد علماء امت خصوصاً اور جملہ افراد عموماً دنیا کو آپؐ کے پیغام سے روشناس کرانے کے ذمہ دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے امت کے اس منصب کا ذکر مختلف آیتوں میں کیا ہے، مثلاً کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (الآیۃ) تم ایک بہتر امت ہو جو انسانوں کو اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے برپا ہوئی ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مذکورہ آیت کے علاوہ بہت سی آیتیں اور احادیث اس کے بارے میں موجود ہیں لیکن اثباتِ مقصد کے لیے یہی بہت ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کی ذمہ داری ہر فرد ملت پر عائد ہوتی ہے اور خصوصیت سے اس کے سب سے بڑے ذمہ دار علماء ہیں، اور دنیا کے اندر کسی بھی قوم میں جو بھی برائی اور بے راہ روی جس زمانہ میں بھی ہو اس دور کی امتِ مسلمہ کے افراد اور علماء اگر دعوت کا فرض ادا نہیں کرتے تو ان برائیوں کے ذمہ دار وہ خود بھی ہیں۔ یعنی امتِ مسلمہ صرف اپنے ہی لیے نہیں بلکہ دوسروں کی

کی خیر خواہی اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھی پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے وہ شخصی طور پر خواہ جس قدر بھی باعمل ہوں، اگر بھٹکتی انسانیت کو دیکھ کر دعوت الی اللہ کی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے تو زمانہ کی برائیوں کے وبال سے خود کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ ایک غور طلب امر یہ ہے کہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ وہ کون سے نکات ہیں جن پر خصوصی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

دورِ جدید اور امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی: دورِ جدید میں اسلام کی طرف بڑے بڑوں کی توجہ ہو رہی ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس وقت جبکہ زمانے نے امتِ مسلمہ کو اپنا فرض ادا کرنے کا سنہرا موقع دیا ہے، اس میں اس کا کردار کیا ہونا چاہیے یہ چند سوالات ہیں جن کا جواب دینا ہمارا مقصد ہے۔

اسلام کی طرف توجہ کے اسباب میں ایک بڑا سبب دنیائے مادیت کی ناکامیاں ہیں۔ سیکڑوں سال کا زمانہ ہوا جبکہ مادیت نے روحانیت کو رد کر کے مادی اصول پر معاشرے اور انسانیت کی تعمیر نو کا ایک نیا منصوبہ بنایا اور سائنس کے جدید انکشافات نے قدرت کی پوشیدہ قوتوں سے پردہ اٹھا کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور دنیا کے عام انسان یہ محسوس کرنے لگے کہ یہ کائنات کا طالب علم جو قدرت کے پنہاں رازوں کا پتہ لگا رہا ہے۔ وہ انسانیت کو امن کی ایک نئی شاہراہ دے سکتا ہے۔ لیکن زمانہ نے ثابت کر دیا کہ مادیت کی بنیاد پر جو نظام بنا وہ انسانیت کو مطمئن نہ کر سکا، بلکہ یہ ہوا کہ عدل و انصاف کا پیمانہ بدل گیا۔ اور طاقتور کا ہر عمل انصاف کا پیمانہ قرار پایا۔ انسانیت یتیم ہو کر رہ گئی، ہزاروں، لاکھوں افراد اس لیے اپنے وطن سے بے وطن کر دیے گئے کہ وہ اپنے ناتواں ہاتھوں سے عدل و انصاف کی بھاری بھرکم زنجیر نہ کھینچ سکے۔ یہ سارے حالات جو مادیت نے پیدا کر دیے ہیں ان سے دل برداشتہ ہو کر دنیا کی انسانیت ایک بار پھر روحانیت پر توجہ دینے لگی ہے اور مادیت و روحانیت کا موازنہ کر کے وہ اسلام کے جامع پیغام کو جو انسانیت کی کامیابی کے لیے خدائے واحد کا پیغام ہے، اپنانے کے لیے بڑھ رہی ہے اور یہ موقع اس امت کے لیے ایک بڑا حوصلہ افزا موقع ہے۔ دعوت کے فرضِ منصبی کے علاوہ خود زمانہ آواز دے رہا ہے کہ امت مسلمہ اسلام کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہو اور جو اقوام اسلام کے اصول و نظریات کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہی ہیں، امتِ مسلمہ اپنے دینی کردار و عمل کے ذریعہ ان کی کشش میں اضافہ کرے اور اسلام کی صداقت کا ثبوت اپنے عمل و کردار سے پیش کرے۔ یہاں امت

کے کردار کی بات ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی اشاعت میں سب سے اہم حصہ اُمتِ مُسلمہ کے کردار کا رہا ہے۔ اگرچہ کسی نظریے کی اشاعت کے عام طور پر دو اہم ذریعے مانے جاتے ہیں، زبان اور قلم۔ لیکن جو لوگ اسلام کی تاریخ جانتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ زمانۂ رسالت میں بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک اشاعتِ کتب کے خاطر خواہ وسائل نہیں پیدا ہوئے تھے، نہ قرآن و حدیث کی کتابیں موجودہ کثرت کے ساتھ فراہم تھیں۔ پھر بھی اسلام اُس زمانہ میں جس تیزی کے ساتھ پھیلا، اس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ اسلام کے بعض مخالفین نے اسے تلوار کی کرشمہ سازی قرار دیا، کیوں کہ اسلام کی تعلیمات اور دورِ اول کے مسلمانوں کے کردار کو انھوں نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی جو عمل کے پیکر بن کر دنیا میں نمودار ہوئے اور وحشت و بربریت کے اس دور میں ان کے بلند کردار کو دیکھ کر دنیا کے سبھی انسان اس جوہر کو تلاش کرنے لگے، جس سے ان میں انسانیت، شرافت اور ہمدردی و الفت کے عظیم صفات پیدا کیے تھے اور وہ خود اسلام سے دل و جان سے وابستہ ہوگئے۔ اس بات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت کا عمل و کردار خود اس کے اشاعتِ دین کے فرض کی تکمیل کا سب سے اہم ذریعہ ہے، اس لیے موجودہ دور میں افرادِ امت کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ دین سے وابستہ ہو کر اسلام کا ایک ایسا معاشرہ اور کردار دنیا کے سامنے پیش کریں، جس سے دنیا کو بے ساختہ اسلام اور اس کے انسانیت ساز پیغام کو جاننے سے دلچسپی پیدا ہو جائے اور یہ اس دور میں ان شاء اللہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ اس لیے کہ کتاب و مضامین کے ذریعہ بہت سے نظریات اور اصول پیش کیے جاتے ہیں، لیکن سب سے پہلے جب یہ نظریات کسی کے سامنے آتے ہیں تو وہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس نظریے کے پیرؤوں میں اس کے اثرات کس حد تک ہیں۔ اور ان کے ذریعہ کون سا ایسا بلند کردار سامنے آ رہا ہے جو انسانیت کے دُکھ کا علاج ہے۔ اور جب اسے افراد کے عمل و کردار سے اس کا ثبوت مل جاتا ہے تو وہ اس نظریے کو قبول کر لیتا ہے لیکن کوئی نظریہ کتنا ہی بلند اور انسانیت ساز ہو اگر اس کے حاملین کے کردار و عمل اس سے مختلف ہیں تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ہے۔ اسی لیے لوگ مسلمانوں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ اگر بعض افراد میں جو انسانیت نوازی اور کردار کی بلندی ہے، اس کی وجہ ان کا مذہب نہیں۔ کیوں کہ یہ خوبیاں اسی تناسب سے دوسروں میں یہاں تک کہ جو مذہب کو نہیں مانتے ان کے اندر بھی موجود ہیں۔ اسی لیے اسلام پر عمل عام ہونا چاہیے اور مسلمانوں کا اجتماعی دینی کردار خود اشاعتِ اسلام کا ایک اہم ترین ذریعہ ہونا چاہیے۔ ہر آسمانی مذہب کی یہ خصوصیت رہی ہے

کہ اس کے علمبرداروں نے اسے اپنے عمل سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور ان کی سیرت اور کردار ان کے پیغام کی صداقت کا ثبوت رہی، اس لیے موجودہ دور میں اس کی طرف توجہ دینا نہ صرف اپنے لیے بلکہ دنیا کو صداقت کا راستہ دکھانے کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

چوں کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے اندر اسلام نظریاتی سے زیادہ موروثی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے بہت سے مسلمان اس زمانہ میں اسلام کو بہت سے مسائل کے حل کرنے سے قاصر خیال کر بیٹھتے ہیں اور دوسرے نظریات پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن وقت بتلا رہا ہے کہ تمام نظریات ناکام ہیں اور جو اسلام میں داخل ہو رہے ہیں وہ اسلام کا موازنہ دنیا کے نظریات سے آزادانہ طور پر کرکے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں میں مذکورہ غلط خیال قصورِ نظر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اسلام ہی دنیا کے موجودہ اضطراب کو نابود کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے یہ وقت اپنے فرض ادا کرنے کا ایک بہترین موقع ہے۔

بقیہ: عالمِ اسلام:

افغانستان کے نام سے مسمی ہے، تمام تر مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا، جو اس دعوت کے راستہ میں آڑے بنتی رہیں اور اس دعوت کو منظم شکل پر اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ جس کے اثر سے ہم الحمد للہ بہت تھوڑے عرصہ میں ان کو مجاہدین میں اور عوام میں سطح پر دیکھتے ہیں۔

اس جد و جہد کے نتیجہ میں الحمد للہ ابھی تک اس عظیم دعوت کے انتشار سے سو سے زائد اسلامی مدارس داخلی اور مہاجرین کی سطح پر قائم ہوئے ہیں۔ بڑے جامعات کی تاسیس ہوئی، جن میں سے قابلِ ذکر جامعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ، جو پشاور میں قائم ہوا ہے اور دوسرا جو جامعۃ الدعوۃ الی الحق، جو کونڑ میں قائم ہوا ہے۔

سلفی مجاہدین منظم کرکے مختلف صوبوں میں مختلف مقامات بنا دیے گئے، جن میں سے قابلِ ذکر صوبہ کنڑ اور قندھار اور شمالی افغانستان میں موجود ہیں جہاں مجاہدین دن رات اپنے ڈیوٹی میں رہتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے دفاع میں مصروف رہتے ہیں اور تنظیم کے دفاتر پشاور اور سرحدی علاقوں میں موجود ہیں اور مسلح مجاہدین کی تعداد بیس ہزار کے قریب ہے۔ میں نے یہ معلومات میری آنکھوں دیکھا حال ہے جو مختصر طور پر میں نے لکھا ہے۔ میں آپ اور دوسرے برادران کے لیے اس دعوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق کا خواستگار ہوں۔ اخوکم فی اللہ/ ولی اللہ غلام اللہ۔ جامعہ اسلامیہ

عالمِ اسلام / مکتوبِ مدینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ....! جناب فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمٰن صاحب ....

آداب عرض کے بعد   بلا تمہید عرض پرداز ہوں کہ

میں نے محدث کے شمارہ نمبر ۲ فروری ۱۹۸۶ء میں شائع کردہ مضمون "افغان مجاہدین" جو آپ نے پاکستان کے سفرنامے کے ضمن میں تحریر کیا تھا، مطالعہ کیا۔

بحمد اللہ آپ نے اس مسؤلیت کی ادائیگی حتی الوسع بہت خوب انجام دی، فجزاکم اللہ خیراً عنداﷲ الاسلام و المسلمین، میں اس وسیع مسئلہ میں چند مزید معلومات آپ کے علم میں لانا ضروری خیال کرتا ہوں، جو افغانستان کی سلفی تنظیم اور اس کی دعوت کے متعلق ہے، جس کا جاننا سب مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔

محترم بھائیو! ہمارے ملک میں توحید کے علمبرداروں اور موحدین علمارکرام نے یہ مقدس دعوت جس کے رأس میں شیخ جمیل الرحمٰن تھے، "ظاہر شاہ کی سلطنت فاسد ازم کے دور میں شروع کیا۔ انھوں نے اس وقت نہ صرف عقیدے کی درستگی کا کام شروع کیا، بلکہ ساتھ ساتھ سیاست میں بھی حصہ لے کر مہلک مرض "کمیونزم" کے مقابلہ میں بھی جرأت اور شجاعت سے کام کیا۔ جس کے سلسلہ میں شیخ القرآن جمیل الرحمٰن صاحب کو جیل جانا پڑا اور ساتھ ہی دوسری مشکلات کو برداشت کرنا پڑا۔ انھوں نے موحدین علمار کی تنظیم نو بنائی اور اس دعوت کو عالمگیر بنایا اور مدارس کی بنیاد ڈالی، جو برسر اقتدار حکومت ظاہر شاہ فاسد ازم کی طرف سے مختلف ناموں سے منسوب کر کے، (وہابی، سلفی، وغیرہ) منع کر دیا گیا۔

اس دعوت اور جدوجہد کے سلسلہ میں الحمد للہ اس علاقہ میں جو شرک اور باطل تصوف کے اڈے قائم رکھے ختم ہو گئے، اس دعوت کا زیادہ تر اثر صوبہ کنڑ، قندھار، جہاں شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے دو سال قرآن مجید کا درس دیا، اور شمالی افغانستان میں بھی ایسے ہی کام کیا۔

جب افغانستان میں سلطنتی نظام کمیونسٹوں نے ختم کر دیا، اور اس کو ایک الحادی حکومت بنا دیا تو افغانستان کی اسلامی تحریک کے جو علمار کرام اور اسٹوڈینٹس کی سطح پر موجود تھا، مسلم مزاحمت شروع کی۔ داؤد کی گورنمنٹ کے عواریوں نے شیخ جمیل الرحمٰن کے گھر چھاپہ مار کر آپ کے عزیز و اقربا کو جیل بھجوا دیا اور آپ کے کتب خانہ کو تہس نہس کر دیا۔

اور شیخ صاحب نے علاقہ کے پہاڑوں میں جاکر پناہ لی، ساتھ ساتھ دعوت کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور مسلح جہاد کی ترغیب دیتے رہے

بالآخر وہ پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور دعوت بدستور جاری رکھی جب ۱۹۷۸ء میں افغانستان کی کمیونسٹ پارٹی نے داؤد کی حکومت کا تختہ الٹ کر روسیوں کی مدد سے قبضہ کرلیا، تو اس وقت پاکستان میں کچھ افغانی اسلامی تنظیمیں موجود تھیں۔ شیخ صاحب نے جہاد کا اعلان کردیا، اور مسلح مجاہدین کو صوبہ کنڑ میں بھیج دیا۔

جو پہلے منطقہ رشیکل میں مجاہدین نے رات گزارنے کے لیے استراحت کی تو کمیونسٹوں نے ان پر حملہ کردیا اور چار مجاہدین جو نیند کی حالت میں تھے شہید ہوئے۔ یہ جہاد کے اولین شہداء تھے، جنھوں نے علانیہ جہاد کے بعد سب سے پہلے جام شہادت نوش کیا جو سلفی مجاہدین تھے۔ اور یہ سب سے پہلی غنیمت ہے جو انھوں نے دشمن سے کلاشن کوف (بندوق) کی صورت میں حاصل کی۔ دوسرا حملہ شیخ صاحب کے سلفی مجاہدین نے درہ پیچ جو صوبہ کنڑ کا ایک ضلع ہے، اس وقت رونما ہوا، جب کمیونسٹوں نے مجاہدین کے دو ساتھیوں، مُلّا صفدر اور گلاب سید کو پکڑ کر کابل بھجوانا چاہا تھا۔ مجاہدین نے وقت پر مطلع ہو کر غلام صادق قاضی جو گروپ کا کمانڈر تھا اس کی قیادت میں کمیونسٹوں کے فوجی کارواں پر جو مرکز کی طرف قیدی لے جا رہا تھا، حملہ کردیا۔ دو گھنٹوں تک لڑائی جاری رہی، جس کے نتیجہ میں سات فوجی اور ایک فوجی افسر قتل ہو گئے۔ یہ پہلے فوجی ہیں جو جہاد کے سلسلہ میں مجاہدین نے قتل کیے۔ اس حملہ کے بعد مرکز سے بھاری تعداد میں فوجی ساز و سامان اور قوت اس علاقہ میں پہنچ گیا۔ (اس کا نام قریہ ننگلام تھا)، اور جس قریہ (ننگلام) میں یہ حادثہ رونما ہوا تھا، اس پر بمباری کر کے زمین بوس کردیا۔ یہ قریہ شیخ صاحب کا آبائی قریہ ہے، جہاں چار ہزار گھرانے زندگی گزار رہے تھے۔ یہ سب سے پہلا قریہ ہے جو جہاد کی نذر ہو گیا۔

جہاد کا دامن وسیع ہو رہا تھا اور جگہ جگہ مسلح جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ مختصر یہ کہ صوبہ کنڑ کے بہت سے علاقے مجاہدین نے آزاد کروا دیے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مجاہدین کے اکثر حملوں کی قیادت اس صوبہ میں شیخ صاحب خود کر رہے تھے۔ جب وہ دوبارہ پاکستان آ گئے تو اس نے مجاہدین کی مختلف تنظیموں میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش شروع کی، جس کے نتیجہ میں مختلف تنظیمیں متحد ہو گئیں اور یہ اتحاد کچھ عرصہ تک قائم رہا۔ شیخ صاحب اور دوسرے علماء کرام اخلاص سے استحکام میں جدو جہد کرتے رہے۔ جب یہ اتحاد ختم ہو گیا تو شیخ صاحب نے توحید کی دعوت کو جس میں وہ قدیم زمانہ سے معروف تھے، دوبارہ منظم شکل دیدی، اور جماعت سلفی افغانستان یا جماعت اہل الحدیث

ہماری نظر میں

"مشہدِ بالاکوٹ"

● تصنیف: علیم ناصری ● پتہ: مکتبہ علیمیہ گلی ۱۲/۳۱سی، نصیر آباد شالامار ٹاؤن لاہور ۹ پاکستان
● قیمت: درج نہیں

جناب علیم ناصری صاحب دارالدعوۃ السلفیہ لاہور پاکستان کے ایک اہم کارکن اور جریدہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کی مجلسِ ادارت کے فرد فرید ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا ہے، آپ قد و قامت ہی کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ عملاً بھی ایک عرصہ تک فوجی رہ چکے ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ ایک کہنہ مشق اور پرگو شاعر بھی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب آپ ہی کے قلمِ گہربار کا شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کی تحریک تجدید و احیائے دین اور اقامتِ جہاد کے واقعات کو تاریخی ترتیب و تسلسل کے ساتھ، نہایت موثر انداز میں نظم کیا ہے۔ جہاں وعظ و تبلیغ کے نقشے کھینچے ہیں وہاں قاری خود کو اس مجلس میں موجود اور اس وعظ و تبلیغ سے متاثر محسوس کرتا ہے، اور جب میدانِ جنگ میں تلواروں کی جھنکار، توپوں کی گڑگڑاہٹ اور فوجوں کی کشاکش کا نقشہ کھینچتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے پڑھنے والا خود سربکف میدان میں حاضر ہے۔

ابھی واقعاتِ جنگ کی ابتدا ہوئی ہے کہ یہ حصہ پورا ہو گیا ہے۔ توقع ہے کہ آئندہ حصہ میں جنگ بالاکوٹ تک کی پوری تاریخ آجائے گی۔

حواشی میں کہیں کہیں ضروری وضاحت بھی موجود ہے، جس سے اشعار کی تلمیح سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ضرورتِ شعری کے تحت کہیں کہیں الفاظ کے تلفظ میں تصرف بھی ہوا ہے، حاشیہ میں اس کی نشاندہی بھی مفید رہتی۔ بہرحال یہ تاریخ تحریک شہیدین کے علاوہ اردو ادب میں بھی ایک قیمتی اضافہ ہے اور اسے ہاتھوں ہاتھ لینے کی ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ اس سے دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ امت کے کام میں ایک نئے جوش و ولولہ کا کام لیا جا سکتا ہے۔

AUGUST 1987

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

ہماری اردو مطبوعات

(۱) احادیث اور سیاست	۴۰/-
(۲) قادیانیت اپنے آئینہ میں	۲۰/-
(۳) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	۲۰/-
(۴) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	۱۸/-
(۵) " " " (حصہ دوم)	۱۵/-
(۶) کتاب الکبائر	۳۵/-
(۷) رسالت کے سائے میں	۱۶/-
(۸) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	۳۵/-
(۹) " " " " (جلد دوم)	۳۵/-
(۱۰) " " " " (جلد سوم)	۵۰/-
(۱۱) " " " " (جلد چہارم)	۵۴/-
(۱۲) سیرت ابن حزم اندلسی	۴۰/-
(۱۳) کمیونزم اور مذہب	۱۶/-
(۱۴) محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے	۵/-
(۱۵) اسلامی تربیت	۳۰/-
(۱۶) آپ بیتی	۳۰/-
(۱۷) حجیت حدیث	۳۵/-
(۱۸) عقیدۃ المؤمن	۲۰/-
(۱۹) نماز میں سورہ فاتحہ	۲۰/-
(۲۰) سلفی عقائد	۳۰/-
(۲۱) عظمت رفتہ	۲۰/-

مکتبہ سلفیہ ۔ ریوڑی تالاب، بنارس

PRINTED BY : ABDUL AUWAL
AT SALAFIA PRESS, REORI TALAB, VARANASI.

مُحدّث

دار التالیف والترجمة والنشر ریوڑی تالاب بنارس

★

عدد مسلسل ٥٦ ◎ محرم ١٤٠٨ھ ◎ ستمبر ١٩٨٧ء

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ: ۹ ۰ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ ۰ ستمبر ۱۹۸۷ء ۰ جلد ۵

برگ و بار

پتہ:-
دارالتالیف والترجمۃ والنشر
بواسطہ جامعہ سلفیہ
ریوڑی تالاب۔ بنارس

نغمۂ زندگی

انور بستوی ناظم اعلیٰ ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی

شاہراہِ عمل پر مرے ساتھیو! کچھ نہ سوچو قدم کو بڑھاتے چلو
کفر کی تیرگی خود ہی چھٹ جائے گی، شمعِ توحید و سنت جلاتے چلو

آ ہی جائے گی قوم ایک اسٹیج پر، عام ہو جنسِ مہر و مروت اگر
تم دکھادو مساوات اسلام کی، سب کو جامِ اخوت پلاتے چلو

ہر طرف تیز رو کفر و الحاد ہے، کشتیِ قوم و ملت بھی غرقاب ہے
پنجۂ اول الذکر کو توڑ کر آخر الذکر کو تم بچاتے چلو

رزمگاہِ عمل سامنے آگیا، اب نہ امروز و فردا کے خوگر بنو
گرد و مسمار ایوانِ باطل کو تم، جوشِ خالد کا جوہر دکھاتے چلو

منتظر ہیں کواکب ازل سے سبھی چاند سورج ہیں آنکھیں بچھائے ہوئے
اک تمھارے چمکنے کی بس دیر ہے، ساتھ دو ان کا اور جگمگاتے چلو

رہ نما کتنے فرعون و قاروں ہوئے، کتنے شداد و ہاماں ہوئے جلوہ گر
لے کے شمشیر تم عدل و انصاف کی اور سرِ کبر ان کا اڑاتے چلو

سرخیِ گل ہے غماز اے دوستو! اور شفق اس طرح ہے اشارہ کناں
سرخرو ہونا تم چاہتے ہو اگر سرخ خونوں سے اپنے نہاتے چلو

جھک ہی جائیں گے شمس و قمر خود بخود چوم لے گا قدم آسماں یک بیک
تیز رفتار دھارے بھی رک جائیں گے، درسِ حق گر جہاں کو پڑھاتے چلو

ہم میں جوشِ براہیم مفقود ہے بت کدوں میں صنم اب بھی موجود ہے
بارِ ھل من مبارز کا تم لو پہن بت پرستی جہاں سے مٹاتے چلو

چار ٹکڑوں میں ہے منقسم دینِ حق، یہ کرم دورِ حاضر کے علماء کا ہے
کر کے انکار ایسے عقائد سے تم جادۂ حق پہ سب کو لگاتے چلو

بس خدا اور نبی کی اطاعت کرو یعنی امرین ہی پر قناعت کرو
تا نہ آئے ضلالت تمھارے قریں، اہلِ بدعت سے دامن بچاتے چلو

زندگی کے مسائل جو پیچیدہ ہیں، حل وہ ہو جائیں گے آنِ واحد میں خود
سازِ وحدت پہ انور اگر جھوم کر نغمۂ زندگی گنگناتے چلو

● ● ●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکہ معظمہ میں ایرانی سفاکی اور اس کے مضمرات

محدث کے صفحات میں ایک سے زائد بار ہم اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ ایران کا موجودہ انقلاب کوئی اسلامی انقلاب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک خالص اور ہمہ جہتی شیعی انقلاب ہے اور شیعہ مذہب یہود و مجوس کی مشترکہ سازش کی پیداوار ہے، جس کا مقصدِ وجود ہی یہ ہے کہ اسلام کے نام پر اسلام اور امتِ اسلامیہ کو جہاں تک ممکن ہو تباہ و برباد کیا جائے۔ چنانچہ اسلام کی بربادی کے لیے اس مذہب کی بنیاد ایسے عقائد پر رکھی گئی، جو صرف یہی نہیں کہ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ جو صریح طور پر اسلام کے منافی ہیں۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے شرک و کفر کی حدوں کو جا پہنچتے ہیں۔ اس مذہب میں ائمہ اہل بیت کو انبیاء کے مقام سے بلند اور خدائی تصرفات کا مالک بنا دیا گیا۔ قرآن و احادیث نبویہ کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا، جھوٹ اور فریب دہی کو اخلاقیات کا بنیادی پتھر ٹھہرایا گیا۔ اور اسلامی کیرکٹر کی بربادی کے لیے متعہ جیسی حیاسوز بدکاری کو صرف یہی نہیں کہ رواجِ عام دیا گیا بلکہ اس کی فضیلت اور خوبیوں کے سلسلے میں احادیث و آثار گھڑے گئے، اس طرح لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جس نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہا اور وہ اس مذہب کے نمائندوں کے ہتھے چڑھ گئی، اس کا دین و ایمان برباد ہو کر رہ گیا۔ آج ہندوستان و پاکستان اور ایران و لبنان وغیرہ میں ان کے اخلاف کی ایک بہت بڑی تعداد دیکھی جا سکتی ہے۔

دوسری طرف امتِ مسلمہ کی بربادی کے لیے اس مذہب نے وحی الٰہی کے اولین مخاطب اور اسلام کے اصل حاملین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور خاصانِ خاص کو کافر و مرتد قرار دے کر ان کی اور ان کے صحیح پیروکار یعنی اہل سنت کی عداوت و دشمنی اور ان کی ایذا رسانی و بربادی کو اپنا اصل الاصول قرار دیا۔ اور اس مقصد کے لیے رذالت

کی آخری صدیوں تک چلے جانے کو بھی باعثِ ثواب ٹھہرایا۔ امت کی تاریخ میں تباہی و بربادی کے جتنے بڑے بڑے حادثات پیش آئے ہیں ان کے پیچھے شیعہ حضرات کا ہاتھ ضرور رہا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں ان کے خفیہ چھاپہ ماروں کے ہاتھوں کئی لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔ حرم پاک میں عظیم خونریزی ہوئی، بار بار بغاوت کے لاوے پھوٹے اور کشت و خون کی ندیاں بہیں اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی انہی کی بدولت ہوئی جس میں تنہا بغداد و نواحِ بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اس تباہی پر شیعہ آج بھی اس قدر خوش ہیں کہ اسے خمینی صاحب نے اسلام کی خدمتِ جلیلہ قرار دیا ہے۔ دور کیوں جائیے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی بڑی تباہیاں انہی کے طفیل ہوئیں۔ میر جعفر، میر صادق، میر قاسم، قاسم علی لنگڑا وغیرہ۔ جن کی وجہ سے بنگال میں سراج الدولہ اور میسور میں شیرِ میسور سلطان ٹیپو کی مسلم سلطنتیں انگریزوں کے ہاتھوں تاراج ہوئیں اور معلوم نہیں کتنی صدیوں کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے گلے میں ذلت و رسوائی کا طوق پڑ گیا۔ یہ سارے کے سارے غدارانِ ملک و ملت اور ننگہائے دین و وطن شیعہ ہی تھے، جن کے بارے میں علامہ اقبال کا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

جعفر از بنگال، صادق از دکن ؛ ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

بلکہ علامہ اقبال نے تو ان کے نام کو غداری و بدعہدی کا رمز ہی بناڈالا۔ "الامان از جعفرانِ ایں زماں"

غرض شیعہ مذہب اور شیعہ امت کا مقصدِ وجود ہی یہ ہے کہ حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمانوں کو روئے زمین سے ختم کر دیا جائے اور یہودی شریعت اور مجوسی قوم پرستی کے معجون مرکب کو اسلام کے نام پر اقتدار و سربلندی عطا کی جائے۔ مگر جب جب انھوں نے زمین میں فساد بپا کیا اور خلقِ خدا کو اپنی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنایا، اللہ نے اپنی سنت کے مطابق ان کو بھی یہود کی طرح اپنے کچھ خاص بندوں کے ذریعہ کچلوا دیا۔ اور جو دار و گیر سے بچ رہے انھوں نے اپنے مسلمہ اصول تقیہ کے مطابق بظاہر شائستگی و سلامت روی اختیار کر لی اور خونخواری کے جذبات کو کسی مناسب وقت کے لیے دبا لیا۔

اس طرح کے مسلسل تجربات کی روشنی میں شیعہ رہنماؤں نے اسلام کی مکمل تباہی کا منصوبہ تہ خانہ سامراء کی افسانوی شخصیت محمد بن حسن عسکری (امام غائب مہدی مزعوم) کی آمد پر موقوف کر دیا۔ اور خود اندھیرے اجالے لعنت و ملامت کے الفاظ اور جلوں اور دعاؤں سے لذتِ کام و دہن لینے پر اکتفا کیا۔ چونکہ ان کے عقیدے کے مطابق اسلام و اہل اسلام کی اس ہمہ گیر تباہی کے لیے جو جنگی کارروائی ہو گی اسی کا نام جہاد ہے، اس لیے انھوں نے

جہاد کو بھی امام غائب کی آمد تک کے لیے موقوف قرار دیا، اور محض محلاتی سازشوں کے ذریعہ اہل سنت کی بربادی کے سامان مہیا کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔ مگر خمینی صاحب نے آکر اجرائے جہاد (یعنی اہل سنت کے خلاف شیعوں کی مذہبی فوج کشی) کا فتویٰ دیدیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شیعی روایات کے مطابق مشرق سے ایک فوج کالی جھنڈیاں لے کر آئے گی، اور مہدی کے لیے راستہ ہموار کرے گی۔ مہدی مکہ میں ظاہر ہوں گے۔ خانۂ کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان ملتزم کے پاس ان سے بیعت لی جائے گی۔ پھر وہ مدینہ جائیں گے، مسجد نبوی کو ڈھائیں گے اور ابوبکر وعمر نیز دوسرے صحابہ کرام، ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو، پھر ان کے طریق پر کاربند حکام اور ان کے مقربین کو زندہ کر کے سزائیں دیں گے۔ پھر نجف اشرف آئیں گے اور وہاں سے ہر چہار جانب کے شیعوں کو پکاریں گے، جس کے جواب میں ابتدار سے اُس وقت تک مرنے والے سارے شیعہ قبروں سے نکل نکل کر ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور پھر ان کے ذریعہ مہدی روئے زمین سے ان تمام افراد کا صفایا کریں گے جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے برحق ہونے کا کچھ بھی یقین رکھتے تھے۔ یہی مراد ہے اس روایت سے جس میں کہا گیا ہے کہ مہدی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔

خمینی صاحب کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ کالی جھنڈیوں والی جو فوج مہدی کا راستہ ہموار کرنے آئے گی، اگر ظہور مہدی سے پہلے پہلے اس کے ہاتھوں مکہ مدینہ (حجاز) سے لے کر نجف اشرف (عراق) تک فتح نہ ہو جائے تو مکہ میں مہدی کی بیعت، مدینہ میں ان کی انتقامی کارروائی اور نجف اشرف میں ان کے جھنڈے تلے شیعہ فوجوں کا قبروں سے نکل نکل کر اجتماع کیسے ہو سکے گا۔؟ اس لیے ضروری ہے کہ ظہور مہدی سے پہلے جہاد شروع کیا جائے، اور ان علاقوں کو بزور شمشیر یا بذریعہ حیلہ و بہانہ اپنے تصرف و اقتدار میں لایا جائے۔ چوں کہ خمینی صاحب اور ان کے پیروکار موجودہ ایرانی انقلابی حکومت کو "دولة الموطئين" (یعنی مہدی کے لیے راستہ ہموار کرنے والی حکومت) کہتے اور لکھتے ہیں۔ اس لیے ایک طرف تو انھوں نے ساری دنیا کو چھوڑ کر عراق کو اپنے جہاد کا نشانہ بنایا کہ یہی ان کے راستہ کی پہلی منزل ہے اور اسی لیے وہ لاکھوں لاکھ ایرانیوں کی پے بہ پے ہلاکت کے باوجود پورے جذبۂ خونخواری کے ساتھ میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ان پیشین گوئیوں کے مطابق فتح کی امید میں جنگ بندی کی ہر کوشش کو ٹھکراتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف حجاز پر نظریں گاڑے ہوئے ہیں، اور وہاں سے آل سعود کو بے دخل کرنے کی سازشیں رچتے پھر رہے ہیں۔ کبھی لندن میں کبھی پاکستان میں اور کبھی کسی اور جگہ کانفرنسیں کی جا رہی ہیں۔

کہ حجاز پر سارے اسلامی ممالک کی مشترکہ حکومت قائم کی جائے اور اس کے لیے تائید حاصل کی جاتی ہے، لیبیا کے قذافی جیسے کمیونسٹ اور شام کے حافظ الاسد جیسے شیعہ اور ملحد حکمرانوں سے یا منکرین حدیث اور بریلوی جماعت کے بعض ناواقف سربراہوں سے جو وہابیت دشمنی کے دیرینہ جذبہ سے مغلوب ہو کر حقائق اور انجام سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان کوششوں سے ایران کا منشا یہ ہے کہ ایک بار حجاز پر اسلامی ممالک کا مشترکہ اقتدار قائم ہو جائے تو پھر وہاں ایرانی فوج اتنی بڑی تعداد میں اتار دی جائے کہ وہ خالص ایرانی مقبوضہ بن جائے اور کسی کے لیے دم مارنے کی گنجائش نہ رہے۔

اس مقصد کے لیے کانفرنسوں کے علاوہ فوجی اور نیم فوجی کارروائیاں بھی ایران کے پروگرام میں مستقلاً شامل ہیں، اور اس کے لیے موسم حج کا استحصال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ کئی برس سے ایران زمانۂ حج میں گڑبڑ مچاتا چلا آ رہا ہے۔ دو بار مدینہ میں ہنگامہ ہو چکا۔ کئی بار مکہ میں مظاہرہ ہوا، تین چار سال پہلے حکومت ایران نے شدت سے اصرار کیا کہ حرم سے متصل ہر چہار جانب کے مکانات ایرانی حجاج کو دیے جائیں اور ان کے بعد دور دراز جو مکانات باقی بچیں وہ دیگر ممالک کے حاجیوں کو دیے جائیں۔ نیز کسٹم پر ایران سے جانے والے عازمین حج کے سامان چیک نہ کیے جائیں۔ مقصد ظاہر ہے یہ تھا کہ اس طرح ایرانی حضرات اسلحہ سمیت مکہ میں داخل ہو جائیں اور حرم اور اس کے اطراف پر اس طرح قبضہ کر لیں کہ سعودی فوج کے لیے کارروائی کرنی ناممکن یا سخت مشکل ہو جائے۔ پھر ان قابضین کی امداد کے لیے ایران کے فوجی طیارے اور بحری جنگی جہاز حرکت میں آ جائیں، اور مکہ اور پھر حجاز پر شیعہ حکومت قائم ہو جائے۔ مگر سخت اصرار کے باوجود سعودی حکومت ان کے دام فریب میں نہ آئی تو پچھلے سال متعدد ایرانی حجاج کو گولہ بارود کے ساتھ بھیجا گیا کہ کم از کم وہ تخریب کاری ہی کریں۔ لیکن یہ گولہ بارود کسٹم ہی میں پکڑ لیا گیا۔ تو اس سال ایک نئی اسکیم بنائی گئی۔ حجاج کے بھیس میں خاصی تعداد میں تربیت یافتہ فوجی حج کے بہانے مکہ آئے اور چھریوں اور چاقوؤں سے مسلح ہو کر مظاہرہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ سڑکوں پر کھڑی کاروں اور دیگر اشیاء کو آگ لگانی شروع کر دی اور رانوں کے اندر چھپائے ہوئے چھروں اور چاقوؤں سے سعودیوں اور غیر ایرانی حاجیوں پر حملے شروع کر دیے۔

غالباً ایرانیوں نے سمجھ رکھا تھا کہ مکہ میں چند مسلح پہریداروں اور بے ہتھیار نگراں پولیس کے سوا کوئی مسلح سعودی فورس نہیں اور جب تک جدہ یا طائف سے مسلح فوج آئے گی تب تک وہ بہت بڑے پیمانے پر تباہی مچا کر

خانہ کعبہ پر قبضہ کر چکے رہیں گے اور کم ازکم اس سال کا حج نہ ہونے دیں گے ۔ مگر کشت وخون اور آتش زنی کا یہ سلسلہ جاری ہوتے ہی سعودی فورس نے مظاہرہ کی پیش قدمی روک دی جس سے گھبرا کر پیچھے کے بے خبر ایرانی سورماؤں میں بھگدڑ مچ گئی، اور اس کے نتیجہ میں خود ان کے کئی سو افراد پیروں تلے کچل کر لقمۂ اجل بن گئے ۔

ایرانی رہنماؤں کو معلوم تھا کہ اس طرح کی تخریبی کارروائیوں سے وہ مکہ معظمہ پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکیں گے ۔ لیکن انھیں توقع تھی کہ یہ پروگرام اس حد تک ضرور کامیاب ہو جائے گا کہ حج کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور قتل وخونریزی آتش زنی اور فساد اور گڑبڑی اتنے بڑے پیمانے پر پھیلے گی کہ طویل وقفے تک سعودی فورس کنٹرول نہ کر سکے گی ۔ مختلف ممالک کے حجاج بڑے پیمانے پر قتل اور زخمی ہوں گے ، پھر گڑبڑ کا الزام سعودی باشندوں اور سعودی فورس کے سر رکھ کر پورے عالم اسلام میں اس کی غفلت ، شرارت اور بدنظمی کا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا ۔ (جیسا کہ اب بھی کیا جا رہا ہے) لہٰذا سعودی ، دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے اور اس طرح پورے عالم اسلام کو سعودی عرب کے خلاف متحد کر کے یہ متفقہ مہم چلائی جائے گی کہ حجاز کو سعودی عرب کے اقتدار سے نکال کر وہاں کا انتظام پورے عالم اسلام کے نمائندوں کے حوالے کیا جائے ۔ ایران کو یقین تھا کہ یہ مہم کامیاب ہوگی اور یوں اس کا دیرینہ منصوبہ عالم وجود میں آجائے گا ۔ مگر أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ والے پروردگار نے پورا معاملہ ہی الٹ دیا اور ایرانی پروگرام صرف یہی نہیں کہ پہلے ہی قدم پر فیل ہو گیا ، بلکہ ان کی تخریبی کارروائی کی پوری ویڈیو فلم بھی لے لی گئی جس کے بعد ایرانیوں کی کوئی بات بنائے نہ بن سکی ۔ اور ساری دنیا نے سعودی عرب کی تائید اور اس کے حسن نظام اور بروقت کارروائی کی تعریف کی اور ایران پر لعنت و ملامت کے ڈونگرے برسائے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔

یہ ہیں وہ مضمرات و مقاصد جن کے لیے ایرانی کارندے کئی برس سے حرمین شریفین جیسے مقدس مقامات کو اپنی ہلڑ بازی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور جس کے لیے انھوں نے اس سال حرمین کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین کام انجام دیا ورنہ آپ غور کیجیے کہ آخر اس کا کیا تک ہے کہ حرمین شریفین میں تو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف مظاہرے منظم کر کے مردہ باد کے نعرے لگائے جائیں اور ان کے سربراہوں کے پتلے جلائے جائیں مگر بندر خمینی اور تہران ہوائی اڈے پر امریکی اور اسرائیلی جہازوں کا استقبال کیا جائے اور دولت کا انبار ان دونوں ملکوں کے حوالے کر کے مسلمانوں کے قتل کے لیے ان سے اسلحہ خریدے جائیں ۔

اور پھر اعمال حج کے دوران لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی جگہ لبیک یا خمینی پکارا جائے ۔ طواف کے دوران پرسوز دعاؤں کی جگہ " اللہ واحد ، خمینی قائد " اور " اللہ اکبر ، خمینی رہبر " کی صدائیں بلند کی جائیں اور قربانی کے جانوروں کی جگہ

انسانوں کو ذبح کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیا اسی دورُخی پالیسی کا نام اسلام دوستی ہے اور کیا انھی ہلڑبازیوں کا نام حج ہے؟ بہرحال اب کی بار تو قدرت نے ضرب لگائی ہی ہے۔ آئندہ بھی ان شاء اللہ حرم میں مفسدہ پردازی کرنے والوں کو ناکامی ہی ہاتھ آئے گی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۔ (ق)

ابوھشام ...

بقیہ : مولانا کرامت علی جونپوری رح

اسی مدرسہ میں پڑھاتا تھا۔ مولانا شبلی کو علم ہوا تو سخت تنغص ہوا اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ شعر آگیا۔

از ہجوم جغد در ویرانۂ ما جا نماند
آں قدر آباد شد کہ ما می خواستم

مولانا سخاوت علی کے مشاہیر تلامذہ یہ ہیں : مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی ، مولانا حبیب علی جونپوری ، مولانا سید محمد یعقوب دسنوی ، مولانا مصطفٰے بشیر بہاری ، مولانا شجاعت حسین بہاری ، مولانا ولی محمد سکروری ، مولانا محمد عمر غازیپوری ، مولانا فیض اللہ مئوی ، مولانا شیخ محمد مچھلی شہری ۔ آخرالذکر کی ذات صفات سے اس دیار کے لوگوں کو بہت فیض پہنچا۔ انھی کے شاگرد ہمارے شہر کے اہل حدیثوں کے امام مولانا خدابخش صاحب تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے عربی کی ابتدائی کتابیں انھی سے پڑھی تھیں۔ ...

محدث : افسوس کہ مولانا کرامت علی جونپوری کا مسلک اقامت جہاد کے سلسلے میں شہیدین سے اس قدر مختلف ہوا کہ متضاد ہوگیا۔ جس سے انگریزوں کو فائدہ اور مجاہدین کو نقصان پہنچا۔ ابتداء میں تصوف اور کرامت کا جو ذکر آیا ہے، ان شاء اللہ آئندہ اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ...

بقیہ : قرآن مجید کی اصطلاحات اربعہ

(د) دین کے حقیقی معنے وہ فطرت انسانی ہے جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید نے اور خود رسول کریم نے بیان کیا ہے۔ لہٰذا لفظ دین کا معنیٰ ہمہ گیر ریاست کرنا محض الحاد و تحریف ہے۔ جیسا کہ مودودی صاحب نے کیا ہے۔

یہ ہے اصطلاحات اربعہ کا دو حرفی مفہوم۔

فراہی مکتبِ فکر اور بعض احادیثِ رجم کی غلط تعبیر و تشریح

غازی عزیر، ،، التشغیل،، ص ب ۲٦۲ الخبر ۳۱۹۵۲ ۔ المملکة العربیة السعودیه

مولانا حمید الدین فراہی صاحب مرحوم کے مکتبِ فکر کے مبلغ و مفسرِ قرآن جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی ،، تدبر قرآن ،، کی جلد چہارم، اور اسی مکتبِ فکر کے ترجمان ،، سہ ماہی رسالہ ،، تدبر،، کا شمارہ نمبر ۳ ایک رفیق کار کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اگرچہ ،، تدبر قرآن ،، کے مکمل مطالعہ کا موقع نہیں مل سکا تاہم احادیث رجم سے متعلق پیش کردہ پوری بحث ،، تدبر قرآن ،، اور رسالہ ،، تدبر ،، دونوں میں پڑھی۔ تمام بحث میں جس طرح احادیثِ رجم پر تنقید کی گئی ہے یا بعض الفاظ اور فقرات کو معانی و مطالب کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے یا بعض صحابیہ و صحابہ رضی اللہ عنہما کی بعض غلطیوں کی نشاندہی پر اکتفا کرنے کے بجائے ان کے ذاتی اوصاف و کردار پر زبان طعن و تشنیع دراز کی گئی ہے۔ وہ قابل صد افسوس ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

واضح رہے کہ تدبر قرآن ،، قرآن کی وہ تفسیر ہے جس کی بعض منتخب سورتیں ہند و پاک کے بعض معیاری دینی مدارس (مثلاً جامعة الصالحات، رام پور، یوپی وغیرہ) کے درسی و غیر درسی نصاب میں باقاعدہ شامل ہیں۔

ذیل میں رجم کا مفہوم اس کی تشریعی حیثیت، احادیث رجم کا عمومی جائزہ اور مولانا اصلاحی صاحب کی احادیثِ رجم سے متعلق قابلِ اعتراض عبارات اور ان کا تحقیقی جواب پیش کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

اسلامی قانون میں رجم یعنی سنگسار کی سزا اُن آزاد، بالغ، محصن و محصنة (شادی شدہ مرد و زن) پر مقرر کی گئی ہے جو بالاختیار اور دانستہ طور پر بقائمی ہوش و حواس واقعةً فعل زنا کے مرتکب ہوں اور ان کے اس فعل بد پر شرعی حجت بھی قائم ہو جائے۔ کتب احادیث میں حد رجم کا بیان صراحت کے ساتھ تقریباً چالیس صحابہ سے مروی ہے جن کو بعد کے ہر دور میں کثیر التعداد ثقہ رواة نے روایت کیا ہے۔ عہد نبوی ؐ اور خلفائے راشدین رض

کے دورِ خلافت میں متعدد محصن زنا کے مرتکبوں کو سنگسار کی سزا دی جاتی رہی[۱] پھر بعد کے تمام صحابہ کرامؓ، تابعینؒ تبع تابعین، محدثین اور تمام مسالک کے شیعہ وسنی فقہاء ومجتہدین نے اس سزا کی تشریعی حیثیت پر اجماع واتفاق کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ لکھتے ہیں۔: "تمام اہل علم کا اس امر پر اتفاق واجماع ہے کہ رجم کی سزا صرف شادی شدہ پر واجب ہے[۲]"۔ عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ میں اس حد پر عمل جاری رہا۔ یہی جمہور کی دلیل ہے۔[۳] اس سزا کے متعلق صحابہ کرامؓ وتابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے کہ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ قرنِ اول میں کسی فرد کو اس کے ثابت شدہ حکم شرعی ہونے سے انکار یا اس کی مشروعیت میں شک وشبہ ہو۔ اس سنت ثابتہ کی صحت کے اتنے قوی اور متواتر ثبوت موجود ہیں کہ کوئی صاحب علم اس کی مشروعیت سے قطعاً انکار نہیں کرسکتا۔

صرف خوارج، بعض معتزلہ[۴] اور عصر حاضر کے منکرین حدیث اس کی مشروعیت کے منکر ہیں، لیکن ان کے انکار کی وجہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ اس حکم کے ثبوت میں کسی کمزوری کی نشاندہی کرسکے ہوں، بلکہ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں حد رجم کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس سزا کو کتاب اللہ کے خلاف قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس فعلِ بد پر اگر سزا دی جائے گی تو قرآن کریم کے حکم کے مطابق[۵] صرف سو کوڑے اور وہ بھی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد وزن کے مابین کسی تفریق کو ملحوظ رکھے بغیر۔

ابن بطال کا قول ہے کہ صحابہؓ اور ائمہ امصارؒ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر محصن عمداً، دانستہ اور مختار طریقہ پر زنا کا مرتکب ہو تو اس پر سنگسار کی سزا ہے، صرف خوارج اور بعض معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ ابن عربی نے اہل مغرب کے کچھ طائفوں کے متعلق بھی رجم کا انکار نقل کیا ہے[۶]

کتب احادیث میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ایک تاریخی خطاب موجود ہے جس میں آں رضی اللہ عنہ نے بعد کے زمانوں میں حد رجم کے منکرین کے متعلق اپنے خدشہ کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے۔۔

● [۱] فتح الباری شرح صحیح بخاری جز ۱۲ کتاب الحدود عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۴۹ والمغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۱۵۷ ● [۲] المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۱۶۱ ● [۳] عون المعبود ج ۴ ص ۲۴۸ ● [۴] تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۲ ص ۳۲۲ وعون المعبود ج ۴ ص ۲۴۸ والمغنی ج ۸ ص ۱۵۷ ● [۵] الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مأۃ جلدۃ (سورۃ النور) زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (ترجمہ از تفہیم القرآن للمودودی ج ۳ ص ۳۱۹) ● [۶] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۴۸۔

عن عبد اللہ بن عباس ان عمر یعنی عمر بن الخطاب خطب، فقال ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق و انزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل علیہ آیۃ الرجم فقرأناھا و وعیناھا و رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجمنا من بعدہ وانی خشیت ان طال بالناس الزمان ان یقول قائل ما نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ فالرجم حق علی من زنی من الرجال و النساء اذا کان محصناً اذا قامت البینۃ او کان حمل او اعتراف۔» [۸]

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ اللہ نے آپ پر نازل کیا، اس میں آیتِ رجم بھی ہے۔ ہم نے اس آیت کی تلاوت کی اور اس کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رجم فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زیادہ زمانہ گزر جائے گا تو کہنے والا یہ نہ کہے کہ کتاب اللہ میں ہمیں آیتِ رجم نہیں ملتی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اس فریضہ کو ترک کر کے ضلالت و گمراہی میں جا پڑیں گے۔ پس رجم حق ہے ان مردوں اور عورتوں پر جو شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کے مرتکب ہوں بشرطیکہ اس پر (چار مردوں کی) شہادت قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو یا (مجرم) اعترافِ جرم (کرے)۔»

....

اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ شیخین نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ «ھذا حدیث صحیح»[۸]۔ قرآن کریم کی وہ آیتِ رجم جس کی طرف حضرت عمرؓ کے مندرجہ بالا خطاب میں اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے: «الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم»[۹]۔ امام مالک نے اس آیت کے الفاظ «الشیخ والشیخۃ» کے معنی «الثیب والثیبۃ» بیان کیے ہیں[۱۰]۔ اسی طرح قاری کا قول ہے کہ ان الفاظ کی کھلی تفسیر «المحصن والمحصنۃ» ہے۔ امام نوویؒ کا قول ہے کہ قرآن کریم میں آیتِ رجم

● [۷] عون المعبود شرح سنن ابو داؤدؒ ج ۱۲ ص ۲۵۰ - ۲۵۱ - و جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۲ و صحیح بخاریؒ مع فتح الباری کتاب المحاربین ج ۱۲ و المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۱۵۷ - ۱۵۸ وغیرہ ● [۸] جامع الترمذی مع التحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۲ ● [۹] ایضاً و عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۱ و موطا امام مالکؒ ج ۴ طبع بیروت و المغنی ج ۸ ص ۱۵۵ ● [۱۰] موطا امام مالکؒ ج ۴

کی کتابت، قرأت و تلاوت منسوخ ہوگئی ہے، لیکن اس کا حکم بدستور باقی ہے۔ حضرت عمرؓ کا رجم کے متعلق اعلان فرمانا، وہ بھی اس حالت میں کہ آپؓ منبر پر خطاب فرما رہے ہوں اور ان کے اس خطاب پر صحابہ کرام اور تمام حاضرین سکوت اختیار کیے رہیں، ثبوتِ رجم کی واضح دلیل ہے۔ نیز عہدِ رسالت اور خلافتِ حضرت ابوبکرؓ و خلافتِ حضرت عمرؓ میں اس حد شرعی پر عمل کیا جانا اس کے اجماع کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے جس خدشہ کا اظہار اوپر فرمایا ہے وہ بعض دوسری احادیث میں اس طرح مذکور ہے۔

(۱) عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب قال رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و رجم ابوبکر و رجمت ولولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب اللہ لکتبتہ فی المصحف فانی قد خشیت ان یجئ اقوام فلا یجدونہ فی کتاب اللہ فیکفرون بہ۔» [۱]

(ترجمہ) سعید ابن المسیب نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا۔ (ان کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے رجم کیا اور میں نے بھی رجم کیا۔ اگر مجھے کتاب اللہ میں اضافہ کرنا ناپسند نہ ہوتا تو میں قرآن کریم میں (اس منسوخ شدہ آیتِ رجم کو) لکھ دیتا کیوں کہ مجھے خدشہ ہے کہ (بعد میں) ایسی قومیں آئیں گی جو کتاب اللہ میں (آیتِ رجم) کو نہ پا کر (حد رجم) کا انکار کریں گی۔»

... ...

(۲) «عن ابن عباس» ان عمر قال: سیجئ قوم یکذبون بالرجم۔» [۲]

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ایک ایسی قوم آئے گی جس کے لوگ رجم کو جھٹلائیں گے۔»

(۳) حضرت عمرؓ کی ایک اور حدیث جو سعید بن ابراہیم عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کے طریق سے مروی ہے، میں آپؓ کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ان ناسا یقولون ما بال الرجم وانما فی کتاب اللہ الجلد الا قد رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔» [۳] وغیرہ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب کی حضرت علیؓ سے مروی حضرت عمرؓ کی حدیث (جس کی تخریج امام بخاری نے بھی کی ہے) «حسن صحیح» ہے، جو اور بھی کئی طرق سے وارد ہوئی ہے۔» [۴]

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو متنبہ اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

• [۱] جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۲ • [۲] اخرجہ عبد الرزاق والطبری؟ • [۳] فتح الباری شرح صحیح بخاری؟ کتاب الحدود ج ۱۲ دنسائی • [۴] جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۲۔

"ایاکم ان تھلکوا عن اٰیۃ الرجم ان یقول قائل لا نجد حدّین فی کتاب اللّٰہ ، فقد رجم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورجمنا۔" ۱۵۔

(ترجمہ) خبردار! آیتِ رجم کے بارے میں کسی ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جانا، شاید کہ کوئی شخص یہ کہے کہ کتاب اللہ میں ہم دو سزاؤں کا ذکر نہیں پاتے (مگر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم لوگوں نے بھی رجم کیا۔"

حضرت عمرؓ نے خطبہ میں نہ صرف اپنے خدشہ کا اظہار فرمایا بلکہ یہاں تک کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایسا کہتے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا ہے تو میں اس منسوخ آیتِ رجم کو یقیناً قرآن کریم میں لکھ دیتا۔" آپ کے اس قول سے سزائے رجم کی تشریعی حیثیت پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"وایم اللّٰہ لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللّٰہ لکتبتھا" ۱۶ .... اور

"ولولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب اللّٰہ لکتبتہ فی المصحف" ۱۷

اوپر نقل کیے گئے حضرت عمرؓ کے خطبہ سے عہد رسالت و خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ میں محصن یعنی شادی شدہ زانی مردوں و عورتوں کو سزائے رجم کا دیا جانا ثابت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:

"عن انس بن مالک قال رجم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وامرھما سنۃ۔" ۱۸

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے رجم کیا اور ان لوگوں کا یہ امر سنت ہے۔

ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ "انس بن مالک کی اس روایت کے تمام رجال ثقات ہیں۔" ۱۹

حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بھی شادی شدہ زانیوں کو سزائے رجم دی گئی تھی۔ چنانچہ ایک زانیہ کی سزائے رجم کے متعلق حدیث میں مروی ہے:

حدثنا سلمۃ بن کھیل قال سمعت الشعبی (ترجمہ) سلمہ بن کہیل نے بیان کیا کہ میں نے شعبی کو حضرت

• ۱۵ موطا امام مالکؒ ج۲ • ۱۶ سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج۴ ص ۲۵۱ عن ابن عباسؓ و موطا امام مالکؒ ج۲ • ۱۷ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۲ ص ۳۲۲ • ۱۸ رواہ ابویعلی وکذا فی مجمع الزوائد و منبع الفوائد للہیثمیؒ ج۶ ص ۲۶۴ طبع دار الکتب العربی بیروت ۱۹۸۲ء • ۱۹ مجمع الزوائد و منبع الفوائد للہیثمیؒ ج۶ ص ۲۶۶

طبع دار الکتب العربی بیروت ۱۹۸۲ء

یحدث عن علی رضی اللہ عنہ حین رجم المرأۃ یوم الجمعۃ وقال قد رجمتھا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ،، [۲۰]

علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن جس وقت ایک عورت کو رجم کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق سنگسار کیا ہے ۔

... ...

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ : ،، حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ شادی شدہ زانیوں کو رجم کیا کرتے تھے ، کوڑے نہیں لگواتے تھے ۔ ،، [۲۱]

ایک اور مقام پر ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ : ،، اخبار متواترہ کی روشنی میں سزائے رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے ، نیز یہ کہ حد رجم پر تمام اصحاب رسول اللہ کا اجماع بھی موجود ہے ۔ ،، [۲۲]

شریعت میں کسی محصن زانی (جس کے لیے فقہاء نے الگ الگ شرطیں بیان کی ہیں [۲۳]) کے حد رجم کے لیے جن چار شرائط پر اجماع ہے وہ یہ ہیں : ،، عقل ، بلوغ ، حریت اور نکاح صحیح کی اصابت ،، [۲۴] ۔ ان چار شرائط کے علاوہ تمام محدثین کرام اور شارحین حدیث رحمہم اللہ نے کوئی پانچویں شرط بیان نہیں کی ہے ۔ لیکن فراہی مکتب فکر ، کے نزدیک یہ چار شرائط کافی نہیں ہیں ، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ شرائط ہی صحیح نہیں ہیں تو بجا نہ ہوگا ، کیوں کہ ان کے نزدیک اس حد کا اصل معیار اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اگر زنا کا مرتکب دہشت گرد اور عادی مجرم ہو یا اس میں غنڈہ پن پایا جاتا ہو ۔ یا وہ حکومت اور معاشرہ کے لیے آفت اور وبال بن جائے تو اس کو بالحاظ احصان رجم کیا جائے گا ۔ لیکن وہ اگر عادی مجرم دہشت گرد یا غنڈہ نہ ہو ، حکومت و معاشرہ کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بھی نہ بنے ، بلکہ کبھی کبھار یا بس ایک دو بار اس فعل بد کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے چار عادل گواہوں کی شہادتوں کے باوجود رجم نہیں کیا جائے گا ۔ بلکہ سو کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ ۔

چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں :

مجرم دو قسم کے ہوتے ہیں ، ایک تو وہ جن سے چوری یا قتل یا زنا یا قذف کا جرم صادر ہو جاتا ہے ۔ لیکن ان کی

---

[۲۰] صحیح بخاری مع فتح الباری کتاب المحاربین ج ۱۲ • [۲۱] المغنی ج ۸ ص ۱۶۰ ، • [۲۲] ایضاً ج ۸ ص ۱۵۷ • [۲۳] ایضاً ج ۸ ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ • [۲۴] شرح السنۃ وعون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۵۱

نوعیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ معاشرے کے لیے آفت اور وبال بن جائیں یا حکومت کے لیے لاء اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جو اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اور جتھا بنا کر بھی معاشرے اور حکومت دونوں کے لیے آفت اور خطرہ بن جاتے ہیں۔

پہلی قسم کے مجرموں کے لیے قرآن میں معین حدود اور قصاص کے احکام ہیں جو اسلامی حکومت انھی شرائط کے مطابق نافذ کرتی ہے، جو شرائط قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے قسم کے مجرموں کی سرکوبی کے لیے احکام سورۂ مائدہ کی آیات نمبر ۳۳ اور ۳۴ میں دیے گئے ہیں" ۲۵

اور

"یہ سزا (یعنی سنگسار) ہر قسم کے زانیوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ صرف ان زانیوں کے لیے ہے، جو معاشرے کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں۔ عام سزا زنا کی وہی ہے جو سورۂ نور کی زیر بحث آیت میں مذکور ہے، قطع نظر اس سے کہ مرتکب جرم شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔" ۲۶

"تدبر قرآن" کی مندرجہ بالا عبارات کا سرسری مطالعہ کرنے سے ایک عامی شخص پر بھی یہ حقیقت منکشف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اس میں نہ صرف صریح طور پر احادیث صحیحہ و اجماع صحابہ کا انکار کیا گیا ہے، بلکہ قرآن کریم کی سورہ المائدہ کی آیاتِ محاربہ (۳۳-۳۴) اور سورۃ النور کی آیت جلد (۲) کی نرالی تفسیر و تاویل بھی پیش کی گئی ہے۔ (فإنا للہ وانا الیہ راجعون)۔ غالباً اصلاحی صاحب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ تمام امتِ مسلمہ ان آیات کی صحیح تفسیر و تعبیر جو وہ سو اسلامی سال سمجھنے سے قاصر رہی۔ حتیٰ کہ چاروں خلفائے راشدین، خیر القرون کے تمام صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد جملہ مفسرین و محدثین و فقہاء مجتہدین بھی۔ لیکن اگر کسی کو یہ بابرکت سعادت نصیب ہوئی ہے تو وہ اس صدی کے مولانا اصلاحی صاحب کی ذات گرامی ہے۔

آپ کتب تفاسیر میں سے تمام متقدمین و متاخرین کی مشہور عربی، اردو اور انگریزی تفاسیر مثلاً احکام القرآن للجصاص، تفسیر للبیضاوی، تفسیر لابن جریر الطبری، تفسیر خازن، تفسیر للقرطبی، تفسیر روح المعانی للآلوسی، الکشاف للزمخشری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین، مدارک التنزیل، معالم التنزیل، درمنثور، تفسیر المنار، تفسیر فی ظلال القرآن لسید قطب شہید، تفہیم القرآن از ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن بلطائف البیان از نواب صدیق حسن خاں، تفسیر حقانی از عبدالحق حقانی، تفسیر مظہری از ثناء اللہ پانی پتی، بیان القرآن از اشرف علی تھانوی، ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد، تفسیر ماجدی

۲۵ تدبر قرآن، از مولانا امین احسن اصلاحی ج ۲ ص ۵۰۴ ۲۶ ایضاً ج ۴ ص ۵۰۱۵

از عبدالماجد دریاآبادی، تفسیر معارف القرآن از محمد شفیع، تفسیر قرآن از عبداللہ یوسف علی، تفسیر قرآن از ڈاکٹر محمد تقی الدین الھلالی المراکشی و ڈاکٹر محمد حسن خان، تفسیر از پکھتال وغیرہ میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیں، اس میں اصلاحی صاحب جیسی انوکھی اور نرالی تفسیر و تاویل نہیں ملے گی۔

آیاتِ محاربہ اور آیتِ جلد کی اوپر پیش کی گئی تفسیر و تاویل کی روشنی میں قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ مسئلہ رجم میں فراہی مکتبِ فکر اور خوارج و معتزلہ کے نکتہ نظر کے مابین کس قدر کم بُعد و اختلاف باقی رہ جاتا ہے؟ کیا صرف یہی نہیں کہ خوارج و معتزلہ سرے سے ہی حدِ رجم کے منکر ہیں، لیکن فراہی مکتبِ فکر سے وابستہ حضرات رجم کو صرف عادی، دہشت گرد اور غنڈہ مجرموں کے لیے خاص کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی زانی محض اس لیے حدِ رجم کا مستحق قرار نہیں پاتا کہ وہ شادی شدہ تو ہے، لیکن بدخصلت غنڈہ نہیں ہے۔

اوپر مضمون میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ محصن کے لیے حدِ رجم سنت ثابتہ متواترہ ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین، تمام صحابہ و تابعین، جملہ ائمۂ حدیث و فقہ و اجتہاد اور علمائے امصار کا اتفاق و اجماع ہے اور یہ بھی معلوم و معروف امر ہے کہ خلفائے راشدین کا عمل سنت[۲] کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح امت کے اجماع کو بھی شریعت میں حجت تسلیم کیا ہے۔ اجماع میں بھی سب سے بڑھ کر اجماع خلفائے راشدین کا ہے، پھر صحابہ کرام کا اجماع اور پھر امت کا اجماع۔ ان سب باتوں کی سند و صحت خود اصلاحی صاحب کے نزدیک مسلم ہے، جیسا کہ آج سے تقریباً تیس سال قبل موصوف نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا تھا۔ اس مضمون کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

---

[۲] حدیث میں ہے کہ: عَلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ (ابوداؤد، ترمذی، وابن ماجہ، ومسند احمد، وکذا فی الاعتصام للشاطبی الغرناطی ج ۱ ص ۷۰) یعنی "میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفا کا طریقہ اختیار کرو، اس کو اچھی طرح پکڑے رہو اور اس کو دانت سے دبائے رہو، البتہ نئی باتوں سے بچنا کیوں کہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ "ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ سیدھی لکیر "صراطِ مستقیم" ہے اور دائیں بائیں کی لکیریں اہواء (نفسانی) ہیں۔ بعض صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ صحیح راہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" یعنی وہ راہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔" ● ش ←

"اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفائے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خلفائے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے یہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے، جس کی مثالیں خلفائے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔ اول تو یہ خیر القرون کے لوگوں کا اجماع ہے، جن کی حق طلبی و حق کوشی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ ثانیاً اسی مبارک دور میں عملاً یہ شکل اختیار کی جا سکی کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو اس میں وقت کے اہل علم اور صالحین کی رائیں معلوم کی گئیں اور پھر ایک متفق علیہ بات طے کر کے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری و نافذ کیا اور سب نے اس پر بغیر کسی اختلاف و اعتراض کے عمل کیا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفائے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت دی گئی ہے۔ سعید ابن مسیب کی فقہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کو ایک اصولی چیز کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم نخعی کی فقہ میں حضرت علیؓ کے فیصلوں کو ایک مستقل جگہ حاصل ہے۔ یہی اعتماد ہر مسلمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فیصلوں پر ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو فقہ مالکی ہو یا فقہ حنفی، ہر ایک کے اندر خلفائے راشدین کے تعامل کو سنت ہی کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہوا۔ انھی کے مبارک دور میں اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کا قرآنی وعدہ پورا ہوا۔ اور اسلامی شریعت کے بہت سے احکام کا انطباق زندگی کے معاملات میں عملاً متعین ہوا۔ اس پہلو سے خلفائے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لیے وہ نظام ایک مثالی نظام ہے، جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں وہ ہمارے لیے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہمارے لیے انحراف جائز نہیں ہے، اس کلیہ سے اگر کوئی چیز مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو صرف وہ چیز ہو سکتی ہے جو مجرد کسی وقتی

ــــہ شاید کیونکہ ایک حدیث میں ہے: ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار (ترمذی)

مصلحت کے تحت انھوں نے اختیار فرمائی ہو۔" [۲۹]

مولانا اصلاحی صاحب اپنی اس سابقہ تحریر کو دوبارہ پڑھیں اور بتائیں کہ اب آخر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ متواترہ خلفائے راشدین کے حق نما فیصلوں اور تعامل اور صحابہ کرام و تابعین و دیگر صلحائے امت کے اجماع سے کھلا انکار کیا جارہا ہے؟ کیا اس انکار کی وجہ یہ سمجھی جائے کہ اصلاحی صاحب نے اپنی مندرجہ بالا سابقہ تحریر سے رجوع کر لیا ہے؟ یا پھر اسے اس مقولہ کے مصداق سمجھا جائے کہ: "چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی" یہ بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ پہلے اصلاحی صاحب راہِ حق پر گامزن ہوں، بعد میں رفتہ رفتہ اعتزال کی طرف ان کا جھکاؤ بڑھتا گیا ہو، کیوں کہ اجماع کا انکار معتزلہ کا شعار ہے، جیسا کہ عبدالقاہر البغدادی فرماتے ہیں۔ "معتزلہ قانونِ اسلامی کے ماخذ میں سے حدیث اور اجماع کو قریب قریب ساقط کر دیتے تھے" [۳۰]۔ اور یہاں پر تو خلفائے راشدین کے اجماع، فیصلوں اور تعامل کے ساتھ اجماع صحابہ اور اجماع امت تمام چیزوں کو ساقط کیا گیا ہے۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جناب اصلاحی صاحب نے اپنی تائید میں کتاب اللہ یا سنتِ رسول ﷺ سے کوئی صریح نص بھی پیش نہیں کی ہے، بلکہ اپنی پیچ تاویلات کی عمارت محض قیاس آرائیوں پر کھڑی کر رکھی ہے، کیوں کہ سرے سے ایسی کوئی نص موجود ہی نہیں ہے جو شواہد اور قرائن اس سلسلہ میں پیش کیے گئے ہیں، ان میں یا تو احادیثِ صحیحہ کو توڑ مروڑ کر اپنی پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق پیش کیا گیا ہے، یا پھر ان کے وہ مفہوم و معانی متعین کیے گئے ہیں جو فی الواقع احادیث کے اصل مفہوم و معانی اور مزاجِ شریعت کے قطعاً منافی ہیں: مثلاً مولانا اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"ماعز کی سزائے رجم کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں، ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بھلا مانس تھا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا (غنڈہ) تھا۔" [۳۱]

"میری رہنمائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی، [۳۲] اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں، جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا (ٹھہرا)۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ پیچھے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے

---

[۲۹] ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، مضمون: سنت خلفائے راشدینؓ مرتبہ مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۴۸، ۴۹ مجریہ ماہ فروری ۱۹۵۶ء۔ [۳۰] الفرق بین الفرق لعبدالقاہر البغدادی ص ۱۳۸۔۱۳۹ مطبعۃ المعارف بمصر۔ [۳۱] تدبر قرآن ج ۴ ص ۵۰۵۔ [۳۲] ایضاً۔ [۳۳] یہ اصلاحی صاحب کی عجیب منطق ہے کہ ان کی خیالی روایات کے راجح ہونے کی بنیاد رجم کا واقعہ ہے اور رجم کے واقعہ کی بنیاد [illegible]

فائدہ اُٹھا کر شریف بہوؤں، بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ عورتوں کے پیچھے یَنِبُّ نَبِیْبَ التَّیْسِ ... الخ،" [۲۵]

اور ـــــ :

"آپؐ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔" [۲۶]

اسی طرح سہ ماہی رسالہ "تدبر" میں حضرت ماعزؓ کے متعلق لکھا جاتا ہے :

" دوسری روایات میں اس بات کا ذکر بالصراحت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور نہ اس کا جنازہ پڑھا جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کُرّ منافق قرار دیا گیا۔" [۲۷]

حق بات یہ ہے کہ ان تمام عبارتوں میں صرف قیاس آرائیاں ہی قیاس آرائیاں ہیں، لیکن ان قیاس آرائیوں اور مصنف کے وہم و گمان کو حقیقت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسی قیاس آرائیوں کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (الحجرات: ۱۲) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی ص ۶۷۴)

جس طریقہ پر ان عبارتوں میں صحابیِ رسول حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی ایک خطا کو ہدف بنا کر ان پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کی گئی ہے، بلکہ بحیثیت مجموعی ان کی پوری ذات کو مطعون کیا گیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ماعزؓ کے رجم کا واقعہ تقریباً احادیث کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ قارئین پر حقیقتِ حال واضح کرنے کی غرض سے ذیل میں حضرت ماعزؓ کے واقعہ رجم سے متعلق وہ تمام احادیث پیش کی جاتی ہیں جن میں واقعہ کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں۔

(۱) حدثنی یزید بن نعیم بن ھزال عن ابیہ قال کان ماعز بن مالک یتیما فی حجر ابی فاصاب جاریۃ من الحی، فقال لہ ابی ائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ بما صنعت لَعَلَّہٗ یَسْتَغْفِرُ لَکَ وانما یرید بذلک رجاء ان یکون لہٗ

(ترجمہ) یزید بن نعیم بن ہزال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک میرے والد کے زیر تربیت ایک یتیم تھا، جس نے قبیلہ کی ایک مملوکہ سے زنا کر لیا تھا۔ میرے والد نے اس سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ کر گزرے ہو اس کے متعلق بتاؤ، شاید کہ آنحضرتؐ تیرے لیے مغفرت طلب کریں۔ میرے والد کا مقصود اس سے یہ تھا کہ ممکن

---

[۲۵] تدبر قرآن ج ۴ ص ۵۰۵ [۲۶] ایضاً ج ۴ ص ۵۰۶ [۲۷] سہ ماہی رسالہ "تدبر"، عدد شمارہ ۳/۷ ص ۳۰

مخرجاً قال فاتاه فقال يا رسول الله انى زنيت فاقم علىّ كتاب الله، فاعرض عنه فعاد فقال يا رسول الله انى زنيت فاقم علىّ كتاب الله، فاعرض عنه فعاد فقال يا رسول الله انى زنيت فاقم علىّ كتاب الله حتى قالها اربع مرات فقال النبى صلى الله عليه وسلم انك قد قلتها اربع مرات فبمن قال بفلانة، قال هل ضاجعتها قال نعم قال هل باشرتها قال نعم قال هل جامعتها قال نعم قال فأمر به ان يرجم ... الخ [۵ ث]

ہے آپ اس کو (گناہ سے) نکلنے کا کوئی راستہ بتائیں۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں لہٰذا مجھ پر کتاب اللہ (کی حد) قائم فرمائیے۔ یہ دسن کر) آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ پھر لوٹ کر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں، لہٰذا مجھ پر کتاب اللہ (کی حد) قائم فرمائیے۔ آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ پھر لوٹ کر آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں لہٰذا مجھ پر کتاب اللہ کی حد قائم فرمائیے۔ حتیٰ کہ اس نے یہی الفاظ چار مرتبہ دہرائے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے ایسا چار مرتبہ کہا ہے تو آخر تونے کس کے ساتھ (زنا) کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: فلاں عورت کے ساتھ۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا تونے اس عورت کے ساتھ مضاجعت کی؟ اس نے جواب دیا ہاں، پھر دریافت فرمایا: کیا تونے اس عورت کے ساتھ مباشرت کی؟ اس نے کہا ہاں پھر دریافت فرمایا کہ کیا تونے اس عورت کے ساتھ جماع کیا؟ اس نے جواباً کہا ہاں۔ راوی کا قول ہے کہ پھر آپ نے اس کو رجم کیے جانے کا حکم جاری فرمایا۔ الخ

(۲) "عن جابر بن سمرة قال رايتُ ماعز بن مالك حين جئ به الى النبى صلى الله عليه وسلم .... فشهد على نفسه اربع مرات انه قد زنى فقال رسول الله

(ترجمہ) حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ماعز بن مالک کو اس وقت دیکھا جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ... اور اس نے اپنی ذات پر چار بار شہادت دی کہ اس نے زنا کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

۵ ث سنن ابوداؤد مع العون ج ۴ ص ۲۵۱-۲۵۲ وجامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم فلعلك قبلتها قال لا واللہ انہ قد زنی الاخر قال فرجمه ... الخ۔ [۳۶]

(۳) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لماعز بن مالك لعلك قبلت او غمزت او نظرت قال لا قال افنكتها قال نعم قال فعند ذلك امر برجمه [۳۷]

(۴) اخبرنی ابوالزبیر ان عبدالرحمٰن بن الصامت ابن عم ابی هريرة اخبره انه سمع ابا هريرة يقول جاء الاسلمی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشهد علی نفسه انه اصاب امرأة حراما اربع مرات كل ذلك يعرض عنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل فی الخامسة فقال انكتها قال نعم قال حتی غاب ذلك منك فی ذلك منها قال نعم قال كما يغيب المرود فی المكحلة والرشاء فی البئر قال نعم قال هل تدری ما الزنا قال نعم اتيت منها حراماً ما يأتی الرجل من امرأته حلالاً قال

وسلم نے اس سے کہا کہ شاید تو نے اس عورت کے ساتھ بوس وکنار کیا ہوگا، اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم اس نالائق نے زنا ہی کیا ہے، راوی کا قول ہے کہ پس اس کو رجم کیا گیا۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک سے کہا شاید تو نے بوس وکنار کیا ہوگا یا چھوا اور چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظر بدڈالی ہوگی۔ اس نے کہا نہیں پھر آپؐ نے دریافت کیا، کیا تو نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی؟ اس نے کہا ہاں، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے اس کے رجم کا حکم دیا۔"

(ترجمہ) ابوزبیر نے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن صامت (یعنی ابوہریرہؓ کے ابن عم) نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسلمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اوپر چار بار شہادت دی کہ اس نے ایک عورت کو حرام طریقہ پر استعمال کیا ہے ہر مرتبہ ایسا کہنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، حتیٰ کہ پانچویں بار اقبال جرم پر آپؐ نے اس کی طرف منہ کیا اور دریافت کیا کیا تو نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا، یہاں تک کہ تیری وہ چیز اس کی اس چیز میں غائب ہوگئی؟ اس نے کہا ہاں، پھر پوچھا کیا اس طرح کہ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی اور کوئیں میں رسی؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا، کیا تو جانتا ہے کہ زنا کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے اس عورت

[۳۶] سنن ابوداؤدؒ مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۳-۲۵۴۔ [۳۷] ایضاً ج ۴ ص ۲۵۵ واخرجہ البخاریؒ فی کتاب المحاربین وکذا

فما تريد بهذا القول قال أريد أن تطهرني فأمر به، فرجم... الخ ۸ ؎

کے ساتھ حرام طریقہ پر وہ کام کیا جو کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ حلال طریقہ پر کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ تو اس اقرار جرم سے کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک فرما دیں، پھر آپؐ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ پس اس کو رجم کر دیا گیا۔"

(۵) عن ابن بريدة عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم استنكه ماعزاً" ۹ ؎

(ترجمہ) ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے منہ کو سونگھا (کہ آیا کہیں اس نے شراب تو نہیں پی رکھی ہے۔)

امام مسلمؒ نے بھی اس حدیث کو مطولاً روایت کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز سے سوال کیا۔ "اشربت خمراً فقام رجل فاستنكهه فلم يجد منه ريح خمر۔ یعنی کیا تو نے شراب پی رکھی ہے؟ پس ایک شخص اٹھا اور اس نے ماعز کا منہ سونگھا لیکن اسے ماعز کے منہ میں شراب کی مہک نہ پائی۔" ۱۰ ؎

(۶) عن جابر بن عبد الله أن رجلا من أسلم جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعترف بالزنا فأعرض عنه ثم اعترف فأعرض عنه حتى شهد على نفسه أربع شهادات فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أبك جنون قال لا قال أحصنت قال نعم قال فأمر به النبي صلى الله عليه وسلم فرجم في المصلى... الخ ۱۱ ؎

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ قبیلہ اسلم میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، حتی کہ اس نے اپنے نفس پر چار مرتبہ شہادت پیش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تو کیا جنون زدہ ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے پھر سوال کیا: کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ (راوی کہتا ہے کہ) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کیے جانے کا حکم فرمایا، پس اس کو مصلے میں سنگسار کر دیا گیا۔

---

۸ ؎ سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۱۲ ص ۲۵۵ وکذا فی زاد المعاد لابن قیمؒ ج ۱۳ ص ۲۰۶ ۔ ۹ ؎ سنن ابوداؤد مع العون ج ۱۲ ص ۲/۱۲۱ ۔ ۱۰ ؎ صحیح مسلمؒ مع شرح للنوویؒ ج ۱۱ ۔ ۱۱ ؎ سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۵۶ وجامع الترمذیؒ مع التحفہ ج ۱۲ ص ۳۲۰، ۳۲۱ وفتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۲ وصحیح مسلمؒ مع شرح للنوویؒ ج ۱۱ وکذا فی زاد المعاد ج ۱۳ ص ۲۰۶۔

(۷) عن ابن عباس ان ماعز بن مالک اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انہ زنی فاعرض عنہ فاعاد علیہ مرارا فاعرض عنہ فسأل قومہ أمجنون ھو قالوا لیس بہ باس قال افعلت بھا قال نعم فامر بہ ان یرجم[۲۲]

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اقرار کیا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ لیکن وہ آپ کی خدمت میں بار بار لوٹ کر آتا رہا اور آپ اس کی طرف سے منہ پھیرتے رہے۔ پھر آپؐ نے اس کے اہلِ قبیلہ سے پوچھا کہ کیا وہ پاگل ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس (کی عقل) میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو نے اس عورت کے ساتھ واقعی ایسا فعل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ تو آپؐ نے اس کو رجم کیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

مذکورہ بالا احادیث ۶ و ۷ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حدیث ۶ میں آپؐ نے حضرت ماعزؓ سے سوال فرمایا تھا "أبک جنون؟" لیکن حدیث نمبر ۷ میں مذکور ہے کہ "أمجنون ھو؟" یہ سوال آپؐ نے حضرت ماعزؓ کی قوم سے دریافت فرمایا تھا۔ ان روایات کے مابین جمع و تطبیق کی صورت شارحینِ حدیث رحمہم اللہ نے یوں بیان کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ماعزؓ سے سوال کیا "أبک جنون" بعد میں احتیاطاً اُن کے اہلِ قبیلہ سے بھی دریافت کیا۔ "أمجنون ھو؟" تاکہ قیامِ حد میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔[۲۳]

(۸) عن جابر بن عبد اللہ الانصاری ان رجلا من اسلم اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحدثہ انہ قد زنی فشھد علی نفسہ اربع شھادات فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجم وکان قد احصن[۲۴]

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بیان کیا کہ اُس نے زنا کیا ہے اور اس نے خود پر چار بار شہادت دی، پس آپؐ نے اس کے متعلق (رجم کا) حکم فرمایا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔ وہ شادی شدہ تھا۔

. . . .

---

[۲۲] سنن ابوداؤدؒ مع العون ج ۱۲ ص ۲۵۳ [۲۳] فتح الباری شرح صحیح البخاریؒ ج ۱۲ وعون المعبود ج ۴ ص ۲۵۴
[۲۴] صحیح بخاریؒ کتاب المحاربین۔

قارئین کرام! ان روایات کو غور کے ساتھ بار بار پڑھیں اور خود تلاش کریں کہ ان میں کس جگہ "تناقض" پایا جاتا ہے۔ راقم کو تو باوجود کوشش کے کہیں تناقض نظر نہ آسکا، حالانکہ اصلاحی صاحب نے "تناقض" کی موجودگی کا ذکر نہایت وثوق کے ساتھ کیا ہے مگر کس قسم کا اور کہاں "تناقض" ہے اس امر کی وضاحت آں موصوف نے صیغۂ راز میں رکھ چھوڑی ہے۔ ان روایات میں سے کچھ میں واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور کچھ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اگر "تناقض" سے مراد روایات کا مجمل و مفصل ہونا ہے تو یہ اصلاحی صاحب کی غلط فہمی اور خام خیالی ہے۔ نیز اوپر جتنی بھی روایات پیش کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی ایک روایت بھی یہ نہیں بتاتی ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ "عادی مجرم" اور "نہایت بدخصلت غنڈہ" تھے بلکہ یہ تمام روایات ان کے حسن کردار اور اعلیٰ صفات، مثلاً اعتراف جرم کی ہمت اور بلند حوصلگی، احساس گناہ اور اس سے نجات کی آرزو، کتاب اللہ کی تجویز کردہ حد کے قیام کے لیے اصرار، بار بار سوالات کرنے کے باوجود اپنے قول پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنا۔ شرعی نصاب شہادت کی تکمیل کے لیے خود اپنے نفس پر چار بار گواہی دینا وغیرہ کی واضح دلیل ہیں۔ اگر اب بھی کوئی تنگ نظر انہیں "بھلامانس" نہ کہہ کر "نہایت بدخصلت غنڈہ" کہے، حالانکہ کسی روایت میں بھی موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دہشت گردی یا غنڈہ گردی یا عادت جرم کے متعلق کوئی استفسار کیا ہو یا صرف اشارہ ہی کیا ہو بلکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے اہل قبیلہ سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو ان لوگوں نے بھی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے حسن کردار کی گواہی دی۔ ملاحظہ ہوں ان کے اہل قبیلہ کے الفاظ:

"لیس بہ باس" [55] (یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔) ما نعلم بہ باساً الا انہ اصاب شیئاً یری انہ لا یخرجہ منہ الا ان یقام فیہ الحد" [56] (یعنی ہم کو اس کے کسی عیب کا علم نہیں سوائے اس کے کہ اس سے گناہ سرزد ہوا، جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ اگر اس پر حد قائم نہ ہوئی تو اس کو نجات حاصل نہیں ہوگی۔) "قالوا ما نعلم الا وفی العقل من صالحینا" [57] (یعنی ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس بات کے علاوہ اور کچھ علم نہیں کہ وہ عقل و دانش سے بھرپور اور ہمارے نیک لوگوں میں سے ہے۔) (ایک اور روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: قالوا ما نعلم الا خیراً" [58] (یعنی ہمیں (اس کے متعلق) سوائے خیر کے اور کچھ معلوم نہیں ہے۔) تو ایسی صورت میں انہیں "بدخصلت غنڈہ" کہنا محض سوء ظن تنگ نظری، قیاس و تخمین اور دماغی خلل کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

---

[55] سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۴۔ [56] جامع الاصول ج ۳ ص ۵۱۵ بحوالہ صحیح مسلم و سنن ابو داؤد
[57] جامع الاصول ج ۳ ص ۵۱۷ و صحیح مسلم مع شرح للنووی ج ۱۱ ص ۲۰۳۔ [58] رواہ احمد و ابو یعلی والبزار والطبرانی

جناب اصلاحی صاحب کے اس قول کہ "میری رہ نمائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی، اسی وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں، جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھیرا"، کی بھی حقیقت کچھ نہیں ہے، کیوں کہ اوپر نقل کی گئی ایک حدیث کے الفاظ "قال احصنت قال نعم قال فامر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجم فی المصلی... الخ ۴۹ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا، پس وہ مصلی میں سنگسار کیا گیا۔) واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو سنگساری کی سزا محض اس لیے دی گئی تھی کہ وہ محصن (یعنی شادی شدہ) تھے۔ نہ کہ اس لیے کہ وہ عادی مجرم، یا ایک "نہایت بدخصلت غنڈہ" یا "دہشت گرد" یا "معاشرہ" و "حکومت" کے لیے آفت اور وبال یا خطرہ تھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں مناط حکم صرف اور صرف "احصان" ہے۔

اب اصلاحی صاحب کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ "روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ پیچھے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو، بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ عورتوں کے پیچھے ینب نبیب التیس۔ الخ۔

یہ عبارت بھی حسب سابق محض قیاس و گمان پر مبنی اور احادیث صحیحہ کی غلط تعبیر و تشریح کی علامت ہے۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ

ب فی الاوسط وکذا فی مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی ج ۶ ص ۲۶۶ - لیکن اس روایت کی تمام اسانید میں "جابر بن یزید الجعفی" موجود ہے جو طبقہ خامسہ کا متروک، ضعیف اور متہم بالکذب راوی ہے۔ ابن حنبل نے علل ج ۱ ص ۶۱، بخاری نے تاریخ کبیر ج ۱ ص ۲۱۰ و تاریخ صغیر ج ۲ ص ۹-۱۰ اور الضعفاء الصغیر ترجمہ ۴۹، بسوی نے المعرفۃ والتاریخ ج ۳ ص ۶۳، عقیلی نے الضعفاء الکبیر ترجمہ ۲۴۰، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۹۷، ابن حبان نے مجروحین، ابن عدی نے کامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۳۷، دارقطنی نے الضعفاء والمتروکین ترجمہ ۱۴۲، ذہبی نے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۷۹، نسائی نے الضعفاء والمتروکین ترجمہ ۹۸، ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۳، ہیثمی نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۶ ص ۲۶۶، یحیی بن معین نے ج ۳ ص ۲۸۶-۲۹۶ اور مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ میں جابر بن یزید الجعفی کا ترجمہ درج کیا ہے۔ ۴۹ سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۶ و جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۰-۳۲۱ واخرجہ البخاری ومسلم ایضاً

کے متعلق کسی ایک روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی ... الخ" جہاں تک حدیث میں مروی "ینب نبیب التیس" کے الفاظ کا تعلق ہے تو واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ہرگز حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق نہیں فرمائے تھے۔ بلکہ آپؐ نے حضرت ماعزؓ کے رجم کیے جانے کے بعد صحابہ کے مجمع سے مخاطب ہو کر ایک عام خطاب فرمایا تھا جس کی روایت اس طرح ہے۔

(عن جابر بن سمرۃ) قال فرجمه ثم خطب فقال الا كلما نفرنا فی سبيل الله خلف احدهم له نبيب كنبيب التيس يمنح احدهن الكثبة اما ان الله ان يمكنني من احد منهم الا نكلته عنهن۔" [۵۰] ... ...

(ترجمہ) راوی کا قول ہے کہ پھر (ماعزؓ) کو رجم کیا، اس کے بعد آپؐ نے خطاب فرمایا اور کہا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ جب ہم سب لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکل جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی پیچھے رہ جاتا ہے (اور عورتوں کا تعاقب اس طرح کرتا ہے، جس طرح کہ بکرا آواز نکال کر بکریوں کا پیچھا کرتا ہے اور ان میں سے کسی کو تھوڑا سا دودھ دیتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے کسی فرد پر قدرت عطا فرمائی تو میں ضرور اس کو اس کی عبرتناک سزا دوں گا۔

بعض دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: "اما والله ان يمكنني من احدهم لانكلنه عنه" [۵۱] "ان الله لا يمكنني من احد منهم الا جعلته نكالاً" [۵۲] اور "علىّ ان لا اوتى برجل فعل ذلك الا نكلت به" [۵۳]

اس سلسلہ کی جتنی بھی روایات موجود ہیں ان سب میں سے کسی بھی روایت میں حضرت ماعزؓ بن مالک اسلمی کا تذکرہ صراحۃً موجود نہیں ہے، بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں "احدكم" [۵۴] کے الفاظ ملتے ہیں۔

ان کلمات سے مراد حضرت ماعز بن مالک نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے قیام حد سے قبل جتنے بھی سوالات حضرت ماعزؓ اور ان کے اہل قبیلہ سے دریافت کیے تھے۔ ان میں سے کوئی سوال بھی اس طرح کا نہیں تھا کہ کیا جب مجاہدین غزوہ کے لیے نکل جاتے ہیں تو ان کی عورتوں کا تعاقب اس طرح کیا کرتے ہو جس طرح کہ بکرا بکریوں کا کیا کرتا ہے؟ جب اس طرح کا کوئی سوال ہی نہیں کیا گیا تو مطلب واضح ہے کہ حد کی اصل وجہ یہ مزعومہ جرم نہیں بلکہ کوئی اور قابل لحاظ بات تھی

---

[۵۰] سنن ابوداؤد مع العون ج۴ ص ۲۵۴۔ [۵۱] صحیح مسلم مع شرح للنووی ج۱۱۔ [۵۲] ایضاً۔ [۵۳] ایضاً [۵۴] ایضاً

احادیث کے مطالعہ سے جو بات پتہ چلتی ہے اس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے ، یعنی آپؐ کا دریافت فرمانا : "احصنت؟" اور حضرت ماعزؓ کا اثبات میں جواب دینا پھر آپؐ کا حکم رجم جاری فرمانا۔ [۵۵]

تیسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حضرت ماعزؓ کے رجم کیے جانے کے بعد اپنے ایک عام خطاب میں فرمائے تھے حالانکہ اگر قیام حد سے قبل یہ کلمات فرمائے گئے ہوتے تو حضرت ماعزؓ بھی انھیں سن سکتے اور جان سکتے کہ انھیں زنا کی بنا پر نہیں بلکہ غازیان و مجاہدین فی سبیل اللہ کی عورتوں کا تعاقب کرنے کی بنا پر سنگسار کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلہ کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت ماعزؓ نے خود زنا کا اعتراف کر کے قیام حد کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور جو مقدمہ میں جرح کی گئی وہ بھی تمام کی تمام زنا کے ارتکاب سے ہی متعلق تھی نتیجۃً زنا بعد احصان کا جرم ثابت ہوا تھا تو یہ کیسے ممکن اور کہاں کا انصاف ہے کہ مقدمہ تو عائد ہو چوری کا، مقدمہ کی کارروائی بھی چوری کے ثبوت کے لیے کی جائے اور جب چوری ثابت ہو جائے تو سزا دی جائے قتل ناحق کی اور وہ بھی اس طرح کہ خود مجرم کو علم نہ ہونے پائے کہ اسے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔

ایک آخری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کلمات سے مراد حضرت ماعزؓ ہی لیے جائیں تو یہ ان کی وفات کے بعد ان کی غیبت اور ان پر سب وشتم کے زمرہ میں آئے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی زندہ شخص کی غیبت اور مردوں کی برائی کرنے سے منع فرمائیں، لیکن خود ہی کسی مردہ کی غیبت اور برائی کریں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ بعض احادیث صحیحہ میں مذکور ہے : " ما استغفر له ولا سبه " [۵۷] (یعنی رجم کے بعد آپ نے حضرت ماعزؓ کے لیے نہ استغفار کیا اور نہ ان کی برائی بیان کی۔) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ " فقال له نبي صلى الله عليه وسلم خيراً " [۵۸] (یعنی رجم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا۔) اگر اصلاحی صاحب کی بات صحیح مان لی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حضرت ماعزؓ کے لیے ہی فرمائے تھے تو صحیح احادیث کے ان الفاظ "ولا سبه" اور "فقال له نبي صلى الله عليه وسلم خيراً" کا کیا معنی و مفہوم ہو گا۔؟ ... (مسلسل)

---

۵۵ سنن ابوداؤد مع العون ج ۴ ص ۲۵۶ و جامع الترمذی مع التحفہ ج ۲ ص ۳۲۰ - ۳۲۱ وکذا فی الصحیحین۔

۵۶ عن عائشة مرفوعاً : لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا۔" (اخرجه البخاری) یعنی مُردوں کو بُرا مت کہو کیوں کہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔" ۵۷ سنن ابوداؤد مع العون ج ۴ ص ۲۵۷

۵۸ صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۲۹ و سنن ابوداؤد مع العون ج ۴ ص ۲۵۶ و جامع الترمذی مع التحفہ ج ۲ ص ۳۲۱

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
اور
مولانا کرامت علی جونپوری

ابو علی - اعظم گڈھ

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جلیل القدر مسترشد مولانا کرامت علی جونپوری تھے، جن کی کتاب مفتاح الجنۃ۔ فقہ میں ایک زمانہ میں بہت متداول تھی۔ بہشتی زیور اور فقہ کی اور دوسری کتابوں کے شائع ہونے سے پہلے روزمرہ کے دینی مسائل کے لیے اسی کتاب کی طرف لوگ رجوع کرتے تھے اور یہ تقریباً ہر پڑھے لکھے مسلمان کے گھر میں موجود رہتی تھی، مولانا کرامت علی کی عمر ابھی اٹھارہ ہی سال کی تھی کہ ان کو تزکیۂ نفس کا خیال پیدا ہوا اور وہ اس کے لیے دلی جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی و خدا رسیدگی کا آوازۂ شہرت ان کے کانوں تک پہنچا اور وہ بجائے دلی جانے کے رائے بریلی سید صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے، وہاں مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی جیسے سرآمد روزگار علماء بھی موجود تھے، انھوں نے ان فخر روزگار علماء کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا اور سید صاحب سے بھی فیوض باطنی حاصل کیے، ان کے ذوق و شوق کے عالم کو دیکھ کر پہلی ہی ملاقات میں سید صاحب نے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا اور ایک ہفتہ میں سلوک و عرفان کے سارے مقامات طے کرا دیے۔ اور ان کو اپنا خلیفہ مجاز بنا لیا اور فرمایا کہ جاؤ ہدایت کے کام میں لگ جاؤ۔ لیکن ان کو اس خم خانۂ معرفت میں پہنچ کر پوری سیری نہیں ہوئی تھی۔ اور تشنگی باقی تھی، اس لیے وہ ابھی کچھ دنوں اور آپ کی خدمت بابرکت میں رہنا چاہتے تھے۔ مگر سید صاحب نے فرمایا، جاؤ ہدایت کے کام میں لگ جاؤ، اس لیے انھوں نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کر لیا، لیکن ان کے ذوق و شوق اور والہانہ شیفتگی کو دیکھ کر فرمایا کہ اصل کام تو خدا کی رحمت سے ہو گیا اور بہت جلد ہو گیا، لیکن اب بحیثیت مہمان کے دو چار روز اور بھی ٹھہر کر دیکھ بھال لو۔

مولانا نے اپنا عمر کے لحاظ سے یہاں اٹھارہ دن قیام کیا۔ اس دوران میں سید صاحب کی بزرگی اور کشف و کرامت کے کئی واقعے پیش آئے اور ان سے تزکیۂ نفس میں ان کو مدد ملتی رہی۔ ان میں سے ایک اہم واقعہ انھوں نے خود اپنی کتاب

نور علی نور میں نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ ہم ناظرین کی ضیافت روحانی کے لیے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

میں نے عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو میاں صاحب (سید صاحب) سے اس قدر اعتقاد رکھتے ہیں اور روپے پیسے، کپڑے لتے، ساری دنیاوی چیزوں کو ترک کر کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کیے ہوئے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے، اس کے سوا آپ کے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے اور آپ میاں صاحب کے روبرو جب بات کرتے ہیں تو ترساں اور لرزاں رہتے ہیں۔ تو خدارا سچ بیان کیجیے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا حاصل کر لیا؟ جو آپ کا یہ حال ہو گیا ہے۔ تب مولانا نے کہا: تم اطمینان رکھو، ان شاء اللہ میں سچ ہی سچ بیان کروں گا۔ سنو! میں سلوک الی اللہ اور مشاہدۂ ربانی کا بیحد مشتاق تھا۔ میں نے اپنے اس اشتیاق کا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ سے اظہار کیا۔ اور کہا کہ اس کی مجھ کو تعلیم دیجیے۔ اس سے پہلے میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا، لیکن ان سے میرا مقصود حاصل نہیں ہوا تھا۔ تب انھوں نے مجھ کو اس وقت کے ایک بہت بڑے بزرگ شاہ غلام علی قدس سرہ کے پاس بھیجا۔ میں چند روز ان کی خدمت میں بھی رہا، لیکن یہاں بھی میرا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ تو پھر میں نے شاہ عبدالعزیز سے عرض کیا کہ میں تو آپ کی توجہ کا طالب ہوں اور آپ مجھ کو دوسروں کے پاس بھیجتے ہیں۔ آپ خود مجھ کو تعلیم دیجیے۔ فرمایا کہ میاں بہت بڈھا، کمزور اور نحیف ہو گیا ہوں۔ مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔ تمہارا یہ مقصد میر احمد صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب سید صاحب کو میر صاحب کہا کرتے تھے) سے حاصل ہو گا۔ تم ان سے بیعت ہو جاؤ۔ ان کا یہ فرمانا مجھ پر بہت شاق گزرا، اور چپ ہو گیا۔ اس کے بعد جب جب بھی عرض کیا تو وہی ایک سا جواب پایا۔ اس زمانہ میں میں، میاں صاحب اور میاں محمد اسماعیل مدرسہ کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے۔ ایک شب کو عشاء کے بعد ہم تینوں آدمی الگ الگ پلنگ پر سوئے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا! مجھ کو حضرت رب العالمین نے اپنے فضل و کرم سے یہ خبر دی ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جائے گا۔ فلانے مقام میں یہ ہو گا اور فلانے مقام میں وہ ہو گا۔ اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور بہت سی باتیں بیان کیں۔ دوسرے روز بھی شب میں ایسی ہی عجیب و غریب باتیں بیان کیں۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظمہ کے سفر، جہاد کے لیے خروج اور جہاد کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ تب میں نے اور میاں اسماعیل نے باہم مشورہ کیا۔ کہ اگر یہ سب باتیں جو یہ بیان کرتے ہیں، سچ ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں، اور ان سے کچھ فیض ضرور لے لینا چاہیے، سو چلیں پہلے ان کا امتحان کریں، تب فیض حاصل کریں۔ میاں محمد اسماعیل نے کہا کہ آپ

مجھسے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کرکے کسی بات میں اُن کا امتحان لیں ۔ جب پہر رات گزری تو میاں صاحب نے پکارا۔ ہم نے جرأت کر کے عرض کیا کہ آپ کی بزرگی اور جلالت روحانی میں کوئی شبہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ ہم کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کیجیے ۔ تب فرمایا مولانا کیا مانگتے ہو، مانگو، ہم نے کہا حضرت ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پڑھتے تھے، ویسی ہی دو رکعت نماز پڑھنے کی ہمیں بھی توفیق عنایت فرمائیے لیکن میاں صاحب جو خاموش ہوئے تو خاموش ہی رہ گئے کچھ نہ بولے، ہم نے جانا کہ ان کی یہ زبانی باتیں ہیں، اصل باتوں سے ان کا کچھ علاقہ نہیں، مگر دوستی اور مروت سے ہم بھی کچھ نہیں بولے اور خاموش ہو کے سو رہے ۔ پھر آدھی رات کو میاں صاحب نے پکارا ۔ اس پکار سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ فرمایا جاؤ اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو، تب پھر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا، مولانا سن لو ا میں حاضر ہوا ۔ فرمایا تم نے خوب سمجھا میں نے یہی کہا تھا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو، میں پھر دو تین قدم چلا تھا کہ پھر آواز دی اور پھر وہی فرمایا، تیسری بار میں جا کے وضو کرنے لگا، تو میں نے پورے حضورِ دل، خشوع قلب اور خوف سبحانہ تعالیٰ سے باادب وضو کیا کہ ایسا وضو میں نے کبھی نہیں کیا تھا، وضو کر کے حاضر ہوا تو فرمایا، جاؤ اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو! میں نے کہا بہت خوب اور نماز کے واسطے چلا ۔ پھر تیسری بار پکارا اور ویسا ہی سمجھایا ۔ تب میں نے ایک گوشہ میں جا کر نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کے بعد میں ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش باقی نہیں رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے داڑھی تر ہوگئی اور اس قدر نماز میں غرق ہوا کہ دنیا کی یاد مطلق باقی نہ رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی ۔ جب دو رکعت نماز پڑھ لی تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تھی ۔ سلام پھیر کے دوبارہ دو رکعت نماز کی نیت کی پھر جب پڑھ چکا تو خیال ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ میں نے دوسری سورہ ضم نہیں کی تھی تو پھر نماز شروع کی، اس طرح ہر دو رکعت پڑھنے کے بعد ہر بار ایک نہ ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کر دہراتا تھا ۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس طرح سے میں نے کم و بیش سو رکعتیں پڑھی ہوں گی ۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور ناچار ہو کے میں نے سلام پھیر دیا ۔ اور دل میں بہت شرمندہ ہوا کہ میں حضورِ دل کے ساتھ پوری دو رکعت نماز بھی نہ پڑھ سکا ۔ اور اتنے بڑے کامل شخص کو آزمایا ۔ اگر وہ پوچھیں گے کہ تم نے اللہ کے واسطے دو رکعت نماز ٹھیک سے پڑھی؟ تو میں کیا جواب دوں گا ۔ اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا ۔ اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے لگا ۔ جب افاقہ ہوئی تو مجھے ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام کا

بھی یہی حال تھا، کہ تمام رات عبادت کرتے تھے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس استغفار اور انابت کو دیکھ کر فرمایا۔ والمستغفرین بالاسحار۔ دل میں کہا کہ بلاشبہ یہ مرد کامل ہیں اور ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوگیا اور جو نعمت مدتِ دراز کی محنت اور مشقت سے نہ حاصل ہوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوگئی۔ قبل نمازِ فجر کے میں مسجد گیا اور حضرت میاں سے بیعت ہوگیا۔ صبح کی نماز کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل سے رات کا سارا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت ہونے کا بھی ذکر کیا۔ انھوں نے کہا بارک اللہ، بارک اللہ تم نے خوب کیا۔ میں تم سے یہ برابر کہا کرتا تھا۔ تم نے ہمارے میر صاحب کا کمال دیکھا۔؟ تب میں نے کہا کہ میں نے بہت درویشوں کی خدمت کی اور بہت سے طریقوں کے مطابق شغل اور مراقبے کیے۔ عبادتیں کیں، میرا مقصد حاصل نہیں ہوا، اور سید صاحب نے ایک بات زبان سے فرمادی اور میں اپنا دلی مقصد پاگیا، تو یہ کون سا طریقہ کہلاتا ہے۔ مولانا اسماعیل نے فرمایا، میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے۔ ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں اور طریقہ نکالتے ہیں۔ حضرت مولانا کے فرمانے سے مجھے اور زیادہ حضرت میاں صاحب کے مرشد اور صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور ان سے میرا اعتقاد اور زیادہ بڑھ گیا۔ یہ سبب ہے کہ میں ان کی غلامی میں پڑا ہوا ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں ان کی غلامی کے لائق بھی خود کو نہیں پاتا۔

حضرت سید صاحب کی یہ روشن ترین کرامت تھی کہ انھوں نے مولانائے جونپوری کو اُن کے شوقِ جہاد کے باوجود بنگال روانہ کر دیا۔ اگر آپ بنگال نہ جاتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بنگال و آسام جیسے تاریک خطوں کا کیا انجام ہوتا۔ یہ مولانا ہی کا فیض ہے کہ صوبہ بنگال جو عہدِ مغلیہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ نہ بن سکا تھا، وہ ان کے وعظ و تلقین، رشد و ہدایت اور کوششوں سے مسلم اکثریت کا صوبہ بن گیا۔ سوانح احمدی مصنفہ مولوی جعفر صاحب کے ص (۴۸) سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کرامت علی سید صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے لیکن بالاکوٹ کا آخری معرکہ شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے ان کو ہدایتِ خلق اور اشاعتِ دین کی غرض سے سرحد سے ہندوستان روانہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ معرکۂ بالاکوٹ کی ناکامی سید صاحب پر منکشف ہوگئی تھی، اس لیے انھوں نے مولانا سے دینی خدمت لینی چاہی۔ جس کے وہ اپنی تعلیم و تربیت اور افتادِ مزاج کے لحاظ سے اہل تھے اور اس کو اس خوبی، تن دہی، سرگرمی اور جوش و خروش سے انجام دیا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ لکھنے والا مورخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ انھوں نے بنگال کے ایک ایک گانوں کی خاک چھانی اور قال اللہ و قال الرسول کی نواسنجیوں سے سارا ملک گونجنے لگا۔ اور اس دیارِ غیر میں دعوت و تبلیغ، وعظ

وتذکیر کرتے ہوئے مقام رنگ پور میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کردی۔

مولانا کرامت علی اسم با مسمی تھے۔ اصل نام تو خالی علی حنفی جونپوری تھا، لیکن دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ان سے اتنی کرامتوں اور خارق عادات اعمال کا ظہور ہوا کہ ان کا نام ہی مولانا کرامت علی پڑ گیا۔ آج اُن کے اصلی نام علی حنفی کو کون جانتا ہے۔

انھوں نے شمائل ترمذی اور مشکوٰۃ کا اس دور کی فصیح اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن حدیث اور عربی ادب دونوں میں انھیں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ خصوصاً ترجمہ شمائل ترمذی، دینی حیثیت کے ساتھ اردو ادب کا بھی شاہکار ہے۔ جس کو اردو نثر کی تاریخ لکھتے وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بنگال میں اردو کے مصنف نے خاص طور سے ان کی اردو ادب کی خدمت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مشرقی بنگال میں اردو زبان کے شیدائی مولوی کرامت علی صاحب نے مذہبی اور اصلاحی موضوعات پر بیشتر مفید کتابیں لکھیں۔"

مفتاح الجنۃ اگرچہ فقہ حنفی کی کتاب ہے لیکن اس کے باوجود اس کے مصنف مولانا کرامت علی جونپوری کو ان سطور کی تحریر سے پہلے تک میں سید احمد شہید سے روحانی ارادت اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسمٰعیل سے کسب فیض کی وجہ سے اہلحدیث سمجھتا تھا۔ اس لیے اور بھی کہ ان کے محلہ ملا ٹولہ کے بہت سے خاندان سلسلہ احمدیہ میں منسلک ہونے کی وجہ سے اب تک اہل حدیث ہیں اور یہاں کے علما، جونپور اور اس کے اطراف کی اہلحدیث جماعت کے سرخیل ہیں، لیکن اب معلوم ہوا کہ گو ان کے دل میں اہلحدیثوں کے لیے توسع رہا ہو لیکن وہ کٹر حنفی اور مقلد تھے۔ اور حنفی کی نسبت ان کے نام کا ایک ضروری جزء تھی۔ یعنی ان کا پورا نام علی حنفی جونپوری تھا۔ یہ تو بعد میں لوگوں نے دین کے احیاء اور اسلام کی اشاعت میں ان کی غیر معمولی کوششوں کے اعتراف میں جو انھوں نے خود اپنے وطن جونپور اور بنگال وآسام میں کیں، ان کا نام کرامت علی رکھ دیا اور بعد میں وہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ انھوں نے دعوت وتبلیغ واحیائے دین کے سلسلہ میں جونپور میں جو دو مدرسے قائم کیے تھے، ان میں سے ایک کا نام مدرسہ حنفیہ تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں ان کے ہم وطن استاد مولانا سخاوت علی کا جنھوں نے مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی سے علوم کی تکمیل کی تھی ذکر تو بڑی تفصیل سے کیا ہے جس کو ہم آگے لکھیں گے، لیکن مولانا کرامت علی کا ذکر صرف دو تین سطروں میں ختم کردیا ہے یعنی انھوں نے اپنی دینی جدوجہد کے لیے بنگال کے علاقہ کو پسند کیا اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بنگال میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کا کام ان سے بڑھ کر کسی نے انجام نہیں دیا، اور فقہ میں مفتاح الجنۃ ان کی مشہور کتاب ہے۔"

اسی نام کے اسی جونپور میں ایک اور بزرگ بھی گزرے ہیں، یعنی مولوی کرامت علی جونپوری۔ یورپ کے نئے خیالات و افکار جن کی زد اسلام پر پڑتی تھی، ان کے رد کے لیے جو لوگ اٹھے اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ لیکن یہ لوگ علوم دینیہ کے پورے عالم نہیں تھے اور پھر یورپ کی علمی ترقی اور فلسفہ و سائنس سے مرعوب بھی تھے۔ اس لیے ان سے کسی قدر نقصان بھی پہنچا۔ بہرحال اردو میں جدید علم کلام کے بانیوں میں ایک یہ بھی تھے۔

مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری کے متعلق حیات شبلی میں لکھا ہے کہ منڈھیاؤں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے، جن کو اردو کے مشہور صاحب طرز ادیب، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو کے پہلے صدر، اردو میں صنف طنزیات و مضحکات کے امام، بہت سی کتابوں کے مصنف و مترجم رشید احمد صدیقی کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ حضرت شیخ محمد کونی ظفر آبادی کی اولاد میں تھے۔ مولانا فضل رسول صاحب بدایونی اور مولانا احمد اللہ صاحب اور دوسرے بزرگوں سے پڑھا۔ آخر میں مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی بڈھانوی سے علوم کی تکمیل کی۔ کچھ دنوں نواب باندہ کے ہاں رہے۔ آخر میں جونپور آکر طرح اقامت ڈالی۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، کچھ دنوں کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور وہیں حج و زیارت کے بعد ۱۲۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ ان کی ذات بابرکات سے پورب کے خطہ میں بڑا فیض پہنچا۔ سیکڑوں علماء آپ کے حلقۂ درس سے فارغ ہو کر نکلے، دور دور تک دین کے اثر کو وسیع کیا، بدعات کو مٹایا اور مذہبی تعلیم کو رواج بخشا۔ اعظم گڑھ کی نومسلم برادری میں جس کے گل سرسید، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا حفیظ اللہ بندی وغیرہ تھے۔ آپ ہی کے فیض سے عربی تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ اسی کا نتیجہ سرائے میر کا مدرسۃ الاصلاح ہے جو نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ مولانا شبلی اس کو مسلمانوں کا گروکل بنانا چاہتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے دعاۃ اور مبلغین تیار کیے جائیں اور ان کو دعوت و تبلیغ کے لیے ہندو اکثریت کے علاقوں میں بھیجا جائے۔ جونپور کے مشہور مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد بھی آپ ہی کی تحریک سے جونپور کے رئیس اعظم منشی امام بخش نے رکھی تھی۔ جس کے صدر مدرس فرنگی محل کے نامور عالم مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی تھے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا ابتدائی زمانہ اسی مدرسہ میں گزرا۔ اس کی مسند صدارت پر مفتی محمد یوسف فرنگی محلی فائز ہوئے تو اس مدرسہ نے بڑی شہرت حاصل کی اور بڑے لائق اور شوقین طلبہ کا ہجوم ہوا۔ انھی میں ہمارے ضلع کے عربی ادب اور فلسفہ و معقولات کے مشہور استاذ مولانا فاروق چریاکوٹی بھی تھے۔ یہیں انھوں نے علوم کی تکمیل کی اور مخزن روزگار ہوئے۔ اس مدرسہ کے نامور مدرس مولانا کرامت اللہ خاں رام پوری تھے۔ ان سے مولانا شبلی نے بھی پڑھا تھا۔ آخر میں اس مدرسہ کے صدر مدرس مولوی لطف الرحمٰن بردوانی مقرر ہوئے۔ اپنے ایک شاگرد کے ذریعہ جو

باقی ص ۸ پر

ضمیمہ بہ سلسلہ تفسیر ابوالکلام

قرآن مجید کی اصطلاحاتِ اربعہ کا اصلی مفہوم

ـــــــــ اور مودودی صاحب کی تحریف

الٰہ ، رب ، عبادت اور دین

(۱) الٰہ کا حقیقی مفہوم حاجت رواہے : الالٰہ ما یولہ الیہ فی الحوائج :
چوں کہ کائنات کی ہر چیز ہر وقت لاتعداد حاجات میں گھری رہتی ہے اور ان کی یہ حاجات اللہ پاک پوری کرتا ہے، اس لیے وہی حاجت روا ہے ۔

علم الالسنہ کا ایک اصول : زبانوں کا یہ ایک عام اصول ہے کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں ان کے ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں ۔ پھر جوں جوں وہ ترقی کرتی جاتی ہیں تو وہ ہر جدا معنی کے لیے جدا لفظ بناتی رہتی ہیں ۔ اسی لحاظ سے الٰہ کے بھی متعدد معنے ہیں ۔ اور ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کے شرعی معنی کیا ہیں شریعت میں اس کے معنی مایولھون الیہ فی الحوائج ۔ جس کی طرف حاجت روائی کے لیے رجوع کیا جائے

۲۔ ربّ : چوں کہ کائنات کی ہر چیز ہر آن بے شمار ضرورتوں میں گھری رہتی ہے ۔ اگر اس کی یہ ضرورتیں پوری نہ ہوں تو وہ فنا ہو جائے ۔ ٹھیک اسی لحاظ سے رب کے معنی ضرورتوں کو پورا کرنے والے کے ہیں ۔ ضرورت اور حاجت میں فرق ہے ۔ حاجت کا مفہوم ضرورت کے مقابل عام ہے ، اور ضرورت کا مفہوم خاص ہے ۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھے ایسے ایسے کھانے اور کپڑے کی حاجت ہے ، اس میں رنگ و مزہ سب چیزیں آ جاتی ہیں ۔ لیکن ضرورت میں یہ چیزیں نہیں آتی ہیں ۔ ضرورت تو اسے کہتے ہیں کہ جس کے پورا نہ ہونے سے مضرت ہو ۔

یہ ہے بالاختصار ضرورت اور حاجت کا فرق ۔ اور دونوں کا مرکزی مفہوم

عبادت جن وانس کی پیدائش کی حقیقی غرض ہے اور اس کے معنی خود حضرت خاتم

۳- عبادت : الانبیاء فرماتے ہیں: الدعاء هو العبادة " " الدعاء مخ العبادة " لہذا
اس لفظ کے دینی مفہوم کو خود شارع نے بیان فرما دیا ہے اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی کوئی من مانی تشریح کرے۔

واقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس

۴- دین کے حقیقی معنے : عليها - لا تبديل لخلق الله ذالك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۔ اپنے آپ کو پوری یکسوئی سے دین کی طرف کر دے ۔ یہ دین وہ فطرت انسانی ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

کل مولود یولد علی الفطرة ۔ ہر نوزائیدہ بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

دین کے حقیقی معنے یہ ہیں جسے نہ صرف قرآن مجید نے بلکہ خود رسول اللہ نے بیان کر دیا ہے جس کی کسی من مانی تاویل و تشریح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ ہیں مختصر طور پر قرآن مجید کی اصطلاحات اربعہ کے معنے۔ چوں کہ زمانے کی رو کے ماتحت مودودی صاحب نے پوری کتاب دین کی سیاسی تعبیر و تشریح کر دی ہے، مثلاً دین کے معنے انھوں نے موجودہ دور کی کلی ریاست کے کیے ہیں اور اسی رجحان کے ماتحت انھوں نے عبادت، رب والٰہ کے معنی بھی کر دیے ہیں۔ جو کل دین کی کلی تحریف ہے۔ میری مولوی ابواللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ مودودی صاحب کے بعض سیاسی افکار کو دین کامل کی جگہ رائج کرنے کی ہر کوشش سے کنارہ کشی کا پوری جماعت کو مشورہ دیں۔

انھوں نے افضل حسین صاحب ایم اے قیم جماعت اسلامی کو ہمراہ لے کر تین سال پہلے راقم سے ملاقات کی تھی اور صاف لفظوں میں کہا تھا کہ جماعت اسلامی مودودی صاحب کے افکار کو اپنا دین نہیں سمجھتی، مگر آج تک انھوں نے اس کے متعلق کوئی بیان نہیں دیا اور مودودی صاحب کا لٹریچر گھر گھر پھیلایا جا رہا ہے۔

دین ہرگز سیاسی اقتدار کے حصول کی کشمکش کا نام نہیں ہے، تمام انبیاء کی عملی سنت اس کا ثبوت ہے حضرت ابراہیم کی دعوت توحید کا دائرہ مصر، عراق اور عرب پر پھیلا ہوا تھا مگر انھوں نے ریاست قائم کرنے کا کوئی اشارہ تک نہیں کیا

حضرت خاتم الانبیاء کو مکی زندگی کے اس دور میں یہ پیش کش کی گئی کہ جب وہ اور ان کے اصحاب موت و حیات

کی کشمکش سے گزر رہے تھے کہ اگر حضرت رسول پاک بت پرستی کے خلاف اپنی تبلیغ کو بند کردیں تو انھیں عرب بھر کا بادشاہ بنایا جاسکتا ہے۔ مگر آپ نے رؤسا مکہ کی یہ پیش کش رد کردی۔ ظاہر ہے کہ اگر سیاسی اقتدار کا حصول ہی دینی کشمکش کی غرض ہے تو آپ اس پیش کش کو رد نہ کرسکتے تھے۔

مودودی صاحب نے جرمن مفکر ہیگل کے سیاسی افکار کے دباؤ کے تحت دین کا مفہوم موجودہ دور کی ہمہ گیر ریاست کیا ہے اور اسی دباؤ کے ماتحت ساری کتاب دین کی تشریح کر ڈالی ہے، جسے انھوں نے تازیت عالمگیر رواج دینے کی کوشش کی ہے اور امت کے مقابل ایک مستقل تنظیم کھڑی کردی ہے۔

لہٰذا جماعت اسلامی سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ مودودی ازم سے کامل انقطاع کرتے ہوئے امت کے تاریخی طور پر مسلمہ مذہب کو سرنو قبول کرلے اور اہل سنت دجماعت سے خاص کر جماعت اہلحدیث سے مربوط ہوجائے اور اہل اسلام کے رُخ کو آپسی جھگڑوں کے بجائے غیر مسلم دنیا کو دائرہ اسلام میں لانے کی طرف متوجہ ہوجائے۔

نوٹ: ابوالکلام آزاد نے جو تفسیر لکھنی شروع کی تھی اور جس میں سلف کے عقیدے کو من وعن رواج دینے کی کوشش کی تھی، جماعت اسلامی سے میری درخواست ہے کہ وہ اُسے اور ممکن ہو تو تفسیر ابن کثیر کو زیر مطالعہ رکھے۔ — خیر اندیش — فقیر نذیر احمد کاشمیری

اصطلاحات اربعہ کی تلخیص وتکملہ

(الف) مخلوق چوں کہ ہر آن حاجات میں گھری رہتی ہے اور یہ حاجات اللہ پوری کرتا ہے۔ اس لیے الوہیت کا حقیقی معنے حاجت روائی ہے۔

(ب) مخلوق چوں کہ ہر آن ضرورتوں میں گھری رہتی ہے اور یہ ضرورتیں اللہ پوری کرتا ہے، اس لحاظ سے اللہ کی ایک صفت رب ہے اور ربوبیت کا حقیقی معنے ضرورت روائی ہے

(ج) عبادت جن وانس کی پیدائش کی حقیقی غرض ہے اور اس کے معنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بتلایا ہے، اس لیے اس کا کوئی دوسرا معنے نہیں کیا جاسکتا۔ عبد چوں کہ محتاج مطلق ہے اور معبود حاجت روائے مطلق، اور حاجت روا و محتاج کا تعلق مانگنے اور دینے کا ہے۔ اس کے سوائے وہ اور کچھ ہو نہیں سکتا۔

(باقی ص پر)

گوشۂ ادب

لفظ ”خال“ کے لغوی معانی اور عربی کے دو اہم قصیدے

——— ابو القاسم عبد العظیم، مئوناتھ بھنجن

مکتبۃ الحرم النبوی کے اوراقِ پارینہ میں مجموعہ نمبر (۸/۸۰) کی ورق گردانی کے دوران عربی کا ایک کرم خوردہ قصیدہ ——— آٹھ اشعار پر مشتمل ——— ہاتھ آیا۔ مغربی رسم الخط اور ناصاف تحریر کی خواندگی اگر ایک طرف مشکل و دشوار تھی تو دوسری طرف کچھ حروف کیڑوں کی نذر بھی ہو چکے تھے، بصد مشکل قصیدہ نقل کیا گیا۔ اشعار کے اختتام پر لکھا ہوا ہے:

”هذه الأبيات للامام ابی عبد الله محمد بن احمد بن هشام اللخمی فی معانی الخال فی اللغة ماعدا البيت الاخير لسعيد[1] حسن الزياتی[2] رحمهم الله“

معلوم ہوا کہ اس قصیدے کا مولف یا ناظم ابن ہشام لخمی ہے اور اس کے اشعار کی تعداد سات ہے[3] آٹھواں شعر سعید حسن زیاتی نے اضافہ کیا ہے۔[4]

ابن ہشام لخمی کا شمار اندلس کے مشہور علمائے لغت میں ہوتا ہے، نام، نسب، اور کنیت یہ ہے:

---

[1] غالباً ”لسعید حسن الزیاتی“ لکھا ہے، لیکن کتابت یہ ہے۔ ”لسیعیہ“

[2] سعید حسن الزیاتی کا تذکرہ بھی ہمیں حاصل نہ ہو سکا۔

[3] ابن دحیہ (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) نے ”المطرب فی اشعار اہل المغرب“ (ص ۱۸۳ طبعۃ القاہرۃ سنہ ۱۹۵۴ء تحقیق: ابراہیم الابیاری، و ص ۱۶۸ طبعۃ الخرطوم سنہ ۱۹۵۴ء، تحقیق: مصطفیٰ عوض الکریم) اور علامہ سیوطی نے ابن دحیہ کے واسطہ سے ”بغیۃ الوعاۃ (۱/۴۹) میں اس قصیدہ کے صرف چار اشعار نقل کیے ہیں۔

[4] لیکن مصادر میں آٹھواں شعر ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ہشام بن ابراہیم بن خلف ، اللخمی[1] النحوی ، اللغوی ، السبتی[2] الاشبیلی[3]۔ اندلس کے مشہور شہر "اشبیلیہ" میں پیدا ہوئے ، مدت دراز تک مغرب کے شہر "سبتہ" میں قیام کیا اور درس و تدریس کا اہتمام کرتے رہے[4] عربی زبان وادب اور اصول و قواعد کے ساتھ ساتھ لغت و لسانیات میں درک حاصل تھا ، کچھ نظم و اشعار اور علم نجوم کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔

ابن ہشام لخمی نے مختلف فنون میں کتابیں بھی لکھیں جن کے نام یہ ہیں :

تعلیم البیان[5]، شرح الفصیح فی اللغۃ[6]، شرح قصیدۃ ابی علی البغدادی فی الہیئۃ[7]، شرح مقصورۃ

---

[1] عرب کے مشہور قبیلہ "لخم بن عدی" کی طرف منسوب ہے جو جزیرہ عرب سے نکل کر عراق ، شام ، مصر ، روم اور اندلس وغیرہ میں آباد ہوا۔ شاہان عراق آل منذر اور شاہان اشبیلیہ بنو عباد اسی قبیلہ کے افراد تھے۔ (تفصیل کے لیے : معجم قبائل العرب ۳/۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ و ۳۶۵/۵ مولفہ : عمر رضا کحالہ مع مراجع مذکور)

[2] ہدیۃ العارفین (۹۷/۲) میں "البستی" تحریر ہے۔ مگر "بُست" و "بَست" عراق وایران کے شہر ہیں نہ کہ اندلس کے۔ (القاموس المحیط) مادہ "بست" ۱۴۳/۱)

[3] بغیۃ الوعاۃ ۴۸/۱ بحوالہ "رحلۃ التجیبی"

[4] اسی لیے ابن الابار نے ان کا شمار غرباء اندلس میں کیا ہے اور ابن عبدالملک نے اس کی تائید کی ہے۔ (التکملہ لابن الابار ۲/ ۶۷۵ - ۶۷۶ ، مجلۃ معہد المخطوطات العربیۃ - القاہرہ جلد ۳ جزء ۱ ص ۱۲۹ ۱۹۵۷ء بحوالہ الذیل والتکملہ السفر السادس مخطوطہ پیرس ، فرانس)

[5] بغیۃ الوعاۃ ۴۸/۱ ، ہدیۃ العارفین ۹۷/۲ ، ایضاح المکنون ۲۹۹/۱ و ۳۶۸ - کتاب کا موضوع غالباً علم البیان ہے ، لیکن مصادر میں اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

[6] ابو العباس احمد بن یحیی ثعلب (م ۔ ۲۹۱ھ/۹۰۴ء) کی مشہور ترین کتاب "الفصیح" کی شرح ، عالمی کتب خانوں میں اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ تبصرہ اور نسخوں کی تعداد کے لیے ملاحظہ ہو : ابن درستویہ ص ۱۵۲ ، تالیف عبداللہ الجبوری اور الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۵ و ۱۲۰ - ۱۳۰ - نیز دیکھو : بغیۃ الوعاۃ ۴۹/۱ ، کشف الظنون ۱۲۷۳/۲ ، ہدیۃ العارفین ۹۷/۲

[7] کشف الظنون ۱۳۴۵/۲ ، ہدیۃ العارفین ۹۷/۲

ابن درید (دیکھو: الفوائد المحصورہ فی شرح المقصورہ)، شرح الفصول الخمسین لابن عبدالمعطی فی النحو
شرح قصیدۃ الہاشمی فی ترحیل النیرین[۱]، شرح قصیدۃ الحریری فی النظائر[۲]، الفصول فی النحو[۳]
الفصول والجمل فی شرح ابیات الجمل واصلاح ما وقع فی ابیات سیبویہ وفی شرحہا للأعلم من الوہم والخلل[۵]

---

[۱] ہدیۃ العارفین ۲/۹۷، کشف الظنون ۲/۱۲۶۹ - ۱۲۷۰

[۲] صاحب الدراسات اللغویۃ فی الاندلس" کے بیان کے مطابق یہ رسالہ مفقود ہے۔ اور یہی وہ رسالہ ہے جو "شرح قصیدۃ ابی علی البغدادی فی الہیئۃ" کے نام سے موسوم ہے، لیکن فاضل مصنف نے اپنے دعوی پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ (دیکھو: الدراسات ص ۸٦)

[۳] الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸٦ - یہ رسالہ بھی مفقود ہے۔

[۴] ہدیۃ العارفین ۲/۹۷، بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۹ "الفصول" - غالباً یہ نام اجمالی ہے، تفصیلی نام "الفصول والجمل ... الخ" ہے

[۵] الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۵ بحوالہ: التکملہ (۲/٦۷۵) والبغیۃ (۱/۴۹)،
مولف الدراسات ... نے "البغیہ" کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے: ظنہ کانہ کتابان، ولیس ہو کذلک"
لیکن بغیۃ الوعاۃ مولفہ سیوطی میں یہ عبارت موجود نہیں، لہٰذا احتمال ہے کہ مولف نے البغیہ سے "بغیۃ الملتمس" للضبی مراد لیا ہو۔ لیکن یہ بات بھی قرین قیاس نہیں، نیز تکملہ میں نام: "اصلاح ما وقع ..... " الخ مذکور ہے۔
کتاب مذکور، خزانۃ الادب، مولفہ عبدالقادر بغدادی (م - ۱۰۹۳ھ / ۱٦۸۲م) کے اہم ترین مصادر میں سے ہے، علامہ عبدالعزیز میمنی نے "اقلید الخزانۃ" میں اس کتاب کا نام "شرح ابیات الجمل للزجاجی" لکھا ہے۔ (اقلید الخزانہ ۴۰)
دمشق کے کتب خانہ ابوالیسر عابدین میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔
(الاعلام ۱۰/۱۰۵)

الفوائد المحصورہ فی شرح المقصورۃ [1] ، لحن العامہ [2] ، المجمل فی شرح ابیات الجمل [3] ، نکت علی شرح الاعلم (الشنتمری) لشواہد کتاب سیبویہ [4] ، المدخل الی تقویم اللسان [5]

---

[1] کشف الظنون ۲/۱۸۰۸ ، ہدیۃ العارفین ۲/۹۷ ، الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۵ و ۱۸۰ دیگر مراجع میں اس کا نام "شرح المقصورہ" یا "شرح الدریدیہ" وغیرہ لکھا ہے ، ملاحظہ ہو: بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۹ ، ہدیۃ العارفین ۲/۹۷ ، وفیات الاعیان ۴/۳۲۳ ، الوافی بالوفیات ۲/۱۳۱ - نیز تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو : الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۱۷۹ - ۱۸۳ ، تاریخ النقد الادبی فی الاندلس ص ۱۴۰ - ۱۶۱ عالمی کتب خانوں میں اس کتاب کے سترہ قلمی نسخے موجود ہیں (. بروکلمن : تاریخ الادب العربی ۲/۱۸۰)

[2] بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۹ ، کشف الظنون ۲/۱۵۴۸ ، ہدیۃ العارفین ۲/۹۷ مزید تفصیل دستیاب نہ ہو سکنے کی وجہ سے شبہ ہے کہ اس کتاب کا اصل نام المدخل الی تقویم اللسان ہے۔

[3] بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۹

[4] کورکیس عواد نے "سیبویہ امام النحاۃ" (ص ۳۴ و ۸۸) میں اس کتاب کا نام اسی طرح لکھا ہے۔ بغیۃ الوعاۃ (۱/۴۹) میں : "نکت علی شرح ابیات سیبویہ للاعلم" اور ہدیۃ العارفین (۲/۹۷) میں : "النکت علی کتاب سیبویہ" تحریر ہے ، التکملہ (۲/۶۷۵) میں : "اصلاح ما وقع ... الخ" مذکور ہے ، جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

[5] بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۸ ، الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۴ و ۸۵ ، ۸۶ ، کشف الظنون ۲/ ۱۶۴۱ ہدیۃ العارفین ۲/۹۷ ، صاحب کشف الظنون نے "المدخل الی تقویم اللسان و تعلیم البیان" کے نام سے اس کتاب کا تعارف کیا ہے۔ لیکن "تعلیم البیان" کا اضافہ ظاہر کرتا ہے کہ کتاب کا مکمل نام ایسا ہی ہے ، حالانکہ اوپر "تعلیم البیان" دوسرا رسالہ ثابت کیا گیا ہے۔ غالباً بغیۃ الوعاۃ کی ترتیب سے مصنف کو وہم ہوا ہے ، یا اس کو ریال کا دوسرا نسخہ معتبر ہے۔ اس کو ریال کی لائبریری میں اس کے دو قلمی نسخے موجود ہیں ، پہلے نسخہ پر کتاب کا نام "الرد علی الزبیدی فی لحن العوام" لکھا ہے اور دوسرے پر "المدخل الی تقویم اللسان و تعلیم البیان" مرقوم ہے ، فہرست کے نمبرات بالترتیب ۴۶ اور ۹۹ ہیں۔

اندلسی عالم لغت کی اہم ترین کتاب جس میں "لحن عامہ" کے عنوان پر سیر حاصل بحث ہے۔ معاصر علمائے لغت و ماہرین لسانیات کی خاص توجہ کے باوجود مکمل نہ چھپ سکی۔ عراقی وزارۃ الثقافۃ والاعلام کے مجلہ

ابن ہشام لخمی کی تالیفات میں دو کتابوں کے نام اور بھی لیے گئے ہیں۔
الجمل فی النحو[1] ، المقرب فی النحو[2]
علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق ابن ہشام کی کتابوں کے راوی ابو عبداللہ بن الغاز ہیں۔
مصادر نے ابن ہشام لخمی کے سن وفات کی تعیین میں شدید اضطراب ظاہر کیا ہے۔
رضا عبدالجلیل الطیار و ڈاکٹر صالح حاتم الضامن اور دیگر محققین کے نزدیک سن وفات ۵۷۷ھ ہے[3]
کورکیس عواد اسماعیل پاشا بغدادی اور حاجی خلیفہ نے ۵۷۰ھ / ۱۱۷۴ء تحریر کیا ہے۔[4]

← "المورد" میں ڈاکٹر صالح حاتم الضامن۔ کلیۃ الآداب، جامعہ بغداد نے المدخل کو قسط وار شائع کیا
المورد ج ۱۱، العدد ۳ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء ص ۷۵ - ۱۰۴، المدخل کی پانچویں قسط طبع ہوئی۔
البتہ کتاب مذکور پر تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو: الدراسات اللغویۃ فی الاندلس ص ۸۶ - ۱۰۷

[1] بالترتیب جرجانی اور زجاجی کی کتاب "الجمل فی النحو" مع تعلیقات و شروح کے ذکر کے بعد حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے: کشف الظنون ۱/ ۶۰۵)۔ لیکن صاحب "الدراسات اللغویہ فی الاندلس" نے اسے حاجی خلیفہ کا وہم قرار دیتے ہوئے یہ دلیل قائم کی کہ فاضل مصنف نے زجاجی کی "الجمل" کی شروح میں لخمی کی شرح کا ذکر نہیں کیا۔ (الدراسات ص ۸۶) حالانکہ ان کی شرح "المجمل" الخ مصادر میں مذکور ہے لہذا میم کی تصحیف کے بعد ہی کتاب "الجمل" - بغیر میم - بن گئی۔

[2] ایضاح المکنون ۲/ ۵۴۵، ہدیۃ العارفین ۲/ ۹۷
دراصل یہ کتاب ابن ہشام فہری معروف بہ "ابن الشواش" کی تالیف ہے، جس کی شرح احمد بن عبدالنور مالقی نے کی ہے (دیکھیے: رصف المبانی فی شرح حروف المعانی، مقدمۃ التحقیق) لیکن اسماعیل پاشا بغدادی نے مذکورہ مصادر میں اسے ابن ہشام لخمی کی طرف غلط طور سے منسوب کیا ہے۔ (الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۶)

[3] الدراسات اللغویہ فی الاندلس ص ۸۵، ۱۲۰، ۱۷۹، المورد ج ۱۱، العدد ۳ ص ۷۵

[4] سیبویہ امام النحاۃ ص ۲۳۴ و ۸۸۔ ایضاح المکنون ۱/ ۲۹۹، ۵۴۵، ہدیۃ العارفین ۲/ ۹۷

صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق ۶۰۰ھ کے حدود میں وفات پائی۔[۱] نیز انہی کے بیان کے مطابق ۶۰۰ھ سے پہلے فوت ہوئے۔[۲] نیز انہی کا تیسرا بیان یہ ہے کہ ۵۴۰ھ کے حدود میں انتقال کیا۔[۳] نیز انہی کے بیان کے مطابق ۵۳۴ھ کے حدود میں زندہ تھے۔[۴] نیز انہی کے بیان کے مطابق ۵۵۷ھ میں زندہ تھے[۵] اور علامہ سیوطی کا خیال بھی یہی ہے۔[۶]

دوسرا قصیدہ تیرہ اشعار پر مشتمل ہے اور علامہ ابن منظور[۷] نے "لسان العرب[۸]" میں ابن بری کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے۔[۹]

ابن بری: ابو محمد عبداللہ بن بری بن عبدالجبار، المقدسی الاصل، المصری اپنے زمانہ کے مشہور نحوی اور معتبر لغوی ہیں۔ آپ نے جوہری[۱۰] کی مشہور کتاب "الصحاح[۱۱]" پر حواشی لکھے[۱۲] اور علم و فن کی

---

۱ کشف الظنون ۲/۱۲۷۳، ۲ ایضاً ۲/۱۵۴۸، ۳ ایضاً ۲/۱۲۷۰، ۱۶۴۱، ۱۸۰۸،
۴ ایضاً ۲/۱۳۴۵، ۵ ایضاً ۲/۱۲۷۳، ۱۸۰۸، ۶ بغیۃ الوعاۃ ۱/۹۴

۷ جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی بن احمد الانصاری، الافریقی، ثم المصری، رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔ ادب عربی کی اکثر ضخیم کتابوں کی تلخیص کی اور لغت کی ضخیم کتاب "لسان العرب" تالیف کی۔ محرم ۶۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۷۱۱ھ میں وفات پائی۔ (الدرر الکامنۃ مولفہ ابن حجر عسقلانی، بغیۃ الوعاۃ ۱/۲۴۸)

۸ "لسان العرب" متعدد بار ۱۶ تا ۲۰ جلدوں کے مابین چھپ چکی ہے۔ یوسف الخیاط اور ندیم مرعشلی کی کاوشوں سے حروف تہجی کی ترتیب پر دار لسان العرب۔ بیروت سے شائع ہوئی جو مزید خصوصیات کی حامل ہے۔

۹۔ لسان العرب مادہ "نخل"

۱۰ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، مشہور لغوی اور "تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ" کا مصنف، نیشاپور کی علمی مجالس کی زینت تھے، چوتھی صدی ہجری کے انقراض سے کچھ پہلے ہی وفات پائی۔ (بغیۃ الوعاۃ ۱/۴۴۶ - ۴۴۸، مقدمۃ الصحاح ص ۱۰۸ - ۱۱۰)

۱۱ اصل نام "تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ" ہے۔ احمد عبدالغفور عطار کی۔ حفظ اللہ کی کاوشوں سے ۱۹۵۶ء میں قاہرہ سے ۶ جلدوں میں شائع ہوئی کہ ۱۹۸۲ء میں طبع ثانی کی نوبت آئی، معتدبہ مقدمہ الگ سے ←

دوسری کتابیں بھی تالیف کیں جن میں :

(۱) اللباب فی الرد علی ابن الخشاب فی ردہ علی الحریری فی درۃ الغواص [1]

(۲) الرد علی الحریری فی درۃ الغواص [2]

زیادہ مشہور ہیں ۔[3]

قاہرہ میں پیدا ہوئے، مشاہیر اہل لغت سے تعلیم حاصل کی اور وہیں ۵۸۲ھ / ۱۱۸۷ء میں وفات پائی [4]

"تعال" کے معانی کے بارے میں ابن بری کا قصیدہ محتمل ہے کہ انھوں نے خود کہا ہو یا کسی اور شاعر کا ہو۔ جسے ابن بری نے "صحاح" کے حواشی میں ضم کر لیا ہو، بہر صورت صاحب لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں :

← ایک جلد میں شائع ہوا۔

قافیہ کی ترتیب پر لغت کی پہلی کتاب ہے ۔ ابن منظور نے "لسان العرب" میں، اور فیروز آبادی نے "القاموس المحیط" میں یہی طرز اختیار کیا ۔ (تفصیل کے لیے دیکھو : مقدمۃ الصحاح ص ۱۰۱، ۱۱۰ وما بعدہا

المزہر ۱/ ۹۷، محاضرات فی المعاجم العربیۃ ص ۸۶-۹۲، بغیۃ الوعاۃ ۱/ ۴۴۶-۴۴۸)

[21] (دیکھیے صفحہ کا) احمد عبد الغفور عطار کی تحقیق کے مطابق ابن بری نے "صحاح" پر دو حاشیے لکھے ہیں ایک کا نام "الایضاح فی حاشیۃ الصحاح" ہے اور دوسرے کا نام " التنبیۃ والافصاح عما وقع من الوہم فی کتاب الصحاح" ہے۔

ممکن ہے پہلی کتاب ابن بری کی خود تالیف ہو، لیکن دوسری کتاب کا آغاز ابن القطاع (م - ۵۱۵ھ) نے کیا تھا ۔ ابن بری اس کی تکمیل میں "وقش" یا "ومش" کے مادہ تک پہنچے تھے کہ موت نے انھیں بھی مہلت نہ دی ۔ پھر عبد اللہ بن محمد البجانی نے اس کی تکمیل کی ۔ (مقدمہ الصحاح ص ۱۶۱-۱۶۲)

[1] بغیۃ الوعاۃ ۲/ ۳۴، کشف الظنون ۱/ ۱۴۷،

[2] بغیۃ الوعاۃ ۲/ ۳۴، کشف الظنون ۱/ ۱۴۷، دیگر نام ذکر نہیں کیا)

[3] حاجی خلیفہ نے ابن بری کی کتابوں میں : اللباب فی الرد علی ابن الخشاب، کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ابن الخشاب نے مقامات حریری پر جو استدراکات کیے ہیں، انھی کا جواب ہے۔ (کشف الظنون ۲/ ۱۵۴۲، ۱۵۰)

[4] بغیۃ الوعاۃ ۲/ ۳۴ المزہر ۲/ ۴۶۷ و ۱/ ۹۹، مقدمہ الصحاح ص ۱۶۱

"قال: وهذه الابيات تجمع معاني الخال" [1]

اس موضوع پر تیسرا قصیدہ عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالغفار بلغ الدین ابو محمد القسنطینی کا ہے، نحو اور عروض کے عالم تھے۔ افسوس کہ علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں ان کے ذکر میں بخالت کی، اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا:

"کان موجودا آخر عشر الستمائۃ، وله "قصیدۃ خالیۃ" ذکرناها فی الطبقات الکبریٰ، ومطلعها:

ایا راکب الوجنا فی السبسب الخال

اذا جئت نجدا عج علی دمن الخال

وقف باللوی حیث الریاض بنیقۃ

بذات الغضاعب المواطر کالخال" [2]

بہرحال اہلِ لغت نے بھی دیگر شعراء فن کی طرح لغوی الفاظ و معانی کے نظم میں طبع آزمائی کی اور تراثی شکل میں ہمارے لیے اس قسم کے بہت سے نمونے چھوڑ گئے۔

"خال" کے معنی میں موجود دونوں قصیدوں کی اہمیت اہلِ لغت کے نزدیک مسلم ہے۔ اشتراک لفظی جو لغت کی ایک خاص صنف ہے، ایسے قصائد کا دستیاب ہوجانا اس صنفِ لغوی کی روشن دلیل ہے۔

اشتراکِ لفظی کی تعریف اہلِ لغت کے نزدیک یہ ہے: هو اللفظ الواحد یدل علی معنیین، مختلفین او اکثر دلالۃ علی السواء عند اهل تلك اللغۃ۔ [3]

یعنی کسی بھی اہل زبان کے نزدیک ایک ہی لفظ بلاتفاوت دو یا کئی مختلف معانی میں استعمال ہو، لفظ "عین" اس کی سب سے بہتر مثال ہے۔ لفظ "خال" بھی اسی کے مانند ہے۔

اشتراک لفظی کی بحث آئندہ کبھی مفصل سے کی جاسکتی ہے۔ طوالت کے خوف سے فی الحال نظرانداز کیا جا رہا ہے۔

---

[1] لسان العرب ۱/۳۳۹، مادہ "خیل"۔ [2] یعنی ۶۱۰ھ کے حدود میں بقید حیات تھے، لفظ "خال" پر ان کا ایک قصیدہ بھی ہے جس کو ہم نے "الطبقات الکبریٰ" میں درج کیا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے: ایا راکب الوجناء الخ (بغیۃ الوعاۃ ۲/۵۸)۔ [3] المزہر ۱/۳۶۹ بتغییر یسیر، الصاحبی فی فقہ اللغۃ ص ۱۱۴، المزہر ۱/۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۵۔ لغت کی دیگر کتابیں بھی ملاحظہ ہوں۔

بڑے شیطان ـــ سے ـ ایران ـ کی ـ خفیہ دوستی

ایڈیٹر صراط مستقیم برنگھم، برطانیہ

ایک عرصے سے بین الاقوامی پریس میں یہ خبریں شائع ہو رہی تھیں کہ ایران خفیہ ذرائع سے امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے وسیع پیمانے پر اسلحہ حاصل کر رہا ہے ۔ اور اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ تھی کہ اسلحہ کی خریداری اور پھر اسے ایران تک پہنچانے میں اسرائیل اہم کردار ادا کر رہا ہے اور اس مہم کے لیے ایران و اسرائیل کے خصوصی تعلقات قائم ہیں اور دونوں ملکوں کے اعلیٰ حکام گاہے بگاہے ملاقاتیں بھی کرتے رہتے ہیں ۔ ایک طرف یہ خبریں تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ایران سرکاری طور پر اس کی تردید کر رہا تھا اور اسے انقلاب دشمنوں کا پروپیگنڈا قرار دے کر عالمی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا ، مگر اب جبکہ دنیا بھر کے ذرائع سے ان گزشتہ ساری خبروں کی تصدیق ہوئی تو ایران نے بھی اسے تسلیم کر لیا ہے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس ذلت آمیز حرکت اور اسرائیل دوستی کو بھی امریکہ کے خلاف اپنی فتح قرار دے رہا ہے ۔

اس وقت مصدقہ رپورٹوں کے مطابق صرف اسرائیل کے ذریعہ ایران نے ۵۰۰ ملین ڈالر کا اسلحہ حاصل کیا لیکن اخبارات نے اسرائیلی وزیر دفاع کے حوالے سے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ امریکی ذرائع نے جس مقدار کا ذکر کیا ہے وہ بہت کم ہے بلکہ اسرائیل سنہ ۸۲ء سے ایران کو بھاری مقدار میں جو اسلحہ سپلائی کر رہا ہے اس کی مالیت ۵۰۰ ملین ڈالر سے کہیں زیادہ ہے ۔ قطع نظر اس بات کے کہ ایران نے ان غیر قانونی ذرائع سے جو اسلحہ حاصل کیا اس کی مالیت کتنی ہے ۔ اصل زیر بحث موضوع یہ ہونا چاہیے کہ ایران کے اس سارے کھیل کا سیاسی اخلاقی اور اسلامی طور پر کوئی جواز ہے یا نہیں ؟ ہم ان تینوں پہلوؤں سے اس کا تجزیہ کریں گے ۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو اس کی پوزیشن پر تبصرہ کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ وہاں کے جمہوری اور قومی ادارے اتنے بااختیار ہیں کہ صدر ریگن اور ان کے مشیر ان کی مضبوط گرفت میں آچکے ہیں اور جو بھی اس خفیہ کاروبار کے ذمہ دار قرار پائیں گے ۔ انھیں اس کی سزا بہر حال بھگتنا پڑے گی ۔ مگر ایران کے بارے میں اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہاں بھی اس سارے ڈرامہ کے ذمہ دار لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے کوئی ادارہ

حرکت میں آئے گا۔ ہمارے نزدیک ایران کا یہ فعل مروجہ بین الاقوامی سیاسی اصولوں، عام اخلاقی قدروں اور اعلیٰ اسلامی تعلیمات وروایات سب کے خلاف ہے۔ اور ان میں سے کسی کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، اور انھی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ یوں تو تمام مسلم ممالک اسلحہ کے حصول کے لیے بڑی طاقتوں کے محتاج ہیں اور اسلامی ملکوں کے باہمی اتحاد و تعاون کے فقدان کی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کہ اپنی ضرورت کے ہتھیار خود تیار کر سکیں۔ حالانکہ مسلم دنیا کے پاس کسی لحاظ سے بھی وسائل کی کمی نہیں اور مالی و عددی دونوں طرح خود کفیل ہیں۔ اسی لیے مسلم ملکوں کو اپنی دفاعی ضروریات پورا کرنے کے لیے دو بڑی طاقتوں امریکہ اور روس سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور دونوں سپر قوتیں اپنے مفادات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اسلحہ سپلائی کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، برطانیہ اور چین بھی جدید اسلحہ کے سوداگر ہیں اور مسلمان ملک اپنے تعلقات و وسائل کے مطابق ان سے بھی اسلحہ خریدتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں اسلحہ کی خریداری کے معاہدے یا تو کھلے عام ہوتے ہیں یا پھر نقد قیمت پر اسلحہ خریدا جاتا ہے اور یہ ملک دنیا کے مختلف خطوں میں اپنے سیاسی اقتصادی اور فوجی مفادات کا خیال رکھ کر ہتھیار فراہم کرتے ہیں۔ ایران نے جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ ایک تو مروجہ طریقوں سے ہٹ کر۔ حالانکہ مروجہ بین الاقوامی طریقے کے مطابق بھی بڑی طاقتیں اپنے مفادات کا خیال کیے بغیر کسی مسلم ملک کو اسلحہ نہیں دیتیں مگر ایران کو جو اسلحہ دیا گیا وہ مروجہ طریقۂ کار کے مطابق نہیں تھا بلکہ اس کے لیے خصوصی خفیہ طریقہ استعمال کیا گیا۔ اور ظاہر ہے امریکہ نے ایران کی خیر خواہی کی بنیاد پر اسلحہ کی ترسیل نہیں کی کہ اس کی دلی خواہش تھی کہ ایران جنگ میں کامیاب ہو، بلکہ اس کے اپنے مقاصد تھے اور بظاہر امریکہ نے اس سے تین بڑے مقصد حاصل کیے۔ (اول) اس جنگ سے اتحاد عالم اسلامی کی کوششوں کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، امریکہ اسے جاری رکھنا چاہتا تھا۔ ایران نے امریکہ سے خفیہ سازباز کر کے اس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور امریکی اسلحہ کی بنیاد پر یہ جنگ اپنی ہولناکی میں ترقی کرتی رہی (دوم) بیروت میں شیعہ انتہا پسندوں نے جن امریکیوں کو یرغمال بنایا تھا انھیں چھڑایا جائے۔ چنانچہ ایران پہلے لوگوں کا اغوا کراتا رہا۔ پھر امریکہ سے اسلحہ کی رشوت مانگ کر انھیں رہا کرانے کی پیشکش کرتا رہا۔ اس میں امریکہ کو جزوی طور پر کامیابی ہوئی۔ اگر یہ راز فاش نہ ہوتا تو شاید اب تک وہ اپنے سارے یرغمالی رہا کرا چکا ہوتا (سوم)، امریکہ نے اس طرح الجھاؤ پیدا کیا کہ پوری مسلم دنیا اس جنگ کی وجہ سے معطل ہو کر رہ جائے اور فلسطین کا مسئلہ پس منظر میں چلا گیا۔ اسرائیل پوری طرح محفوظ رہا اور یہ حقیقت ہے کہ ایران عراق جنگ میں جتنی جانیں ضائع ہو رہی ہیں، اس کا تیسرا حصہ اگر یہ ملک فلسطین کی آزادی کے لیے شہید کرانے پر تیار ہو جاتے تو آج پورا فلسطین آزاد ہو جاتا۔ تو گویا کہ ایران نے اسرائیل کو مسئلہ

فلسطین کے مسلہ میں بھرپور تحفظ دینے کے لیے امریکہ سے تعاون کیا اب اگر ان تینوں باتوں کو سامنے رکھا جائے تو ایران کے یہ تینوں دعوے باطل ہیں کہ وہ امریکہ کو سب سے بڑا شیطان سمجھتا ہے اور وہ امریکی یا روسی بلاک سے تعلق نہیں رکھتا اور یہ کہ وہ کربلا کے راستے فلسطین کو آزاد کرائے گا۔

(۲) عام اخلاقی قدروں پر اگر ایرانی کردار کو پرکھا جائے تو اس پر بھی وہ پورا نہیں اترتا۔ ایران جن ملکوں کے خلاف سب سے زیادہ پروپیگنڈا کرتا رہا ہے ان میں سعودی عرب، پاکستان، مراکش اور مصر ہیں اور ایران کا سب سے بڑا الزام یہی ہے کہ یہ امریکہ کے حاشیہ بردار ہیں اور ان پالیسیوں کی وجہ سے اسرائیل کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو ان ملکوں کی امریکہ سے جو دوستی ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ وہ اس سے اقتصادی یا فوجی امداد حاصل کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے آج تک فلسطین کے بارے میں امریکی موقف کی تائید نہیں کی مگر اس کے باوجود ایرانی ذرائع ابلاغ انھیں امریکی حاشیہ بردار یا ایجنٹ جیسے لقب دیتے رہے، مصر کے صدر سادات کو اس لیے بڑا مجرم سمجھا گیا کہ اس نے اسرائیل کو تسلیم کیا اور وہاں کا دورہ کیا مراکش کے شاہ حسن کو ایران نے اس لیے گالیاں دیں کہ اس نے اسرائیلی وزیر اعظم کا اپنے ملک میں استقبال کیا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان سب نے جو کچھ کیا یا کر رہے ہیں وہ واضح اور کھلی پالیسی کے طور پر کر رہے ہیں اور ایک لحاظ سے اسے اخلاقی جرأت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر ایران کے گھٹیا پن کا یہ عالم ہے کہ اس نے بھی امریکہ سے اسلحہ حاصل کیا، اس نے بھی اسرائیلی حکام سے روابط رکھے۔ ایرانی حکام نے بھی اسرائیلی حکام سے ملاقاتیں کیں، مگر یہ سارے جرائم چھپ کر، خفیہ طریقے سے کیے، تاکہ مسلم دنیا کو دھوکا دیا جا سکے اور اسلامی انقلاب کے نام پر جذباتی مسلم نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا عمل جاری رہے۔ اور پھر جن ملکوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اسرائیل کے ذریعہ امریکی اسلحہ حاصل نہیں کیا اور نہ اس طرح کی کوئی امریکی شرط قبول کی ہے، لیکن ایران اور امریکہ کے درمیان ثالثی کا کردار اسرائیل نے ادا کیا اور اسلحہ امریکہ کا فروخت ہوا۔ اور قتل عام مسلمانوں کا ہوا۔ مگر اس کے باوجود یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایران امریکہ کا دشمن ہے اور سعودی عرب، پاکستان اور دوسرے ممالک امریکہ کے ایجنٹ ہیں اور اسرائیل کے بارے میں غلط موقف رکھتے ہیں۔ ایرانی حکام اس سارے ڈرامے کے منظر عام پر آنے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں تو بنا رہے ہیں مگر یہ جرأت نہیں کر سکے کہ امریکہ و اسرائیل سے اپنے خفیہ روابط کی خبروں کو غلط ثابت کر سکیں تو اس طرح اخلاقی لحاظ سے بھی ایران کا یہ سنگین جرم ہے کہ اس نے ظاہری طور پر امریکہ دشمنی کے نعرے لگائے اور اندر ہی اندر اس سے تعلقات بھی اس طرح استوار کر لیے کہ اسے برابر اسلحہ ملتا رہا۔ اور یہ کتنا عجیب مذاق ہے کہ عراق کے صدر صدام حسین سے مصالحت تو ناممکن ہے اور اس جنگ کو تو بند نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اسلامی انقلاب کی روح کے خلاف ہے، لیکن نیز گنٰ

مسلمان آبادیوں کو تباہ کرنے اور بے مقصد جنگ جاری رکھنے کے لیے امریکہ سے دوستی قائم کرلینا اسلامی انقلاب کے عین مطابق ہے یہ اسلام ایران ہی کو مبارک ہو کوئی غیرت مند مسلمان ملک اس طرح کی حرکتیں نہیں کرسکتا۔ ان ساری کڑیوں کو اگر آپس میں ملایا جائے تو ہمارے نزدیک امریکہ کے سب سے بڑے ایجنٹ کا کردار ایران نے ادا کیا ہے۔ امریکہ، مصر، اردن، سعودی عرب اور پاکستان کی دوستی کے ذریعہ وہ کچھ حاصل نہیں کرسکا جو اس نے ایران کی دشمنی کے نعرے کے ذریعہ حاصل کرلیا ہے۔ ایک طرف پوری مسلم دنیا کو تقسیم کردیا اتحادِ عالم اسلامی کے امکانات اور کم کردیے، دوسری طرف لبنان میں ایران کی پشت پناہی سے چھوٹے چھوٹے گروپوں نے عجیب قیامت بپا کر رکھی ہے وہ بے گناہ لوگوں کو اغوا یا قتل کرکے اسلام کا نام روشن کررہے ہیں؟ تیسری طرف ان گروپوں خصوصاً امل شیعہ ملیشیا نے فلسطینیوں کا قتل عام کرکے اسرائیل کی ایجنٹی کا حق ادا کردیا اور ان گروپوں کو اسرائیلی طیارے گاہے گاہے فضائی تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں کیا یہ سب کچھ وہ اپنے نقصان کے لیے کررہے ہیں یا یہ اسلحہ ایران کو اس لیے سپلائی کرتے رہے ہیں کہ وہ فلسطین کو آزاد کرا سکے۔ اب بھی جو لوگ ایران کو عالم اسلام کا خیرخواہ، اسرائیل کا دشمن اور فلسطینیوں کا دوست سمجھتے ہیں یا تو اندھے و بہرے ہیں اور یا پھر انھوں نے اسلام دشمنی کی قسم کھائی ہوئی ہے کیوں کہ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی بڑی عقل کی ضرورت نہیں کہ امریکہ اور اسرائیل نے ایران کو جو کچھ بھی دیا وہ عالم اسلام کو تباہ کرانے اور فلسطینیوں کے وجود کو مٹانے کے لیے دیا ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ سادات اسرائیل گیا تو قابل گردن زدنی ٹھہرا، مراکش نے اسرائیل سے بات کی تو قابل مذمت فعل کیا۔ اردن یا پاکستان نے امریکہ سے کھلے عام اسلحہ خریدا تو قابل نفرت ہوگیا۔ مگر ایران نے اس بڑے شیطان امریکہ سے خفیہ دوستی قائم رکھی اور امریکی و اسرائیلی سازشوں کا شکار ہوتا رہا مگر پھر بھی وہ سامراج کا دشمن اور اسلام کا خیرخواہ ہے۔ اور ہمارے بعض اسلام پسندوں کی اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں اور وہ ایرانی انقلاب سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے بیتاب نظر آتے ہیں۔

ہم ایسے مسلمانوں سے گزارش کریں گے کہ وہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ان خیالات پر نظر ثانی کریں اور ایران اسرائیل و امریکی سکینڈل کے بعد واضح طور پر ایران کے کردار کی مذمت کریں۔

(۳) ایران کا یہ کردار اسلامی تعلیمات اور روایات کے بھی سراسر منافی ہے۔ اسلام یہودیوں جیسی ذلیل قوم سے خفیہ یا ظاہری دوستی رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ضرورت کے مطابق اُن سے کوئی امن معاہدہ تو کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ رسول ؐ نے مدینہ کے یہود سے کیا تھا مگر خفیہ تعلقات کی گنجائش نہیں ہے۔ مصر کے سادات نے تو امن معاہدہ ہی کیا تھا، اسلحہ کی خریداری کے لیے خفیہ دورے نہیں کیے تھے۔ ایران نے تو اسرائیل کو ایک لحاظ سے ثالث بھی تسلیم کیا، کیونکہ ایرانی امریکی تعلقات، امریکی اسلحہ کی ایران منتقلی اور

امریکی یرغمالیوں کی رہائی جیسے معاملات میں واسطے اور پل کا کردار اسرائیل نے انجام دیا، اس لحاظ سے وہ ثالث بھی ٹھہرا۔ مگر دوسری طرف مسلمانوں کی جانیں بچانے اور مسلمانوں کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے جب مسلم ملکوں کی سربراہ کانفرنس نے ایک ثالثی کمیٹی بنائی، جس میں پاکستان بھی شامل تھا تو یہاں ایران کی خودداری اور اکڑپن کا یہ عالم رہا ہے کہ ان سے ملنا بھی خمینی صاحب نے گوارا نہیں کیا، اس لیے کہ وہ امریکی حاشیہ بردار ہیں۔ سبحان اللہ، اسرائیلی حکام سے خفیہ ملاقاتیں جائز ہیں، امریکی تاجروں سے اسلحہ کے سودے خفیہ طور پر درست ہیں، اس کے علاوہ دنیا کی اسلام دشمن قوتوں سے اسلحہ کی بھیک مانگنا عین عبادت ہے، مگر ایران و عراق کی جنگ بند کرنا خلافِ اسلام حرکت ہے۔ اس بارے میں قرآن کا واضح حکم بھی ایرانی حکمرانوں کو نظر نہیں آیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے دو بھائیوں کے درمیان جنگ بند کرانے کا فارمولا بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ، اگر کوئی ایک فریق باز نہ آئے اور زیادتی کرتا چلا جائے تو تم سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے اگر وہ واپس آجائے ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے" (الحجرات آیت: ۹)۔

اب اس آیت کی رو سے ایران زیادتی کر رہا ہے اور قرآنی حکم کی رو سے مسلمانوں کو طاقت استعمال کر کے اسے اس تباہ کن لڑائی سے باز رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اقوام متحدہ، غیر جانبدار ممالک کی تنظیمیں تو غیر اسلامی ہیں لیکن مسلم برادری بھی ان سے اپیل کر چکی ہے، جسے ایران مسترد کر چکا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مجرم ہے اور تمام مسلم ممالک کو مل کر اسے جنگ میں زیادتی کرنے اور سرکشی سے باز رکھنا چاہیے۔ جنگ بندی کے بعد جس کی جو زیادتی ہے اس کی اسے سزا ملنی چاہیے اور عدل و انصاف سے مسلمانوں کو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہوگا تو ظاہر ہے جنگ میں پہل کرنے یا کسی دوسری زیادتی کرنے کے بارے میں عراق کے خلاف اس وقت تک عدل و انصاف کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، جب تک وہ جنگ بند نہ ہو جائے۔ ایران کا یہ عجیب اور احمقانہ موقف ہے کہ ایک فریق کو مجرم پہلے قرار دیا جائے، اسے سزا بھی دیدی جائے پھر اس سے جنگ بندی کی اپیل کی جائے۔ انسانی تاریخ میں اس طرح کی عدالت، ثالثی یا تحکیم کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس جنگ کے بارے میں ایران کی ایک اور منطق بھی بڑی مضحکہ خیز ہے اور جس کا اظہار ایرانی سفیر نے "ایڈیٹر صراط مستقیم" کے نام ایک خط میں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ایران کی جنگ کفر و نفاق کی قوتوں کے خلاف ہے جو اسلامی انقلاب کو ختم کرنے کے لیے میدان میں آئی ہیں۔ اور یہاں ایک دوسری قرآنی آیت پیش کرتے ہیں کہ "ان سے اس وقت تک لڑو، جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے، فتنہ سے مراد وہ غیر اسلامی حکومتیں اور کفر کے نظام لیتے ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لیے یہ ایرانی موقف درست بھی تسلیم

کرلیا جائے کہ عراق اور اس کے حامی کفر کی طاقتیں ہیں اور ان ملکوں میں غیر اسلامی نظام ہیں لہذا اسلامی انقلاب برپا کرنا اور فتنے کو ختم کرنا ضروری ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اصول ان چند ملکوں کے خلاف ہی کیوں ؟ شام جو ایران کا دوست اور حلیف ہے، کیا وہاں اسلامی انقلاب آچکا ہے اور اسلامی قوانین نافذ ہو چکے ہیں۔؟ وہاں تو صورتحال دوسرے ملکوں سے بھی بدتر ہے، اسلامی تحریکیں کچلی جا چکی ہیں اور علماء کرام یا جیلوں میں ہیں یا دوسرے ملکوں میں پناہ لے چکے ہیں۔ پھر عراق و شام دونوں جگہ بعث پارٹی برسر اقتدار ہے، جس کا موسس ایک غیر مسلم ہے اور دونوں جگہ پارٹی کے بنیادی اصول یکساں نافذ ہیں تو پھر کیا اجرا کہ ایران کے نزدیک عراق کفر کی طاقت اور شام اسلامی نظام کا گہوارہ۔ اسی طرح جنوبی یمن، الجزائر اور بعض دوسرے ملکوں کا معاملہ ہے، مگر انھیں ایران نے کبھی کفر قرار دیا ہے اور نہ ہی وہاں اسے کوئی فتنہ نظر آیا، اس لیے یہ محض ایک بہانہ ہے اصل بات کچھ اور ہے۔ شام شاید اس لیے کفر کی طاقت نہیں کہ وہاں بعثی وسوشلسٹ ہی سہی علوی ونصیری شیعہ برسر اقتدار ہیں، جبکہ عراق کے بعثی اس لیے برے ہیں کہ وہ سنی ہیں۔ (سردست یہ بحث ہم نہیں چھیڑنا چاہتے۔ کسی مناسب موقع پر اس موضوع پر قلم اٹھائیں گے، ان شاء اللہ۔)

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ایرانی انقلاب کو نہ عالم اسلام کے اتحاد سے دلچسپی ہے اور نہ ہی مسلمانوں کا خون بہانے کا اسے کوئی غم ہے۔ اس کا منصوبہ یہ ہے کہ عراق کے علاقوں پر قبضہ کرکے وہ شام تک جانے کا راستہ حاصل کرے، وہاں لبنان میں وہ پہلے ہی رسوخ حاصل کر چکا ہے، شام ویسے ہی اس کے ساتھ ہے، اس طرح مشرق وسطیٰ میں ایک مضبوط شیعہ بلاک وجود میں آجائے گا جو شاید امریکہ کے لیے اسرائیل سے زیادہ مفید ثابت ہو۔ اس لیے امریکہ اور اسرائیل دونوں ایران کی پشت پناہی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور ایران امریکی دشمنی کا نعرہ لگانے، اسے شیطان اکبر قرار دینے اور دن رات اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے باوجود امریکہ کے بہترین دوست کا کردار ادا کر رہا ہے۔ ●●●

ایران شام اور لبنان

لبنان میں آج سے ۱۲ برس پہلے جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو اس کا بظاہر سبب عیسائی مسلم کشمکش تھی اور ایک عرصہ تک مغربی و مشرقی بیروت میدان کارزار بنے رہے اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خونریز تصادم ہوئے، اس کے بعد عیسائیوں نے فلسطینیوں کو لبنان سے نکالنے کا مطالبہ شروع کردیا، جس کی پشت پناہی اسرائیل نے کی اور ایک مرحلہ

ایسا بھی آیا کہ شام نے عیسائیوں کی فوجی مدد کی، بعد میں اسرائیل نے بھی کھلی جارحیت کرکے اپنی فوجیں بیروت میں داخل کردیں اسی دوران صابرہ وشتیلا میں فلسطینیوں کے قتل عام کا سانحہ پیش آیا، ساتھ ہی اسرائیل نے جنوبی لبنان پر بھی چڑھائی کرکے اہم علاقوں پر قبضہ کرلیا، اس سیاسی صورتحال میں مختلف مسلم گروپ اور فلسطینی مل کر اسرائیلی جارحیت اور عیسائی ملیشیا کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے، پھر اسرائیل بیروت سے رخصت ہوا تو فلسطینیوں کو بیروت سے نکالنے کے لیے اسرائیل کے ساتھ شام بھی شامل ہوگیا۔ طرابلس اور وادی بقاع میں شامی فوجیں داخل ہوگئیں اور یاسر عرفات سمیت ہزاروں فلسطینیوں کو لبنان سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ ایک طرف شام کے تعاون سے امل شیعہ اور دروز کی سوشلسٹ پارٹی اور شام کے حامی گروپ آگے بڑھتے رہے جبکہ شامی فوجیں ان کی مدد کے لیے موجود تھیں، دوسری طرف ایران نے خالص اپنے گروپ تیار کیے۔ اس وقت حزب اللہ سب سے مضبوط ایران کے حامی شیعہ حضرات کا گروپ ہے، اس کے علاوہ جہاد اسلامی اور دوسرے ناموں سے ایران کے تعاون سے کئی گروپ قائم ہوچکے ہیں۔

ایران وشام کی حمایت سے جتنے گروپ لبنان میں مصروف عمل ہیں وہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ سارے شیعہ فکر وعقیدے کے حامل ہیں اور ایران وشام دونوں ان مختلف گروپوں کو اسلحہ، مال اور پروپیگنڈے کے میدان میں زبردست مدد کررہے ہیں۔

دوسری طرف بڑی اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے جو فلسطینی مظلومین کی حمایت کررہی ہے، مغربی بیروت کے علاوہ طرابلس شہر ان کا بڑا مرکز ہے، مگر بدقسمتی سے کوئی بھی مسلمان ملک ان کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے وہ سخت مشکل صورت حال سے دوچار ہیں۔ اور اب امل ملیشیا جس بے دردی سے فلسطینیوں کے کیمپوں کا محاصرہ کرکے ان کا خاتمہ کررہے ہیں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں۔ طرابلس کے مسلمانوں کے سر پر شامی فوجیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بیروت میں امل دروز اور دوسرے انتہاپسند گروپ غالب ہیں۔

ایسی صورت حال کے دو ہی نتیجے سامنے آرہے ہیں، ایک یہ کہ عیسائی علاقے پوری طرح امن میں ہیں۔ اور ان کے مخالفین شیعہ سنی، فلسطینی لبنانی اور دوسرے نعروں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں، اور دوسرا یہ کہ ایران وشام کی براہ راست مدد سے شیعہ انتہاپسند اثر ورسوخ حاصل کرکے لبنان کو شیعہ وسنی علاقوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پھر فوجی برتری حاصل کرکے ایک نئی شیعہ اسٹیٹ قائم کرنے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ (صراط مستقیم دسمبر ۸۶/ جنوری فروری ۸۷ء)

... ...

افغانستان کی جماعۃ الدعوہ الی القرآن والسنۃ (اہل الحدیث) کے تحت چلنے والے مدارس

افغانستان میں دعوتِ اہل حدیث کی جو تبلیغی اور مجاہدانہ مساعی ہیں ان کا ایک ہلکا سا خاکہ پچھلے شمارہ کے مکتوب مدینہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ خط ایک سال پرانا تھا، رمضان میں راقم کی ملاقات مدینہ میں مکتوب نگار سے ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ اب ہمارے مجاہدین کی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز کر رہی ہے۔ بھرتی کے لیے بیحد نوجوان ہمارے مرکز کا رخ کر رہے ہیں مگر ہم سامان و اسباب کی قلت کے باعث معذوری ظاہر کرتے ہیں۔ اس وقت اس تحریک کے مجاہدین ۶۴ محاذوں پر مصروفِ جنگ ہیں، اس کے ساتھ ہی اس تحریک نے اندرون افغان اور پاکستان کے مہاجر کیمپوں میں اپنی تعلیمی سرگرمیاں بھی جاری رکھی ہیں۔ سردست ہم ذیل میں ان کے مدارس کی تعداد، علاقہ وار ترتیب سے دے رہے ہیں:

ضلع یا منطقہ	مدارس کی تعداد	عمارت/خیمہ	اساتذہ کی تعداد	طلبہ کی تعداد	طالبات کی تعداد
۱- اندرون افغانستان	۱۲	۱۲/×	۲۴	۱۵۷۳	×
۲- باجوڑ ایجنسی (پاکستان)	۲۳	۱۱/۱۲	۱۰۷	۲۳۴۱	۷۸۰
۳- دیر (")	۱۸	۱۲/۶	۷۳	۱۲۴۸	۵۲۳
۴- پشاور (")	۳۵	۲۱/۱۴	۹۸	۳۷۹۶	۱۱۴۷
۵- ہزارہ (")	۳	۳/۱	۱۴	۲۹۵	۸۷
۶- چترال (")	۳	۳/×	۹	۱۸۳	۱۰۲
۷- کوہاٹ (")	۱۲	۱۰/۲	۵۰	۹۰۰	۱۳
۸- خیبر ایجنسی (")	۶	۶/×	۱۸	۳۹۴	۱۱۱
۹- ملاکنڈ ایجنسی (")	۴	۳/۱	۱۵	۳۱۳	۱۰۹
۱۰- کوئٹہ (")	۱۲	۴/۸	۳۴	۷۱۲	۷
۱۱- مردان (")	۸	۵/۳	۳۲	۳۶۶	۳۷۳
۱۱	۱۳۶	۸۹/۴۷	۴۷۴	۱۲۱۲۱	۳۲۵۲

ہماری نظر میں :

توضیح الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام (حصہ اول)

تالیف : مولانا ارشاد الحق اثری ، کاغذ، کتابت، طباعت: عمدہ صفحات: ۵۶۲ قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ : ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار، فیصل آباد، پاکستان۔

قرأت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ دور قدیم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، لیکن برصغیر میں اس مسئلے نے اس وقت شدت اختیار کرلی جب حادثۂ بالاکوٹ کے بعد تحریک شہیدین سے حنفی گروہ نے علیحدہ ہوکر "فتنۂ غیر مقلدیت" کی سرکوبی کا بیڑہ اٹھایا اور مساجد کے اندر سنت نبوی کے مطابق نماز پڑھنے والے مصلیوں کو اپنی جاہلانہ ترکتازیوں کا نشانہ بنانے کی مہم چلائی۔ ہر چند کہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں احناف کے تین اقوال ملتے ہیں (۱) قرأت نہ کرنا مختار ہے۔ (۲) سری نمازوں میں قرأت کرنا مستحسن ہے۔ (۳) قرأت کرنا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اور ان میں سے تیسرا قول مستند ائمۂ احناف کے بجائے تقلیدی جمود کے شکار شدت پسند متاخرین سے ملتا ہے، لیکن ہمارے ملک کے احناف نے بالعموم اسی تیسرے قول کو اختیار کیا اور جوش وخروش کے عالم میں صرف یہی نہیں کہ کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے گئے، بلکہ فقہاء، علماء اور ائمہ کے اقوال وعبارات کی غلط اور جبری تاویل وتوجیہہ اور کتر بیونت کرتے کرتے احادیث نبویہ بلکہ قرآن مجید تک میں تحریف کرڈالی اور اپنے حلقۂ ارادت کو شکست وریخت سے بچانے کے لیے قرأت کرنے والوں کے منہ میں مٹی جھونکنے اور ان کے دانت توڑنے تک کا فتویٰ دے مارا، اور قیامت کے دن منہ میں انگارے ڈالے جانے کی وعید اس پر مستزاد۔

اہلحدیث نے اس مسئلہ میں احکام نبوی کا دفاع کرتے ہوئے جو کتابیں تحریر کیں ان میں مولانا عبدالرحمان صاحب محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی کتاب تحقیق الکلام اپنی مثال آپ ہے اس تحقیقی کتاب نے حنفی موقف کا کھوکھلا پن اس طرح فاش کیا اور ان کی ایسی جامہ تلاشی لے ڈالی کہ ان کے کبراء وسادات تڑپ کر رہ گئے، بالآخر عرصہ بعد گوجرانوالہ کے ایک حنفی شیخ الحدیث مولانا ابوالزاہد سرفراز خاں صاحب صفدر گکھڑوی بالقابہ وآدابہ نے قلم اٹھایا اور فن جرح وتعدیل کے اصولوں اور حوالوں کے بھاری بھرکم

خول اور رعب دار ہیولے کے ساتھ یوں نقد واحتساب کیا کہ ع

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جاں اینجاست

موصوف نے اپنی دانست میں صرف یہی نہیں کہ احناف کے سر سے اس دیرینہ قرض کا بوجھ اتار دیا، بلکہ دوسرے فریق پر بہت سارا قرض چڑھا بھی دیا، ان کی یہ تنقیدی کتاب احسن الکلام کے نام سے ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) میں شائع ہوئی۔

ان ہی دنوں استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ محمد صاحب محدث گوندلوی رحمہ اللہ اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تحریر فرما رہے تھے، احسن الکلام نمودار ہوئی تو موصوف نے اس کا بھی جائزہ لے ڈالا اور یہ کتاب "خیر الکلام" کے نام سے ۱۳۷۵ھ (۱۹۵۶ء) میں شائع ہو گئی، اس کے بعد دس سال خاموش رہ کر ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء) میں احناف نے احسن الکلام کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس میں خیر الکلام کا جواب بھی شامل تھا، یہی احسن الکلام ہے جس کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری نے قلم اٹھایا اور توضیح الکلام کے نام سے اس کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اور اس کا پہلا حصہ ہمارے سامنے ہے۔

یہ حصہ مولانا اسحاق چیمہ حفظہ اللہ کے عرض ناشر اور مولانا عزیز زبیدی مدظلہ کے پیش لفظ کے بعد مولف کے اپنے سخنہائے گفتنی، ایک قیمتی مقدمے اور تین ابواب پر مشتمل ہے، پیش لفظ میں تقلید کے اثرات اور احسن الکلام اور توضیح الکلام پر جامع تبصرہ ہے۔ سخنہائے گفتنی میں اس مسئلہ پر محققین احناف کی رائے یا طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے احسن الکلام کے جور وستم کی طرف قدرے اشارہ ہے۔ مقدمہ میں صحابہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور جمہور اہل علم کے تعامل اور نقطہائے نظر کی تنقیح وتحقیق کی گئی ہے اور احسن الکلام کی رستانیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ باب اول میں قرآن مجید کی وہ آیات پیش کی گئی ہیں جن سے قراءت فاتحہ خلف الامام کا حکم فی الجملہ ثابت ہوتا ہے۔ باب دوم میں احادیث مرفوعہ سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ اور باب سوم میں صحابہ اور تابعین کے آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ کتاب کا حصہ دوم فریق مخالف کے دلائل کے نقد وتجزیہ پر مشتمل ہوگا۔

مولانا ارشاد الحق اثری ایک جواں سال وجواں عزم محقق اور عالم ہیں۔ حدیث، اصولِ حدیث، فنونِ حدیث اور رجالِ حدیث پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کی تحقیق سے العلل المتناهية وغیرہ شائع ہو کر اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ توضیح الکلام میں ــــ جیسا کہ مولانا زبیدی رقمطراز ہیں ــــ مولانا اثری نے:

"جس علمی ثقاہت کے ساتھ احسن الکلام پر تبصرہ کر کے درر منثورہ بکھیرے ہیں وہ اس موضوع

پر ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں ..... اگر میرے بس میں سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور (احسن الکلام ہیں) دیگر تقریظات لکھنے والوں کا بے پرواقلم اور شخصیت پرست دل ہوتا تو یقین جانیے میں حضرت اثری کے اس علمی جائزہ کو الہامی جائزہ اور ان کے قلم کو ضرب کلیمی سے تعبیر کرتا، بلکہ تقلید کے ان سامریوں کی مغالطہ خیز شعبدہ بازی کے مقابلے میں اس کو ظلِ عصائے موسیٰ کا نام دیتا۔ مگر آہ! فاضل نوجوان نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی۔"

"اصول حدیث، رجالِ حدیث، تذکارِ مذاہب اور اسانید کے تنوع یا ان کے جرح وخم میں جو رد ائیاں اور پوشیدہ ہیں، مولانا اثری صاحب نے اپنے اس جائزہ اور علمی کتاب میں ان کی جس طرح وضاحت اور نشاندہی فرمائی ہے مجموعی اعتبار سے وہ انھی کا حصہ ہے۔" (توضیح الکلام ص ۲۴)

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب علمی تحقیقات کی آخری منزلوں تک پہنچا ہے اور دلائل کے صحت وسقم کو نکھارنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی، مولانا صفدر نے احسن الکلام میں اہلحدیث موقف کو غلط اور کمزور ثابت کرنے کے لیے ایسے ایسے پینترے بدلے ہیں اور مغالطے، فریب، دھاندلی، کتربیونت اور ڈنڈی مارنے کے ایسے ایسے باریک حربے استعمال کیے ہیں کہ ان کا ادراک آسان نہیں، اور خیانت کوشی میں تو قادیانیوں کے کان کتر دیے ہیں۔ کسی عبارت سے کوئی مطلب کشید کرنا تھا اور کوئی لفظ آڑے آرہا تھا تو اسے بلاجھجک اُڑا دیا، کبھی شروع سے کبھی آخر سے اور کبھی درمیان سے، جو عبارت رواۃ کے لیے جرح نہیں تھی اس کی تعبیر میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے اسے مکمل جرح بنادیا۔ کسی لفظ سے ضعیف سی جرح نکل سکتی تو اسے رائی کا پہاڑ بناڈالا۔ کوئی امام کسی لفظ کے بارے میں اپنی خاص اصطلاح رکھتا ہے، جس سے مولانا کا مطلب پورا نہیں ہوتا تھا تو وہاں عام اصطلاح چسپاں کردی۔ جن اصولوں کی آڑ لے کر اپنا شیش محل بنانے کی کوشش کی ہے اگر وہی اصول دوسرے فریق کے موید نظر آئے تو بے تامل انھیں پامال کرڈالا۔ ڈھٹائی کی حد یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا ایک فیصلہ موصوف کے لیے مضر تھا تو بے تردد لکھ دیا کہ "امام بخاری کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟" (احسن الکلام ۲/۷۵ بواسطہ توضیح الکلام ۲/۳۲) اور علامہ ہیثمی کی ایک توثیق سے کام بن رہا تھا تو ارشاد ہوا کہ "اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔" (توضیح ۲۷۹) غرض ع

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے۔

مگر اللہ جزائے خیر دے مولانا اثری کو کہ انھوں نے ان حنفی شیخ الحدیث کی ایک ایک چالبازی اور ایک

ایک فریب کاری کو پکڑ کر انھیں اس طرح بیچ چوراہے پر ننگا کردیا ہے کہ اگر ان میں شرم وحیا کا شمہ بھی موجود ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ دوبارہ قلم اٹھانے اور زبان کھولنے کی جرأت کریں گے۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ کون سا دین وایمان ہے جو ان بزرگ کو احکام رسول سے جان چھڑانے کے لیے اس طرح کورانہ تقلید میں سر کے بل چلنے کی دعوت دیتا اور خیانت وفریب کاری اور جھوٹ اور افترا پردازی پر اکساتا ہے۔ قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین۔

کتاب اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری خوبیوں سے بھی آراستہ ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پروف ریڈنگ اور تصحیح کا کماحقہ اہتمام نہیں ہوسکا ہے۔ کتابت کی غلطیاں جگہ جگہ ہیں۔ بحث میں انہماک کے سبب کہیں کہیں جملوں کا دروبست بھی ناہموار رہ گیا ہے۔ اشعار اور مصرعوں کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ وماعلمناہ الشعر کی پیروی پوری طرح کارفرما ہے تاہم یہ اشعار بعض بعض جگہ تو بہت ہی برمحل ہیں۔ ص۵۴۳ پر امام شعبی کا اثر نقل ہونے کے بجائے کسی دوسرے مبحث کی عبارت نقل ہوگئی ہے۔ توقع ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس طرح کی فروگزاشتوں کا صفایا کردیا جائے گا۔

واللہ الموفق وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لیے جانے کی مستحق ہے۔ ہم ادارہ علوم اثریہ کو اس کی اس تازہ پیشکش پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ہماری خواہش اور گزارش ہے کہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلد منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا جائے۔ ●●●

جوارِ رحمت میں: ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ

عربی اور اردو اخبارات ورسائل سے اس المناک سانحے کی اطلاع ملی کہ علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ سو سال سے زیادہ عمر پاکر المغرب (مراکش) کے دارالحکومت الدار البیضاء (کاسابلانکا) میں ۲۷ رشوال ۱۴۰۷ھ کو رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کی علمی سطوت اور جلالت شان کی پوری دنیا معترف تھی، آپ نے افریقہ کے شمال مشرقی گوشہ سے اٹھ کر عرب وعجم اور ہندوستان تک کو اپنے فیض علم سے نوازا اور مولانا عبدالرحمان صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ جیسے اساطین علم سے کسب فیض بھی کیا۔ علم ودانش کی بلندی نے یورپ کو بھی آپ سے استفادے پر مائل کیا۔ آپ نے گو شمالی افریقہ کے ایک مبتدعانہ ماحول میں آنکھ کھولی مگر اللہ کی توفیق سے آپ توحید وسنت کے امام اور داعی وعلمبردار بن گئے۔ بدعت کے لیے آپ کی کاٹ شمشیر براں سے کم نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ یا بال بال آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنی جنۃ النعیم میں بہتر سے بہتر مقام عطا کرے۔ (آمین)

●●●

SEPTEMBER 1987
MOHADDIS
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

ہماری اردو مطبوعات

(۱) اہلحدیث اور سیاست	۴۰/—
(۲) قادیانیت اپنے آئینہ میں	۲۰/—
(۳) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	۲۰/—
(۴) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	۱۸/—
(۵) " " " (حصہ دوم)	۱۵/—
(۶) کتاب الکبائر	۲۵/—
(۷) رسالت کے سایے میں	۱۶/—
(۸) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	۳۵/—
(۹) " " " " (جلد دوم)	۳۵/—
(۱۰) " " " " (جلد سوم)	۵۰/—
(۱۱) " " " " (جلد چہارم)	۵۴/—
(۱۲) سیرت ابن حزم اندلسی	۴۰/—
(۱۳) کمیونزم اور مذھب	۱۶/-
(۱۴) محمد بن عبد الوھاب کے بارے میں دو متضاد نظریے	۵/—
(۱۵) اسلامی تربیت	۳۰/—
(۱۶) آپ بیتی	۳۰/—
(۱۷) حجیت حدیث	۳۵/-
(۱۸) عقیدۃ المؤمن	۲۰/—
(۱۹) نماز میں سورہ فاتحہ	۲۰/—
(۲۰) سلفی عقائد	۳۰/—
(۲۱) عظمت رفتہ	۲۰/—

مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

PRINTED BY : ABDUL AUWAL
AT SALAFIA PRESS, REORI TALAB, VARANASI.

مُحدّث

دار التالیف والترجمہ ریوڑی تالاب بنارس

★

عدد مسلسل ۵۷ ◎ صفر ۱۴۰۸ھ ◎ اکتوبر ۱۹۸۷ء

ماهنامه

محدث

بنارس

شمارہ ۱۰ • صفر المظفر ۱۴۰۸ھ • اکتوبر ۱۹۸۷ء • جلد ۵

برگ وبار

پتہ:-
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی

ل اشتراک:
سالانہ: تیس روپے
فی پرچہ: تین روپے

نعت

حماد انجم

کمالِ غیرتِ زیبائیت رسولِ کریمؐ — جمالِ جلوۂ محبوبیت رسولِ کریمؐ

وجودِ پاک ہمہ شاہکارِ رعنائی — سراپا خوبیٔ خلاقیت رسولِ کریمؐ

ہوائے صبحِ مدینہ، بہارِ شامِ حرم — ریاضِ خلد کی شادابیت رسولِ کریمؐ

سمٹ چکی ہیں جہانِ پیمبری کی حدیں — نبیٔ آخر آفاقیت، رسولِ کریمؐ

وہی محمدؐ و احمدؐ وہی ابوالقاسمؐ — زہے یہ نام، خوشا کنیت، رسولِ کریمؐ

عطائے علمِ لدنی بسورۂ اقراء — فروغِ سینۂ جبریلیت، رسولِ کریمؐ

مصفّا کوثر و زمزم سا باطن و ظاہر — حریمِ قدس کی معصومیت، رسولِ کریمؐ

بنائے درس گہِ علم و حکمت و عرفاں — شہِ معلّمِ روحانیت، رسولِ کریمؐ

مہک اٹھا ہے وجودِ تمدن و تہذیب — شمیمِ کاکلِ انسانیت، رسولِ کریمؐ

پرو دیا مسلکِ شریعت میں دین و دنیا کو — حکیم شارعِ ربانیت، رسولِ کریم

نقوشِ قول و عمل عکس ہائے وحیٔ خدا — مجسّم آیتِ قرآنیت، رسولِ کریمؐ

ہے ترجمانیٔ قرآں اُسوۂ حسنہ — کتاب و ذات کی یکسانیت رسولِ کریمؐ

زمیں سے تا بہ فلک نشرِ نغمۂ لاہوت — سرود و بربطِ حقانیت، رسولِ کریمؐ

تری جنابِ گرامی ہے مرجعِ امت — امامِ عالمِ اسلامیت، رسولِ کریم

مرے ایاغ کی مُل نعتِ مصطفٰی حمادؔ
سرورِ بادۂ حسانیت، رسولِ کریمؐ

نقش ر ۱۷ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پستی کا کوئی حد سے گزر نا دیکھے !

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کی اجتماعی حالت کے سلسلے میں ایک اصول ذکر فرمایا ہے :

ماكان الله ليذر المؤمنين على ما انتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب - (۳ : ۱۷۹)

ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو تمھاری اسی موجودہ حالت پر چھوڑ دے ، یہاں تک کہ خبیث کو طیب سے الگ کرے ۔

یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھی ، پس منظر یہ تھا کہ جب تک جنگ کی آزمائش نہیں ہوئی تھی ، اس وقت سارے کلمہ گو ، خواہ وہ حقیقۃً مسلمان رہے ہوں یا منافق ، بظاہر سچے پکے مسلمان اور اسلام کے ہمدرد معلوم ہوتے تھے کیونکہ سبھی نماز پڑھتے تھے ، روزے رکھتے تھے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے تھے اور آپ کی حمایت کا دم بھرتے تھے ، بلکہ جو منافق تھے ، وہ آپ کی حمایت میں کچھ زیادہ ہی سرگرم اور پرجوش معلوم ہوتے تھے ، باتیں ایسی عمدہ اور خوشنما کہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنیں تو سنتے ہی رہ جائیں ۔ ان حالات میں پتہ نہیں چل رہا تھا کون واقعی مسلمان اور سچ مچ آپ کا حامی ہے اور کس کا دعویٰ اسلام و حمایت محض زبانی اور دکھوکھلا ہے ، لیکن جب جنگ احد کی آزمائش کا مرحلہ پیش آیا تو مسلمان اور منافق ہر ایک کی اصل حقیقت کھل گئی اور حمایت کی جھوٹی ڈینگیں مارنے والے پوری طرح ننگے ہو گئے ۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل کر کے اپنی اس سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل ایمان پر آزمائش لانے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ خبیث و طیب جو عام حالات میں بظاہر ایک ہی صف میں دکھائی دیتے ہیں ، اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوتا ہے ، اس قسم کے آزمائشی حالات کی آمد کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا جدا ہو جاتے ہیں ، اور بآسانی جانا جا سکتا ہے کہ کس کا تعلق کس دائرے سے ہے ، خبیث سے یا طیب سے ، اس طرح مسلمانوں کے لیے ممکن ہو جاتا ہے

گروہ اپنے اجتماعی کاز میں غلط دائرے کے لوگوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔

ایرانی تخریب کاروں کے ہاتھوں مکہ معظمہ کے حادثہ کے بعد کم از کم ہمارے ملک کی حد تک تو یہ معاملہ بہت کچھ منظر عام پر آچکا ہے ایرانیوں کی مذمت ساری دنیا نے کی۔ ہمارے ملک کے بھی سارے مسلمانوں نے کی۔ صرف شیعہ فرقہ اور چند مالیخولیائی قسم کے "اسلام پسند" نوجوان اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایران کے لیے فطری طور پر یہ ایک دشوار گزار مرحلہ ثابت ہوا، جس سے نمٹنے کے لیے اس نے دولت کا سہارا لیا۔ پھر کیا تھا، ہماری قیادت کے ایک موٹے تازے ستون نے حرم کی پاسبان پولیس کے بارے میں یوم یلے جلال و طمطراق کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ سعودی پولیس اور میرٹھ کی پی اے سی ایک ہے۔ ادھر دہلی کے جو روزنامے اور ہفت روزے ایران کے خلاف شعلہ فشانی کر رہے تھے، اچانک ایک صبح ان کے قلمی شمشیر و سناں کا رُخ سعودی عرب کی جانب مڑ گیا، لوگوں کو اس اچانک تبدیلی کے سبب کی تلاش تھی ہی کہ ایک روزنامے نے انکشاف کیا کہ ایرانی سفارت خانہ دہلی کا نمائندہ لاکھوں لاکھ کی تھیلی لے کر اسی مقصد کے لیے ان کے پاس بھی آیا تھا مگر انھوں نے یہ "امداد" حقارت سے ٹھکرا دی۔

ہماری مذکورہ قیادت اور قیادت کے خواہاں اخبارات جانتے ہیں کہ اقتصادی اور معاشی طور پر تباہ و بدحال ایران کو اس فراوانی سے دولت تقسیم کرنے کے لیے یہودیوں کے سوا اور کہاں سے رقم مل سکتی ہے۔؟ تاہم ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ ایران دولت کہاں سے لا رہا ہے؟ ہمارے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ہماری قیادت اگر ضمیر فروشی کی اس پست سطح پر اتر چکی ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی سڑی ہوئی پونجی کے عوض وہ مکہ معظمہ کی بے حرمتی برداشت کر سکتی ہے۔ برداشت ہی نہیں بلکہ بے حرمتی کرنے والوں کی حمایت میں آواز بلند کر سکتی ہے۔ امہات المومنین، صدیق اکبر، فاروق اعظم اور صحابہ کرام کے مقدس اور پاک باز گروہ کو کافر کہنے والوں، گالیاں دینے والوں اور لعنت کرنے والوں کی سر میں سر ملا سکتی ہے تو کیا ہم ہندوستان کے اندر اپنے صدہا مسائل کے سلسلے میں ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کیا یہ لوگ چند ٹکوں کے بدلے بابری مسجد، مسلم یونیورسٹی اور اسلامی تشخص کے تمام اداروں اور مسائل کو بیچ نہیں سکتے اور کیا یہ اپنے بطن و فرج کے داعیے کی تسکین کے لیے پوری قوم کو تباہی کے غار میں ڈھکیل نہیں سکتے۔؟

آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ضمیر فروشوں کی یہی جماعت ہے جو مسلمانوں کے تمام اجتماعی مسائل کو ہتھیا لیتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین، اپنا مقصدِ وجود اور اپنا اصل کاز قرار دے کر سارے مسلمانوں کو اپنے پیچھے

دوڑ انے کی کوشش کرتی ہے ، مگر بلد امین میں پیش آنے والے اس حادثے نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی ساری دھوم دھا کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ قوم کو اندھیرے میں رکھ کر اس کے مسائل کے نام پر اپنی عیش کوشی اور بطن وفرج کے داعیے کی تسکین کا انتظام کرلیں ۔ پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے !

مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر انھوں نے اپنے مسائل کے سلسلے میں ایسے لوگوں پر اعتماد کیا بلکہ ان کو دخیل بھی ہونے دیا تو مسائل حل ہونے کے بجائے اور الجھیں گے ۔ اور ہماری پریشانیاں مزید دوچند ہوں گی ۔ اور آج تک ہماری پریشانیوں کا بڑا سبب ہمارے اصل فریق سے کہیں زیادہ ، درحقیقت یہی لوگ ہیں ۔ • • •

بقیہ: انسان :-

یہ تو صرف تعارف باہمی کے لیے ہے ورنہ جہاں تک شرافت کا تعلق ہے وہ صرف صاحب تقویٰ لوگوں کا حصہ ہے ۔ رسول خدا نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو شخص قبیلے کے نام پر دہائی دے ، جو شخص قبیلے کے نام پر جنگ کرے اور جو شخص کنبہ پرستی پر مرے وہ دائرہ امت اسلامی سے خارج ہے ۔ جس مذہب کی ساری دنیا کو دعوت ہو اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ کسی خاص کنبہ کے تقدس پر اپنی دعوت کی بنیاد رکھے ۔

بہرحال نسل پرستی نے پوری تاریخ انسانی کو دارالفساد بنائے رکھا ہے اور اب وقت ہے کہ اس سلسلہ منصوبۂ فساد کو ایک طرف پھینک کر ساری دنیا کو اخوت و مساوات انسانی کے دائرہ میں کھینچ لیا جائے اور شرافت کو حسن عمل پر مبنی قرار دے کر ساری دنیا کی پسماندہ اقوام کے لیے شاہراہ فلاح کھول دی جائے ۔ ہندوستان و افریقہ اور مشرق بعید کی اکثر اقوام قدم قدم پر دائرۂ اسلام میں آتی جائیں گی ۔ اے اللہ پاک اس مختصر دعوت کو آج کم از کم ساری امت مسلمہ کے سامنے لانے کا سامان کر ۔

عالم گیر بدامنی و فساد کا علاج کمال اخلاص سے عالم گیر امن و عدل کی طرف دعوت دینا ہے ، مادی و سیاسی ذرائع سے دنیا میں امن و عدل قائم نہیں ہو سکتا ، بلکہ عالم گیر انداز پر اخلاقی و روحانی اقدار کو دنیا میں رائج کرنے سے ہو سکتا ہے اور اس کی صورت خاتم الانبیاء کے دین و امت کی تجدید سے ممکن ہے ، جس کی آج اور اس وقت ضرورت ہے ۔ والسلام

انسان: اس کے دین کی اصولی حقیقت اور اس کا عملی ڈھانچہ

صوفی نذیر احمد کاشمیری رح

انسان: سلسلۂ حیات میں انسان سب سے قریب حیوان ہے۔ اس کا مقصد زندگی پیٹ کے داعیے کی اور صنفی داعیے کی تسکین ہے۔ حیوان اس سے بلند تر اور کسی مقصد کا کوئی شعور نہیں رکھتا۔

شعورِ حیوانی: حیوان میں جو شعور ہے وہ مفید و مضر کو پرکھنے کا شعور ہے، جس کے ذریعہ وہ کائنات کے ذخیروں، قوتوں اور اشیاء میں تمیز کرتا ہے۔ مفید کو استعمال میں لاتا ہے اور مضر سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ مفید و مضر کا امتیاز اس کی زندگی کے ضابطے کا آخری قانون ہے۔

یہ شعورِ مفید و مضر حیوانات کی طرح انسان میں بھی موجود ہے اور وہ اپنی مادّی بقا اور نشوونما کے لیے اسے بالکل حیوان کی طرح استعمال کرتا ہے۔ مگر یہ شعورِ مفید و مضر انسانی زندگی کو ضابطے میں رکھنے کے لیے آخری اور سب سے بالادست قانون نہیں۔

شعورِ نیک و بد: انسانی زندگی کو ایک ہمہ گیر ضابطے کا پابند رکھنے کے لیے جو شعور خاص اللہ پاک نے انسان کو دیا ہے، وہ اس کا شعورِ نیک و بد ہے۔ اس شعور کی ہمہ گیر گرفت میں رہ کر زندگی گزارنا، انسان کی انسانیت کی کل حقیقت ہے۔ یہی اس کا مذہب خاص ہے، اور اپنے اخلاقی مقام کی پابندی ہی اس کا اسلام ہے۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (آل عمران: ۸۳)

کیا یہ کفار اللہ کے دین کے علاوہ اور کسی دین کی تلاش میں ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کے قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہے۔

اس تجربے کی رو سے انسان تمام حیوانی صلاحیتوں کے مجموعے پر شعورِ نیک و بد کے اضافے سے بنا ہے۔ اگر شعورِ مفید و مضر کی معرفت اور اس کی پابندی انسان کو ایک جامع قسم کا حیوان بنا دیتی ہے، تو شعورِ نیک و بد کی رضاکارانہ پابندی اسے ملائکہ کی دنیا سے ملا دیتی ہے۔ ؎

ادھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

یہ ہے انسان اور اس کے دین کی اصولی حقیقت۔

حیاتِ انسانی کے تین رُخ (الف)

انسانی زندگی کا وہ رخ جو اسے اپنے خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ رکھتا ہے وہ انسانی روحانیت ہے۔ اس رُخ کے لحاظ سے انسان ملائکہ کا جلیس ہے۔

وہ بالکل روحانی مخلوق ہے۔ وہ عبد ہے اور اس کی غایتِ حیات عبادت ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (القرآن) میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عبادت کی حقیقت: اپنے ہمہ جہتی حوائج کے حصول کے لیے اپنے خالق کی طرف متوجہ رہنا اور اسی سے مسلسل مانگتے رہنا عبادت کی حقیقت ہے۔ "الدعاء هو العبادة" دعا ہی عبادت ہے۔ ملائکہ تو ہر آن اللہ کی تسبیح و دعا میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر چوں کہ انسان کو اپنی عارضی بقا کے لیے ضروریاتِ حیات کی تلاش میں سعی و جہد بھی کرنا ہوتی ہے لہٰذا اسے ابتدا تو سعی سے کرنا ہے مگر سعی کے ساتھ دعا و توجہ الی اللہ بھی کرنا ہوتی ہے۔ اس سارے سلسلے میں انبیا کی زندگیوں پر نظر رکھی جائے۔ اس لیے کہ عام انسانوں کے لیے انبیا کی زندگی ماڈل ہوتی ہے اور عام انسانوں کو ان کا اتباع کرنا ہوتا ہے۔ اس کے سوائے فلاحِ انسانی کی صراطِ مستقیم کی شاہراہ کا معین ہونا ناممکن ہے اور صراطِ مستقیم کے معین نہ ہونے کی صورت میں نوعِ انسان کا خانہ ساز پگڈنڈیوں میں پھسل کر مختلف و متخالف سمتوں کی طرف بہ جانا اور اپنی بربادی کا سامان کرنا ایک طبعی بات ہے۔

اور آج یہ بدنظمی اس درجہ پیچ در پیچ اور ہمہ گیر ہو چکی ہے کہ پوری نوعِ انسانی کسی وقت بھی تہ و بالا ہو سکتی ہے۔

ایک مغالطہ: اوپر انسانی روحانیت کی پوری حقیقت آ گئی ہے، لیکن ایک فرا بھاری گروہ تاریخ میں ایسا

بھی رہا ہے کہ جس کے نزدیک انسانی روحانیت یہ ہے کہ انسان اپنے حواس ظاہری کا رُخ باہر کی طرف سے موڑ کر اپنے اندر کی طرف کر دے اور خارجی کائنات کے سب اثرات کی نفی کرتا جائے، یہاں تک کہ نفی کرنے کے لیے کسی چیز کا کوئی تصور باقی نہ رہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو انسانوں کے اعتقاد کے مطابق انسان حقیقت رسیدہ ہو گیا مگر یہ محض ایک مغالطہ ہے اور محض منفی انداز فکر ہے، یہ دہریت کا باطنی بازو ہے۔

(ب)

انسانی زندگی کا دوسرا رُخ وہ ہے جو انسان کو اپنے ابنائے جنس کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ انسانی معاشرے کے افراد کا بحیثیت انسان کے ایک دوسرے سے رابطہ اخلاقی رابطہ کہلاتا ہے اور اسے منضبط رکھنے کے اصول اخلاقی اقدار کہلاتے ہیں۔ جھوٹ کے مقابل سچ، ظلم کے مقابل عدل، خود غرضی کے مقابل ایثار، نفرت کے مقابل محبت وغیرہ اخلاقی اقدار ہیں۔ اور سارے کاروبار انسانی کو انھی اقدار کے ماتحت چلانا حکومت الٰہی ست یگ اور نظام خلافت کہلاتا ہے۔ اب یہ سب معاشرہ اخوتِ مؤمنانہ کا سلسلہ ہے اور اس معاشرے کے تمام افراد کے حقوق و فرائض حیات مساوی ہوتے ہیں اور اخلاقی قانون ان کی نگرانی کرتا ہے۔

اخوتِ انسانی کی حدود:

المؤمنون اخوۃ خدا کو ماننے والے سب بھائی بھائی ہیں۔ نوعِ انسانی میں افضل ترین طبقہ انبیاء کا ہے اور قرآن مجید نے ایک درجن مقامات پر انھیں بھائی کے لقب سے متعارف کرایا ہے: "اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون" جبکہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟۔ اس طرح کم از کم تیرہ مقامات پر انبیاء کو "اپنی قوم کا بھائی" کے لفظ سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اخوتِ انسانی کے مقابل حیوانات کے سارے رابطے خون و نسل سے متعلق ہوتے ہیں اور چونکہ زندگی انسانی جامے میں آنے کے بعد حیوانی سطح سے ملائکہ کی سطح کی طرف بلند کر دی جاتی ہے، لہٰذا اب انسانی اخوت کی بنیاد نسل و خون کے بجائے صرف ایمان و اخلاق کا رابطہ رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ انبیاء ایمان و اخلاق اور انسانیت میں سردارانِ انسانیت ہیں، لہٰذا وہ اخوت کی مالا کے گل سرسبد ہیں اور امت کا ایک عظیم گروہ انبیاء کے سلسلہ میں اخوت کے لفظ کے استعمال کو سوء ادب قرار دے کر نہ معلوم ادب کے نام سے کون کون مشرکانہ اوہام کا گرفتار رہتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

بلا شک و شبہ اخلاقی و روحانی اقدار کی بنیاد پر انسانی نظم و نسق قائم کرنا حکومت الٰہی، ست یگ اور خلافت ارضی ہے، اور خون و نسل کی بنیادوں پر انسانی نظم و نسق کو قائم کرنا، اس کی طرف دعوت دینا ارتداد ہے

اور یہ ارتداد اس وقت شدید درجہ خطرناک ہو جاتا ہے، جب اسے مذہب کے ساتھ غلط ملط کر دیا جائے آج اس کی خطرناک مثالیں (۱) "برہمن ازم ہے"۔ جس نے تین ہزار برس سے پورے برصغیر ہند کو صرف اپنی نسلی برتری و تقدس کو قائم رکھنے کے لیے ہزار در ہزار نسلی امتیازات کا شکار کر کے تتر بتر کر رکھا ہے۔ اور آج بھی وہ ہزاروں تاویلات کے پردے میں رنگا رنگ کی سازشوں میں مصروف ہے۔ اور راقم قریباً پچاس برس سے برہمن سماج کو نسل پرستی سے نکال کر اخوتِ انسانی کی سطح پر کھینچ لانے کی کوشش میں مصروف ہے (۲) برہمن ہی کی طرح یہودی کینہ بھی صرف اپنے نسلی امتیاز و برتری کو قائم رکھنے کے لیے تین ہزار برس سے زائد عرصے سے ساری دنیا کو سازش اور فساد کا گھر بنائے ہوئے ہے۔ کمیونزم اور سرمایہ داری دونوں محاذ یہودی دماغ کی پیداوار ہیں۔

(۳) اسلام وحدتِ انسانی کی اخلاقی دعوت یعنی مذہب کی سب سے کامیاب دعوت تھی۔ مگر اس کے دنیا کی سطح پر آنے کے زیادہ سے زیادہ چالیس برسوں کے اندر یہودیوں نے اسے تہ و بالا کرنے کا منصوبہ چلایا۔ بعد میں اس سازش میں ایران اس لیے شامل ہو گیا کہ اس کی ہزاروں برس کی شہنشاہی کو اسلام نے تہ و بالا کر دیا تھا پہلے تو بنو ہاشم اور بنو امیہ کو دو محاذوں میں تقسیم کرتے ہوئے انھیں ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف کر دیا اور جب بنو امیہ کو بے دست و پا کر دیا تو پھر خود بنو ہاشم کو دو جنگی محاذوں میں صف آرا کرتے ہوئے صدیوں ایک دوسرے کی بیخ کنی میں مصروف کر دیا۔ اور آخر کار بنو فاطمہ کے طرفداروں نے چنگیزی طوفان کا رخ عباسیہ کی سلطنت کی طرف کرتے ہوئے اپنے وقت کی سب سے بڑی انسانی سلطنت کو خاک میں ملا دیا۔ اور آج تک قرآن مجید کی مندرج محور تعلیم اخوت کو غیر موثر کر کے صرف زبانی تعریف کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ مگر عملاً سارے انبیاء کے تاریخی مجاہدات سے مکمل کردہ دین کو بالائے طاق رکھ کر بنو فاطمہ کے تقدس کو کل حقیقت دین بتایا جاتا ہے اور خاتم الانبیاء کے دین ظاہر بین اور ہر ہر دائرہ حیات میں یقینی دین کی طرف پیٹھ کر کے ساری سابقہ تاریخ کے اسرار و رموز اور روحانیت کو مذہب اسلام کے نام پیش کرتے ہوئے امت کو اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کوشش کو جاری رکھنے والوں کی طرف سے جن اخلاقی و روحانی فرائض و واجبات کی طرف دعوت دینے کے بجائے کہ جنھیں انسانی سماج کے دین کی حیثیت سے منوانے کے لیے حضرت خاتم الانبیاء کی ساری دعوت تھی۔ بنو فاطمہ کی عصمت و تقدس اور ان کی شخصی سیادت و اطاعت کو کل دین بتایا جاتا ہے۔ اللہ پاک اس گروہ کو اس

سیاسی دین سے نجات دلاکر جو ہیرو پرستی کے مشرکانہ مذہب سے زائد کچھ نہیں ہے، دین حقیقی میں لاکر تاریخی گناہ کا کفارہ کرنے کی توفیق دے۔

گزشتہ صدی، ڈیڑھ صدی میں شیعہ مفکرین نے جس طرح بنوامیہ کی تاریخ کے ساتھ انصاف کا کاروبار شروع کردیا ہے۔ (جسٹس امیر علی اور سر آغا خان کی مساعی کو سامنے رکھا جائے) مجاہد خمینی نے امام مہدی کے ظہور پر جہاد ملتوی کرنے سے انکار کرتے ہوئے جو قدم اٹھایا اور پھر تقیہ کو ایک طرف کرتے ہوئے اظہار دین کو اصل قرار دیا ہے، وہ عبداللہ بن سبا کے دین سے نجات حاصل کرتے ہوئے اور خاتم الانبیاء کے دین ظاہر و محکم و بینات کی طرف رخ کر سکتے ہیں[1]۔ بشرطیکہ علماء کا گروہ تاریخی باطنیوں کے منفی مواد پر اپنا اصلاح و تجدید ملت کا پروگرام مرتب کرنے پر بضد نہ ہو۔

دین اسلام کی وسعتیں:

"یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموٰت والارض" اے کائنات انسانی! میں تم سب کی طرف اسی خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جو خدا سارے آسمانوں اور زمین کا مالک ہے (القرآن)

"ان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون" تمہاری یہ امت (کائنات انسانی) ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پالنہار ہوں۔ لہٰذا میری عبادت کرو۔ (القرآن)

"ان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون" تمہاری یہ امت (کائنات انسانی) ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پالنہار ہوں۔ لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو (القرآن)

"کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتاب لیحکم بینھم فیما کانوا فیہ یختلفون۔" کائنات انسانی ایک ہی امت تھی، پر اللہ نے نبیوں کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری تاکہ وہ لوگوں کا رفع اختلاف کرتے رہیں۔ (القرآن)

یہ ہے خاتم الانبیاء کی دعوت کا دائرہ اور اسی دعوت میں شرافت نسلی و خونی کے سارے تاریخی جھگڑوں کے متعلق یہ اعلان موجود ہے کہ اللہ پاک نے انسانوں کو مختلف نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

---

[1] افسوس صوفی صاحب کی یہ خوش فہمی حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی ہے۔ خمینی صاحب جس جہاد کو امام مہدی کی آمد تک ملتوی کرنے کے قائل نہیں اس سے مراد اہل سنت کا قتل عام ہے اور تقیہ کے تو وہ غیر ضروری مواقع پر بھی قائل ہیں۔

فراہی مکتبِ فکر اور بعض احادیثِ رجم کی غلط تعبیر و تشریح

قسط (۲)

غازی عزیر۔ سعودی عرب

یہاں پر اصلاحی صاحب کے مکتبِ فکر سے وابستہ ایک شخص بلکہ ان کے تلمیذ خاص کی ایک عبارت بھی نقل کرتا چلوں جو مندرجہ بالا حدیث کے الفاظ " یمنح احدھن الکثبة " کے ترجمہ پرستم ظریفی سے متعلق ہے آپ لکھتے ہیں۔ " اور (وہ) کسی عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔" ۵۹

حالانکہ ان الفاظ کا سیدھا سادھا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ ان (عورتوں) میں سے کسی کو قلیل مقدار میں دودھ دیدیتا۔" امام نووی کا قول ہے کہ " الکثبة " سے مراد " دودھ کی قلیل مقدار ہے۔ اسی طرح النہایہ میں ہے کہ الکثبة سے مراد طعام یا دودھ کی قلیل مقدار ہے۔ اس مطلب کی تائید میں ایک روایت بھی اس طرح موجود ہے۔

قال شعبة فسألت سماکا عن الکثبة فقال اللبن القلیل " ۶۰ (ترجمہ) شعبہ کا قول ہے کہ میں نے سماک سے الکثبة کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تھوڑا سا دودھ "

ترجمہ کی یہ ستم ظریفی تو آپ نے ملاحظہ فرمائی، اب جناب اصلاحی صاحب کے اس جملہ کہ " آپ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی " کی حقیقت بھی بیان کردی جائے۔

اوپر جتنی بھی روایات نقل کی گئیں ان میں سے کسی ایک یا ان کے علاوہ کسی اور دوسری روایت سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوایا تھا۔ بلکہ جتنی بھی روایات ملتی ہیں ان میں یہی مذکور ہے کہ حضرت ماعزؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعترافِ جرم کے لیے برضائے خود حاضر ہوئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ملتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ان کے مربی وکفیل (ہزال) یا ان کے اہلِ قبیلہ نے حضرت ماعزؓ کو ارتکابِ زنا کے بعد خدمتِ نبوی میں حاضری کے لیے آمادہ کیا تھا۔ ۶۱ جیسا کہ اوپر ابوداؤد کی ایک حدیث

۵۹ سہ ماہی رسالہ تدبر عدد شمارہ ۱۳ • ۶۰ سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۴ • ۶۱ ایضاً ج ۴ ص ۲۵۱ و جامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۷

میں بیان کیا جا چکا ہے۔ بعض روایات کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماعزؓ ارتکاب معصیت کے بعد انتہائی نادم اور بے چین تھے، ان کی خواہش تھی کہ جو گناہ ان سے سرزد ہو گیا ہے، اس سے اپنے اوپر کتاب اللہ کی مقرر کردہ حد جاری کروا کر نجات حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور ان سے مدعا بیان کیا، جب انھوں نے پردہ پوشی کا مشورہ دیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس گئے اور ان سے مدعا بیان کیا۔ جب انھوں نے بھی پردہ پوشی تجویز کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہ صرف اعترافِ جرم کیا بلکہ بار بار اقرار کے ساتھ اپنے نفس پر خود چار بار شہادت پیش کی اور مکرر ان الفاظ میں درخواست کرتے رہے۔ "اقم علی کتاب اللہ" [62] اور "ارید ان تطہرنی" [63] حتیٰ کہ رجم کر دیے گئے۔ آپ کی ندامت اور احساس گناہ کے باعث بے قراری کا ذکر ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔

حدثنی یحییٰ بن سعید قال سمعت سعید بن المسیب یقول ان رجلا من اسلم اتی ابابکر فقال ان الأخر قد زنی قال له ابو بکر هل ذکرت هذا لاحد غیری قال لا قال ابو بکر تب الی الله تعالیٰ واستتر بستر الله فان الله یقبل التوبة عن عباده قال سعید فلم تقر به نفسه حتی اتی عمر بن الخطاب فقال له کما قال لابی بکر فقال له عمر کما قال ابو بکر فقال سعید لم تقرّ به نفسه حتی اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له الأخر قد زنی قال سعید فاعرض عنه النبی صلی الله

(ترجمہ) یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ میں نے سعید بن مسیب کو کہتے ہوئے سنا کہ قبیلۂ اسلم کا ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اس نالائق نے زنا کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے اس بات کا ذکر میرے علاوہ بھی کسی سے کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اللہ تعالیٰ نے جو تیری پردہ پوشی فرمائی ہے تو بھی اس پر پردہ ڈالے رہ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ سعید نے کہا کہ اس بات سے اس شخص کی طبیعت مطمئن نہیں ہوئی، یہاں تک کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی کہا جو حضرت ابوبکرؓ سے کہہ چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی وہی جواب دیا جو کہ حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کی طبیعت اس سے بھی مطمئن نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

---

[62] سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۱-۲۵۲۔ [63] ایضاً ج ۴ ص ۲۵۵ وکذا فی زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ج ۳ ص ۲۰٦

عليه وسلم، قال فقال له ذلك مرارا. كل ذلك يعرض عنه حتى اذا اكثر عليه بعث الى اهله فقال ايشتكى ام به جنة قالوا يا رسول الله انه لصحيح قال ابكر ام ثيب؟ قال ثيب فامر به فرجم ٦٤

اور آپ سے عرض کیا کہ اس نالائق نے زنا کیا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا راوی کا قول ہے کہ اس نے آپ سے یہی کلمات کئی بار کہے آپ ہر بار اس کی طرف سے اپنا منہ پھیرتے رہے، یہاں تک کہ جب بہت زیادہ ہو چکا تو آپ نے اس کے گھر والوں کو بلا بھیجا اور ان سے دریافت کیا کہ اسے کوئی مرض ہے یا جنون ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہ تندرست ہے، پھر دریافت کیا کہ کنوارہ ہے یا شادی شدہ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شادی شدہ، پھر آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ سنگسار کیا گیا۔

ایک روایت میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ اگر حضرت ماعزؓ اور غامدیہؓ بار بار اپنے اوپر قیام حد کے لیے آکر اصرار نہ کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حد جاری کرنے کے لیے طلب نہ فرماتے۔ ملاحظہ ہو۔

"حدثني عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كنا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم نتحدث ان الغامدية وماعز بن مالك لو رجعا بعد اعترافهما او قال لو لم يرجعا بعد اعترافهما لم يطلبهما وانما رجمهما عند الرابعة" ٦٥

(ترجمہ) عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے کہ اگر غامدیہ اور ماعز بن مالک اپنے اعترافِ جرم کے بعد لوٹ جاتے یا یہ کہا کہ اگر اپنے اعتراف کے بعد دوبارہ لوٹ کر نہ آتے تو آپ ان کو طلب نہ فرماتے۔ آپ نے ان کو چوتھی بار کے بعد سنگسار کروایا تھا۔

اس روایت کی تائید حضرت انس بن مالک کی وہ روایت بھی کرتی ہے جسے طبرانی نے اپنی معجم الاوسط اور ہیثمی نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں نقل کیا ہے۔ یہ روایت ان شاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔

---

٦٤ موطا امام مالک مع ج ۴ ص ۸۲۰ طبع بیروت۔ ٦٥ سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۷ - ۲۵۸

پس ثابت ہوا کہ حضرت ماعزؓ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کو بلوایا نہیں گیا تھا۔ بلوانے کا دعویٰ غلط ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کے رجم کے بعد ان کے مربی ہزّال کو بلا کر فرمایا کہ اگر تم اس کی پردہ پوشی کرتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ روایت اس طرح ہے۔

"عن يزيد بن نعيم عن أبيه أن ماعزاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فأقر عنده أربع مراتٍ فأمر برجمه وقال لهزّال لو سترته بثوبك كان خيراً لك۔"[66]

(ترجمہ) یزید بن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعزؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا، پس آپؐ نے اس کو سنگسار کیے جانے کا حکم دیا اور ہزّال سے کہا اگر تو اسے اپنے کپڑے سے چھپاتا (یعنی پردہ پوشی کرتا) تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔"

یہاں کوئی جناب اصلاحی صاحب سے یہ پوچھے کہ اگر حضرت ماعزؓ اتنے ہی "بدخصلت غنڈہ"، "عادی مجرم"، "دہشت گرد"، حکومت و معاشرہ کی عزت و ناموس کے لیے آفت و خطرہ تھے کہ جن سے "لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ" پیدا ہو رہا تھا اور بقول اصلاحی صاحب "جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا دیے گئے)"، تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کیوں کر بار بار گناہ چھپانے کی تلقین کی اور یہی مشورہ دیا کہ "اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور اپنی معصیت کی پردہ پوشی کریں"، پھر آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے جرم کی پردہ پوشی کو ہی ان کے مربی کے لیے بہتر قرار دیا۔ کیا اصلاحی صاحب کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب ہے؟۔

جہاں تک "نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی" کا تعلق ہے تو یہ محض ظن و گمان بلکہ اصلاحی صاحب کا واہمہ ہے کسی بھی روایت سے آپؐ کا حضرت ماعزؓ سے تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کرنا معلوم اور ثابت نہیں ہوتا ہے۔ جتنی بھی روایات ملتی ہیں ان میں یہی مذکور ہے کہ پہلے چار بار اعتراف جرم کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا بلکہ ہر بار حضرت ماعزؓ کی طرف سے منہ پھیرتے رہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی سوال و جواب ہوئے، ان کا انداز انتہائی رحیمانہ، مشفقانہ اور ہمدردانہ تھا۔ کسی ایک سوال سے بھی "تیکھا پن" محسوس نہیں ہوتا۔ جو سوالات آپؐ نے حضرت ماعزؓ سے کیے تھے، وہ مختصراً پیش خدمت ہیں، تاکہ قارئین کرام خود ہی فیصلہ کر سکیں کہ جناب اصلاحی صاحب کا "تیکھے انداز"

---

[66] سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۳۳ و موطا امام مالکؒ ج ۴ ص ۸۲۱ طبع بیروت۔

والا دعویٰ کہاں تک درست ہے۔ "فیمن؟" (یعنی تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے؟) "ھل ضاجعتھا؟" (یعنی کیا تو نے اس عورت کے ساتھ مضاجعت کی ہے؟) "ھل باشرتھا؟" (یعنی کیا تو نے اس عورت کے ساتھ مباشرت کی ہے؟) ھل جامعتھا؟ (یعنی کیا تو نے اس عورت کے ساتھ جماع کیا ہے؟) "لعلک قبلتھا؟" (یعنی شاید کہ تو نے اس عورت کے ساتھ بوس وکنار کیا ہوگا) "ابک جنون؟" (یعنی کیا تو جنون زدہ ہے؟)۔ "احصنت؟" (یعنی کیا تو شادی شدہ ہے؟) "أفعلت بھا؟ (یعنی کیا تو نے اس عورت کے ساتھ ایسا کیا؟) "لعلک قبلت او غمزت او نظرت؟ (یعنی شاید کہ تو نے بوس وکنار کیا ہوگا یا چھوا اور چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظر بد ڈالی ہوگی) انکتھا؟ (یعنی کیا تو نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہے؟) "حتی غاب ذلک منک فی ذلک منھا؟" (یعنی یہاں تک کہ تیری وہ چیز اس عورت کی اس چیز میں غائب ہوگئی؟) "کما یغیب المرود فی المکحلۃ والرشاء فی البئر" (یعنی جس طرح کہ سرمہ دانی میں سلائی اور کوئیں میں رسی؟) "ھل تدری ما الزنا؟" (یعنی کیا تجھے علم ہے کہ زنا کیا ہے؟) اور "فما ترید بھذا القول؟" (یعنی تو اپنے اس قول (اعتراف جرم) سے کیا چاہتا ہے؟) وغیرہ۔

اب رسالہ تدبر کی عبارت اور اس کا علمی جائزہ پیش خدمت ہے۔ عبارت اس طرح ہے کہ "دوسری روایات میں اس بات کا ذکر بالصراحت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور نہ اس کا جنازہ پڑھا جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو "کٹر منافق قرار دیا گیا"۔ صاحب مضمون کی تحقیق اس سلسلہ میں نہایت ناقص اور خلاف واقعہ ہے، اگرچہ بعض روایات میں رجم کے بعد حضرت ماعزؓ پر استغفار نہ کرنا اور نماز جنازہ بھی نہ پڑھنا مذکور ہے۔

(۱) ابو سعید کی روایت میں ہے۔

"قال فما استغفر له ولا سبه"[۵۶]

(ترجمہ) راوی کا قول ہے کہ پھر نہ (حضرت ماعزؓ کے لیے) استغفار کیا اور نہ ہی انھیں برا بھلا کہا۔"

(۲) ابی نضرۃ سے مروی ہے کہ:

قال ذھبوا یسبونہ فنھاھم

قال ذھبوا یستغفرون له فنھاھم

(ترجمہ) راوی کا قول ہے کہ جب کچھ لوگ حضرت ماعزؓ کو برا بھلا کہنے لگے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[۵۶] سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۷

قال هو رجل اصاب ذنبا حسيبه الله» ۶۶

انھیں منع فرمایا، پھر راوی کہتا ہے کہ کچھ لوگ حضرت ماعزؓ کے لیے استغفار کرنے لگے تو بھی آپؐ نے انھیں منع فرمایا اور کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے گناہ کا مزہ چکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا حسیب ہے۔

(۳) منذری کا قول ہے کہ "یہ حدیث مرسل ہے۔" ۶۷

ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یأمر بالصلوٰة علی ماعز ولم ینه عن الصلوٰة علیه۔ ۶۸

(ترجمہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت ماعزؓ پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے کے الفاظ یہ ہیں۔ "فرجم ولم یصل علیه۔" ۶۹ (یعنی پھر رجم کیا لیکن اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی)

(۵) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت جس کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے، میں مروی ہے۔

"فقال له النبی صلی الله علیه وسلم خیراً ولم یصل علیه۔" ۷۰

(ترجمہ) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا لیکن اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔"

اس روایت کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث حسن صحیح ہے" ۷۱

ظاہر ہے کہ یہ اور وہ تمام روایات جن میں نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اس دن کی کیفیت بیان کرتی ہیں جس دن حضرت ماعزؓ کو رجم کیا گیا تھا، لیکن یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس دن بھی آپؐ نے حضرت ماعزؓ کو بھلائی سے یاد فرمایا تھا اور اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو بھی انھیں برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ روایات میں صراحۃً مذکور ہے کہ آپؐ نے برائی سے یاد کرنے والوں کو سختی کے ساتھ منع بھی فرمایا تھا۔ ••• (باقی آئندہ)

۶۶۔ سنن ابوداؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۵۷ • ۶۷ ایضاً • ۶۸ ایضاً ج ۴ ص ۲۵۶ • ۶۹ ایضاً ج ۴ ص ۲۵۳ • ۷۰ ایضاً ج ۴ ص ۲۵۶ و جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۱ • ۷۱ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۱

مولانا شمس الحق سلفی مرحوم

محمد عزیر

راقم کے والد، جامعہ سلفیہ کے پرانے استاد اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب سلفی ۲۵ رشوال ۱۴۰۶ھ ۳ رجولائی ۱۹۸۶ء کو بروز جمعرات پونے تین بجے شام کے وقت دربھنگہ میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ سینے میں تکلیف محسوس کر رہے تھے، علاج کے لیے انھیں گھر سے دربھنگہ لے جایا گیا۔ آخری دن شدید درد اُٹھا، جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔

مولانا مرحوم کا شمار ہندوستان کے ممتاز علمائے اہلحدیث میں ہوتا ہے۔ انھوں نے کم و بیش پچاس سال تک تعلیمی دعوتی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ ذیل میں ان کے حالاتِ زندگی اور علمی و دینی خدمات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مرحوم ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں اپنے آبائی وطن بہار کے ایک گاؤں بلکٹوا ضلع مدھوبنی میں پیدا ہوئے ان کے والد مولانا رضاء اللہ علاقے کے جید علماء میں سے تھے، انھوں نے اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے گھر ہی پر ایک استاد مقرر کر رکھا تھا، مرحوم بھی ان ہی سے اردو، فارسی اور قرآن مجید پڑھتے رہے۔ کچھ ہوش سنبھالا تو علاقے ہی کے ایک مدرسہ "مدرسہ محمدیہ" (دیودھا) بھیج دیے گئے۔ جہاں مولانا عبدالوہاب دیودھاوی سے عربی پڑھنا شروع کیا۔ ایک عرصے تک وہاں زیر تعلیم رہنے کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) چلے آئے، یہاں مولانا علی اصغر چھپروی، مولانا عبدالغفور بیراج پوری، مولانا محمد اسحاق آروی اور مولانا محمد عثمان ازہری وغیرہ سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔ آخر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں فارغ ہوئے۔ فارغین کی تعداد اس سال سات افراد پر مشتمل تھی، جنھیں ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر آج تک "سبعہ سیارہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مرحوم کے علاوہ ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ مدظلہ، مولانا مصلح الدین بیراج پوری، مولانا عبدالخالق (راج شاہی) مولانا عبدالودود گیاوی، مولوی محمد زکریا دربھنگوی، قاری عرفان دمکاوی شامل تھے۔ آخری تعلیمی سال کے دوران

تین ماہ (مارچ، اپریل، مئی ۱۹۳۶ء) دارالعلوم میں پڑھانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا کا خیال تھا کہ کہیں ملازمت کے بجائے آزادی کے ساتھ علاقے میں اصلاحی وتبلیغی کاموں کا سلسلہ شروع کریں اور گزر بسر کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کریں۔ اس منصوبے کے تحت انھوں نے ایک ڈیڑھ سال تک گھر پہ قیام کیا اور اطراف وجوانب کا دورہ کرتے رہے۔ پھر لوگوں کے مشورے سے پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے "مولوی فاضل" کا امتحان دینے کی خاطر دہلی کا سفر کیا، وہاں ان کا قیام مسجد فتح پوری کے زیر اہتمام جاری مدرسہ میں رہا، جہاں طلبہ کو مولوی فاضل کے امتحان میں بیٹھنے کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ سفر دہلی سے متعلق مولانا مرحوم اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"۴/جولائی ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ مطابق ۴/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ کو گھر سے روانہ ہوا، اور دوشنبہ احمدیہ سلفیہ میں گزار کر سہ شنبہ کو دہلی روانہ ہوا۔ ۸/جولائی ۱۹۳۷ء بروز پنجشنبہ، ۷ بجے صبح کو دہلی پہنچا۔ کشن گنج مدرسہ دارالہدیٰ میں حاجی شفیع صاحب کھتوریہ کی وساطت سے قیام کیا۔ ۱۵/ ۱۷/ ۱۸/جولائی کو فتح پوری میں داخلہ امتحان دیا، چھ سات ساتھی تھے، میں سکنڈ رہا۔ ۱۹/جولائی کو داخلہ ہوگیا۔ ۲۰ سے پڑھائی شروع ہوگئی۔ پہلی اگست ۱۹۳۷ء کو کشن گنج سے قیام کو تبدیل کرکے فتح پوری کے کمرہ ۲۴ میں سکونت پذیر ہوا۔ میرے ساتھ مولوی عمر صاحب بستوی تھے۔۔۔۔۔ ۲۵/اگست تک طعام کا نظم ہوٹل میں رہا۔ ۲۶/اگست سے مولوی عمر اور عبدالغفار کی شرکت میں خود نظم شروع کیا۔ ۲۶/ستمبر تک سات روپے سوا دس آنے خرچ ہوئے۔"

مدرسے میں انھوں نے مولانا سید احمد اکبرآبادی مرحوم سے خاص طور سے استفادہ کیا۔ ان کی زیر نگرانی عربی انشاء و ترجمے کی مشق کرتے رہے۔ استاد ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم اپنے استاد سے متعلق بہت سی باتیں بیان کرتے تھے، کئی بار انھوں نے ذکر کیا کہ مولانا اکبرآبادی فرمایا کرتے تھے کہ "اس وقت ہندوستان میں عربی کے تین ہی ادیب ہیں اور تینوں ہی وہابی (۱) مولانا محمد سورتی (۲) مولانا عبدالعزیز میمن (۳) مولانا عبدالمجید حریری۔"

دہلی میں چند ماہ قیام کے بعد ان کا ارادہ ہوا کہ امتحان دینے کے بجائے گھر واپس چلے جائیں، کیوں کہ ان

ڈگریوں سے انھیں کوئی مطلب نہ تھا، لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں لوگ بزدلی کا طعنہ نہ دیں، امتحان میں بیٹھنے کا عزم کیا اور ۱۹۳۸ء میں "مولوی" : فاضل" (آنرز ان عربک) اچھے نمبروں سے پاس کیا۔

وطن واپس آکر کئی سال تک اپنے بڑے بھائی مولانا عین الحق سلفی مرحوم (م ۱۹۸۱ء) کے ساتھ مل کر ترائی نیپال کے اس علاقے میں جو آپ کے مولد ومنشا سے قریب ہے دعوتی واصلاحی کام کرتے رہے۔ یہ علاقہ اس زمانہ میں شعائر اسلام سے بالکل ہی نابلد تھا۔ جہالت کے باعث طرح طرح کے ہندوانہ رسوم اور مشرکانہ اعمال لوگوں کے اندر رائج تھے، ایک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نام کے علاوہ اور کوئی ظاہری فرق نہ تھا۔ ان حالات کے پیش نظر دونوں بھائیوں نے ضروری سمجھا کہ سب سے پہلے اپنے علاقے کی خبر لیں اور یوں کہ اس علاقے میں ان کا خاندان ہمیشہ سے بڑا محترم اور باعزت شمار ہوتا چلا آیا ہے۔ اور بغیر ان کی شرکت کے کسی دنیوی یا دینی معاملہ کا فیصلہ نہیں ہو پاتا، اس لیے اس بات کی قوی امید تھی کہ ان کی کوشش سے وہاں کے حالات سدھر جائیں گے۔ الحمد للہ ایک مدت تک ان کی دعوت وتبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ وہاں کا نقشہ بدل گیا، جگہ جگہ انھوں نے دینی مدارس قائم کیے۔ بے شمار مسجدیں تعمیر کرائیں، مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس سلسلے میں انھیں طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ بہت سے مواقع پر ان کا بائیکاٹ ہوا، کئی مقدمے بھی چلائے گئے، طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں، لیکن دونوں بھائی اپنے مشن پر لگے رہے، بالآخر لوگوں کی عداوتیں دن بہ دن سرد پڑتی گئیں اور خدا کے فضل وکرم سے دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

علاقے میں ایک مدت تک دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں میں مشغول رہنے کے بعد چند سال دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ (بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وہاں ان کا تقرر ان کے بڑے بھائی مولانا عین الحق سلفی (جنھوں نے دعوتی کاموں کی وجہ سے تدریس کو خیر باد کہہ دیا تھا) کی جگہ ہوا۔ شروع میں وہ پندرہ دنوں کے لیے مدرسے میں رہے (۲۵/دسمبر ۱۹۳۸ء تا ۹/جنوری ۱۹۳۹ء)۔ پھر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کے تعلیمی سال کے دوران آئے اور مسلسل پانچ سال تک قیام کیا۔ اوائل ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ/نومبر ۱۹۴۴ء میں مستعفی ہو کر گھر چلے آئے۔ دو سال تک اپنے علاقے میں دعوتی وتبلیغی کام کرنے کے بعد ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں مولانا محمد عفان سلفی کی طلب پر مدرسہ نجم الہدیٰ (آم تلہ، مرشدآباد) (بنگال) چلے گئے

جہاں دس سال تک مسلسل درس و تدریس کا کام کرتے رہے ۔ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں مدرسہ اسلامیہ (صالح ڈانگہ مرشد آباد ۔ بنگال) چلے آئے، وہاں سے ایک سال کے بعد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں مدرسہ فیض عام (مئو اعظم گڈھ یوپی) منتقل ہوگئے ۔ جہاں مسلسل دس سال تک تدریسی و دعوتی فرائض انجام دیتے رہے ۔ اس عرصہ میں ان سے سیکڑوں طلبہ مستفید ہوئے ۔ اور تبلیغی جلسوں میں برابر شرکت کی وجہ سے عوام وخواص کے درمیان ان کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا ۔ مدرسہ میں شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی ان کے ذمہ رہا ۔ چھوٹے بڑے کئی سو فتاوے تحریر کیے ۔ جن میں سے بعض مئو ہی میں طبع بھی ہوئے ۔ مئو میں قیام کے دوران ہی ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کیلیے گئے جہاں حرمین کی زیارت کے علاوہ وہاں کے علماء و فضلاء سے ملاقاتیں کیں، دوسری بار ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں پھر حج کو گئے اور مرض و نقاہت کے باوجود تمام ارکان خود ادا کیے، اور بسلامت واپس آئے ۔

مئو میں ایک طویل عرصے تک قیام کے بعد ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء کے تعلیمی سال کے دوران مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے آئے، پھر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ، بہار) کے منتظمین کی طلب پر درمیان سال ہی میں اپنے مادر علمی میں دوسری بار بحیثیت استاذ و شیخ الحدیث آگئے، اس مرتبہ تقریباً ڈیڑھ سال تک وہاں رہے ۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۸ء میں نئے تعلیمی سال کے شروع میں پھر بنگال والوں کے اصرار پر مدرسہ دارالحدیث (بیل ڈانگہ، مرشد آباد ۔ مغربی بنگال) چلے گئے، جہاں ایک سال رہ کر ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں مرکزی دارالعلوم (حال، جامعہ سلفیہ، بنارس) بحیثیت شیخ الحدیث چلے آئے اور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء تک مسلسل ۱۴ سال یہیں درس و تدریس، افتاء، اور دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے آخری دو سالوں میں وہ صرف دعوت و تبلیغ کے ہوکر رہ گئے تھے، اس سلسلے میں انھوں نے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا اور حسب ضرورت وہاں اصلاح کا کام کرتے رہے، بعض مقامات پر منکرین حدیث اور مبتدعین سے مناظرے بھی کرنے پڑے جن میں سے بعض کی تفصیل کتابی شکل میں شائع ہوچکی ہے ۔

اس عرصے میں ان کا ایک اہم کارنامہ نیپال کے شہر جنک پور میں "جامعہ سلفیہ" کی تاسیس ہے جو ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں دونوں بھائیوں (مولانا عین الحق و مولانا شمس الحق) کی کوشش سے عمل میں آئی، گزشتہ سطور میں، نیپال کے اس علاقے میں دونوں بھائیوں کی دعوتی سرگرمیوں کا مختصر تذکرہ آچکا ہے ۔ وہاں عرصے سے ایک مرکزی تعلیمی ادارے کے قیام کی

ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، جہاں اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام ہو، اس سے قبل ان دونوں نے اگرچہ بہت سی بستیوں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب و مدارس کا ایک جال بچھا دیا تھا، جہاں مقامی طور پر کسی حد تک ابتدائی تعلیم کا نظم ہو جاتا تھا، مگر غریب و نادار بچوں کے لیے عربی تعلیم کی خاطر ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے مختلف مدارس کا سفر کرنا بہت دشوار تھا، ان حالات کے پیش نظر جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام پہلے مولانا مرحوم کے نام کی مناسبت سے "شمس الہدیٰ" رکھا گیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد اسے "جامعہ سلفیہ" سے بدل دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے مرحوم "جامعہ سلفیہ" بنارس میں قیام کے آخری دو سال (۱۹۸۲ - ۱۹۸۳ء) شعبہ تبلیغ سے منسلک رہے۔ نتیجۃً انھیں مسلسل سفر میں رہنا پڑا، جس کا ان کی صحت پر اثر پڑنا اس عمر میں لازمی تھا۔ ایک بار میڈیکل چیک اپ کرایا، معلوم ہوا کہ ہائی بلڈ پریشر اور بلڈ شوگر کی شکایت ہے۔ چنانچہ کھانے میں نمک، چینی وغیرہ سے مکمل پرہیز کرنے لگے، مگر اس کے بعد بھی تبلیغی سفر کرتے رہے، جامعہ سلفیہ (جنک پور) کے تعلیمی اور انتظامی امور سے بھی ان کو اتنی دلچسپی رہتی کہ تعطیل کے ایام اس کی نذر ہو جاتے، موسم خواہ کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی طرح گھر سے نکل کر جامعہ پہنچ جاتے، اس سلسلے میں انھیں بعض مرتبہ تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی۔ ایسی ہی ایک میٹنگ سے ۱۹۸۳ء میں گھر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ان پر فالج کا کچھ اثر محسوس ہوا، فوراً ہی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا، مگر اس وقت تک وہ آثار زائل ہو چکے تھے دوسرے دن صبح گھر پر فالج کا حملہ ہوا، گویائی بند ہو گئی اور جسم کا داہنا ہاتھ متاثر ہوا، فوراً ہی انھیں دربھنگہ پھر دہلی لے جایا گیا، جہاں علاج کے بعد خود سے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، گفتگو بھی رک رک کر آسانی کرنے لگے، ان کی تمام باتیں سمجھ میں آ جاتی تھیں، گھر آنے کے بعد حالت کچھ اور بہتر ہو گئی، مناسب سمجھا گیا کہ اب وہ یہیں رہیں کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جا سکے۔ ان آخری تین سالوں میں ان کا معمول تھا کہ صبح و شام کھلی ہوا میں سیر و تفریح کیا کرتے۔ مقررہ اوقات پہ پرہیزی غذا کھاتے، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ضرورت کے تحت کسی شہر یا گاؤں کا سفر بھی کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں کسی کی محتاجی محسوس نہ کرتے، منع کرنے کے باوجود آخری رمضان کے بھی انھوں نے تمام روزے رکھے، آخر تک ان کی صحت معمول کے مطابق رہی۔ ادھر کچھ دنوں سے انھیں سینے میں کبھی کبھی درد ہونے لگتا تھا، جس کی وجہ سے وہ کافی تکلیف محسوس کرتے تھے، علاج سے کچھ افاقہ ہوا، مگر آخری دن (۳۰ جولائی کو) جب انھیں درد شروع ہوا تو اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور سے واضح ہے مولانا مرحوم ساری زندگی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں ہمہ تن مشغول رہے فراغت (۱۹۱۳ء) کے بعد سے ابتک لگ بھگ پچاس سال بہار، بنگال، اور یوپی کے چھ سات مدارس میں بحیثیت استاذ وشیخ الحدیث کام کرتے رہے۔ اس طویل عرصے میں ان سے سیکڑوں طلبہ مستفید ہوئے، جو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کی ایک کثیر تعداد بیرون ملک بھی اپنے علمی اور دعوتی کاموں میں مصروف ہے، اس وقت اکثر اہلحدیث اداروں میں ان کے تلامذہ نظر آجائیں گے، بلکہ بعض ادارے تو ان کے تلامذہ ہی سے آباد ہیں۔ یہاں ان کی ایک مختصر فہرست پیش کرنا غیر مفید ہوگا، اس لیے اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

مرحوم جہاں بھی رہے دیگر فنون کے ساتھ حدیث کی اونچی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ صحیح بخاری غالباً انھوں نے چالیس بیالیس بار پڑھائی ہوگی۔ حدیث کی تدریس کے وقت وہ زیادہ تقریر کے عادی نہ تھے۔ صرف مشکل مقامات پر تنبیہ فرماتے یا طلبہ کے سوالات کے جواب دیتے۔ امام بخاری سے انھیں بڑی عقیدت تھی، درس کے دوران مختلف مناسبتوں میں وہ امام بخاری کی فقاہت اور ان کی کتاب کی خصوصیات بیان فرماتے۔ فتح الباری برابر ان کے زیر مطالعہ ہوتی۔ عمدۃ القاری (عینی) اور دیگر شروح کی طرف بہت کم رجوع کرتے۔

مولانا نے حدیث کی کتابیں چار اساتذہ سے پڑھی تھیں جو میاں نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد ہیں ان میں سے "مولانا عبدالغفور جیراج پوری (م ۱۳۷۱ھ) اور مولانا محمد اسحٰق آروی (م ۱۳۶۹ھ) سے دربھنگہ میں سبقاً سبقاً کتب حدیث پڑھیں، باقی "مولانا احمداللہ پرتاب گڈھی (م ۱۳۶۲ھ) اور مولانا شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ) سے زمانۂ قیام دہلی میں کتب حدیث کے اطراف پڑھ کر سند اجازت حاصل کی تھی۔ غالباً ان محدثین عظام سے تلمذ کا اثر تھا کہ ساری زندگی ان کا سب سے محبوب مشغلہ حدیث پڑھنا پڑھانا رہا۔ دوسرے فنون کی بھی اگرچہ وہ تعلیم دیتے رہے، مگر انھیں ہمیشہ ثانوی اہمیت دیتے تھے۔

مولانا جہاں بھی گئے تدریس کے علاوہ ان کے ذمہ فتویٰ نویسی یا فتاوی پر نظر ثانی اور ان کی تصدیق کا کام بھی ہمیشہ رہا جسے وہ دیگر اوقات میں انجام دیا کرتے تھے۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی مرحوم (م ۱۳۹۸ھ ۷۸ ۱۹ء) کی وفات تک یہ معمول رہا کہ مولانا آزاد مرحوم عموماً جوابات لکھا کرتے اور مولانا شمس الحق اس پر نظر ثانی اور اس کی تائید وتوثیق کرتے، یا کبھی کبھی وضاحتی یا اختلافی نوٹ لکھتے۔ بہت سے فتاوی خود مولانا شمس الحق کے تحریر کردہ بھی ہوئے۔

ان سب کی نقل جامعہ سلفیہ میں اب تک محفوظ ہے۔ دوسرے مدارس میں جہاں مولانا کا قیام رہا، فتاوی کی نقل رکھنے کا دستور نہ تھا، اس لیے ان کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اندازاً یہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے۔

فتاوی کے علاوہ مولانا نے بہت کم ہی کچھ لکھا ہے۔ اگرچہ ان کے بعض مضامین "الہدیٰ" (دربھنگہ) اور میگزین مدرسہ فیض عام (مئو) وغیرہ میں شائع ہوئے، مگر باقاعدہ تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ داخل نہ ہوئے۔ البتہ صرف ایک کتاب جس کے لیے انھوں نے کافی مواد اکٹھا کر لیا تھا اور مئو کے زمانۂ قیام میں اس کا اچھا خاصا حصہ لکھ بھی چلے تھے اس عموم سے مستثنیٰ کی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے مولوی احمد رضا بجنوری حنفی کی "مقدمۂ انوار الباری" جلد اول کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا ہے اور محدثین کے بارے میں عموماً اور امام بخاری کے بارے میں خصوصاً مؤلف کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا ہے اس کتاب کا تالیف شدہ حصہ بنارس میں موجود تھا مگر فی الحال ان کے مسودات اور کاغذات کے اندر نظر نہ آیا۔ معلوم نہیں اب وہ کہاں دبا پڑا ہے؟ اسی موضوع پر مولانا مرحوم کے بعد مولانا رئیس ندوی نے قلم اٹھایا۔ ان کی کتاب "اللمحات" کے نام سے چار جلدوں میں بنارس سے شائع ہو چکی ہے۔ ممکن ہے انھیں مولانا کے مسودے سے متعلق کچھ علم ہو۔[1]

مولانا مرحوم کی تعظیم و تکریم علماء اور طلبہ جتنا ان کی علمی صلاحیت اور تدریسی قابلیت کی وجہ سے کیا کرتے تھے، عوام اس سے زیادہ ان کے وعظ و تقریر سے متاثر تھے، جہاں بھی رہے جمعہ کا خطبہ پابندی کے ساتھ کسی نہ کسی مسجد میں دیا کرتے، اس کے علاوہ مختلف جلسوں میں شرکت کے لیے دور دور سے بلائے جاتے خصوصاً تعلیمی سال کے اخیر میں اتنے مقامات سے طلب آتی کہ ہر جگہ جانا محال ہوتا۔ ان کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد بنگال، بہار، یوپی اور دیگر صوبوں میں موجود ہے۔ ان کی تقریر کا ایک مخصوص انداز ہوتا، شروع میں وہ بہت ہی پست آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بولتے، پھر جوں جوں آگے بڑھتے بیان میں روانی اور آواز میں بلندی آتی جاتی۔ یہاں تک کہ بعض اوقات انتہائی جوش کے عالم میں تھوڑا گرجتے برستے، اس وقت ان کا چہرہ بالکل سرخ ہو جاتا، پھر موڑ لیتے اور کبھی جہنم یا موت یا قیامت کی ہولناکیوں

---

[1] اس سلسلے میں مجھے مولانا کے کسی مسودہ کا پتہ تو نہیں چلا مگر اللمحات کے سلسلے میں مولانا مرحوم مختلف کتب خانوں سے کتابیں فراہم کرنے، مشورے اور حوصلہ افزائی کرنے نیز مشکلات کے وقت رہ نمائی کی طرف کافی توجہ دیتے رہے۔ (محمد رئیس ندوی)

کا ذکر اس طرح کرتے کہ خود ان پر اور دوسروں پر رقت طاری ہو جاتی، تقریر میں ہنسنا ہنسانا ان کی عادت نہ تھی اور نہ ہی بے سروپا قصے سناتا، ہمیشہ قرآنی آیات، احادیث اور صحابہ کرام کے مستند واقعات کا سہارا لیتے اور انھیں موثر انداز میں پیش کرتے، تقریر میں کسی فرقے یا شخصیت پر زبان طعن دراز نہ کرتے اور نہ ہی ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہوئے دوسروں کی تحقیر و تذلیل کرتے۔ ایک بات یہ بھی برابر دیکھنے میں آئی کہ کبھی بھی وہ کسی تقریر کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کرتے اور کسی بھی موضوع کے لیے جتنا بھی وقت دیا جاتا، اس کے اندر ہی اندر اپنی تقریر سمیٹ لیتے، بلکہ اخیر میں ساری گفتگو کا خلاصہ بھی مختصر الفاظ میں بیان فرما دیتے۔

ان کے اخلاق و عادات اور دیگر اوصاف و کمالات کا ذکر آئندہ کسی دوسرے موقع پر کیا جائے گا، یہاں ان کے زہد و عبادت کا ایک پہلو جو عموماً لوگوں کی نظروں سے مخفی ہے بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب تک صحت مند رہے ہمیشہ تہجد گزار نظر آئے ان کی عادت تھی کہ عشاء کے بعد فوراً سو جایا کرتے۔ سحر کے وقت اٹھتے اور ضروریات سے فارغ ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ اس میں قرأت کے دوران یا دعا کرتے ہوئے ان کی ہچکیاں بندھ جایا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ہم لوگوں کی آنکھیں اس اثناء میں کھل جاتیں تو ہم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوتے۔ تہجد سے فارغ ہو کر اگر فجر کی اذان تک کچھ وقت ہوتا تو آرام کرنے کے بجائے کسی کتاب کا مطالعہ کرتے، پھر اذان کے بعد نماز کے لیے لوگوں کو اٹھاتے ہوئے نکلتے، عموماً جہاں بھی رہے ان ہی کے ذمہ امامت بھی رہی، فجر کی نماز میں مفصل کی دلمبی سورتیں ٹھہر ٹھہر کر بلند آواز میں پڑھتے، رکوع، سجدے اور قیام بھی نسبتاً طویل ہوتے۔ دوسری نمازوں میں بھی قرأت اور دیگر امور میں سنت نبوی کا اتباع کرتے۔

ان کی سیاسی و سماجی خدمات کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ مختصراً اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ وہ نظریاتی طور پر کانگریس کے حامی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بڑی عقیدت تھی، ان سے ملاقات کی غرض سے سفر بھی کیا تھا۔ آزادی کے وقت لوگوں کو پاکستان بنائے جانے کے خلاف ووٹ دینے پر آمادہ کرنے کی خاطر اپنے علاقے میں دورے کیے۔ پاکستان بن جانے کے بعد بھی لوگوں کو ہجرت سے باز رکھنے اور ہندوستان میں باقی رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں شاذ و نادر ہی کسی نے اس علاقے میں اپنا آبائی وطن ترک کیا۔

اپنے علاقے میں سماجی فلاح و بہبود کی خاطر بھی برابر کام کرتے رہے مختلف نزاعات کے فیصلے اور دنیوی معاملات کے سلسلے میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے رہے اور انھیں حکم متعین کرتے تھے، ان پر اور ان کے خاندان

والوں پر لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ بہت سے ہندوؤں تک نے اپنی زمینیں حفاظت کے خیال سے ان ہی کے نام رجسٹری کردیں ۔ اور اس سلسلے کے تمام کاغذات بھی بطور امانت ان ہی کے پاس رکھ چھوڑے تھے جو ان کی امانت سمیت ایک زمانے کے بعد اصل مالکوں کے حوالے کردی گئیں ۔

اپنی بستی اور اس کے اطراف میں لوگوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلائی، کتنے افراد ایسے ہیں جنھیں اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے خرچ پر انھیں پڑھانے لکھانے کا انتظام کیا، بہتوں کو مدارس میں وظیفے دلائے، ان کے بھائی اور ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ان کی چھوٹی سی بستی اب بھی تعلیم کے اعتبار سے اطراف وجوانب کی تمام بستیوں سے ممتاز ہے۔

اخیر میں ان کے خاندان اور عائلی زندگی کے متعلق مختصراً تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

ان کے سلسلہ نسب میں سات پشت اوپر تک آبا و اجداد کے نام معلوم ہیں جو ایک عرصہ سے اس چھوٹی سی بستی بلکٹوا (جسے "بن یعنی جنگل کاٹ کر بسایا گیا تھا) میں آباد چلے آئے ہیں ۔ آبائی پیشہ زمینداری اور کاشت کاری تھا ۔ خاندان میں سب سے پہلے ان کے والد مولانا رضا اللہ نے دینی تعلیم حاصل کی اور علاقے میں دعوتی اور اصلاحی کاموں کا سلسلہ شروع کیا، ان کے چار لڑکے تھے ۔ سب سے بڑے (۱) مولانا عین الحق سلفی (م ۱۹۸۱ء) جو عرصے تک دار العلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) میں مدرس رہے اور ایک زمانے تک جمعیۃ اہل حدیث صوبۂ بہار کے سکریٹری بھی رہے ۔ (۲) عبدالحق (مرحوم ہوچکے ہیں) (۳) ذکاء اللہ (ابھی بقید حیات ہیں) یہ دونوں بستی ہی میں کاشت کاری کرتے رہے (۴) مولانا شمس الحق اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں جن سے سات لڑکیاں اور پانچ لڑکے موجود ہیں ۔ لڑکوں کے نام علی الترتیب یہ ہیں (۱) زہیر انور، ایم اے (علیگ)، جو جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسکول آف سوشل سائنسز میں کام کررہے ہیں ۔ (۲) راقم الحروف محمد عزیر ایم اے (مکہ) جو فی الحال ام القری یونیورسٹی (مکہ مکرمہ) کے شعبۂ عربی میں ریسرچ اسکالر ہے (۳) محمد عمیر بی اے (مدینہ) جو آجکل جامعہ سلفیہ جنک پور (نیپال) میں مدرس ہیں (۴) محمد زبیر جامعہ سلفیہ (جنک پور) کا طالب علم ہے (۵) محمد نمیر جامعہ سلفیہ (بنارس) میں عالم سال دوم میں پڑھ رہا ہے ۔ (لیکن اب اشاعت مضمون کے وقت یہاں نہیں ہے ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت کرے اور انھیں ان کی خدمات کے صلے میں جنت نصیب فرمائے، اور ان کے اخلاف کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے ۔ (آمین)

کچھ ہندوستانی مسلم خاندانوں کے بارے میں

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی
ناظم معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یاایہا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: "اے آدمیو، ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور ایک مادہ سے "اور رکھیں تمہاری ذاتیں گوتیں تا کہ آپس کی پہچان ہو، مقرر، عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ (از شاہ عبدالقادر رح)

مفہوم: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پہچان کے لیے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا، بے شک تم میں سے اللہ کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہے، جس نے سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کیا۔

خاندان اور قبیلوں کی تقسیم عیب نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے، پھر خاندان اور قبیلوں کی تقسیم بڑائی اور بزرگی ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ پہچان کے لیے ہے۔ رہی بزرگی اور اللہ کی قربت، وہ تو تقویٰ اور پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔"

بے شک ہندوستان اپنے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بہت بڑا ملک ہے، جس میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں پھر ہر مذہب میں بہت سے قبیلے اور خاندان ہیں، لکھنے والے اگر اس طرف توجہ کریں تو یہ موضوع بڑا وسیع اور دلچسپ ہے میں نے آج ان سطروں کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کے بعض خاندانوں کے ذکر کا ارادہ کیا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام تین ذریعوں سے آیا۔ مسلم فاتحین کے ذریعہ، مسلمان تاجروں کے ذریعہ اور مبلغین کے ذریعہ، جن کو صوفیا کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان تینوں طرح سے ہندوستان آنے والے مسلمانوں کے ساتھ عورتیں بھی آئی ہوں گی، لیکن تاریخ میں ان کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا، بلکہ زبانوں پر تو یوں ہے کہ صرف مرد آئے اور یہاں اسلام لانے والی عورتوں سے شادی کرلی۔ اور اس طرح ان کی نسلیں چل پڑیں۔

غرض کہ ہندوستانی مسلمان یا تو باہر سے آنے والوں کی اولاد ہیں، چاہے وہ ایرانی یا افغانی رہے ہوں اور چاہے عربی نژاد یا ان ہندوستانیوں کی اولاد ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے، چاہے ان کا تعلق یہاں کے اعلیٰ طبقہ سے رہا ہو یا ادنیٰ سے۔ لہٰذا اگر کوئی ہندوستانی مسلمان عربی النسل ہونے کا دعویٰ کرے تو کسی دلیل کے بغیر اس کو جھٹلانا یا اس کی تصدیق کرنا ممکن نہیں۔ بعض ہندوستانی مسلمانوں کے پاس تو باقاعدہ شجرے ہیں، جن سے ان کا عربی النسل ہونا ثابت ہوتا ہے، جیسے بعض سادات اور بعض شیوخ۔ پس اگر کسی کے پاس صحیح معنوں میں شجرہ موجود ہے تو یہ ان کے عربی ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خاندان ایسے نام سے مشہور رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عربی خاندان ہے، جیسے صدیقی، فاروقی، عثمانی وغیرہ اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ نام بعد میں رکھ لیے گئے ہیں تو ہم ان کو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ لیکن اگر کسی خاندان نے اپنی بڑائی جتانے کے لیے بعد میں اس طرح کے ناموں میں سے کوئی نام اختیار کرلیا ہے تو یہ بڑا عیب ہے اور اسے ترک کردینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے۔

" من ادعی غیر ابیہ او انتمی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین الخ

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ) مفہوم! جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور باپ کا دعویٰ کیا۔ (اور خاندان بدل کر بتلانے میں بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ اوپر کے باپوں میں کسی اور کو باپ بتانا پڑتا ہے) یا جس نے اپنے موالی کے سوا کسی اور کی طرف نسبت کی، اس پر لعنت ہو اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی۔۔۔۔۔۔

پھر بزرگی اور بڑائی خاندان اور نسب سے کہاں ملتی ہے، وہ تو جیسا کہ آیت میں گزر چکا ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ عرب میں سید کوئی خاندان نہیں، لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کو احتراماً سید (بمعنی سردار یا رئیس) کا خطاب دیا اور اسی نام سے پکارنے لگے۔ سادات سید کی جمع ہے، عرب والے ان کو شریف اور اشراف کہتے ہیں۔ یہاں ایک بات قابلِ ذکر ہے، وہ یہ کہ سکھوں کا

نام سردار یعنی سر والا پڑگیا، اس لیے کہ ان کا سر ایک خاص ہیئت رکھتا ہے، یا پھر انھوں نے بزعم خود اپنے لیے سردار قوم کے معنی میں یہ نام ایجاد کیا ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے لیے اس نام سے گریز کریں

صدیقی، فاروقی، عثمانی وغیرہ ناموں سے بھی عربوں میں کوئی خاندان موجود نہیں ہے اور ظاہر ہے یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ناموں سے نسبت ہے۔ جو سب کے سب قریشی ہیں، پس اگر ان خاندان والوں کے پاس ان بزرگوں تک کا شجرہ موجود نہیں ہے تو جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے، ان کو جھٹلایا تو نہیں جاسکتا، لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ نسبت محبت اور تعلق کی نسبت ہو۔ اور اگر یہ نسبتیں نسبی طور پر ثابت ہوجائیں تو ان کو بزرگی اور بڑائی کا سبب جاننا اور نسب پر فخر و ناز کرنا صحیح نہیں، اس لیے کہ عمل کے بغیر نسب کوئی چیز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا ایھا الناس ألا ان ربکم واحد وان اباکم واحد، ألا لا فضل لعربي على أعجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على اسود، ولا اسود على احمر الا بالتقوى"

(مسند الامام احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

اے لوگو! سنو بے شک تم سب کا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے۔ سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، سوائے تقویٰ کے سبب کے۔

یعنی اگر کسی کو کسی پر فضیلت اور بزرگی مل سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر!

اس تمہید کے بعد ہندوستانی مسلمانوں میں موجود قبیلوں اور خاندانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سادات (سید لوگ) جو عربوں میں اشراف (شریف لوگ) کے نام سے معروف ہیں، ان میں حسنی (حضرت حسن کی اولاد)، حسینی (حضرت حسین کی اولاد) زیدی (حضرت حسین کے پوتے حضرت زید کی اولاد) جعفری (حضرت حسین کے دوسرے پوتے محمد الباقر کے صاحبزادے جعفر الصادق کی اولاد) اس طرح زیدی اور جعفری بھی حسینی ہوئے عباسی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد) حارثی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کی اولاد، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کی زندگی میں وفات پاچکے تھے، ان کے تین بیٹے تھے، جو ایمان لائے تھے) ہاشمی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا خاندان ہاشمی ہے، اس لیے کہ آپ کے پردادا کا نام ہاشم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عبد المطلب کے علاوہ حضرت ہاشم کی دوسری اولاد کی اولاد سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام نسبتوں والوں

راضی ہو، سادات کی اور بھی شاخیں ہیں، جن کے بارے میں میں معلومات مہیا نہ کرسکا، اس لیے ان کا ذکر نہ کیا۔ ایک حدیث کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ کے تین چچا حضرت ابوطالب، حضرت عباس اور حضرت حارث کی اولاد پر صدقہ حرام ہے، لہٰذا اگر ان کو صدقہ فطرہ یا زکوٰۃ کی رقم دی گئی تو ادا نہ ہوگی، اگر یہ لوگ حاجت مند ہوں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ زکاۃ و صدقات کے علاوہ اپنی دوسری حلال کمائی سے ان کی مدد کریں۔

یہ معلوم رہے کہ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ تو دیا لیکن آپ پر ایمان نہیں لائے۔

شیوخ (شیخ لوگ) ان میں صدیقی، حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد، فاروقی، حضرت عمر فاروق کی اولاد، عثمانی حضرت عثمان کی اولاد، انصاری حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد یا کسی اور انصاری کی اولاد۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، بعض لوگ اپنے کو قریشی کہتے ہیں۔ یوں تو تمام سادات اور خلفاء راشدین قریشی ہیں، لیکن شاید ان حضرات کے خاندان کے علاوہ قریش کے جو لوگ ہندوستان آئے ان کی اولاد قریشی کہلائی۔ واللہ اعلم۔

غوری شہاب الدین غوری کا خاندان یا غور سے آنے والے دوسرے لوگوں کی اولاد، یوسف زئی: یہ سرحدی پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہے جو ہندوستان میں داخل ہو کر مختلف مقامات پر بس گیا، عام پٹھان کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ میں پختونستان سے جو مسلمان ہندوستان آئے، وہ پختون کہلاتے تھے، پھر یہ لفظ کثرتِ استعمال سے پٹھان ہوگیا۔

ملک، بیگ اور مغل یہ تینوں قبیلے اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ ہندوستان میں آئے ہوئے مغل مسلمانوں کی اولاد سے ہیں۔

ملکی، ایک خاندان ملکیوں کا ہے، ان کا شمار بھی اعلیٰ خاندانوں میں ہوتا ہے۔

بھٹی، ایک خاندان بھٹیوں کا ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء واجداد سرحد کی طرف کسی مقام بھٹیر سے آئے تھے۔

تقریباً سبھی ہندوستانی مسلمان سیدوں کی بڑائی کے قائل ہیں، اس لیے کہ ان کی نسبت رسولوں اور نبیوں کے سردار سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سید لوگ شادی بیاہ میں اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ان کی شادیاں سیدوں ہی میں ہوں، لیکن شیخوں کے یہاں رشتہ لینے دینے میں عیب نہیں سمجھتے، اسی طرح شیخ لوگ اہتمام کرتے ہیں کہ ان کی شادیاں شیخوں ہی میں ہوں۔ لیکن سیدوں کو اپنے سے افضل سمجھنے کے سبب ان کے یہاں سے رشتوں پر فخر کرتے ہیں۔ ان کے رشتے ملکوں، بیگوں، مغلوں، ملکیوں، غوری پٹھانوں، یوسف زئی پٹھانوں اور دوسرے عام پٹھانوں

نیز بھٹیوں کے یہاں سے بھی ہوتے ہیں۔

بھالے سلطان، مسلم راجپوت، مسلم کھتری، کہتے ہیں ان تینوں خاندان کے آبار واجداد ہندوؤں کے دوسرے طبقہ (چھتری) سے تھے اور صاحب قوت وحکومت تھے، مسلمانوں کے ہندوستان میں قیام کرنے پر ان کے اخلاق اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے، ان تینوں کی شادیاں آپس میں ہوتی ہیں۔

بہت سے خاندان پیشوں کے سبب مشہور ہوئے، اور ایسے مشہور ہوئے کہ جیسے وہ خاندان ہی ہوں، ان میں سے جو میرے علم میں ہیں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔

مسلم سنار یا سادہ کار، مسلم لوہار، مسلم بڑھئی، بنکر یا جولاہے، دھنیا، درزی، زردوز (جو کپڑوں پر سونے یا چاندی وغیرہ کے تاروں سے کام بناتے ہیں)، تیلی، باورچی، گھوسی، گدی (یہ دونوں عموماً گائے بھینس پالتے اور دودھ کا کاروبار کرتے ہیں) گڈریا، کوحر، بنجارہ، جکوا، قصائی، بھشتی، نائی، ڈفالی، یا میراسی، بساطی، پٹوا رنگریز، دھوبی، مچھیرے، حلوائی، منہار، موچی، کسگر، گورکن، فقیر، جوگی، بہ جوہرے لال بیگی۔ [اللہ ہم لوگوں کو گناہوں سے بچائے۔ معاذاللہ۔ طوائف بھی اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم سب کو ہدایت دے۔]

بے شک بعض پیشے اسلام میں جائز نہیں، جیسے شراب بنانا اور اس کی تجارت کرنا، گانے بجانے کے آلات بنانا اور ان کی تجارت کرنا، ناچ گانے یا جسم فروشی کا پیشہ کرنا۔

بعض پیشے بظاہر شریف معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی بھی اسلام میں گنجائش نہیں، جیسے سودی کاروبار کرنا، یا سودی بینک میں ملازمت کرنا، وکالت اور ججی بھی بڑے مہذب پیشے معلوم ہوتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے درمیان اسلامی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا یا فیصلہ کروانا بھی قطعاً جائز نہیں، لہٰذا ایسے ملک میں جہاں شرعی قانون نہ ہو ججی اور وکالت جائز نہ ہوگی۔

جن اشیاء کا استعمال مکروہ ہو اور ان کے مباح استعمال کی کوئی صورت نہ ہو وہ پیشے مکروہ ہوں گے، جیسے کھانے یا پینے کی تمباکو بنانا، بیڑی سگریٹ وغیرہ بنانا اور ان سب کی تجارت کرنا، نیز واضح رہے کہ تمباکو کا استعمال

(کسی بھی طرح سے ہو) حنبلی مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے، اس لیے ان کے نزدیک کسی بھی قسم کا تمباکو بنانا یا بیڑی سگریٹ وغیرہ بنانا اور ان سب کی تجارت کرنا، حرام ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ عوام الناس کے کپڑوں کی گندگیاں صاف کرے یا پاخانے صاف کرے اور اگر کسی نے اپنے کو اس پر راضی کر لیا تو گویا کہ اپنے نفس کی توہین کی۔ ہاں اگر صرف اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے یہ پیشہ اختیار کرے تو مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

چونکہ ڈاڑھی مونڈنا حرام ہے، اس لیے نائی کے لیے بھی درست نہیں کہ مسلمانوں کی داڑھیاں مونڈے۔ یا مرد نائی نامحرم عورتوں کے بال کاٹے اور سنوارے، نیز مرد سنار کے لیے جائز نہیں کہ وہ نامحرم عورتوں کو چوڑیاں پہنائے۔ کسی بھی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ نامحرم عورتوں کو شرعی عذر کے بغیر دیکھے یا ہاتھ لگائے، یا ان کے ساتھ تنہا ہو۔

ایسے پیشے جو اسلام میں جائز ہیں ان کا کرنے والا کم درجہ کا مسلمان نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ دیانت وامانت کے ساتھ اپنا پیشہ کر رہا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض پیشے نسبتاً زیادہ اچھے ہیں اور شریف پیشے کہلاتے ہیں، جیسے تدریس کا پیشہ، خاص طور سے دینی علوم کی تدریس کا، طبابت اور اسلامی فوج کی ملازمت بھی بہت اچھے پیشے ہیں۔

پس کوئی شخص کسی جائز پیشے کے سبب رذیل نہیں چاہے اس کا خاندان اس پیشے سے موسوم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر اس نام سے موسوم ہو گیا تو گویا ایک قبیلہ ہو گیا اور قبیلہ اسلام میں صرف تعارف کے لیے ہے نہ کہ شرافت و رذالت ثابت کرنے کے لیے۔ لیکن افسوس بعض لوگ اپنی نسبتوں پر فخر کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں کا اگر کوئی شخص سودی بینک میں ملازم ہے یا کسی عدالت میں جج ہو کر روزانہ شرعی قانون کے خلاف وضعی قانون سے مسلمانوں میں بھی فیصلے کرتا ہے اور غیر مسلموں میں بھی، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ نماز بھی چھوڑتا ہے۔ اور رمضان کے روزے بھی زکاۃ بھی نہیں ادا کرتا لیکن اس کا شرف اور اس کی بزرگی نسب کے سبب باقی ہے۔ بخلاف اس کے ایک دھنیا خدا کی کتاب قرآن کریم، اور اس کے علوم کی تعلیم دیتا ہے اور کتاب وسنت کا پوری طرح عامل ہے، لیکن وہ اونچی ذات کے مدعیوں کا کفو نہیں ہے، بلکہ اس سے گھٹ کر ہے افسوس، صد افسوس، ہم کو چاہیے کہ ہم کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر غور کریں جسے امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں بیان فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے:

"بے شک اللہ عز وجل نے جاہلیت کی خرابیاں ہم سے دور فرما دیں اور باپ دادا پر فخر کو ختم کر دیا، ہم میں یا تو مومن متقی ہے، یا فاجر بدبخت، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔"

(دیکھیے مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۲۴)

بے شک تمام مسلمان علماء کی قدر و منزلت کرتے ہیں چاہے جس قبیلہ کا یہ عالم ہو دھنیا ہو یا قصاب، نائی ہو یا موچی، لیکن جب شادی بیاہ کا مسئلہ آتا ہے تو وہ عالم اونچی ذات والوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔

اس میں کوئی حرج نہیں تھا کہ ہر قبیلہ اجتماعی زندگی میں باہمی تعاون کے پیش نظر اس کا اہتمام کرتا کہ اِستطاعاً قبیلہ کے اندر ہی شادی ہو تاکہ قبیلہ کے کسی فرد کو شادی میں دشواری نہ ہو، لیکن اگر کسی قبیلہ کی لڑکی نے علم حاصل کیا اور دین کی پابند ہوئی، پھر اس کو علم، دین اور اخلاق کے لحاظ سے اپنے قبیلہ میں کوئی لڑکا نہیں مل رہا ہے اور اگر وہ قبیلہ سے باہر شادی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

میں نے ایک ہندو لیڈر کو کہتے ہوئے سنا:

"یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان میں اونچ نیچ نہ تھی (اور اگر تھی تو عمل کی بنیادوں پر تھی) لیکن وہ ہندو تہذیب سے ایسے متاثر ہوئے کہ اگر آج کوئی دھنیا کسی سید سے کہے کہ میری لڑکی کر لو تو وہ منہ پر تھپڑ مار دے گا۔"

بے شک ہم لوگ اس اونچ نیچ کی تفریق سے اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے دیوار بن گئے۔ عرصہ ہوا مجھ سے ایک غیر مسلم نے کہا تھا کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا، مگر میں نے دیکھا، اول تو اسلام لانے پر میرے عزیز و اقارب مجھے ستائیں گے، دوسرے مسلمان مجھے کوئی عزت نہ دیں گے، نہ وہ میری لڑکی لیں گے اور نہ اپنی لڑکی مجھے دیں گے، یہ سوچ کر میری ہمت نہ ہوئی کہ میں اسلام میں داخل ہوں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب میرے کوئی اولاد نہ تھی، دل میں آیا کہ کاش میرے لڑکی ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ اسلام میں داخل ہو تمہاری شادی کا مسئلہ میں حل کروں گا۔

اگر کوئی کہے کہ قبیلہ میں ہی شادی بیاہ کی غرض نسب کی حفاظت ہے، تو معلوم ہونا چاہیے کہ دوسرے قبیلہ میں شادی کرنے سے نسب نہیں بگڑتا، نسب باپ سے ہوتا ہے نہ کہ ماں سے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام نے باندیوں تک سے شادی کی ہے۔ اس طرح صحابہ کرام اور بعد کے بزرگوں میں دوسرے خاندانوں اور قبیلوں سے رشتوں کی بہت سی

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

لفظ "خال" کے لغوی معانی اور عربی کے دو اہم قصیدے

—— ابوالقاسم عبدالعظیم

بالترتیب دونوں قصیدے یہ ہیں:

اولاً: قصیدہ خالیہ ابن ہشام لخمی [۱]

۱۔ اقول [۲] لخالی (۱) وھو یوم [۳] بذی خال (۲)
یروح و یغدو [۴] فی برود من الخال (۳)

۲۔ اما ظفرت کفاک [۵] فی العصر الخالی (۴)
بربۃ خال (۵) لا یرز بھا الخال (۶)

۳۔ تمرکمر الخال (۷) یریج رد فہما
الی منزل بالخال (۸) خلو من الخال (۹)

۴۔ فلا الخال (۱۰) یحمی الخال (۱۱) من سیب لحتھا
بل ھو امضی فی فواد من الخال (۱۲)

۵۔ اقامت لاھل الخال (۱۳) خالا (۱۴) فکلھم
یوم الیھا من صحیح و من خال (۱۵)

۱۔ بغیۃ الوعاۃ (۱/۹۴) علامہ سیوطی نے اس قصیدہ کے صرف چار اشعار ذکر کئے ہیں جو بالترتیب یہ ہیں شعر نمبر ۱، ۲، ۳، ۵ [۲] بغیۃ الوعاۃ: اقوم لخالی، [۳] بغیۃ الوعاۃ: یوما ۔ اور یہی درست ہے [۴] بغیۃ الوعاۃ: تروح و تغدو ۔ [۵] بغیۃ الوعاۃ [illegible] بغیۃ الوعاۃ میں اسی طرح مذکور ہے مخطوطہ کا رسم الخط ہے: نصرت لمعالی ۔

۶- وخال (۱۶) یخال الخال (۱۷) بعض سناه
یجر الی خال (۱۸) وینفر من خال (۱۹)
۷- لموخره خال (۲۰) من الضرب بالعصا
ولو کان خال (۲۱) لن یهب سطوة الخال (۲۲)
۸- سمعت بخال (۲۳) تخلم الخال (۲۴) نحوه
فسرت سریعا اشتکی محنته الخال (۲۵)

ثانیاً: قصیدہ خالیہ ابن بری: (۸)

۱- اتعرف اطلالا شجونك ...... بالخال (۱)
وعیش زمان کان فی العصر الخالی (۲)
۲- لیالی ریعان الشباب مسلط
علیّ بعصیان الامارة والخال (۳)
۳- واذا أنا خذن للغوی احی الصبا
وللغزل المرّیح ذی اللّهو والخال (۴)
۴- وللخود وتصطاد الرجال بفاحم
وخدّ أسیل کالوذیلة ذی الخال (۵)
۵- اذا رئمت ربعاً رئمت رباعها
کما رئم المیثام ذوالدلثیة الخالی (۶)
۶- ویقتادنی منها رخیم دلالها
کما اقتاد مهرا حین یالفه الخالی (۷)
۷- زمان افدی من مراح الی الصبا
بعمی من فرط الصبابة والخال (۸)

---

۵ لسان العرب ۱/۹۳۳ ، مادہ "خیل"

۸۔ وقد علمت انی وان ملت للصبا
اذا القوم کعوا لست بالرعش الخال (۹)

۹۔ ولا ارتدی الا المروءة حلة
اذا ضن بعض القوم بالعصب والخال (۱۰)

۱۰۔ وان انا ابصرت المحول ببلدة
تنکبتها واشتمت خالا (۱۱) علی خال (۱۲)

۱۱۔ فخالف بحلفی کل خرق مهذب
والا تخالفنی فخال (۱۳) اذا خال (۱۴)

۱۲ ومازلت حلفا للسماحة والعلی
کما احتلفت عبس وذبیان بالخال (۱۵)

۱۳۔ وثالثنا فی الحلف کل مهند
لمایرم من صم العظام به خالی (۱۶)

...

ثالثاً: قسنطینی نحوی کا قصیدہ جس کے ابتدائی دو شعر پچھلے صفحات میں مذکور ہوئے۔ اگرچہ فی الحال ہمیں نامکمل دستیاب ہوا۔ لیکن ان شاء اللہ ہمیں یہ فکر ہوگی کہ تلاش و جستجو کے بعد اسے قارئین کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

دونوں قصیدوں میں لفظ "خال" کا استعمال کس قدر ہوا ہے، اسے معلوم کرنے کے لیے بالترتیب نمبرات دیے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے قصیدہ میں یہ لفظ ۲۵ بار اور دوسرے قصیدہ میں ۱۶ بار استعمال ہوا ہے۔ مخطوطہ میں بین السطور سرخ قلم سے ہے اور لسان العرب میں لفظ "خال" کے معانی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جو بالترتیب یہ ہیں:

معانی قصیدہ ابن ہشام لخمی:

۱۔ الخال: اخ لام ۲۔ الخال: موضع ۳۔ الخال: ضرب من (برود) الیمن

۴- الخال : الماضی
۵- " : .... (کوئی معنی مذکور نہیں)
۶- " : من لازوج له
۷- " : السحابة العظیمة[۱] (العقیم)
۸- " : موضع مرتفع
۹- " : الرقیب
۱۰- " : الحلیف
۱۱- " : الجبال
۱۲- " : السیف
۱۳- " : الرأی
۱۴- " : الرایة
۱۵- " : الأعرج
۱۶- الخال : الجبل العظیم[۱]
۱۷- " : .... (کوئی معنی مذکور نہیں البتہ "شامہ" کے اوپر "ذرورة" لکھا ہے۔
۱۸- " : المقیم من مرض
۱۹- " : الذی یحبل الحاج فی فمه
۲۰- " : اثر القرب
۲۱- " : فارغ
۲۲- " : قاطع الطریق
۲۳- " : السمح الجواد[۲]
۲۴- " : الطریق فی الرمل، القفار
۲۵- " : الرجل الضعیف۔

معانی قصیده ابن بری : (خاکہ نمبر ۲)

۱- الخال : اسم للمکان
۲- " : الماضی
۳- " : اللواء
۴- " : من الخیلاء
۵- " : الشامة
۶- " : العزب
۷- الخال : من الخلاء
۸- " : اخو الام
۹- " : المنخوب الضعیف
۱۰- " : نوع من البرود
۱۱- " : .... (کوئی معنی مذکور نہیں)
۱۲- " : السحاب۔

---

[۱] دونوں جگہ پر "العظیمة" اور "العظیم" تحریر ہے جو دراصل "ق" کا اسم ہے۔
[۲] مخطوطہ میں "السمیع الجواد" مذکور ہے۔

۱۳- الخال: من المخالات　　　۱۴- الخال -: الموضع

۱۴- " : (کوئی معنی مذکور نہیں)　　　۱۵- " : القاطع

قبل اس کے کہ دونوں قصیدوں میں واقع لفظ خال کے معانی کی تحقیق لغت کی مشہور کتابوں سے کی جائے۔ دونوں قصیدوں کے مشترکہ اور مفردہ معانی کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ تسلسل کا اعتبار ابن ہشام کے قصیدے کے مطابق ہوگا۔

خاکہ نمبر ۳

معانی ابن ہشام اللخمی :	معانی ابن بری
۱- الخال : أخ لأم	۸- الخال: اخو الأم
۲- " : موضع	۱،۱۵- " : الموضع / اسم للمکان
۳- " : ضرب من برود الیمن	۱۰- " : نوع من البرود
۴- " : الماضی	۲- " : الماضی
۵- " :	۵ " : الشأمة
۶- " : من لا زوج له	۶- " : العزب
۷- " : السحابة العظیمة (العقیمة)	۱۲- " : السحاب
۸- " : موضع مرتفع	....
۹- " : الرقیب	....
۱۰- " : الحلیف	...
۱۱- " : الجبال	۱۱ " : ....
۱۲- " : السیف	...
۱۳ " : الرامی	...
۱۴ " : الرأیة	۳- " : اللواء

۱۵- الخال : الاعرج	...
۱۶- 〃 : الجمل الضخیم	...
۱۷- 〃 : ...	...
۱۸- 〃 : المستیم مرض	...
۱۹- 〃 : الذی یجعل الحاج فی فمہ	...
۲۰- 〃 : اثر الضرب	...
۲۱- 〃 : فارغ	...
۲۲- 〃 : قاطع الطریق	...
۲۳- 〃 : السمح الجواد	...
۲۴- 〃 : الطریق فی الرمل / القفار	...
۲۵- 〃 : الرجل الضعیف	۹- الخال : المحبوب الضعیف
۲۶-	۴- 〃 : من الخیلاء
۲۷-	۷- 〃 : من الخلاء[1]
۲۸-	۱۱- 〃 : من المخالات
۲۹-	۱۴- 〃 : ...
۳۰-	۱۶- 〃 : القاطع
۳۱-	دیکھو خاکہ سطر ۲۱

مندرجہ فہرست سے معلوم ہوا کہ دونوں قصیدوں میں لفظ "خال" کے استعمال کی تعداد اکتیس ہے، جن میں بلا تفریق عام و خاص مشترکہ معانی کی تعداد آٹھ اور مفردہ کی انیس۔ جن میں ابن ہشام کے مفردہ معانی پندرہ اور ابن بری کے پانچ اور دو دو مقام پر دونوں قصیدے خاموش ہیں۔

(جاری ہے)

---

[1] اس مادہ کے ہونے کی صورت میں یہ عـ۲۱ (فارغ) کے ہم معنی ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبدیلی پیدا کیجیے!

ـــــــــ ارمان قیسی

اس وقت ساری دنیا ظلمت و بربریت کے عمیق گڑھے میں پہنچ چکی ہے۔ ہر چہار طرف آہ و فغاں کی صدائیں زمین سے آسمان تک گونج رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ میں بڑا نظر آرہا ہے اور جو اس وقت کے سردار و علمبردار ہیں وہ اس سے فائدہ اُٹھانے میں محو ہیں۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے سردار اور سرغنہ کون لوگ ہیں؟ ہمارے سرغنہ ہماری حکومت کے وہ اعلیٰ افسران ہیں جو ہماری مجبوری سے کھل کر فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

آئیے ذرا اس کے اسباب کا پتہ لگائیں اور علاج ڈھونڈیں۔

ان کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے مؤمن ہونے کے باوجود ایمان کی قدر نہ کی اور پیروی کے لیے خدائے واحد کو چھوڑ کر ان ظالموں کو اپنا رفیق بنایا۔ قرآن مقدس کے احکامات کو پامال کیا اور اس کے موالتع کو رائج کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مکمل طور پر انجام نہ دیا۔ لہٰذا ہمارا وہ حال ہوا کہ علامہ اقبالؔ کو کہنا پڑا ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

برق گرنے کی یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو کھو دیا ورنہ اللہ کا وعدہ ہے: لئن شکرتم لازیدنکم (اگر شکر کروگے تو تمھیں بڑھاؤں گا) اور اس کے ساتھ ہی عدم شکر کی بنا پر فرماتا ہے: ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (اور اگر کفر کروگے تو میرا عذاب سخت ہے)۔ گناہوں میں ملوث ہونے کے باوجود خدائے عزّوجل نے ایک راستہ کھلا رکھا ہے، وہ ہے توبۃ النصوح۔ اس لیے ہم اب دامنِ توبہ تھام لیں اور تمام اقسام کے لغو اور فحش کاموں کو ترک کر کے ایک سو ہو کر اللہ تعالیٰ کے عبد بن جائیں

اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مندرجہ ذیل آیت ہم پر صادق آجائے گی :- وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم۔ (اگر تم نے منہ پھیرا تو اللہ تمہیں بدل کر دوسری قوم کو لائے گا پھر وہ تمہاری جیسی نہ ہوگی -) ہمارا مرتبہ تو وہ ہے کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں، امتِ محمدیہ میں سے ہیں، لیکن ہم نے اپنی شان و شوکت، جاہ و حشمت، اقتدار و مرتبہ کو نہیں سمجھا جو ہمیں خالقِ کائنات کی طرف سے ملا ہے۔ بلکہ ہم نے وہ کیا اور وہ نتیجہ پایا جسے اقبال نے یوں کہا ہے :-

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا نے زمیں پہ آسماں سے ہم کو دے مارا

اخوانِ ملت : ہم لوگ مکمل طور سے غفلت بلکہ طغیان و سرکشی کے دریا میں موجزن ہیں اور وقت ہماری گھات میں ہے۔ اگر ہم اپنے قدم کو صحیح جگہ نہ رکھیں گے تو یقین جانیے کہ ہم بچ نہیں سکتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی و ضلالت کے دور میں یعنی جس وقت آپ کی سنتوں کو پامال کیا جا رہا ہو، اس وقت آپ کے دین پر جمنے اور آپ کی سنت کو زندہ کرنے کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔

لہٰذا چاہیے کہ ایسے وقت میں ہم قرآن پاک کے رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوں اور خواب غفلت سے بیدار ہوں اور دامنِ توبہ تھام لیں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام مومنوں کو نیک سمجھ دے اور غفلت و طغیان سے اجتناب کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بقیہ : ہندوستانی مسلم خاندان

ا لیں ملتی ہیں، اور کسی کے نہیں کہا کہ ان کی نسلیں خراب ہوگئیں، یا ان کے نسب میں داغ لگ گیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح بات کا علم عطا فرمائے اور صحیح راستہ پر چلائے اور ذات پات کو شرف و بزرگی کا معیار بنانے سے بچائے، اور عمل و تقویٰ کو بزرگی کا سبب سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

عالم اسلام

جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ (اہل حدیث) افغانستان

تبلیغی اور مجاہدانہ کارنامے!

ولی اللہ غلام اللہ، مدینہ

س : افغانستان میں سلفی دعوت کی شروعات کب اور کیسے ہوئی؟

ج : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن اھتدی بہداہ ۔ اما بعد ۔

قال اللہ تعالیٰ: "ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ..... الآية

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا تزال طائفة من أمتي على الحق .... الخ"۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہر زمانے میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، کوئی زمانہ اہل الحق سے خالی نہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں حق پر قائم اور ثابت رہنے والی یہ جماعت شاہ ظاہر شاہ کے دور میں ظاہر ہوئی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک طرف ملک میں کمیونزم اور لادینیت کی مہلک بیماری بہت زور سے پھیل رہی تھی، اور دوسری طرف جہالت اور لاعلمی عوام کے اذہان پر چھائی ہوئی تھی۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ افغان عوام نوّے فیصد سے زیادہ علم کی نعمت سے محروم ہیں اور ہماری بدقسمتی سے اب تک جو حکمراں آئے ہیں، سب کے سب نے پہلے قدم پر اسلام سے دشمنی کی اور دوسرے قدم پر افغان عوام کو علم سے دور رکھا۔ جب ظاہر شاہ کی سلطنت کا دور شروع ہوا تو اس نے افغانستان کے دروازے اشتراکیت، کمیونزم اور لادینیت کے پھیلاؤ کے لیے کھول دیئے، اور اس کے بالمقابل اسلامی تحریکوں کو ممنوع قرار دے دیا، فساد، فحش، اور مغربی کلچر کے پھیلاؤ کے لئے حکومت کے سارے ذرائع استعمال ہوتے تھے، جس کا اثر بڑے شہروں، کابل، قندھار، ہرات جلال آباد وغیرہ پر بہت نمایاں نظر آتا تھا۔

یعنی اسی وقت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف الصالح کے منہج پر مبنی دعوت کا کام شروع ہوا۔ جسکا پہلا مرکزی نقطہ عقائد کی تصحیح اور اعمال کی اصلاح تھا اور دوسرے نقطہ کے طور پر اس وقت الحاد اور کمیونزم جو ظاہر شاہی حکومت کے آخری دور میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس کا بہت زور و شور سے مقابلہ کیا گیا۔

توحید کی اس تحریک کی اساس شیخ جمیل الرحمن نے رکھی اور یہ تحریک پہلے جمعیۃ علماء کے نام سے شروع ہوئی۔ شیخ جمیل الرحمان پاکستان کے دینی مدرسوں سے فارغ ہو کر افغانستان گئے تھے۔ انھوں نے پہلے دینی تعلیم اور تربیت پر اپنی توجہ مرکوز کی جس کی خاطر بہت سے دینی مدارس بنائے اور موحدین علماء کو منظم کر کے دعوت کے کاموں کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے، خرافات، شرکیات اور بدعات سے ڈٹ کر مقابلہ شروع کیا۔ جگہ جگہ پر خرافی اور صوفی علماء سے مناظرات ہوتے رہے اور بتدریج توحید کی یہ دعوت ایک عظیم اسلامی تحریک کی شکل اختیار کرتے ہوئے تھوڑے وقت میں دوسرے صوبوں تک پہنچ گئی۔ حکومت اور خرافیوں نے بہت زور سے دعوت کی مزاحمت شروع کی۔ داعیوں پر اتہامات کا سلسلہ شروع ہوا، انھیں پاکستانی، وہابی، یا دوسرے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ عوام میں نفرت، پھیلانے کے لیے جرائد، ریڈیو اور دوسرے ذرائع استعمال کرتے تھے اور داعیوں کو بُرے ناموں سے بدنام کرتے تھے، حتیٰ کہ اس دعوت کے تحت چلنے والے اسلامی مدارس کو ممنوع قرار دے دیا، اور اس سلسلہ میں شیخ کو جیل بھی جانا پڑا۔

یہ حالت ظاہر شاہ کی حکومت کے خاتمے تک جاری رہی لیکن اس مزاحمت اور شرانگیزی کے باوجود دعوت کے کام میں کچھ بھی رکاوٹ نہیں پڑی اور داعیوں کے ارادوں میں کوئی خلل نہیں آیا۔ جب داؤد برسر اقتدار آیا تو اس نے اسلامی تحریکات کے داعیوں پر حملے شروع کیے، جن میں شیخ بھی تھے۔ داؤد کی دشمنی اور عداوت اسلامی تحریکوں سے بہت نمایاں تھی، وہ حق کا بڑا دشمن تھا۔ اس کے دور میں تو شیخ کی جماعت نے دونوں محاذوں پر جدوجہد شروع کر دی۔ گورنمنٹ نے اسلامی تحریکوں کے لیڈروں پر وسیع پیمانے پر حملے شروع کیے جس کے نتیجے میں ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلح مقاومت کے لیے تیاری کا کام بھی ساتھ ہی شروع ہوا۔ یعنی دعوت بھی اور جہاد بھی۔ اور یہ حال داؤد کے خاتمے تک جاری رہا۔

اس وقت اس جدوجہد کے مرکزی علاقے صوبہ کنار میں تھے اور اس دعوت کا آغاز وادی پیچ کے ننگلام قریہ سے ہوا، جو شیخ کا آبائی گاؤں ہے۔ یہ افغانستان میں پہلا قریہ ہے جو جہاد کی راہ میں قربان ہوا۔ گورنمنٹ نے

لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے اس قریہ کو بہت ہی وحشیانہ طور پر بمبار کر کے خاک میں ملا دیا۔ اس میں چار ہزار گھر خاکستر ہو گئے۔

س :۔ افغانستان میں اسلامی مسلح عمومی جہاد کیسے شروع ہوا؟۔

ج :۔ جس طرح ہم نے پہلے تذکرہ کیا کہ داؤد کے دور میں جہاد خفیہ اور انفرادی شکل میں موجود تھا۔ جگہ جگہ کمیونسٹوں کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اور ان کو ختم کر دیا جاتا تھا، حکومت کے مراکز پر بھی کبھی کبھی حملے ہوتے رہتے تھے۔ لیکن یہ عام طور پر نہیں تھا اور افغانستان کے عوام اور وہ لوگ جو آجکل مختلف تنظیموں کے مسئول اور لیڈر ہیں۔ وہ بھی شریک نہیں تھے مسلح عمومی جہاد ۱۹۷۸ء میں شروع ہوا۔ جب نور محمد ترہ کی نے داؤد کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس طرح خلق اور پرچم پارٹی جو کٹر کمیونسٹ ہیں براہِ راست اقتدار پر قابض ہو گئیں، اس وقت پہلے سے مجاہدین کی کچھ مسلح جماعتیں موجود تھیں۔ چنانچہ انھیں مجاہدین کے کئی ایک گروپ منظم کر کے پہلی بار شیخ جمیل الرحمٰن نے صوبہ کنار کے مختلف علاقوں کو بھیجدیا، جس کی تعداد ۰۰ سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ گروپ جب اپنے اپنے مراکز پر پہنچ گئے تو پہلی رات میں کمیونسٹوں نے ان پر حملہ کر دیا اور چار مجاہدین شہید ہو گئے، یہ عمومی جہاد کے پہلے شہداء ہیں۔ اس تجربہ میں ایک کلاشنکوف (رائفل) بھی بطور غنیمت چھین لی گئی، جو پہلی غنیمت تھی۔ یہ منطقہ وادیٔ شیگل تھا جو کنر کے صوبہ میں واقع ہے۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ دوسرا گروپ وادی نریج پہنچ گیا تھا، جہاں انھوں نے مسلح مزاحمت شروع کی۔ یہاں سے عمومی مسلح جہاد کا آغاز ہو گیا، جو آہستہ آہستہ افغانستان کے دوسرے مناطق تک پھیل گیا ان دو وادیوں میں مجاہدین نے بہت سے اسلحہ غنیمت میں لیے تھے جو افغانستان کے دوسرے صوبوں کو بھیجے گئے، یہ علاقہ اسلام اور اہل الحق کا مضبوط گڑھ ہو گیا اور تین مہینے کے اندر اندر مجاہدین نے یہ وادی دشمن کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ اس علاقے پر اس کے بعد دشمن کے حملے ہوتے رہتے تھے، لیکن الحمد للہ یہ ابھی تک مجاہدین کے قبضے میں ہے اور یہ علاقہ دوسرے لحاظ سے بہت ہی اہمیت کا حامل بھی ہے، اس لیے جب یہ علاقہ آزاد ہوا۔ تو دوسرے صوبوں کے مجاہدین کے لیے راستے ہموار ہوئے، مثلاً پنجشیر لغمان اور دوسرے صوبے کے مجاہدین اس علاقہ کو پار کرتے رہتے۔ ابھی تک یہ کام جاری ہے، دوسری طرف وہاں تعلیم و تربیت کا کام بھی اچھی طرح چلتا ہے، وہاں جہاد اور دعوت کے مراکز قائم ہیں۔

جہاد کے شروع میں مجاہدین کے سامنے بہت زیادہ مشکلات تھیں ۔ ایک طرف دوسری اسلامی تنظیمیں جن کے مراکز پاکستان میں تھے، جہاد کی اس شروعات ہی سے ہم خیال نہیں تھیں۔ دوسری طرف عام لوگ جہاد کی روح سے آشنا نہیں تھے، مادی قوت کالعدم تھی اور جہادی قوت تعداد کی نگاہ سے بھی بہت کمزور تھی ، وادی زیج میں مجاہدین کی کل تعداد چالیس تک نہیں پہنچتی تھی۔ یہی حال دوسری جگہوں کا تھا۔ لیکن الحمدللہ مجاہدین کا ایمان قوی تھا اور وہ اللہ جل وعلا کی نصرت پر توکل کرتے تھے۔ شیخ عرصہ تک خود ہی میدان معرکہ میں موجود تھے اور خود ہی جہاد کی کمانڈ کرتے تھے، جس کی برکت سے ابتداء میں مجاہدین نے بہت نمایاں فتوحات اور کامیابیاں حاصل کیں۔ اور اللہ جل وعلا کی نصرت سے جلد ہی اسلحہ کی مشکل بھی تھوڑی سی حل ہوگئی، یعنی غنیمتوں میں مجاہدین کو زیادہ اسلحہ ملتا تھا۔ جن کو شیخ اپنے ہمخیال لوگوں کے پاس دوسرے صوبوں میں بھیجتے تھے۔

س : مجاہدین کی پوزیشن عمومی طور پر کیسی ہے ۔ ؟

ج : ۔ عمومی طور پر مجاہدین کی پوزیشن الحمدللہ بہت قوی اور مستحکم ہے، افغانستان کے اندر اکثر علاقوں میں جہادی مراکز یا جبہات (محاذ) قائم ہیں ۔ یہ مراکز کبھی دفاعی حالت اور کبھی ہجومی (اقدامی) حالت رکھتے ہیں۔ سوویت فوجی اکثر مجاہدین کے محاذوں اور آزاد علاقوں پر وحشیانہ بمبارمنٹ کر دیتے ہیں، مختلف قسم کے راکٹ مارتے ہیں، کیمیاوی گیس بھی استعمال کرتے ہیں، حتی کہ بچوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، مجاہدین کے حوصلے بھی مضبوط نظر آتے ہیں، اس نو سالہ جہاد کے دوران افغانستان خرابہ میں تبدیل ہوگیا۔ ایک ملیون (دس لاکھ) افغان مسلمان عوام شہید ہوگئے اور چار ملیون (چالیس لاکھ) سے زیادہ اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان اور ایران ہجرت کر گئے جو بہت مشکل اور محرومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہجرت اور شہادت کا یہ سلسلہ جاری ہے، اس کے باوجود افغان مہاجرین پاکستان کے خیموں میں بھی آرام کا سانس نہیں لے سکتے۔ ایک طرف سے دشمن کے جدید ترین مگ طیارے مہاجرین کے کیمپوں پر بمبارمنٹ کرتے ہیں ، جس کے نتیجہ میں آخری دنوں میں سیکڑوں لوگ شہید ہوگئے، جن میں اکثر بچے اور بوڑھے لوگ تھے اور اس سے لوگوں کے خیموں کے یہ گھر بھی تباہ ہوگئے ۔ دوسری طرف پاکستان میں کمیونسٹ اور KGB کے ایجنٹ بے رحمانہ اور وحشیانہ طور پر بموں کے دھماکے کرتے ہیں ، جس میں پاکستانی عوام بھی مرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ مجاہدین کے مراکز پر کمیونسٹ حملے کر دیتے ہیں اور انھیں بموں سے اڑا دیتے ہیں۔ پاکستان میں کمیونسٹ نظریہ کے لوگ اور روس

کے ایجنٹ نوجوان جرائم کے اصل مجرم ہیں مگر ان دھماکوں کا ذمہ دار افغان مہاجرین کو قرار دیتے ہیں، تاکہ پاکستان کے مسلمان عوام اور افغانستان کے مجاہدین میں دشمنی پیدا ہو جائے اور مہاجرین کو پاکستان چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکے۔ درحقیقت یہ ساری تخریبی کارروائی، پاکستان کے کسی علاقہ میں بھی ہو، روس کے ایجنٹوں کی طرف سے ہے، افغان مہاجرین کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

ان ساری مشکلات اور مصیبتوں کے باوجود الحمدللہ مجاہدین کوئی تکان اور عزائم میں سستی محسوس نہیں کرتے اور پاکستان کی مسلمان ملت بھی ان دسائس کو خوب سمجھتے ہیں اور انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ سب تخریبی کارروائی سوویت کے ایجنٹوں کی ہے۔ اور نفرت پھیلانے کے لیے کی جارہی ہے۔

س : سیاسی حل کے بارے میں جماعت کا موقف کیا ہے؟

ج : جماعت کا موقف اللہ جل وعلا کے اس ارشاد کے مطابق ہے وقاتلوھم حتی لاتکون فتنة و یکون الدین کله لله ۔ لہذا جب تک فتنہ رہے گا جماعت کا موقف جہاد ہے، اور اس کے متعلق جماعت نے مستقل طور پر اپنا بیان شائع کیا ہے اسے دیکھنا چاہیے۔

درحقیقت افغانستان کے قضیہ میں کسی سیاسی حل کی گنجائش نہیں ہے۔ روس نے ہمارے ملک پر زبردستی قبضہ کیا ہے۔ تنہا حل یہی ہے کہ یہ قابض عسکر بغیر کسی حل اور بغیر کسی ضد اور شرط کے نکل جائے۔ لیکن جو لوگ سیاسی حل کی آواز بلند کرتے ہیں، یہ دراصل حل نہیں بلکہ قضیہ کو اور بھی مشکل بنانا چاہتے ہیں۔

یاد رہے کہ سیاسی حل ہو یا دوسرا کوئی اور حل، یہ سب دھوکہ اور فریب ہیں۔ یہ مسلمان ملتوں کو ہمیشہ کے لیے غلام بنانے کے حربے ہیں، جن لوگوں نے اپنی تقدیر اس طرح کے سیاسی حلوں کے حوالہ کر دی، اُن کی مشکل کبھی حل نہیں ہوئی بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو دائمی غلامی کے حوالہ کر دیا ہے، جس کی زندہ مثال فلسطین ہے، اس کے علاوہ روس ایک طرف سے سیاسی حل کا اعلان کرتا ہے اور دوسری طرف ہمارے ملک میں لمبی مدت کی عمارتوں، فوجی مراکز، ہوائی اڈوں کی تعمیرات کے منصوبے تیار کر رہا ہے۔ تازہ دم فوجیں لا رہا ہے۔ اپنے حملوں کو شدت دے رہا ہے۔ نئے طرز کے جدید اسلحوں کو زور سے استعمال کر رہا ہے۔ یہ تو کوئی حل نہیں بلکہ چال ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ افغان عوام اور مجاہدین، افغان مارکسسٹ اور کمیونسٹ گورنمنٹ کو تسلیم کریں اور مزاحمت ختم ہو جائے۔

جماعت الدعوہ نے اپنے موقف کا مستقل طور پر اعلان کیا ہے اور جماعت کے مجاہدوں نے نئے سرے سے جہاد کے قیام اور دوام کا عہد کیا ہے۔ دوسری طرف جماعت اور اکثر عام مجاہدین دشمن کی یکطرفہ عارضی صلح کو قبول نہیں کرتے، اس کو ایک دھوکہ سمجھ کر رد کر دیتے ہیں، بلکہ اس کے بالمقابل دشمن اپنے حملے اور کارروائیوں میں اضافہ کر رہا ہے ۔ دراصل یہ آتش بندی (Sise fire) بھی عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کے مرادف ہے۔

س : افغانستان میں کتنی جماعتیں ہیں اور دوسری جماعتوں کا موقف جماعۃ الدعوہ کے بارے میں کیا ہے؟

ج : ابھی مجاہدین کی آٹھ جماعتیں ہیں اور ان میں سے اکثر تنظیمیں جہاد کے دوران بن گئی ہیں۔ سات تنظیمیں تو مشہور ہیں اور آٹھویں تنظیم اہل الحدیث یا جماعۃ الدعوہ ہے۔ یہ سات تنظیمیں سیاسی طور پر تال میل رکھتی ہیں مگر حقیقۃً یہاں کوئی اتحاد موجود نہیں ہے۔ پچھلے سالوں میں علماء نے اتحاد کی کوشش کی اور بار بار اتحاد وجود میں آیا، لیکن ہر اتحاد کچھ مہینے گزرنے کے بعد جلد ہی منتشر ہو گیا، اور نتیجہ میں نئی اور جدید پارٹی وجود میں آ گئی، جس کی تعداد سات تک پہنچ گئی۔ جو کوئی بھی اتحاد کا امیر بنا، اس نے اپنے لیے اتحاد کے اندر پارٹی تشکیل کی اور اس کے بعد اتحاد کو ختم کر دیا۔

جماعۃ الدعوہ جو دعوت اور منہج کے لحاظ سے سب سے پرانی جماعت ہے، اس کی قیادت شیخ اور ساتھ ہی دوسرے سلفی علماء نے اپنے اخلاص کی بناپر دیر تک خود ہی میدان معرکہ میں کمان سنبھالے رکھی۔ اور جب پاکستان آ گئے تو وہاں انھوں نے ہی مجاہدین کی صفوں میں وحدت اور اتحاد کی مہم چلانا شروع کی، جس کے نتیجے میں آخری بار تین جماعتوں کا بڑا اتحاد وجود میں آیا۔ اس اتحاد سے عام مسلمانوں کی امید وابستہ تھی، اور خاص اہل الحدیث علماء اور بالخصوص شیخ جمیل الرحمٰن نے اس کے استحکام کے لیے بہت جدوجہد کی۔ شیخ اس اتحاد میں ملٹری کیمپوں کی صدارت پر فائز تھے۔ ان ساری کوششوں کے باوجود اتحاد جلد ہی بکھر گیا اور چار پارٹیاں بن گئیں، وہ جو اتحاد کا مسئول تھا، اس نے جدید تنظیم کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جب شیخ آئندہ کسی اتحاد سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنی دعوت کو نشاط اور ترقی دینے کی طرف توجہ کی۔ مدارس اور دعوت کے مراکز کی تاسیس شروع کی، جو عام سلفی فکر کے لوگ تھے، وہ سب منظم ہو گئے اور سارے ملک میں کام کرنے کا پرچار شروع کیا۔

دوسری طرف طالع آزما لیڈروں نے اتحاد کے نام پر اپنی اپنی تنظیم بنانے کا کام جاری رکھا اور جیسا کہ مذکور ہوا۔

بکھرتے بکھرتے سات تنظیمیں بن گئیں۔

یہ سات تنظیمیں اپنی سات پارٹیوں کو قانونی قرار دیتی ہیں، اور اگر کوئی دوسرا اپنے منہج اور فکر کی بنا پر تنظیم بناتا ہے تو اس کو فتنہ جو کہہ کر اس کی تنظیم کو غیر قانونی سمجھتی ہیں اور اس پر اختلاف برپا کرنے کی تہمت رکھی جاتی ہے۔ حالانکہ ان سات تنظیموں کی موجودگی پر بھی کوئی شرعی دلیل نہیں۔

سلفیوں کے بارے میں ان سات تنظیموں کا یہی موقف ہے۔ یہ تنظیمیں ان کا وجود اور ان کی دعوت تسلیم نہیں کرتیں وہ لوگ جو اس جہاد کے مؤسس ہیں، ان کو جہادی امور میں اہمیت نہیں دیتے، اس کی وجہ سے اہل الحدیث کی جہادی قوت، جہادی حقوق سے ابھی تک محروم ہے، یعنی وہ سب امداد جو جہاد اور مہاجرین کے لیے عالمی سطح پر پاکستان آتی ہیں ان سب سے جماعت محروم ہے۔

جماعۃ اہل الحدیث کے مجاہدین اور قیادت کا اسلوب اور روش بہت پُر اثر اور الحمدللہ اچھا ہے، اور ان ساری مشکلات کے باوجود وہ دعوت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

افغانستان کی سات تنظیموں میں سے تین تنظیمیں جو تصوف کے افکار پر مبنی ہیں، ان سے تو عقیدے کا اختلاف ہے اور چہار تنظیموں کی قیادت اکثر عقیدے کے لحاظ سے ماتریدی یا اشعری ہے۔ اس لیے یہ جماعتیں سلفی دعوت کو برداشت نہیں کر سکتیں، اور اس کے وجود کو نہیں مانتیں۔ اس کے برعکس سلفی مجاہدین دوسرے مجاہدوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، ہر قسم کی معاونت اور مدد کرتے ہیں، جب دشمن دوسرے محاذ پر حملہ کرتا ہے تو اس محاذ کے مجاہدین کی مدد کے لیے دوڑتے ہیں۔ اس کی وجہ سے عام مجاہدین کا رجحان جماعۃ الدعوۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

س: جماعۃ الدعوۃ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالیے۔

ج: جماعۃ الدعوۃ الحمدللہ بہت مستحکم اور قوی جہادی قوت رکھتی ہے۔ اس نے افغانستان کے مختلف صوبوں میں محاذ اور مراکز جہاد بنا لیے ہیں جس کی تعداد ۴۶ تک پہنچتی ہے اور مجاہدین کی تعداد پچاس ہزار ہے۔

جماعت نے شروع ہی سے دعوت تعلیم اور جہاد پر اپنی صلاحیتیں مرکوز رکھی ہیں اور زیادہ توجہ یتیموں اور اطفال کی تعلیم پر مرکوز کی ہے۔ افغانستان کے آزاد علاقوں میں اور مہاجرین کے کیمپوں میں مدارس بنائے ہیں جس کی تعداد ۱۳۵ تک پہنچتی ہے اور دن بدن یہ تعداد بڑھ رہی ہے۔ ان مدرسوں میں پندرہ ہزار بچے زیر تعلیم ہیں۔

تعلیمی منہج الحمدللہ مطلق سلفی منہج ہے اور خلیج کے مشہور اہل الحدیث علماء نے اس منہج کی ترتیب اور تنظیم میں شوق سے حصہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ جماعت نے یتیموں کے لیے مستقل دارالایتام بنائے ہیں۔ جہاں صرف یتیموں کی تربیت ہوتی ہے۔ ان کی فامیلوں سے مدد کی جاتی ہے۔ اسی کے پہلو میں جامعۃ الدعوۃ اور المعہد الشرعی ہے، جامعۃ الدعوۃ میں جو پشاور میں ہے تقریباً ۲۰۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور المعہد الشرعی خاص دعاۃ کو تیار کرنے کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ مختلف کیمپوں میں دعوت کے مراکز کھولے گئے ہیں، جہاں علماء دعوت کے کام کرتے ہیں۔ الحمدللہ دعوت کی سرگرمیاں دن بدن بڑھ رہی ہیں ان باتوں نے مجاہدین اور مہاجرین کے دلوں میں بہت اچھا اثر کیا ہے۔ عوام کی طرف سے اس دعوت کا اچھا استقبال کیا جا رہا ہے۔

س: جماعت کی جہادی اور دوسری ضروریات کہاں سے حاصل ہوتی ہیں۔؟

ج: جماعت دعوت کے آغاز سے بہت ضعیف مادی قوت سے اپنا کام چلا رہی ہے اور ابھی تک کسی گورنمنٹ خواہ پاکستان ہو یا دوسری کوئی مدد یا تعاون نہیں ملا۔ ہلکے اور بھاری اسلحے سب کے سب مارکیٹ سے لیتے ہیں ایک کلاشنکوف تقریباً بیس ہزار روپئے قیمت کی ہے۔ اس طرح توپیں، مشین گنیں، ایئرکرافٹ، راکیٹس وغیرہ۔ سارے جہادی سامان بازاروں سے خریدنے پڑتے ہیں۔ اور اس کے لیے زیادہ تر تعاون اہل الحدیث تنظیموں سے ہوتا ہے۔

س۔ جماعت الدعوۃ اتنی قوت اور نشاط کے باوجود دوسروں کی طرح کیوں عالمی شہرت حاصل نہیں کر سکی ہے۔؟

ج۔ جماعت کی قیادت یعنی خود شیخ جمیل الرحمٰن بہت زیادہ توجہ کام پر مرکوز رکھتے ہیں اور اپنی بہت سی مصروفیتوں کی وجہ سے ابھی تک خارجی ملکوں کے زیادہ دورے نہیں کیے۔ صرف ایک دفعہ سعودی عرب گئے ہیں۔ ان کی اکثر توجہ داخلی امور پر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو جماعت کی عالمی سطح پر شہرت کا سبب بن سکتے ہیں (یعنی اہل حدیث) ان کا تعلق جماعت سے ضعیف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ آج کل اعلام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ فکری لحاظ سے جماعت اور اس کے منہج سے متفق الرائے نہیں ہیں۔

س: کچھ لوگ جہاد کے میدان میں جماعۃ الدعوۃ کے اسلوب کو قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟

ج: جماعۃ الدعوۃ جو نام سے ظاہر ہے دعوت کی جماعت ہے، جہاد کو بھی ساتھ جمع کر لیا ہے۔ اور ہمارے ملک میں موجودہ حساس اور اہم مرحلہ میں اس قسم کی دعوت والی جماعت کی بہت ضرورت ہے۔ ہمارے ملک کے اکثر لوگ

احناف ہیں ۔ اور اکثر علماء اس مذہب کے متعصبین میں سے ہیں۔ اکثر عوام اس کے علاوہ کچھ جاننے سے محروم ہیں ۔ جماعت اور جماعت کے افراد اور قیادت سارے کے سارے حالات کو سمجھ کر کتاب اور سنت پر مبنی موثر دعوت ہی دیتے ہیں ۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة والحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن ۔

یہ دعوت الحمدللہ حکمۃ اور موعظۃ پر مبنی ہے ۔جس کا نتیجہ ہم میدان عمل میں دیکھتے ہیں کہ اس نے بفضل اللہ بہت ترقی کی ہے اور عام لوگوں نے اس کا استقبال بہت اچھی طرح کیا ہے ۔

سلفی دعوت کے مخالف لوگ اکثر یہ افواہ ، نفرت اور پروپیگنڈہ پھیلاتے ہیں ۔ کہتے ہیں یہ دعوت حکمت سے خالی ان کے نزدیک حکمت کے معنی یہ ہیں کہ دعوت کو چھوڑ دیا جائے اور دوسروں کے طریقے اپنا لیے جائیں تو اس وقت کام باحکمت ہوگا ۔ کہتے ہیں یہ لوگ متشدد ہیں ۔ اگر تشدد سے مقصود دینی تعلیمات کی مکمل پابندی ہے تو یہ حقیقت ہے اور اگر اس سے مراد لوگوں سے دوری اور نفرت ہے تو یہ افترا ہے ، پروپیگنڈہ ہے جو حقیقت سے خالی ہے ۔ دراصل عام سطح پر جماعت کے دروازے عام مجاہدین پر کھلے رہتے ہیں ۔ مہاجرین اور مجاہدین کو بغیر کسی تفریق اور تمیز کے مدد دی جاتی ہے ۔ لوگوں کی مشکلات کے حل میں حتی الا مکان جدوجہد کی جاتی ہے ۔ عوام سے جماعت کا گہرا تعلق ہے ۔ اگر جماعت یا اس کی قیادت یا افراد تشدد کریں تو لوگوں تک حق کا پہنچانا مشکل ہوگا ۔ اور جماعت اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتی ۔

جماعت کی مصلحت کی بناء پر جماعت کے تعلقات عام مجاہدین اور مہاجرین سے مختلف انداز میں ہیں ۔ ہر طبقے سے اس کے موافق تعلق رکھا جاتا ہے ۔ مثلاً جماعت کو تعلیمی سلسلے میں بچوں کی ضرورت ہے ، اس کے لیے ماں باپ کی رضامندی شرط ہے تو طبعاً جماعت کے ارکان اصل مقصد کے لیے بچے کے والدین سے تعلق رکھتے ہیں ، یا مہاجرین کے کیمپ میں مدرسہ بنانے کا پروگرام ہو اس کے لیے اس کیمپ میں لوگوں کی ایک تعداد سے تعلق برقرار رکھنا ضروری ہوگا تاکہ اس مدرسے کا جو اصلی مقصد ہے ، اس کے لیے وہ قربانی پر آمادہ ہو جائیں ۔

اگر جماعت کے ارکان اس بناء پر کہ یہ ماں باپ سلفی نہیں ہیں یا یہ کہ کیمپ کے لوگ اہل الحدیث نہیں ہیں اس کو چھوڑ دیں تو قافلہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اور مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ کام معقول بھی نہیں ہے ۔ شرعاً ایک جائز اور قابل تحسین عمل نہیں ہے ۔ مجاہدین کی سطح پر بھی طبعاً ابتداء میں ہر قسم کے لوگ قبول کر کے ان کی تربیت پر توجہ دی جاتی ہے ، اگر ان کے عقائد اور اخلاق میں کچھ خلل ظاہر ہو جائے تو اصلاح کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس مقصد کے لیے ہم محاذ پر

ت کام کرتی ہے اور وہاں جماعت کی دار الافتاء کمیٹی ہے، علماء متعین ہیں۔ اس طرح کے پروگرام میں اور بھی زیادہ ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جماعت الدعوۃ دوسرے لوگوں کو مشرک کہتی ہے۔ یہ محض پروپیگنڈہ ہے۔ کوئی بھی اس کو ثابت
ہیں کر سکتا۔ یہ تبلیغ و دعوت کے معاندین کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ جس کا مقصد نفرت پھیلانا ہے، جماعت کے بارے میں
لوگوں کے اذہان کو مشوش کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس طرح کی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس میں فائدہ بھی نہیں ہے۔

جماعت کی کوشش یہ ہے کہ وہ عام لوگوں سے رابطہ رکھے، لوگوں کا اعتماد حاصل کرے، تاکہ کام کرنے کے لیے حالات
زگار ہو جائیں۔ اس طرح کی باتوں سے تو دوری اور فاصلہ پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کو اپنا دشمن بنانا ہے۔ العیاذ باللہ!
سب پروپیگنڈہ ہے، مسلمان کو مشرک کہنا بڑا جرم ہے اور جماعت الحمد للہ اس سے بری ہے۔ یہ لوگ اس طرح کے پروپیگنڈوں
، اللہ جل علا کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن "واللہ متم نورہ"، یہ اللہ کی سنت ہے۔

دوسری طرف دوسری جماعتیں جماعۃ الدعوہ پر تفریق اور اختلاف اور فتنہ اندازی کی تہمت لگاتی ہیں۔ اگر یہ اختلاف
وت کے لحاظ سے ہے تو العیاذ باللہ، اس کے معنی یہ ہوئے کہ سلفی دعوت جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف صالح
، منہج پر مبنی ہے۔ یہ اختلاف اور فتنہ ہے ـــ بلکہ بالعکس یہ اصل دینی حرکت ہے، جو لوگ اس کے مخالف ہیں وہی
ختلاف اور تفرقہ کرتے ہیں۔ اور اگر مخالفین کا الزام جماعت بندی کے لحاظ سے ہے تو جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں
وہی بذات خود متفرق اور مختلف ہیں اور اپنے گناہ دوسروں پر ڈالتے ہیں۔

یہ کوئی معقول بات نہیں ہے تیسرے یہ کہ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان میں منہج کے لحاظ سے اتنا فرق نہیں
یا جاتا۔ یعنی اختلاف کرنے کے کچھ بڑے اسباب اور دواعی نہیں ہیں۔

س: جماعت کی درخواست عالم اسلام اور خاص کر سلفیوں سے کیا ہے؟

: قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی
الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا، الخ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مثل المؤمنین فی توادہم وتراحمہم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی
منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسہر

مسلمان بھائیو! افغان مجاہدین اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں اور یہ جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے، جو اپنی استطاعت

پھر اس میں حصہ لے۔ افغانستان اسلامی امت کا حریم ہے اگر اس سے عالم اسلام نے غفلت اختیار کی تو اس کا بھی انجام ایسا ہو جائے گا جیسا ہمارا ہوا ہے۔ اس سے پہلے یہی حال بخارا پر آیا تھا، ہم وہاں کے مسلمانوں کی آواز اور فریاد سنتے تھے لیکن غفلت اختیار کی۔ حکمران طبقہ ظالم تھا، انھوں نے بخارا کے مسلمانوں کی آوازیں ریگستانوں میں دفن کر دیں اور اسلامی امت کا ایک جز ابدی طور پر کمیونزم کی جہنم میں جل رہا ہے۔ ان لوگوں نے ہم کو اپنے انجام سے خبردار کیا تھا اور کہدیا تھا کہ یہی آپ کا حال بھی ہوگا۔

جہاد مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی مدد کی ضرورت رکھتا ہے۔ بالخصوص ڈاکٹر، مدرس اور داعی کی زیادہ ضرورت ہے۔ اہل الحدیث بھائیوں سے خاص تقاضا اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر متمسک اور عامل ہیں تو ان کی مسئولیت دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اور بھاری ہے۔ افغانستان میں جن لوگوں نے توحید اور دعوت کا علم اٹھایا ہے اور ساتھ ہی جہاد بھی کرتے ہیں، یعنی جماعۃ الدعوۃ جس نے جہاد اور دعوت کو جمع کیا ہے۔ ہماری اس حالت میں دعوت کی بہت ضرورت ہے۔ دوسری طرف ہزاروں یتیم اور مہاجرین کے اطفال کی تربیت کا مسئلہ ہے جو بڑا اہم ہے۔ ان سارے امور میں اہل خیر بھائیوں کی مدد کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور عام طور پر امید ہے کہ جہاد کے محاذوں میں موجود مجاہد بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مراسلاتی ارتباط : جماعۃ الدعوۃ

ص ب : ۱۲۰۲ پشاور صدر، پاکستان

ٹیلیفون : ۴۲۳۸۸ پشاور

" : ۶۲۹۸۷ "

اکاونٹ نمبر : ۵۵ حبیب بینک لمیٹڈ

کینٹ پشاور۔ پاکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کی زندگی اور کارناموں پر —

سہ روزہ علمی

سیمینار

تاریخ:-
۲۲، ۲۳، ۲۴
نومبر ۱۹۸۷ء

صدارت: عزت مآب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف حفظہ اللہ
سکریٹری جنرل، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سعودیہ عربیہ

افتتاح: عزت مآب جناب ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری

بروز:-
اتوار،
سوموار،
منگل،

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مسلمانوں کا اصل دینی سرمایہ کتاب و سنت ہے، ہماری بہبود و نجات کا راز بھاری بھرکم اصطلاحات اور پُرپیچ عبارتوں سے بچ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی سادی پیروی میں مضمر ہے، اسی کے ذریعہ ہمارے ایمان میں قوت اور ہماری صفوں میں اتحاد پیدا ہوسکتا ہے اور ہم شرک و بدعت کی پگڈنڈیوں سے نکل کر کتاب و سنت کی شاہراہ پر آسکتے ہیں۔

اس منہج فکر و عمل کو واضح کرنے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کارنامے بیمثال ہیں۔ آپ کی زندگی تجدید دین کے لیے جہد مسلسل اور راہِ حق میں صبر و استقامت کا حسین مرقع ہے۔

اسلامی تاریخ کی اس عظیم تجدیدی شخصیت کے حالات زندگی اور علمی و اصلاحی کارناموں سے موجودہ نسل کو روشناس کرانے کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس کے زیر اہتمام ایک سہ روزہ علمی سیمینار منعقد ہو رہا ہے جس میں ملک اور بیرونِ ملک کے مشاہیر علماء اور محققین شرکت فرما رہے ہیں، ان کے افکار و خیالات کو سننے اور ان سے مستفید ہونے کے لیے آپ تمام حضرات سے شرکت کی پُرخلوص درخواست ہے۔

اراکین جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس!

جمعیۃ اہل حدیث ریلیف کمیٹی میرٹھ کی کارکردگی

ایک رپورٹ

میرٹھ کا حالیہ فرقہ وارانہ فساد جس میں میرٹھ کی مسلم آبادی جس کا تناسب ۴۲ فیصد ہے ، بری طرح متاثر ہوئی ہے ۔ تقریباً چار ماہ جاری رہنے والے اس فساد نے معیشت کو تباہ اور پورے نظام زندگی کو تہہ و بالا کر دیا ، ایک محتاط اندازے کے مطابق میرٹھ کے مسلمانوں کی جس طرح کمر توڑ دی گئی ہے اس سے وہ ترقی کی دوڑ میں بیس سال پیچھے جا پڑے ہیں۔

آج میرٹھ کے مسلم علاقوں میں معاشی بدحالی اور اقتصادی بحران ہر طرف نمایاں ہے ۔ فساد کی زد میں براہ راست آنے والے ، ہلاک اور گرفتار شدگان کے علاوہ پولیس اور پی اے سی کی بربریت کی منہ بولتی تصویر دہ ہزاروں زخمی ہیں جو ابھی کربناک عالم میں ہیں ۔ جن کے ٹوٹے پھوٹے ہاتھ پیر عرصہ تک فساد کی یاد دلاتے رہیں گے ۔

اللہ کا شکر ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں جمعیۃ اہل حدیث میرٹھ نے فساد زدگان تک ہر ممکن امداد بروقت پہنچانے کے لیے ایک ریلیف کمیٹی جناب مولانا محمد سلیمان میرٹھی کی صدارت میں تشکیل دی ۔ جس میں مولانا موصوف کے ساتھ ضلعی جمعیۃ اہل حدیث میرٹھ کے ارکانِ مجلس عاملہ جناب احسان الحق ایڈوکیٹ ، جناب محمد سلطان صاحب اور جناب محمد الیاس صاحب بہت محنت اور لگن سے ریلیف کا کام انجام دے رہے ہیں ۔ جبکہ اس کمیٹی کے نائب صدر ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین صدر شعبہ اردو میرٹھ کالج ہیں ۔

اس کمیٹی نے کرفیو کے دوران ضرورت مندوں تک تین ہزار چار سو کلو آٹا پہنچایا اور اولیت کے ساتھ گرفتار شدگان کی ضمانت اور زخمیوں کے علاج پر توجہ دی گئی ۔ دوکانوں اور مکانوں کی مرمت یا تعمیر ، بے روزگار افراد کو روزگار ، رکشہ ، سلائی مشین ، کڑھائی مشین ، گریس مشین ، لکڑی کے کھوکے اور ٹھیلے وغیرہ فراہم کیے گئے ۔

حالات کی ناسازگی کی بنا پر اس سال موسم گرما کی تعطیل کے بعد تعلیمی سلسلہ جولائی کے بجائے نصف اگست سے شروع ہوا ۔ ایسے بچے جن کے والدین فساد سے متاثر ہونے کی بنا پر تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کے فی الحال متحمل نہ تھے ، ان کی مناسب امداد کی جا رہی ہے تاکہ بچوں کا تعلیمی سلسلہ منقطع نہ ہو ، بورڈ کے امتحان کے سلسلہ میں فیس بھی جمع کی

ایسے بچے جن کے والدین فساد کی زد میں آکر جاں بحق ہو چکے ہیں، ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں بھی مناسب انتظام کیے جا رہے ہیں۔ اس طرح یہ امداد اب تک آٹھ سو سے زائد خاندانوں تک پہنچائی گئی ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

عمومی امداد	97291-00
برائے کاروبار	55944-00
برائے قانون	29600-00
برائے نکاح	9284-00
برائے علاج و آپریشن	23025-00
برائے تعمیر	21200-00
برائے تعلیم	9965-00
	246309-00 (دو لاکھ چھیالیس ہزار تین سو نو روپیہ)

شکیل احمد

ناظم جمعیۃ اہل حدیث میرٹھ

بجوارِ رحمت میں

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف ؒ

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

جریدہ فریدہ الاعتصام لاہور کی حالیہ اشاعت سے معلوم ہوا کہ ۲ اور ۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کی درمیانی شب کو نادرہ زماں اور یگانہ روزگار حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کئی برس سے صاحب فراش تھے۔ فالج اور دیگر عوارض نے نحیف و نزار جسم کو حد درجہ متاثر کر رکھا تھا۔ اور سال ڈیڑھ سال سے فکری اور دماغی قویٰ بھی تعطل کا شکار ہو رہے تھے۔ اب جبکہ آپ اپنے رب کے حضور جا پہنچے ہیں دعا ہے کہ اللہ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور جملہ لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور امت اسلامیہ کو اپنے کرم بے پایاں سے آپ کا نعم البدل مرحمت فرمائے۔ آمین۔

مولانا مرحوم ہندوستان و پاکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی ان یگانہ اور منفرد شخصیات میں سے ایک تھے۔ جن کی نظیر بس خال خال ہی منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ موصوف کی علمی خدمات سے برصغیر کا گوشہ گوشہ مستنیر ہے۔ اور دینی و تحقیقی ذوق رکھنے والے اردو اور عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ علوم شریعت میں آپ کی گہرائی اور تعمق کا کیا حال تھا۔ حدیث کی مشہور کتاب سنن نسائی اور ابو زہرہ کی تصانیف کے اردو تراجم، حیات امام احمد بن حنبل، حیات حضرت امام ابو حنیفہ اور حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر موصوف کے تعلیقات و حواشی اور مقدمہ و اضافات قابل دید شاہکار ہیں۔ تین برس تک "رحیق" کے نام سے آپ نے ایک ماہنامہ بھی جاری رکھا۔ جس کا ہر شمارہ ایک علمی دستاویز ہوا کرتا تھا۔ آپ کی چھوٹی بڑی اور بھی متعدد تصانیف ہیں، جن میں ذوق کی نفاست اور تحقیق کی بلندی ہر جگہ نمایاں ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے المکتبۃ السلفیہ قائم کر کے باصلاحیت افراد سے علمی، اصلاحی اور فنی کتابوں کی تیاری اور ان کی طباعت و اشاعت کا بھی ایک عمدہ اور بلند معیار قائم کیا جو اصحاب علم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

OCTOBER 1987

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

ہماری اردو مطبوعات

(۱) اہلحدیث اور سیاست	۴۰/—
(۲) قادیانیت اپنے آئینہ میں	۲۰/—
(۳) قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	۲۰/—
(۴) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	۱۸/—
(۵) " " " (حصہ دوم)	۱۵/—
(۶) کتاب الکبائر	۲۵/—
(۷) رسالت کے سایے میں	۱۶/—
(۸) اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	۳۵/—
(۹) " " " " (جلد دوم)	۳۵/—
(۱۰) " " " " (جلد سوم)	۵ /—
(۱۱) " " " " (جلد چہارم)	۵۴/—
(۱۲) سیرت ابن حزم اندلسی	۴۰/—
(۱۳) کمیونزم اور مذہب	۱۶/—
(۱۴) محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے	۵/—
(۱۵) اسلامی تربیت	۳۰/—
(۱۶) آپ بیتی	۳۰/—
(۱۷) حجیت حدیث	۳۵/—
(۱۸) عقیدۃ المؤمن	۲۰/—
(۱۹) نماز میں سورہ فاتحہ	۲۰/—
(۲۰) سلفی عقائد	۳۰/—
(۲۱) عظمت رفتہ	۲۰/—

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب، بنارس

PRINTED BY : ABDUL AUWAL ANSARI
AT SALAFIA PRESS, REORI TALAB, VARANASI.

مُحدّث

دار التالیف والترجمہ ریوڑی تالاب بنارس

★

عدد مسلسل ۵۸ ◎ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ ◎ نومبر ۱۹۸۷ء

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۱۱ • ربیع الاول ۱۴۰۸ھ • نومبر ۱۹۸۷ء • جلد ۵

برگ و بار

پتہ :-

دارالتالیف والترجمہ

، ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب

وارانسی

بدل اشتراک :-

• سالانہ : تیس روپے

• فی پرچہ : تین روپے

مردِ خدا کا یقیں

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو،
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

"اقبال"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رہروانِ راہِ حق

اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ اس کی اس سرزمین پر اس کے بندوں کی اصلاح و تزکیے، حق کی اقامت اور باطل کی سرکوبی کے لیے رہ رہ کر حق کے قافلے اٹھتے رہے اور دعوت و عزیمت اور فداکاری و جاں سپاری کے ایسے ایسے نمونے اور نقوش چھوڑ جاتے رہے جو مدتوں رہروانِ راہِ حق کے لیے مشعل تاباں اور قندیل ربانی کا کام دیتے رہے اور جن کی جگمگاہٹ، حوصلوں اور ولولوں کے لیے مہمیز کا کام دیتی رہی۔

شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ہندوستان کی سرزمین پر اصلاح و تجدید کا جو قافلہ نمودار ہوا۔ وہ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھا جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اس قافلۂ راہِ حق کی مساعی دعوت و اصلاح و تجدید زندگی کے ہر شعبہ میں اثر انداز ہوئیں۔ اور آج تک اس کی برکتوں کے مظاہر سے ہندوستان (متحدہ) کا چپہ چپہ معمور ہے۔

چودہویں صدی ہجری کے اختتام پر جب ہمارے جامعہ میں موتمر الدعوۃ والتعلیم کا انعقاد عمل میں آیا تو کوشش کی گئی کہ اہلِ علم اور اصحابِ ذوق کے لیے اس تحریک کے چند خاکے تیار کر دیے جائیں، جس سے اس تحریک کے اثرات کا (گو نامکمل ہی) ایک اجمالی نقش ابھر کر سامنے آجائے۔

اور اب جبکہ اسی ماہ نومبر کی ۲۲ / ۲۳ / ۲۴ / تاریخوں کو اسی قافلۂ دعوت و تجدید کے ایک نیر تاباں بلکہ امام احمد بن حنبلؒ کے بعد اس امت کے دوسرے سب سے بڑے صاحبِ عزیمت مجدد حضرت شیخ الاسلام کا امام ابن تیمیہؒ پر سیمینار منعقد ہونے جا رہا ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اس (مذکورہ) خاکہ کو محدث کے ایک خصوصی شمارہ کی شکل میں اصحابِ ذوق اور اہلِ علم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ موضوع کی مناسبت سے مرحوم صوفی نذیر احمد صاحب کاشمیری رحمہ اللہ کا ایک مضمون بھی سرنامے کی حیثیت سے درج ہے۔ واللہ الموفق وبیدہ الخیر۔ ...

امت اسلامی کا مخصوص طریق اصلاح

صوفی نذیر احمد کاشمیری مرحوم

خاتم الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ صرف دین کی بلکہ شریعت کی بھی تکمیل ہوئی ہے اور وہ چوں کہ عالم گیر دین و شریعت ہے اس لیے اس کا طریق اصلاح بھی متعین کر دیا گیا ہے اور وہ ہر ماحول میں قابل عمل ہے اس کے چار سادہ نکات ہیں کہ جو ایسے عام فہم ہیں کہ ہر عامی و بدوی بھی انھیں سمجھ سکتا ہے۔ یہ چار نکات حسب ذیل ہیں:-

(۱) اصلاح نفس: "یایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم"۔ "اے اہل ایمان! تم پر اپنے نفسوں کا (نارِ جہنم سے) بچانا فرض ہے، اگر تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" چوں کہ ہر انسان کو اللہ پاک نے اپنے نفس پر پورا قابو دے رکھا ہے۔ لہٰذا اُسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو نارِ جہنم سے بچائے۔ ساتھ ہی یہ بھی گارنٹی دی ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کو کبائر و صغائر سے بچائے ہوئے ہے تو کوئی گمراہ اسے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ "لن یضروکم الا اذیٰ"، "وہ (تمھارے مخالف) تمھیں نقصان تو نہیں پہنچا سکتے، صرف اذیت دے سکتے ہیں"۔ نافع جس طرح اللہ کی صفت ہے ضار بھی اسی طرح اس کی صفت ہے اور وہ اپنی سب صفات میں لاشریک ہے۔

۲۔ "یایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا" اے اہل ایمان اپنے نفسوں اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ"۔ چوں کہ اپنے نفس کے بعد انسان کا اپنے اہل و عیال پر قابو ہوتا ہے لہٰذا اپنے بعد انسان کا انھیں نارِ جہنم سے بچانا دوسرے درجے کا فرض ہے۔ بوقت ضرورت انسان ان سب سے قطع تعلق بھی کر سکتا ہے۔ "ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم"۔ "اے اہل ایمان تمھاری بیویاں اور تمھاری اولاد میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تمھارے دشمن ہو سکتے ہیں لہٰذا ان سے حذر کرو۔"

ایک حدیث میں بال بچوں کے ساتھ ان لوگوں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ جو کسی کے خاص انڈر میں ہوں ۔ ارشادِ نبوی ہے کہ ، کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ، تم میں سے ہر ایک راعی ہے لہٰذا اس سے اس کی رعایا کے متعلق بھی پوچھ گچھ ہو گی ۔

اصلاح معاشرہ کے یہ وہ دو نکات ہیں کہ جن پر تمام انبیاء کی امتوں کا یکساں عمل رہا ۔ یہ امت اسلامیہ پر بھی وہ فرض ہیں ۔ اسکے ضابطۂ عمل میں سب نبیوں کی امتیں شریک ہیں، کسی کو کوئی خصوصیت نہیں ہے ۔ البتہ امت اسلامیہ کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ جس میں اور کوئی امت ان کے ساتھ شریک نہیں ہے ۔

۳ ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر ۔

تم بہترین امت ہو جسے کائناتِ انسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے ۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمھارا مشن ہے چوں کہ حضرت خاتم الانبیاء کو اللہ پاک نے ساری کائناتِ انسانی کے لیے مبعوث فرمایا تھا ، وما ارسلناک الا کافۃ للناس ، ہم نے آپ کو ساری انسانیت کے لیے مبعوث فرمایا ہے ۔ لہٰذا آپ کی امت (کہ جو آپ ہی کی جانشین ہے) کو بھی یہی مقام حاصل ہے ۔ وہ سب کائناتِ انسانی کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ دینِ واحد پر جمع کرنے کے مشن سے وابستہ ہے اور اس کا ایک ایک فرد بقدر استطاعت دوسری اقوام کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے مامور ہے ۔ یہ حکم باقی امتوں کو حاصل نہیں ہے ۔

۴ ۔ معروف و منکر اور سیئۃ و حسنہ کا فرق : ، معروف و منکر ، اخلاقی اصطلاحیں ہیں اور ان کا رُخ خارج کی طرف ہے ۔ سچ ، جھوٹ ، ظلم و انصاف ، خودغرضی و ایثار وغیرہ کا تعلق سب کائناتِ انسانی کے ساتھ ہے اور ان کی اقامت کی ہر ہر مقام پر ہر وقت ضرورت رہتی ہے ۔ اور ملتِ اسلامیہ انھیں معروف و منکر کی تلقین کرتے ہوئے دوسری امتوں سے رابطہ قائم کرتی ہے اور پھر دین کے داخلی پہلو کی تلقین کرتے ہوئے اور معاشرے کو سارے تضادوں سے پاک کرتے ہوئے ایک ہم آہنگ معاشرہ بنا دیتی ہے ۔ سیئات و حسنات کا اسی داخلی اصلاح سے تعلق ہے ۔ اور جس طرح معروف و منکر کا تعلق سارے انسانی معاشرے کے ظاہر سے ہے سیئات و حسنات کا تعلق داخلِ امت سے ہے ۔ انھیں شرعی و دینی اصطلاحات کہا جاتا ہے ۔ ان کا تصور تمام امتوں میں جداجدا اور بعض صورتوں میں متضاد ہے ۔ اور معروفات و منکرات ساری انسانیت سے یکساں تعلق رکھتے ہیں ۔

۵ ۔ بہر حال امتِ اسلامیہ کا یہ آخری فریضہ (ساری کائناتِ انسانی سے مخاطبہ) صرف امت اسلامی کا

فرض ہے، اس میں دوسری کوئی امت اُن کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

اگرچہ بدھ ازم اور مسیحیت نے اپنے اپنے قومی دائروں سے باہر نکل کر باقی اقوام کو بھی اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کی اور آج بھی یہ کوششیں کر رہی ہیں، مگر یہ اُن کی اصلی تعلیم کا ہرگز حصہ نہیں ہیں۔ حضرت مسیح نے بار بار فرمایا ہے کہ ان کا ذمہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح ہے۔ خود بدھ ازم کی بھی یہی حالت ہے۔ اس کا مخاطبہ برہمن معاشرے یا زیادہ سے زیادہ آریائی معاشرے کی اصلاح ہے۔ جیسا کہ ان کی اس مختصر کتاب "دھم پد" سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بدھ ازم کا تعارف کرانے کے لیے نہ معلوم کس زمانے میں لکھی گئی تھی۔ یہ خود مہاتما بدھ کے الفاظ میں لکھی گئی ہے، اس کے اٹھارہ باب ہیں اور اٹھارویں باب کا نام ہی "برہمن" ہے۔ اور اس کا دائرہ برہمن معاشرے تک ہے، اور بیچ بیچ میں "آریہ" کا لفظ بھی آگیا ہے۔

بہرحال سارے عالم انسانی کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ ایک دائرہ کی طرف لانا امت اسلامی کے ہر ہر فرد کا فرض ہے۔ یہ مجموعی فرض ہے، انفرادی فرض نہیں۔

ہماری جماعت تبلیغ بستی نظام الدین کا تعلق صرف اصلاح نفس کے دو نکات سے ہے۔ اپنے نفس کو نارِ جہنم سے بچانا، اور اپنے اہل و عیال و متعلقین کو نارِ جہنم سے بچانے تک۔ انھوں نے اپنے مشن کو محدود رکھا ہے اور وہ بھی اصولِ ستہ (جنہیں مولوی الیاس صاحب بانی جماعت نے خود مقرر کیا تھا) کے ذریعہ۔ اسلام کی پنج بناؤں کو ذریعہ نہیں بنایا گیا۔ لہٰذا اُس نے دین کے نام پر امت میں ایک حرکت تو پیدا کر دی ہے، مگر ایک تو وہ "اخرجت للناس" کے پہلو کو یکسر نظر انداز کر رہی ہے اور داخلی اصلاح کے معاملے میں بھی وہ خود ساختہ چھ نئی بنیادوں پر تنظیم امت کر رہی ہے۔ مسلمہ پنج بنائے اسلام میں سے اس نے کلمہ طیبہ اور نماز کو لے لیا ہے اور باقی تین کے بجائے خود معین کیے ہوئے چار اصول لکھ لیے ہیں۔ لہٰذا اصل اور صحیح تنظیم امت کے لیے وہ ایک خطرہ بن سکتی ہے۔

کرنے کا اصل کام: ان حالات میں اصلی کام یہ ہے کہ ایک طرف تو ساری کائناتِ انسانی کو دعوتِ اسلام دی جائے، دوسری طرف اندرونی اصلاحِ امت کی مقررہ بناؤں کو پھر سے متحرک کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ بنگلور میں ہونے والے اجلاس عام میں ان دونوں کاموں کا آغاز کیا جا سکتا ہے مگر یہ اجمالی آغاز ہوگا اور اسے ساری امت کے لیے عالم گیر انداز پر معین کرنا اور چلانا علمائے امت کی ایک عالمگیر اسمبلی کا کام ہوگا۔

ایک مثال: عیسائیت نے کوئی ۲۰ یا ۲۲ برس پہلے ایسا ہی اپنا ایک تجدیدی اجلاس کیا تھا۔ اس میں ساڑھے چار ہزار پادریوں کے باہمی مشورے سے ایک طرف تو اپنی اندرونی اصلاح کے لیے، اور دوسری طرف دوسرے ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ اپنے رابطے کی نوعیت کو معین کرنے کے لیے ایک خاکہ تیار کیا تھا۔ اس اجلاس کی ساری کی ساری روداد از ابتدا تا انتہا علمائے امت کو ملاحظہ کرنی ہوگی۔

میں نے اسے پوری دقت نظر سے پڑھا ہے اور اس نتیجے پر پورے وثوق سے پہنچا ہوں کہ اس اجلاس نے ساری عیسائی دنیا کے لیے مسلمان ہونے کا راستہ صاف گو غیر شعوری طور پر کھول دیا ہے۔ بشرطیکہ مسلم علماء اسے صرف مناظرے کے انداز پر نہ سوچیں بلکہ اصلاح بین الناس کی کوشش قرار دیں۔

دو باتیں: اس اجلاس نے دو باتیں تو ایسی کی ہیں کہ جو عیسائی دنیا کے مسلمان ہونے کے لیے چوپٹ سب دروازے کھول دیتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس اجلاس کے بعد پوپ نے اعلان کیا ہے کہ سب عیسائی دنیا کے اتحاد کے لیے پوپ کے عہدے کو اُڑا دیا جا سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ سب اہل کتاب کے اتحاد کے لیے حضرت مسیح کی امامت کے بجائے حضرت ابراہیمؑ کی امامت پر اجماع کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ سب اہل کتاب حضرت ابراہیم کو اپنا امام مانتے ہیں۔

ان دونوں باتوں کو مان لینے کے بعد عیسائی دنیا کے مسلمان ہونے کا دروازہ کھل جاتا ہے

بقیہ ص ۳۹ کا:

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۶۷	مولانا عبدالغفار حسن رحمانی		حاشیہ ابی داؤد، انتخاب حدیث، مذاکرہ فی دراسۃ السنۃ،
۶۸	مولانا عبدالصمد شرف الدین بھیمڑی		تحقیق وتعلیق تحفۃ الاشراف للمزی، الکشاف عمانی تحفۃ الاشراف، تحقیق السنن الکبری للنسائی،

تحریک اہلحدیث کے چند اہم کارنامے

(۱) اس تحریک کی برکت سے تقریباً نصف لاکھ غیر مسلم مسلمان ہوئے اور بے شمار افراد نے صحیح عقیدہ و عمل کی ہدایت پائی، آج برصغیر میں شہیدین سے وابستگی رکھنے والوں کا اندازہ بارہ کروڑ افراد کا ہے،

(۲) فقہی جمود اور کورانہ تقلید کا طلسم ٹوٹ گیا، پہلے قرآن و حدیث سے براہ راست استنباط کو ناروا حسبات بلکہ حرام سمجھا جاتا تھا، لیکن اس تحریک کی برکت سے اب یہ حال ہے کہ قرآن و حدیث کے حوالہ کے بغیر کوئی بات لائق اعتبار نہیں سمجھی جاتی،

(۳) پورے ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون کا دریا موجزن ہوگیا، اور دنیا اس تحریک کی علمی برتری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئی،

(۴) ایسے بے شمار مدارس وجود میں آگئے جہاں سے یونان کے بے سوز و ساز عقلیت کے بجائے قال اللہ اور اخبرنا اور حدثنا کے اٹھنے والے پرسوز لاہوتی نغمات نے فضا کو مترنم کردیا،

(۵) قرنہا قرن کے بعد نادر و نایاب کتابیں منظر عام پر لائی گئیں،

(۶) اصول دین، تفسیر، شروح احادیث اور دیگر فنون میں بیش بہا کتابیں تصنیف کی گئیں،

(۷) مسلمانوں کے معاشرہ سے بہت سی بدعات، غیر اسلامی طور و طریق اور ہندوانہ رسوم کا خاتمہ کیا گیا،

(۸) دین اسلام کے بہت سے متروک و مہجور شعار زندہ کئے گئے، مثلاً دیہاتوں میں جمعہ اور عیدین کا

اہتمام، فریضہ حج و عمرہ کی ادائیگی کی ترغیب و ترویج،

(۹) ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی قطعاً متروک کر دیا تھا، جو مسلم سماج میں سخت مفسدہ کا سبب تھا، اس تحریک نے اس رسم بد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا،

(۱۰) خدا پرست داعیان دین کی ایک ایسی قدوسی جماعت وجود میں آئی جس کی نظیر صحابہ کے بعد امت میں مشکل ہی سے ملے گی، دنیا نے ان کی بدولت ایک مرتبہ پھر ٹھیٹھ اسلامی معاشرہ کا پر جمال نقشہ دیکھ لیا،

(۱۱) جہاد کی جو آگ صدیوں سے ٹھنڈی پڑ چکی تھی وہ ایک مرتبہ پھر بھڑک اٹھی اور اس کے نتیجہ میں دو مرتبہ خالص اسلامی حکومت قائم ہوئی جہاں زندگی کے ہر میدان میں اسلامی قانون کی حکمرانی تھی،

(۱۲) بنگال میں مسلمان اقلیت میں تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان کی اکثریت ہو گئی،

(۱۳) اس تحریک کے علمبرداروں نے شدھی تحریک، عیسائی مشن اور قادیانی مشن کا نہایت موثر اور کامیاب مقابلہ کیا اور تمام اسلام دشمن تحریکوں کا زور توڑ کر رکھ دیا،

(۱۴) یہ تحریک سرحد پر سکھ اور برطانوی سامراج کے دباؤ میں بہت کچھ تخفیف کا ذریعہ بنی،

تحریک اہلحدیث منزل بہ منزل

تیرہ سو سالہ اسلامی ہند کی سب سے پہلی، سب سے عظیم اور خالص ترین اسلامی تحریک کے نشیب و فراز

کا

اجمالی خاکہ

ہندوستان میں اسلام کی آمد اور فروغ (از خلافت راشدہ تا ۱۱۴۵ھ)

- لنکا اور مالابار کے راستہ اسلام کی شعاعیں پہلی بار عہد خلافت راشدہ میں ہندوستان پہونچیں، پھر ۹۵ھ تک محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا، بعد ازاں ۳۹۲ھ سے ۶۵۰ھ تک کے عرصہ میں غزنوی اور دیگر مسلم حکمرانوں نے پورا ہندوستان فتح کر ڈالا،

- فتح سندھ کے وقت اسلام اپنی خالص ترین شکل میں تھا، پھر رفتہ رفتہ بدعات اور غیر اسلامی رسوم پیدا ہونی اور جڑ پکڑتی گئیں، حتیٰ کہ مغل حکمران اکبر کے دور تک تاریکی و گمراہی آخری حدوں کو چھو گئی، یہ درحقیقت اسلامی ہند کی ضلالت کبریٰ کا دور تھا،

- اس پورے عہد میں وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششیں بھی ہوئیں اور ان کے اچھے اثرات بھی محسوس کیے گئے، لیکن ہندوستانی مسلمان صوفیانہ خرافات وبدعات اور گمراہی وفساد کے جس راستہ پر چل پڑے تھے اس سے ان کا رخ موڑا نہ جا سکا،

- آخری دور میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ ، ۱۰۳۴ھ) نمودار ہوئے اور اکبر کی بدعات اور تصوف کی گمراہیوں پر کاری ضرب لگائی،

تحریک اہلحدیث کا تمہیدی مرحلہ

شاہ ولی اللہ اور ان کے تلامذہ کا دور (۱۱۴۵ھ ، ۱۲۳۳ھ)

- شاہ ولی اللہ رح (۱۱۱۴ھ ، ۱۱۷۶ھ) نے بے لاگ تحقیق وتنقید سے اسلامی معاشرے وانتشار اور امت کے فکری زوال کے ایک ایک سبب کا کھوج لگایا اور ہمہ گیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے تمام ذرائع کی نشاندہی کر کے تجدید واحیائے دین کی داغ بیل ڈالی اور اپنے تلامذہ اور خواص کی ایک جماعت تیار کر دی جنہوں نے آپ کے بعد آپ کے تجدیدی کاز کو آگے بڑھایا،

- اخیر میں آپ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید نے دہلی کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر دعوت واصلاح امت کا ہنگامہ مچا دیا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ھادی "زمیں ہند کی، جس نے ساری ہلا دی

دعوت کبری کا دور اور مقدس اسلامی جہاد کا اجراء

شہیدین رحمہما اللہ کا عہد سعید (۱۲۳۳ھ ، ۱۲۴۶ھ)

- ۱۲۳۳ھ میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے زیر قیادت ملک گیر پیمانے پر ہمہ گیر اصلاح

انقلاب کے لئے منظم دورے اور زبردست تگ ودو کا آغاز ہوا اور دیکھتے دیکھتے بنگال کی سرحد سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش وعمل کا دریا موجیں مارنے لگا۔

سنہ ۱۲۴۲ھ میں شہیدین ایک منظم گروہ کے ساتھ نہایت دشوار گذار علاقوں سے گذر کر صوبہ سرحد پہونچے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی جہاد شروع کر دیا، ایک خالص اسلامی حکومت کی بنیاد بھی استوار کی، بالآخر ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ کو رزم گاہ بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا،

دعوت اور جہاد کی تنظیم جدید

سنہ ۱۲۴۶ھ ، سنہ ۱۲۷۴ھ

مولانا نصیر الدین منگلوری، شیخ ولی محمد پھلتی، سید نصیر الدین دھلوی، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی

کا دور

حادثۂ بالاکوٹ کے بعد اول الذکر دو افراد نے سرحد میں جہاد کا سلسلہ جاری رکھا اور آخر الذکر تین افراد نے درون ملک دعوت اور فراہمی مجاہدین کا کام منظم کیا، پھر مختلف اوقات میں سرحد پہونچے اور سرگرم جہاد کے بعد شہادت یا وفات پائی۔ آخر الذکر دو بزرگوں کے ہاتھوں میں کچھ دنوں کے لئے ایک بار پھر اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی

دعوت وجہاد کے ساتھ علمی ہماہمی کا دور

سنہ ۱۲۷۴ھ ، سنہ ۱۳۲۴ھ

سید نذیر حسین محدث دہلوی، شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی، نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال، امیر المجاہدین مولانا عبد اللہ عظیم آبادی،

اول الذکر تین بزرگوں کی بدولت کتاب وسنت کی تدریس وتالیف، نشر واشاعت اور دعوت

و تبلیغ کی وہ دھوم مچی کہ دورِ اول کی یاد تازہ ہوگئی، جہاد کا داخلی نظم بھی انہیں کے ہاتھ رہا، آخرالذکر نے سرحد پر مجاہدین کی پرعزم قیادت فرمائی،

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا دورِ اول

۱۳۲۴ھ ، ۱۳۶۶ھ

یہ دعوت و تبلیغ کا ایک نیا نظم تھا، اس کے تحت علمی دھوم دھام اور مثبت دعوت و تبلیغ کے ساتھ بدعت، قادیانیت، بہائیت، شدھی تحریک، عیسائی مشن وغیرہ کی صورت میں امت کے خلاف اٹھنے والے خوفناک طوفان کا پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور علمائے اہلحدیث کی علمی انفرادیت سے اس دور کی فضا بھی گونجتی رہی،

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا دورِ ثانی

۱۳۶۶ھ ، ۱۴۰۸ھ

تقسیم ملک کے ہنگاموں کے نتیجہ میں کئی برس تک کانفرنس کی تگ و دو ٹھپ رہی، اس کے بعد رفتہ رفتہ تنظیم، شیرازہ بندی، مدارس کے اجراء، نصاب کی تیاری، جلسوں اور تبلیغی اجتماعات وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا جو بحمداللہ روبہ ترقی ہے۔

تحریک اہلحدیث اور اسلامی جہاد

سرزمین ہند میں پہلی بار کفر واستعمار کے خلاف خالص اسلامی جہاد کا آغاز سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کے زیر علم ۱۲۴۲ھ میں ہوا، اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے سوا سو سال (آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء / ۱۳۶۷ھ) تک اس کا سلسلہ جاری رکھا، ذیل میں امرائے جہاد اور سپہ سالاروں کی ایک سرسری فہرست دی جا رہی ہے۔

نمبر شمار	امیر یا سپہ سالار مجاہدین		امارت یا کمانڈری کی تاریخ		مجموعی مدت	امیر یا سپہ سالار کا مرکزی مقام
۱	سید احمد شہید	(امیر)	۱۲۳۳ھ	۱۲۴۶ھ	۱۳ سال	رائے بریلی ، پنجتار
۲	شاہ اسماعیل شہید	(کمانڈر)	″	″	″	دہلی ″ ″
۳	شیخ ولی محمد پھلتی	(امیر)	۱۲۴۶ھ	۱۲۵۲ھ	۷	پنجتار ، جسی کوٹ ، ستھانہ
۴	مولوی نصیرالدین منگلوری	(کمانڈر پھر امیر)	۱۲۴۶ھ	۱۲۵۴ھ	۸	″ ″ ″

نمبر شمار	امیر یا سپہ سالار مجاہدین	امارت یا کمانڈری کی تاریخ	مجموعی مدت	امیر یا سپہ سالار کا مرکزی مقام
۵	میر اولاد علی عظیم آبادی (بار اول، امیر و کمانڈر)	۱۲۵۴ھ ۱۲۵۵ھ	ایک سال	ستھانہ
۶	سید نصیر الدین دہلوی (〃)	۱۲۵۵ھ ۱۲۵۶ھ	۱	〃
۷	میر اولاد علی (بار دوم - 〃	۱۲۵۶ھ ۱۲۶۱ھ	۵	〃
۸	مولانا عنایت علی عظیم آبادی (بار اول 〃)	۱۲۶۱ھ ۱۲۶۲ھ	۱	بالاکوٹ، فتح گڑھ (اسلام گڑھ)
۹	مولانا ولایت علی عظیم آبادی (〃 〃)	۱۲۶۲ھ ۱۲۶۳ھ	۱	〃
۱۰	میر اولاد علی (بار سوم - 〃)	۱۲۶۳ھ ۱۲۶۷ھ	۴	ستھانہ
۱۱	مولانا عنایت علی بار دوم 〃)	۱۲۶۷ھ ۱۲۶۹ھ	۳	〃
۱۲	مولانا عنایت علی (〃 〃)	۱۲۶۹ھ ۱۲۷۴ھ	۵	〃 منگل تھانہ، نارنجی
۱۳	شیخ نور اللہ شاہ اکرام اللہ میر تقی } اماراتی کونسل	۱۲۷۴ھ ۱۲۷۵ھ	۱	〃 ملکا

نمبر شمار	امیر یا سپہ سالار مجاہدین		امارت یا کمانڈری کی تاریخ		مجموعی مدت	امیر یا سپہ سالار کا مرکزی مقام
۱۴	مولانا مقصود علی عظیم آبادی	(امیر و کمانڈر)	۱۲۷۵ھ	۱۲۷۸ھ	۳ سال	ملکا
۱۵	مولانا عبداللہ عظیم آبادی	(")	۱۲۷۸ھ	۱۳۲۰ھ	۴۲	" گلونوبوڑی، پلولی، ٹیلوائی
۱۶	مولوی عبدالکریم عظیم آبادی	(")	۱۳۲۰ھ	۱۳۳۳ھ	۱۳	اسمست
۱۷	مولوی نعمت اللہ عظیم آبادی	(")	۱۳۳۳ھ	۱۳۳۹ھ	۶	"
۱۸	مولوی رحمت اللہ عظیم آبادی	(")	۱۳۳۹ھ	۱۳۶۷ھ	۲۹	"
۱۹	مولانا محمد بشیر	(کمانڈر)	۱۳۳۴ھ	۱۳۵۳ھ	۲۰	چمرکنند
۲۰	مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی	(")	۱۳۵۳ھ	۱۳۶۷ھ	۱۴	"

مجاہدات شہیدین

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے مسلمانان ہند میں دینی حمیت، اسلامی ولولہ، جوش جہاد اور شوق شہادت کی روح پھونکنے کے بعد سرزمین تطہیر اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ۱۲۴۲ھ میں رائے بریلی سے ہجرت کی اور تقریباً پونے دو ہزار میل کا طویل، پرپیچ اور پرمشقت ریگستانی پہاڑی راستہ طے کر کے سرحد آزاد پہونچے اور پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف زبردست جہاد شروع کر دیا بالآخر اسی راہ میں ۲۴ر ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ بالاکوٹ کے میدان میں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے،

مجاہدات کی فہرست حسب ذیل ہے

مجاہدات	کمانڈر	تاریخ	تعداد مجاہدین	تعداد دشمن	نتیجہ و کیفیت
جنگ اکوڑہ	اللہ بخش خاں موراتوی	جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء	۹۰۰	۹۰۰۰	سات سو سکھ مارے گئے، ۸۲ مجاہدین شہید ہوئے
جنگ بازار	سید انور شاہ امرتسری	،،	۱۰۰		سکھ حملہ آور مار بھگائے گئے،
جنگ شیدو	شاہ اسماعیل شہید	۱۲۴۲ھ ۱۸۲۷ء			درانی سردار یار محمد کی غداری کے سبب مسلمانوں کی فتح

نمبر شمار	مجاہدات	کمانڈر	تاریخ	تعداد: مجاہدین	تعداد: دشمن	نتیجہ و کیفیت
۴	ڈمگلہ پر یورش	سید محمد مقیم رامپوری	اکتوبر ۱۸۲۷ء	۴۰۰	۶۰۰۰	تین سو سکھ مارے گئے، چند غازی شہید ہوئے،
۵	جنگ شنکیاری	شاہ اسماعیل شہید	〃	۴۰		ڈھائی سو سکھ مارے گئے، باقی بھاگ گئے،
۶	جنگ اوتمان زئی	سید احمد شاہ اسماعیل شہیدین	ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۸ء		۴۰۰۰	کامیاب شبخون مارا گیا،
۷	دفاع پنجتار	مولوی خیر الدین شیر کوٹی	۱۲۴۴ھ	۳۰۰		جنرل ونتورا کی قیادت میں سکھ حملہ آور ہوئے لیکن ناکام گئے،
۸	〃	سید احمد شہید	ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء	۲۵۰۰	۱۰۰۰۰	〃 〃 〃 〃 〃
۹	جنگ ہنڈ	شاہ اسماعیل شہید	۷ صفر ۱۲۴۵ھ ۸ اگست ۱۸۲۹ء	۳۵۰		ہنڈ کے قلعہ پر غازیوں نے قبضہ کر لیا،
۱۰	دفاع ہنڈ	〃	〃			ہر یورش ناکام ہوئی،
۱۱	جنگ زیدہ	〃	۵ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ ۴ ستمبر ۱۸۲۹ء	۷۰۰	۱۰۰۰۰	تین سو دشمن مارے گئے، دو غازی شہید ہوئے بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا،
۱۲	جنگ تربیلہ	سید احمد شہید	۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء			متعدد جھڑپیں ہوئیں، سکھوں کا خاصا نقصان ہوا،
۱۳	ہنڈ پر دشمن کا حملہ	اخوند ظہور اللہ	〃	۶۰		دشمن نے فریب امان دے کر مجاہدین کو گرفتار کر لیا لیکن وہ ہمت و استقامت و تدبیر سے بچ نکلے۔

نمبر شمار	معرکات	کمانڈر	تاریخ	تعداد مجاہدین	تعداد دشمن	نتیجہ و کیفیت
۱۴	عشرہ وامب کی جنگیں	شاہ اسماعیل شہید	شوال ۱۲۴۵ھ مارچ ۱۸۳۰ء			عشرہ، کوٹلہ اور امب پر مجاہدین قابض ہوے ،
۱۵	جنگ پھولڑہ	سید احمد علی	ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ			سکھوں نے اچانک شبخوں مارا ، فریقین کا خاصا جانی نقصان ہوا ،
۱۶	کھلابٹ پر چڑھائی	قاضی سید حبان	۱۸۳۰ء			معمولی زد و خورد کے بعد پورا علاقہ مطیع ہو گیا ،
۱۷	ہنڈ پر حملہ	رسالدار عبد الحمید خاں		۳۰۰	۷۰۰	سکھ خوفزدہ ہو کر قلعہ خالی کر گئے ، کثیر رسد ہاتھ آئی ،
۱۸	جنگ ہوئی	قاضی سید حبان	۱۸۳۰ء	۹۰۰		ہوئی کی گڑھی پر مجاہدین قابض ہوئے
۱۹	جنگ مردان	شاہ اسماعیل شہید	"			خاصی جنگ کے بعد " "
۲۰	جنگ مایار	سید احمد شہید "	"	۳۵۰۰	۱۲۰۰۰	درانی شکست کھا کر بھاگ گئے
۲۱	پشاور پر پیشقدمی	" "	"			درانیوں نے صلح کر لی
۲۲	شہداء کا قتل عام		نومبر دسمبر ۱۸۳۰ء			باشندگان سمہ نے خفیہ سازش کر کے اچانک متفرق غازیوں کا قتل عام کر دیا
۲۳	جنگ مظفر آباد	مولوی خیر الدین شیر کوٹی	ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ	۳۰۰		سکھوں سے جھڑپ ہوئی ،
۲۴	مشہد بالاکوٹ	سید احمد شہید شاہ اسماعیل شہید	۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء	۶۰۰		سید احمد اور شاہ اسماعیل سمیت بہت سے مجاہد شہید ہوئے اور جہاد و دعوت کا ایک باب ختم ہوا ،

سواسو سالہ جہاد مسلسل

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کے حادثۂ بالاکوٹ سے تحریک جہاد کو کاری ضرب لگی، لیکن جہاد کو
کامیاب اور مفید سلسلہ آزادیٔ ہند تک جاری رہا ،

فہرست مجاہدانہ حسب ذیل ہے

مولانا نصیر الدین منگلوری، شیخ ولی محمد پھلتی کا دور ۱۲۴۶ھ، ۱۲۵۴ھ

۱	طلبعہ درہ کونش	محمد لبشیر	۱۸۳۱ء		
۲	بغہ پر شبخوں	محمد حسن	ستمبر ۱۸۳۱ء	۶۰/۲۰۰	
۳	جبوڑی پر شبخوں		۱۸۳۲ء	۱۰۰	
۴	جنگ درہ بالی منگ	مولوی نصیر الدین منگلوری	۱۸۳۲ء	تقریبا ۲۰۰	۷۰۰
۵	قلعہ ببر گھنڈ پر یورش	پائندہ خاں، مولوی نصیر الدین		۱۵۰/۲۳۰	۴۰۰۰
۶	جنگ ملک پور	امان اللہ خاں لکھنوی		۵۰/۲۰۰	۴۰۰۰
۷	دبشیبوں کی جنگ	مولوی نصیر الدین منگلوری		۴۰۰	۴۰۰۰
۸	گجبوڑی پر شبخوں	"		۲۰۰	۹۰۰۰
۹	الائیوں کا حملہ (دفاع مرکز)	"		۴۰۰	۹۰۰۰
۱۰	سیچوں میں جھڑپ	"		کچھ/۱۲۵	۳۰۰۰

۱۱	پنجول	مقیم خاں ساکن کالا باغ			
۱۲	جنگ اچھڑیاں	〃		۱۵۰	۹۰۰
۱۳	دبشیوں کا حملہ (دفاع مرکز)	مولوی نصیر الدین، مہندا، جمعدار			
۱۴	سامان رسد لانے والے سکھوں پر چھاپا پھگوڑا کے پاس	عبد الغفار خاں			
۱۱	بلند کوٹ پر شبخوں	مولوی نصیر الدین منگلوری			
۱۰	گجبوڑی پر دھاوا	سید مبر خاں		۶۰	۲۰۰۰
۱	جبڑ پر حملہ	مقیم خاں ساکن کالا باغ		۲۰۰	
۱	چھیلے پر چھاپہ	ملا لعل محمد قندھاری		۲۵۰	۹۰۰۰
۱	کوٹ کے مجاہدین پر سکھوں کا حملہ	مقیم خاں		۱۲۰	
۱	جنگ بٹلوں	مولوی نصیر الدین	سنہ ۳۴	۴۰۰	۵۰۰۰
۱	الائی پر دو چھاپے	مقیم خاں	〃	۴۰۰	۵۰۰۰
۲	جنگ منارہ و ٹوپی	مولوی نصیر الدین منگلوری	۱۸۳۸ سنہ ۱۲۵۴		

سندھ، افغانستان میں سکھ اور انگریز کے خلاف سید نصیر الدین دہلوی کے کارنامے

سنہ ۱۲۵۳، سنہ ۱۲۶۳

۱	روجھان کی جنگ	سید نصیر الدین دہلوی	نومبر ۱۸۳۷ شعبان ۱۲۵۳		×
۲	کن کی جنگ	〃	〃		
۱	بھمک میں تعاقب	〃	دسمبر ۱۸۳۷ رمضان ۱۲۵۳		×

۲۶	جنگ غزنی میں شرکت (پہلے کی جنگوں میں بھی) (امیر دوست محمد کی اعانت کے لئے)		جولائی ۱۸۳۹ء	۱۰۰۰		●

مولانا ولایت علی مولانا عنایت علی مولانا عبداللہ مولانا عبدالکریم کا دور

سنہ ۱۲۶۷ھ سنہ ۱۳۳۳ھ

۲۷	بالاکوٹ	مولانا عنایت علی	ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ دسمبر ۱۸۴۵ء			
۲۸	گڑھی حبیب اللہ خاں	"	محرم ۱۲۶۲ھ			
۲۹	مظفرآباد	مولوی منصور علی	۱۲۶۲ھ	۲۵۰		
۳۰	فتح گڑھ	مولانا عنایت علی	ربیع الاول ۱۲۶۲		۶۰۰۰	
۳۱	نواں شہر	"	۱۲۶۲			
۳۲	شنکیاری	"	"			
۳۳	بیر کھنڈ	"	"			
۳۴	درہ دب کی جنگ	مولانا ولایت علی	جنوری ۱۸۴۷ء		تقریباً ۱۲۰۰	●
۳۵	عشرہ و کوٹلہ پر شبخوں	مولانا عنایت علی	سنہ ۱۲۶۱ ۲۰ ذی الحجہ ۳ دسمبر ۱۸۴۵ء			
۳۶	امب پر شبخوں	طرہ باز خاں	۲۴ ؍ ؍ "			×
۳۷	امب پر دوسری جنگ	مولانا عنایت علی	جنوری ۱۸۵۳	۲۵۰		●
۳۸	سمہ پر شبخوں	"	۲ جولائی ۱۸۵۷			
۳۹	شیخ جانا اور شیوہ شبخوں	شفیع محمد	۱۸۵۷	۴۰		

۴۰	نواکلئی اور شیخ جانا میں دفاعی جنگ	مرزا محمد رسالدار آفریدی	۱۸۵۷ء	۳۲۰		●
۴۱	نارنجی کا دفاع	مولانا عنایت علی	۲۱ جولائی ۱۲۷۳ ۱۸۵۷	۶۵۰		●
۴۲	〃 دوسری بار		۱۱ ذی الحجہ ۱۲۷۳ یکم اگست ۱۸۵۷			●
۴۳	شیخ جانا پر شبخون	مولوی شریعت اللہ	اکتوبر ۱۸۵۷			
۴۴	شاہ نور لڑی کی جنگ	شاہ اکرام اللہ		۶۰ مجاہد اور کچھ مقامی	۱۰۵۰	●
۴۵	چنکلئی پر شبخون		۱۸۶۳			
۴۶	جنگ امبیلا (آٹھ جنگیں)	مولانا عبداللہ عظیم آبادی صرف مجاہدین کے امیر تھے، شہزادہ مبارک شاہ، ناصر محمد، کلیم الدین	۱۸۶۳	طرفین کا مجموعی لشکر ۷۵۰۰۰		●
۴۷	کوہ سیاہ کی مہم (۱)	امیر عبداللہ	اکتوبر ۱۸۶۷	مجاہد و قبائل ۱۰۷۰		
۴۸	〃 (۲)	〃	〃 ۱۸۸۸	قبائلی/۱۲۰	۱۲۰۰۰	●
۴۹	〃 (۳)	〃	مارچ ۱۸۹۱	〃	۶۳۰۰	●
۵۰	غازی کوٹ	〃	〃			●
۵۱	مجاکوٹ	مولانا عبداللہ	〃			×
۵۲	ملاکنڈ	امیر عبداللہ	۱۸۹۷	قبائلی ۱۰۰/۱۵۰۰	۲۰۰۰ سے زیادہ	

امیر نعمت اللہ، امیر رحمت اللہ، مولانا محمد بشیر اور مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا دور

(صلح وجہاد کا نشیب وفراز) سنہ ۱۳۳۳ھ، سنہ ۱۳۶۷ھ

۵۳	کیمپ رستم پر حملہ		اگست ۱۹۱۵ء شوال ۱۳۳۳ھ		
۵۴	″ دوسرا حملہ		″		
۵۵	″ تیسرا حملہ		″		
۵۶	″ چوتھی جنگ		″		۵۰۰۰
۵۷	نتھیا گلی کا حملہ		۱۹۱۷ء		
۵۸	جہاد کشمیر	امیر رحمت اللہ مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی	۱۹۴۷ ۱۹۴۸		

نوٹ! نتیجہ کے خانہ میں جن واقعات اور جنگوں کے سامنے کوئی نشان نہیں، ان واقعات اور جنگوں میں مجاہدین کو کامیابی اور فتح حاصل ہوئی، جن واقعات کے بالمقابل کٹا نشان (×) ہے ان میں کسی فریق کو غلبہ حاصل نہ ہوا، یعنی جنگ غیر منفصل رہی، اور جن واقعات کے سامنے گول نشان (●) ہے ان میں مخالف فریق کو کامیابی ہوئی اور مجاہدین کو چھوٹے یا بڑے پیمانے پر نقصان یا شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

جماعت اہلحدیث ہند کی تفسیری خدمات

اکابر مفسرین اور ان کے زندہ جاوید کارناموں کی فہرست

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۱	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	۱۱۷۶ھ	"فتح الرحمن" قرآن مجید کا فارسی ترجمہ، ایک اہم عربی تعلیق، "فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر" الفوز الکبیر فی اصول التفسیر"، "مقدمہ قوانین الترجمہ" "الزہراوین"، "تاویل الاحادیث"
۲	شیخ رفیع الدین مراد آبادی	۱۲۱۸ھ	"افادات عزیزیہ" (شاہ عبد العزیز رح کے تفسیری اقوال کا مجموعہ)
۳	شیخ عبد الباسط قنوجی	۱۲۲۳ھ	"عجیب البیان فی اسرار القرآن"، تفسیر ذو الفقار خانی (ناقص)
۴	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ	"التفسیر المظہری" (۷ جلدیں بزبان عربی)
۵	شاہ عبد القادر دہلوی	۱۲۳۰ھ	ترجمہ قرآن مع حاشیہ "موضح القرآن"

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۶	شاہ رفیع الدین دہلوی	۱۲۳۳ھ	ترجمۂ قرآن مع حاشیہ، تفسیر آیۃ النور، تفسیر رفیعی ۱۲۰۵
۷	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ	تفسیر فتح العزیز (فارسی ۲ حصے) کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر کی تھی،
۸	مولانا عبدالحئی بڑھانوی	۱۲۴۲ھ	غریب القرآن
۹	سید احمد شہید رح	۱۲۴۶ھ	تفسیر سورۂ فاتحہ
۱۰	مولانا سخاوت علی جونپوری	۱۲۴۷ھ	الناسخ والمنسوخ، معرفۃ اوقات الصلوٰۃ من القرآن
۱۱	قاضی محمد بدرالدولہ مدراسی	۱۲۸۰ھ	ترجمۂ قرآن مع تفسیر (ناقص)
۱۲	مولانا غلام رسول قلعوی	۱۲۹۱ھ	تفسیر سورہ فاتحہ
۱۳	مولانا سعیدالدین بنارسی	۱۲۹۲ھ	لغات القرآن
۱۴	مولانا محمد بن عبداللہ الغزنوی	۱۲۹۶ھ	حاشیۂ تفسیر جامع البیان
۱۵	مولانا حیدر علی فیض آبادی	۱۲۹۹ھ	تکملۂ تفسیر فتح العزیز (۲۷ جلدیں)
۱۶	مولانا بخشش احمد براکری بہاری	۱۳۰۴ھ	تفسیر قاضی پوری
۱۷	مولانا بدیع الزماں لکھنوی	۱۳۰۴ھ	فتح المنان فی لغات القرآن، مرآۃ الایقان فی قصص القرآن
۱۸	مولانا علیم الدین نگرنہسوی	۱۳۰۶ھ	تفسیر القرآن الکریم
۱۹	مولانا غلام علی قصوری		قرآن کے بعض پاروں کی تفسیر

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۲۰	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رح	۱۳۰۷ھ	فتح البیان فی مقاصد القرآن (۷ جلدیں) ترجمان القرآن بلطائف البیان (۱۵ جلدیں) تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ واربع قل، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، اکسیر فی اصول التفسیر
۲۱	مولانا عبید اللہ پائلی	۱۳۱۰ھ	اقتباس الانوار من کلام الغفار
۲۲	حکیم مظہر علی السہسوانی	۱۳۱۲ھ	مظہر البیان (تفسیر سورہ فاتحہ)
۲۳	مولانا محمد بن بارک اللہ لکھوی	۱۳۱۲ھ	تفسیر محمدی (منظوم، بزبان پنجابی)
۲۴	مولانا ابو محمد ابراہیم آروی بہاری	۱۳۱۹ھ	تفسیر خلیلی (پارہ ۱ - ۲ - ۲۹ - ۳۰) تفسیر ابن کثیر پارۂ اول کا ترجمہ
۲۵	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی	۱۳۲۰ھ	ترجمہ قرآن مع حواشی، تفسیر مطالب القرآن، دہ سورہ فی احسن صورہ،
۲۶	مولانا حمید اللہ سرادی میرٹھی	۱۳۳۱ھ	ترجمہ قرآن، تفسیر حدیث التفاسیر،
۲۷	مولانا عبد الستار پنجابی	۱۳۳۲ھ	تفسیر سورۂ یوسف (منظوم، بزبان پنجابی)
۲۸	مولانا شاہ عین الحق پھلواروی	۱۳۳۳ھ	المعراف فی تفسیر سورہ قاف
۲۹	مولانا عبد الاول غزنوی	۱۳۳۳ھ	ترجمہ قرآن مع حاشیہ، صحیح البیان فی فضائل القرآن
۳۰	سید امیر علی ملیح آبادی	۱۳۳۶ھ	تفسیر مواہب الرحمان (۳۰ اجزا کامل)
۳۱	مولانا ابو البرکات عبید اللہ حیدر آبادی	۱۳۳۷ھ	علوم قرآن پر متعدد کتابیں لکھیں
۳۲	سید شہید الدین احمد بنارسی	۱۳۳۷ھ	تحفۃ الحفاظ، عمدہ لغات القرآن، قواعد القرآن

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۳۳	سید عبدالحکیم صادق پوری	۱۳۳۷ھ	متعدد سورتوں کی تفسیر لکھی
۳۴	مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی	۱۳۳۸ھ	صحیح بخاری کی کتاب التفسیر پر حاشیہ لکھا،
۳۵	سید احمد حسن دہلوی	۱۳۳۸ھ	ترجمہ قرآن، حاشیہ احسن الفوائد بر تراجم شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالقادر وشاہ رفیع الدین، احسن التفاسیر تفسیر آیات الاحکام من کلام رب الانام
۳۶	مولانا عبدالعزیز صمدنی فرخ آبادی	۱۳۴۱ھ	تفسیر عزیز التفاسیر، حمید الکلام (منظوم)
۳۷	نواب وحید الزماں حیدر آبادی	۱۳۴۸ھ	تفسیر وحیدی مع ترجمہ موضحۃ الفرقان، تبویب القرآن لضبط مضامین الفرقان، تحفۃ القرآن،
۳۸	مولانا ابو محمد عبداللہ چھپراوی	۱۳۴۸ھ	رفع الغواشی عن وجوہ الترجمہ والحواشی، تلخیص سلک البیان فی مناقب القرآن، البیان لتراجم القرآن (یہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے) البیان لوضاحۃ القرآن، امعان النظر فی توضیح شان البقر،
۳۹	علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری	۱۳۴۹ھ	الجمال والکمال (تفسیر سورہ یوسف) خصائص القرآن
۴۰	مولانا محمد یوسف جے پوری	۱۳۵۰ھ	تفسیر سورہ فاتحہ
۴۱	مولانا ابو النعمان عبدالرحمن آزاد مئوی	۱۳۵۷ھ	تفسیر قرآن (غیر کامل)
۴۲	مولانا عبدالعزیز قلعوی	۱۹۴۰ھ	التفسیر المنظوم (پارہ اول، بزبان پنجابی)
۴۳	مولانا محمد بن عبداللہ حیدر آبادی	۱۳۶۰ھ	عجائب البیان فی لغات القرآن، تفسیر المنان،

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۴۴	مولانا محمد بن ابراہیم جوناگڈھی	۱۳۶۰ھ	تفسیر محمدی (ترجمہ تفسیر ابن کثیر مع ترجمہ قرآن) تفسیر سورہ فاتحہ، تفسیر سورہ یوسف
۴۵	سید ابو البشارا میر احمد سہسوانی	۱۹۴۶	ایضاح لغات القرآن (۲ ضخیم جلدوں میں) سہسوان میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے)
۴۶	مولانا ثناء اللہ امرتسری	۱۳۶۷ھ	تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی) تفسیر ثنائی (اردو آٹھ جلدیں) بیان الفرقان علی علم البیان، تفسیر بالرائے تقابل ثلاثہ (توریت، انجیل، قرآن) برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر، الآیات المتشابہات،
۴۷	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	۱۳۷۶ھ	واضح البیان، تبصیر الرحمٰن، تفسیر سورہ کہف، نجم الہدی، عرائس البیان فی تفسیر سورۃ الرحمٰن، الانوار الساطعۃ فی تفسیر سورۃ الواقعہ، آداب تلاوۃ القرآن اعجاز القرآن، حلاوۃ الایمان بتلاوۃ القرآن،
۴۸	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۹۵۸	ترجمان القرآن، مقدمہ تفسیر (نامکمل) باقیات ترجمان القرآن (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)
۴۹	خواجہ عبد الحیٔ فاروقی	۱۹۶۵	مختلف سورتوں کی تفسیر میں گیارہ کتابیں لکھیں اور اپنے بعض بھائیوں کی معیت میں قرآن کا لفظی اور تفسیری ترجمہ کیا اور ایک نفیس تفسیر لکھی۔

تالیفات	سنہ وفات	نام	نمبر شمار
درایہ التفسیر، تعلیم القرآن	۱۳۴۸ھ	مولانا عبداللہ روپڑی	۵۰
ترجمہ قرآن مع تفسیر احادیث التفاسیر		مرزا حیرت دہلوی	۵۱
آیات للسائلین، تفسیر القرآن بالقرآن		مولانا عنایت علی پنجابی	۵۲
تفسیر سورہ فاتحہ اور تفسیر کی دوسری کتابیں		شیخ محی الدین احمد بی، اے	۵۳
خلاصہ تفسیر المنار، درس قرآن جو رسالہ مسلمان سوہدرہ میں قسطوار شائع ہوتا رہا،		مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی	۵۴
ترجمہ تفسیر سورۃ النور لابن تیمیہ، اور علوم قرآن پر دوسری کتابیں،		مولانا عبدالرحیم پشاوری	۵۵
احسن التفاسیر کی تہذیب وتنقیح،		مولانا حافظ عبدالرحمٰن گوہروی	۵۶
سورہ فاتحہ کی ایک مبسوط تفسیر اور چند دیگر کتابیں	۱۳۹۴ھ	مولانا حکیم عبدالخبیر پھلواروی	۵۷
ترجمہ تفسیر ابن کثیر		مولانا محمد داؤد راغب رحمانی	۵۸
التفسیر الجوہری للطنطاوی کا ترجمہ (سورہ بقرہ تک)		مولانا عبید الرحمٰن عاقل رحمانی	۵۹
ترجمہ قرآن مع تفسیر سراج البیان		مولانا محمد حنیف ندوی	۶۰
توجیہ ثنائی پر حاشیہ،		مولانا محمد داؤد راز ہریانوی دہلوی	۶۱

جماعت اہلحدیث ہند کی خدمات حدیث

یہ معلوم ہے کہ تحریک اہلحدیث کی بدولت سرزمین ہند میں بڑے بڑے نادرۂ روزگار محدثین پیدا ہوئے اور انہوں نے تالیف اور تدریس کے ذریعہ علوم حدیث کی نشر و اشاعت میں قائدانہ رول ادا کیا، ذیل میں اس فن کی اہم تالیفات کی ایک سرسری فہرست دی جا رہی ہے، اختصار کے پیش نظر بہت سے ایسے اکابر محدثین کے نام چھوڑ دیئے گئے ہیں جنہوں نے اپنے درس سے ایک خلق کو فیضیاب کیا، لیکن ان کی کسی تصنیف کا ہمیں علم نہ ہو سکا،

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۱	شیخ رضی الدین حسن بن محمد صغانی	۶۵۰ھ	مشارق الانوار، شرح صحیح بخاری، درالسحابہ اور اس کی شرح، مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ، الشمس المنیرہ، موضوعات پر دو رسالے،
۲	شیخ علی المتقی جونپوری	۹۷۵ھ	شرح صحیح البخاری، کنز العمال، مختصر النہایہ البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں، عقد الدرر فی اخبار المہدی المنتظر،

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۳	شیخ محمد طاہر پٹنی	۹۸۶ء	مجمع بحار الانوار، تذکرۃ الموضوعات، المغنی فی اسماء الرجال،
۴	شیخ طیب بن ابی طیب سندھی	۹۹۳ھ	تعلیقات مشکوۃ المصابیح
۵	وجیہ الدین علوی گجراتی		شرح نخبۃ الفکر
۶	شیخ یعقوب صوفی کشمیری	۱۰۰۳ھ	شرح صحیح البخاری
۷	شیخ محمد اعظم بن سیف الدین سرہندی	۱۱۱۴ھ	فیض الباری فی شرح صحیح البخاری
۸	شیخ نور الدین احمد آبادی	۱۱۱۵ھ	نور القاری فی شرح صحیح البخاری
۹	شیخ محمد حیات سندی	۱۱۶۳ھ	
۱۰	شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی	۱۱۶۴ھ	
۱۱	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ	مصفی (فارسی شرح موطا) مسوی (حاشیہ موطا) شرح تراجم ابواب البخاری، المسلسلات فی عن الاسناد، الارشاد الی مہمات الاسناد
۱۲	سید محمد مرتضی بلگرامی	۱۲۰۵ھ	نظم اللآلی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ در الفرع فی حدیث ام زرع، جزء فی طرق حد نعم الادام الخل، عقد الجمان فی بیان شعب الایما بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب
۱۳	شیخ رفیع الدین مراد آبادی	۱۲۱۸ھ	شرح کتاب الاربعین للنووی،

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
۱۴	شیخ عبدالباسط قنوجی	۱۲۲۳ھ	نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری، حبل المتین فی شرح الاربعین،
۱۵	شیخ سراج احمد سرہندی	۱۲۳۰ھ	شرح جامع ترمذی بزبان فارسی
۱۶	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ	بستان المحدثین، عجالۂ نافعہ مسوی پر بعض حواشی
۱۷	مولانا خرم علی بلہوری	۱۲۶۰ھ	ترجمہ مشارق الانوار (اردو)
۱۸	شاہ محمد اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ	
۱۹	مولانا سخاوت علی جونپوری	۱۲۷۴ھ	التقویم فی احادیث النبی الکریم
۲۰	نواب احمد حسن عرشی قنوجی		شرح بلوغ المرام، المواہب اللطیفۃ علی مسند الامام ابی حنیفہ، شرح تیسیر الوصول الی احادیث الرسول
۲۱	قاضی بشیر الدین قنوجی	۱۲۹۶ھ	شرح موطا امام مالک، تخریج احادیث شرح العقائد
۲۲	مولانا بدیع الزماں لکھنوی	۱۳۰۴ھ	ترجمہ و شرح جامع ترمذی، ترجمہ سنن ابن ماجہ
۲۳	مولانا علیم الدین نگرنہسوی		یاایہا الناس بتوفیق احادیث اللباس
۲۴	نواب صدیق صدیق حسن خاں قنوجی	۱۳۰۷ھ	عون الباری لحل ادلۃ البخاری، السراج الوہاج شرح مختصر الصحیح لمسلم بن الحجاج، الرحمۃ المہداۃ الی من یرید زیادۃ العلم علی احادیث المشکوٰۃ، الادراک لتخریج احادیث الاشراک، مسک الختام شرح بلوغ المرام، غنیۃ القاری فی ترجمۃ ثلاثیات البخاری،

تالیفات	سنہ وفات	نام	نمبر شمار
توفیق الباری ترجمہ الادب المفرد للبخاری، فتح المغیث فی فقہ الحدیث، منہج الوصول الی احادیث الرسول وغیرہ وغیرہ ،			
تعلیقات سنن ابی داؤد	۱۳۱۲ ھ	شیخ محمد بن بارک اللہ لکھوی	۲۵
انعام المنعم ترجمہ الصحیح لمسلم مع حواشی مفیدہ، نصرۃ الباری بترجمۃ الصحیح للبخاری، ترجمہ ریاض الصالحین مع حواشی، ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح ،	۱۳۱۳ ھ	مولانا عبدالاول غزنوی	۲۶
الاقوال الایمانیۃ فی شرح الاحادیث السلیمانیہ ، ترجمہ صحیح بخاری		حافظ محمد بن ہاشم سامرودی	۲۷
طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ، سلیقہ ترجمہ الادب المفرد للبخاری		حافظ مولانا ابومحمد ابراہیم آروی	۲۸
فن حدیث کے یگانہ امام اور عرب وعجم کے استاذ الاساتذہ		سید نذیر حسین محدث دہلوی	۲۹
الدراری الناشرات فی ترجمہ مافی البخاری من الثلاثیات، کتاب الاحکام من احادیثہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، الروایات المصححہ فی رفع المسبحۃ، النعمۃ السابغۃ فی تخرج احادیث حجۃ اللہ البالغۃ، تخریج	۱۳۲۰ ھ	قاضی محمد مچھلی شہری	۳۰

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
			احادیث الموطأ المرویہ بلفظ بلغنا، تخریج الاحادیث المرویۃ من العترۃ النبویۃ، الکلام المدہش المنبیہ من سماع علقمۃ عن ابیہ،
۳۱	مولانا ابوالحسن سیالکوٹی	۱۳۲۵ھ	فیض الباری ترجمہ و شرح صحیح البخاری، ترجمہ مشکوۃ المصابیح، تلخیص الصحاح، کتاب تیسیر الوصول جزر ۵ - ۶ کا ترجمہ، الاکمال فی اسماء الرجال کا ترجمہ۔
۳۲	مولانا محمد بشیر سہسوانی		
۳۳	شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی	۱۳۲۷ھ	تعلیقات علی سنن النسائی، سنن ابی داؤد کے مختلف مقامات پر تعلیق، التحفۃ المرضیہ فی حل بعض المشکلات الحدیثیہ، البیان المکمل فی تحقیق الشاذ والمعلل وغیرہ،
۳۴	مولانا شمس الحق عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ	غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد، عون المعبود حاشیہ سنن ابی داؤد، فضل الباری شرح ثلاثیات بخاری، التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، تعلیقات علی سنن النسائی، ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی، رفع الالتباس عن بعض الناس، النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج، غنیۃ الالمعی، تعلیقات علی اسعاف المبطا برجال الموطأ للسیوطی، النور اللامع فی اخبار

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
			صلاۃ الجمعۃ عن النبی الشافع، تحفۃ المتہجدین الابرار فی اخبار صلاۃ الوتر وقیام رمضان عن النبی المختار، المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف، نہایۃ الرسوخ فی معجم الشیوخ، الوجازۃ فی الاجازۃ،
۳۵	مولانا الہی بخش	۱۳۳۳ھ	شرح حدیث ام زرع
۳۶	مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادی	۱۳۳۴ھ	فن حدیث میں پنجاب کے استاذ الاساتذہ،
۳۷	مولانا عبد العزیز رحیم آبادی	۱۳۳۶ھ	حسن البیان، سوار الطریق (مشکوۃ کی فصل اول کا ترجمہ)
۳۸	مولانا حافظ عبد اللہ غازیپوری	۱۳۳۷ھ	البحر المواج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج، آپ استاذ الاساتذہ کے لقب سے معروف ہیں،
۳۹	سید عبد الحکیم صادقپوری	۱۳۳۷ھ	ترجمہ مشکوۃ المصابیح،
۴۰	مولانا احمد حسن دہلوی	۱۳۳۸ھ	تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ، حاشیہ بلوغ المرام،
۴۱	مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی	۱۳۳۸ھ	منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری، مشکوۃ اور صحیح بخاری وغیرہ پر متفرق تعلیقات،
۴۲	مولانا رفیع الدین شکرانوی بہاری		رحمۃ الودود علی رجال سنن ابی داؤد
۴۳	مولانا ابو یحییٰ محمد شاہجہانپوری	۱۳۳۸ھ	سنن نسائی پر حاشیہ

تالیفات	سنہ وفات	نام	نمبر شمار
اردو میں صحاح ستہ کی شرح	۱۳۴۱ھ	مولانا عبدالعزیز صمدنی فرخ آبادی	۴۴
تیسیر الباری، ترجمہ و تعلیق صحیح بخاری، تسہیل القاری شرح صحیح البخاری، کشف المغطا بترجمۃ الموطا، ترجمہ صحیح مسلم مع فوائد، ترجمہ و حواشی سنن ابی داؤد، جائزۃ الشعوذی ترجمہ جامع الترمذی مع فوائد، شرح و ترجمہ سنن نسائی، رفع العجاجۃ شرح سنن ابن ماجہ، اشراق الابصار فی تخریج احادیث نورالانوار، احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد، انوار اللغات، وحید اللغات (غریب الحدیث) اصلاح الہدایۃ، تنقید الہدایہ،	۱۳۴۸ھ	نواب وحید الزماں حیدرآبادی	۴۵
مشکوٰۃ المصابیح پر تعلیق	۱۳۵۱ھ	مولانا عبدالوہاب ملتانی دہلوی	۴۶
شرح شفاء للقاضی عیاض	۱۳۵۲ھ	مولانا نذیرالدین احمد بنارسی	۴۷
تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، شفاء الغلل شرح کتاب العلل للترمذی، ابکار المنن فی نقد آثار السنن اعلام اہل الزمن من تبصرۃ آثار السنن،	۱۳۵۳ھ	مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری	۴۸
شرح سنن ابن ماجہ، صراط مستقیم شرح بلوغ المرام،	۱۳۶۱ھ	مولانا محمد بن یوسف سورتی	۴۹
صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح اور بلوغ المرام کا ترجمہ کیا،	۱۳۶۶ھ	مولانا عبدالتواب سلفی ملتانی	۵۰

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	تالیفات
			اوران کتابوں پر عربی میں حاشیہ لگایا، حاشیہ مسلم للسندھی، الاشارات الی اسماء المبہمات للنووی، مصنف ابن ابی شیبہ، مختصر قیام اللیل للمروزی، تحفۃ الودود باحکام المولود،
۵۱	مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی		حل مشکلات بخاری، اربعین محمدی، حصول المرام فی احادیث النبی علیہ السلام اور صحیح بخاری کے دفاع میں متعدد کتابیں،
۵۲	مولانا عبدالحکیم نصیر آبادی	۱۳۶۹/۷۰ھ	مسند احمد کی تبویب،
۵۳	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	۱۳۷۶ھ	عون الباری فی حل عویصات البخاری، تنصیر شرح حدیث غدیر،
۵۴	مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی	۱۳۸۱ھ	مولانا نصیر آبادی کی تبویب پر مسند احمد کی شرح، شرح سنن ابن ماجہ، تکملۃ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ، حاشیہ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ،
۵۵	مولانا عبدالوہاب دہلوی کلی	۱۳۸۱ھ	تسہیل درایۃ الموطا، حواشی مشکوۃ المصابیح
۵۶	مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی		المذکرات لحل المشکلات من الاحادیث وغیرھا، مقدمۃ صحیح البخاری، حاشیہ صحیح البخاری،

تالیفات	سنہ وفات	نام	نمبر شمار
نصرۃ الباری فی شرح صحیح البخاری	۱۳۸۶ھ	مولانا عبدالستار دہلوی	۵۷
شرح و ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث کی تشریعی اہمیت جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث،		مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ	۵۸
مشکلات الحدیث، موصوف سند سمیت ۳۵ ہزار حدیث کے حافظ تھے،		سید ابوالخیر برق رائے بریلوی	۵۹
حدیث اور فقہ الحدیث میں بیس کتابیں لکھیں، نسیم الریاحین شرح ریاض الصالحین، شرح مشکوٰۃ المصابیح تاختم کتاب الجنائز، زہرۃ ریاض الابرار تلخیص الضعفاً والمتروکین للدارقطنی، ترجمہ کتاب القرأۃ للبیہقی وغیرہ	۱۳۹۲ھ	مولانا عبدالجلیل سامرودی	۶۰
رفع الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، انوار المصابیح ترجمہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح،	۱۳۹۴ھ	مولانا عبدالسلام بستوی	۶۱
عون الودود شرح سنن ابی داؤد		مولانا محمد مدراسی	۶۲
فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری، ترجمہ الموضوعات للملا علی القاری، ترجمہ الفوائد المجموعہ للشوکانی،		مولانا فضل احمد دلاوری	۶۳
ترجمہ المنتقی لابن الجارود، مختلف احادیث کا ترجمہ		مولانا عبدالحمید اٹاوی	۶۴
مرعاۃ المفاتیح (مشکوٰۃ کی عظیم اور بے مثال شرح)		مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری	۶۵
التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی، فیض الودود		مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی	۶۶

(باقی صفحہ پر)

تحریک اہلحدیث اور اسلامی دفاع

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ۱۹۴۷ء تک کا درمیانی دور ملت اسلامیہ ہند کے خلاف خطرناک اور جانگسل تحریکوں کا نازک ترین دور تھا، عیسائیوں، آریوں اور قادیانیوں وغیرہ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چومکھی جنگ برپا کر رکھی تھی اور سرزمین ہند سے اسلام کے مکمل خاتمے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر رہی تھیں، لیکن الحمدللہ تحریک اہلحدیث نے ہر میدان میں ان کا بھرپور مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس گرداب سے نجات دلائی، ذیل میں اس موضوع پر ان کے چند علمی کارناموں کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	مساعی اور کارنامے
۱	سید نذیر حسین محدث دھلوی	۱۳۲۰ھ	مرزا قادیانی سے ٹکر لی اور رد قادیانیت پر سب سے پہلے آپ ہی نے قلم اٹھایا اور قادیانی خیالات کے کفر ہونے پر مدلل اور طویل فتویٰ لکھا جس سے قادیانیوں کے اقرار کے مطابق قادیانی ایوان میں زلزلہ برپا ہوگیا'
۲	مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی	۱۳۳۸ھ	قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے کمانڈر اور علمبردار، آپنے آریوں

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	مساعی اور کارنامے
			اور عیسائیوں کے خلاف بھی زبردست مجاہدہ کیا ،
۳	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی	۱۳۳۶ھ	قادیانیوں اور آریوں سے زوردار ٹکر لی ،
۴	مولانا ثناء اللہ امرتسری	۱۳۶۷ھ	تمام باطل فرقوں کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کے علمبردار و سپہ سالار ، آپ نے قادیانیت کی تردید میں تقریباً چالیس کتابیں لکھیں اور مرقع قادیانی کے نام سے خاص اسی مقصد کے لئے ایک پرچہ جاری کیا اسی طرح آریوں اور عیسائیوں کی تردید میں تقریباً سو کتابیں لکھیں اور اس مقصد کے لئے مسلمان نام کا ایک رسالہ جاری کیا ، اس کے علاوہ آپ کا ہفت روزہ اہلحدیث اہل باطل کی تردید کے لئے وقف تھا ، آپ نے ان کے خلاف ہزاروں مناظرے بھی کئے ، مرزا قادیانی نے آپ کے خلاف بد دعا اور پیشین گوئی شائع کی کہ مرزا اور مولانا میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ سچے ہی کی زندگی میں فوت ہو جائے گا ، اور اس کے ایک سال کے بعد مرگیا مولانا اس کی موت کے بعد چالیس سال حیات رہے
۵	علامہ سلیمان سلمان منصور پوری	۱۳۴۹ھ	آریوں اور عیسائیوں کے رد میں خاصا کام کیا اور متعدد رسالے لکھے ،

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	مساعی اور کارنامے
۶	مولانا محمد بشیر سہسوانی محدث	۱۳۲۶ھ	مرزا قادیانی سے مناظرہ کر کے اس کا بھرم چاک کر دیا اور الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح کے نام سے روداد شائع کی،
۷	سید امیر حسن سہسوانی	۱۲۹۱ھ	عیسائیوں سے بارہا مناظرے کئے اور ہر بار ان کو خاموش کر دیا،
۸	قاضی بشیر الدین قنوجی	۱۲۹۶ھ	آریوں سے مناظرے کئے
۹	مولانا ابو القاسم محمد سیف بنارسی	۱۳۶۹ھ	آپ نے آریوں، قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف متعدد کتابیں، پمفلٹ اور مضامین لکھے اور کامیاب مناظرے کئے،
۱۰	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	۱۳۷۶ھ	گمراہ فرقوں کے خلاف مجاہد کبیر تھے: قادیانیوں، آریوں اور عیسائیوں کے خلاف بڑی بڑی اہم اہم کتابیں لکھیں اور مناظرے کئے،
۱۱	مولانا محمد اسماعیل علی گڈھی	۱۳۱۱ھ	مرزا قادیانی سے بالکل شروع ہی میں ٹکر لی اور اس کے رد میں اعلان الحق الصریح فی تکذیب مثیل المسیح نامی رسالہ لکھا،
۱۲	مولانا عبد اللہ معمار غزنوی		قادیانیت کے خلاف بہت بڑے مجاہد تھے، متعدد مناظرے کئے، محمدیہ پاکٹ بک اور النبی الخاتم جیسی اہم اور ضخیم کتابوں کے علاوہ رد قادیانیت پر مزید رسالے لکھے

نمبر شمار	نام	سنہ وفات	مساعی اور کارنامے
			اور فاضل مرزائیات کے لقب سے مشہور ہوئے،
۱۳	مولانا عبدالجبار غزنوی	۱۳۳۱ھ	مجلہ تبلیغ میں قادیانیوں کی پرزور تردید کی،
۱۴	صوفی عبدالحق غزنوی		مرزا قادیانی سے مباہلہ کیا اور خود مرزا کے اصول کے مطابق مرزا کو پہلے سخت رسوائی ہوئی، پھر صوفی صاحب کی زندگی ہی میں وہ فوت ہوگیا،
۱۵	مولانا عبدالحق امرتسری	۱۳۰۷ھ	قادیانیوں کی تردید اور مناظرہ میں پیش پیش رہتے تھے،
۱۶	مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی	۱۳۵۷ھ	تحریر اور مناظرہ سے آریوں کی تردید کی، کفر شکن، مجموعۃ الاجوبہ، انزک دیدازم، بست سوال انکی مشہور کتابیں ہیں، آپ اہل الذکر کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالتے تھے
۱۷	مولانا محمد عمر سکندر آبادی		آریوں سے مناظرے کئے
۱۸	حافظ ولی اللہ لاہوری	۱۲۹۶ھ	عیسائیوں سے مناظرے کئے
۱۹	مولانا عبدالباری سہسوانی	۱۳۰۳ھ	آریوں سے مناظرے کئے اور انکے رد میں کتابیں لکھیں مثلاً الفتح المبین اعلام احبار الاعلام بان الدین عند اللہ الاسلام،
۲۰	مولانا محمد بن عبدالباری دیوریادی	۱۳۰۶ھ	آریوں سے مناظرے کئے
۲۱	مولانا عبدالستار عمرپوری	۱۳۳۴ھ	ردقادیانیت میں کتابیں لکھیں،
۲۲	ڈاکٹر محمد اشرف علی گڑھی	۱۹۲۳ء	خاص قادیانیوں کی تردید کیلئے الاسلام نامی رسالہ جاری کیا ایک اور رسالہ اہل بیت کے نام سے جاری کیا، اور قادیانیوں اور عیسائیوں سے مناظرے بھی کئے،

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے کل ہند جلسے

دور اول از ۱۹۰۶ء / ۱۳۲۴ھ تا ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ

نمبر	مقام اجلاس	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ	صدر
۱	دہلی	۵، ۶ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ	۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۱۲ء	حاجی شمس الدین صاحب
۲	امرتسر	۵، ۶، ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ	۱۴، ۱۵، ۱۶ مارچ ۱۹۱۳ء	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی
۳	پشاور	۲۹، ۳۰ ربیع الآخر یکم جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ	۲۷، ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۱۴ء	خان بہادر ارباب عبدالرؤف خاں رئیس پشاور
۴	علی گڑھ	۲۶، ۲۷، ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ	۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی
۵	بنارس	۲۰، ۲۱، ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ	۲۵، ۲۶، ۲۷ فروری ۱۹۱۶ء	
۶	کلکتہ	۱۴، ۱۵، ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ	۹، ۱۰، ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء	

نمبر شمار	مقام اجلاس	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ	صدر
۷	مدراس	۲۱،۲۲،۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ	۳،۴،۵ مئی ۱۹۱۸ء	مولانا عبد اللہ غازی پوری
۸	کانپور	۹،۱۰،۱۱ رجب ۱۳۳۷ھ	۱۱،۱۲،۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۹	ملتان	۱۸،۱۹،۲۰ رجب ۱۳۳۸ھ	۹،۱۰،۱۱ اپریل ۱۹۲۰ء	مولانا عبد الرحمٰن ممبر کونسل بھاولپور
۱۰	دہلی	۱۹،۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ	۹،۱۰ دسمبر ۱۹۲۲ء	مولانا سید ابوالحسن بنیرہ میاں صاحب
۱۱	گجرانوالہ	۷،۸،۹ شعبان ۱۳۴۲ھ	۱۴،۱۵،۱۶ مارچ ۱۹۲۴ء	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۱۲	لہریاسرائے (دربھنگہ)	۲۴،۲۵،۲۶ شعبان ۱۳۴۳ھ	۲۰،۲۱،۲۲ مارچ ۱۹۲۵ء	مولانا سید ابوالحسن بنیرہ میاں صاحب
۱۳	چھپرہ	۱۹،۲۰،۲۱ شعبان ۱۳۴۴ھ	۵،۶،۷ مارچ ۱۹۲۶ء	
۱۴	مئوناتھ بھنجن	۸،۹،۱۰ شعبان ۱۳۴۵ھ	۱۱،۱۲،۱۳ فروری ۱۹۲۷ء	علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
۱۵	آگرہ	۷،۸،۹ شوال ۱۳۴۶ھ	۳۰،۳۱ مارچ یکم اپریل ۱۹۲۸ء	”
۱۶	ملتان	۱۲،۱۳،۱۴ شوال ۱۳۴۷ھ	۲۴،۲۵،۲۶ مارچ ۱۹۲۹ء	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۱۷	پٹنہ	۲۴،۲۵،۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ	۶،۷،۸ نومبر ۱۹۳۱ء	مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی

نمبر شمار	مقام اجلاس	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ	صدر
۱۸	چھپرہ	۱۹، ۲۰، ۲۱، شعبان ۱۳۵۲ھ	۸، ۹، ۱۰، دسمبر ۱۹۳۳ء	مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری
۱۹	دہلی	۱۷، ۱۸، ۱۹، شعبان ۱۳۵۴ھ	۱۵، ۱۶، ۱۷، نومبر ۱۹۳۵ء	
۲۰	شکراوہ	۱۱، ۱۲، ۱۳، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ	۲۲، ۲۳، ۲۴، مئی ۱۹۳۷ء	مولانا محمد جوناگڈھی
۲۱	فتح گڑھ چوڑیان	۱۶، ۱۷، ۱۸، صفر المظفر ۱۳۵۸ھ	۷، ۸، ۹، اپریل ۱۹۳۹ء	مولانا عبد القادر قصوری
۲۲	آرہ	۲۸، ۲۹، ۳۰، شوال ۱۳۵۹ھ	۲۹، ۳۰، نومبر یکم دسمبر ۱۹۴۰ء	مولانا ثناء اللہ امرتسری
۲۳	مئو آئمہ	۲۶، ۲۷، ۲۸، ربیع الاول ۱۳۶۲ھ	۲، ۳، ۴، اپریل ۱۹۴۳ء	مولانا ابو القاسم بنارسی
۲۴	دہلی	۱۲، ۱۳، ۱۴، ربیع الاول ۱۳۶۳ھ	۷، ۸، ۹، اپریل ۱۹۴۴ء	مولانا ثناء اللہ امرتسری

نوٹ:- اسلام کی ولولہ انگیز دعوت و تبلیغ کے ساتھ قادیانیت مسیحیت آریہ سماج اور دیگر اسلام دشمن تحریکوں کا پرزور کامیاب اور بار آور مقابلہ اس دور کے جلسوں کا طرہ امتیاز ہے،

نمبر شمار	مقام اجلاس	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ	صدر

دور ثانی

۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ تا ۱۹۸۷ء / ۱۴۰۸ھ

۱	نوگڈھ		۱۶/۱۷/۱۸/۱۹/ نومبر ۱۹۶۱ء	مولانا عبد الوہاب آروی
۲	بنگلور		۱۰/۱۱/۱۲/ مئی ۱۹۸۵ء	مولانا عبد الوحید صاحب سلفی

نوٹ:- تقسیم ملک کے ہنگامہ کے نتیجے میں جمعیۃ سخت انتشار اور کمزوری کا شکار رہی اس لئے اس مدت میں دو ہی کل ہند اجلاس ہو سکے البتہ صوبائی و ضلعی اجلاس بکثرت ہوئے،

-----:-----

ہندوستان میں علوم حدیث کے اہم مراکز

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے زمانے سے علوم حدیث کو عروج حاصل ہوا، یہاں تک کہ اس ملک میں اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے بلند پایہ محدثین منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، اور پچھلی دو صدیوں میں فقہائے محدثین کے طرز پر احادیث کی تدریس اور تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں متعدد مراکز کو امتیازی حیثیت حاصل ہوئی، ذیل میں ایک سرسری فہرست پیش کی جا رہی ہے،

(دہلی)

یہ ہندوستان میں خدمت حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں حسب ذیل علماء تدریس حدیث میں ممتاز ہوئے،

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ	متوفی	سنہ ۱۱۷۶ھ
شاہ عبدالعزیز "	"	سنہ ۱۲۳۹ھ
شاہ محمد اسحاق "	"	سنہ ۱۲۶۲ھ
سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ	"	سنہ ۱۳۲۰ھ
مولانا محمد بشیر سہسوانی "	"	سنہ ۱۳۲۶ھ
حافظ عبداللہ غازی پوری "	"	سنہ ۱۳۳۷ھ

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ	متوفی ۱۳۵۳ھ
مولانا احمد اللہ پرتاپگڈھی "	" ۱۳۶۲ھ
مولانا عبدالوہاب نابینا "	" ۱۳۳۸ھ
مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی "	" ۱۳۸۱ھ
مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری	

(بھوپال)

تدریس وتالیف واشاعت حدیث میں امتیاز حاصل کیا، ممتاز شخصیتیں حسب ذیل ہیں

شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی	متوفی ۱۳۲۷ھ
نواب صدیق حسن خاں قنوجی	" ۱۳۰۷ھ
محدث بشیر الدین قنوجی	" ۱۲۹۶ھ
" محمد بشیر سہسوانی	" ۱۳۲۶ھ
" شیخ محمد مچھلی شہری	" ۱۳۲۰ھ
" سلامت اللہ جیراجپوری	" ۱۳۲۲ھ

(عظیم آباد)

امیر المجاہدین مولانا ولایت علی عظیم آبادی	متوفی ۱۲۶۹ھ
مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی	" ۱۳۲۹ھ
مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادی	" ۱۳۳۶ھ

مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری — متوفی سنہ ۱۳۴۲ھ

بنارس

مولانا عبدالحق محدث بنارسی شاگرد امام شوکانی — متوفی سنہ ۱۲۷۶ھ
مولانا محمد سعید بنارسی — " سنہ ۱۳۲۲ھ
مولانا جلال الدین احمد بنارسی — " سنہ ۱۲۷۹ھ
مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی — " سنہ ۱۳۶۹ھ
مولانا محمد بن یوسف سورتی — " سنہ ۱۳۶۱ھ
مولانا نذیر الدین احمد بنارسی — " سنہ ۱۳۵۲ھ
مولانا حیات محمد بنارسی — " سنہ ۱۳۴۱ھ
مولانا عبدالمجید بن عبدالقادر بنارسی — " سنہ ۱۳۵۶ھ
مولانا محمد منیر خاں مرزاپوری — " سنہ ۱۳۶۴ھ
مولانا نذیر احمد رحمانی — " سنہ ۱۳۸۵ھ

آرہ

یہاں کی درسگاہ "مدرسہ احمدیہ" منہاج سلف کے مطابق حدیث کی تدریس کے علاوہ عصری علوم سے استفادہ کرنے میں ممتاز تھی، یہاں ہر سال مذاکرۂ علمیہ کے نام سے کل ہند پیمانے کا ایک اجلاس بھی ہوتا تھا جس میں ملک کی نمایاں اسلامی شخصیتیں فروکش ہوتی تھیں، تدریس حدیث میں یہاں حسب ذیل علماء کو امتیاز حاصل ہوا،

مولانا عبداللہ صاحب محدث غازی پوری	متوفی سنہ ۱۳۳۷ھ
مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری	״ سنہ ۱۳۵۳ھ
مولانا ابو محمد ابراہیم آروی	״ سنہ ۱۳۱۹ھ
علامہ عین الحق پھلواروی	״ سنہ ۱۳۲۳ھ
مولانا محمد اسحاق آروی	״ سنہ ۱۳۶۹ھ

ملتان

محدث محمد سلطان محمود ملتانی	متوفی سنہ ۱۲۲۶ھ
مولانا عبدالحق ملتانی	״ سنہ ۱۳۶۵ھ
مولانا عبدالتواب ملتانی	״ سنہ ۱۳۶۶ھ

امرتسر

داعی کبیر امام عبداللہ غزنوی	متوفی سنہ ۱۲۹۸ھ
مولانا عبدالجبار غزنوی	״ سنہ ۱۳۳۱ھ
مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی	״ سنہ ۱۳۳۸ھ
مولانا عبدالاول غزنوی	״ سنہ ۱۳۱۳ھ
مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری	״ سنہ ۱۳۶۷ھ
مولانا محمد اسماعیل غزنوی	
مولانا محمد داؤد غزنوی	

(باقی صـ۵۶ پر)

تحریکِ اہلحدیث مشاہیر کی نظر میں

(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و کامل ہے، بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود رہا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مردِ میدان کا منتظر تھا اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ و مجدد شہید رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا، خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا،

آں باغباں کہ تربیت ایں نہال کرد　　　می خواست رستخیز ز عالم برآورد

اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے تو انہیں کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے ......

دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے گئے تھے اب اس سلطان وقت و اسکندر عزم کی بدولت شاہ جہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گذر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے،

جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب برسر بازار کی جارہی ہے اور ہو رہی تھیں اور خون شہادت کے چھینٹے حرف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحۂ عالم پر

ت کررہے تھے ،

آخر تو لائیں گے کوئی آفت نغاں سے ہم
حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

(مولانا ابوالکلام آزاد رح) (تذکرہ صـ ۲۷)

(۲)

تیرہویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری
ب ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا، مولانا اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلوی کی مجاہدانہ
ششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی ،

یہ مسلمانوں کی عظیم الشان تحریک تھی .... بنگال کی سرحد سے لے کر پنجاب تک اور نیپال کی
سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش و عمل کا دریا موجیں مار رہا تھا اور حیرت انگیز وحدت
ں آنکھوں کو نظر آرہا تھا ،

سید صاحب کے خلفاء ہر صوبہ اور ولایت میں پہونچ چکے تھے اور اپنے اپنے دائرے میں تجدید اصلاح
لیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جا رہے تھے ، بدعتیں چھوڑی جا رہی تھیں، نام کے
ن کام کے مسلمان بن رہے تھے ، جو مسلمان نہ تھے وہ بھی اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے ، شراب کی بوتلیں توڑی
ی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم لنڈھائے جا رہے تھے ، بازاری فواحش کے بازار سرد ہو رہے تھے اور ر
صداقت کی بلندی کے لئے علماء حجروں سے اور امراء ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آرہے تھے اور ہر قسم
چاری، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے اور مجاہد تبلیغ
عوت میں لگے تھے ،

(مولانا سید سلیمان ندوی) (مقدمہ سید احمد شہید)

(۳)

بہرحال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی ہے وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے، بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی..... لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ گم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہوگیا، مگر افسوس کہ اب وہ بھی جا رہا ہے، اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ "جہاد" جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑگئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ ایک زمانہ گذرا کہ وہابی اور باغی دو مترادف لفظ سمجھے گئے، اور کتنوں کے سر قلم ہوگئے، کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے پا بجولاں دریائے شور عبور کردیئے گئے یا تنگ کوٹھریوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔

(مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند)　　　　(مولانا سید سلیمان ندوی)

(۴)

اس تحریک تجدید و جہاد کے بارے میں اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ یہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ہے جو صحیح اسلامی نصب العین کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی اور آخر دم تک اپنے مقصد میں قائم رہی، اس کی برکت اور اس کے علمبرداروں کے دم قدم سے توحید و سنت کا جو بول و بالا ہوا، اور بدعات اور مشرکانہ رسوم کا جس طرح استیصال ہوا اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، مختصراً یوں سمجھئے کہ آج اس برصغیر ہند و پاکستان میں ایمان و عمل کی جو بری بھلی متاع پائی جاتی ہے وہ انہی مردان حق کا

فیض ہے، اور انہیں کے آفتاب علم وعمل کا پرتو،

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک) (مولانا مسعود عالم ندوی)

(۵)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں اسلامی جہاد سرزمین ہند پر ایک ہی مرتبہ ہوا، اور یہ وہی جہاد تھا جس کے امیر حضرت سید احمد بریلوی رح اور سپہ سالار حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے، پہلے کی لڑائیاں نہ تو خالصتًا للہ تھیں، نہ ان کی تہ میں خالص اسلامی سیرت تھی، نہ ان میں اسلامی قوانین جنگ کی پوری پابندی کی گئی اور نہ ان کے نتیجہ میں خلافت الہیہ یہاں قائم ہوئی، اس لئے کہ وہ لڑائیاں تھیں، جہاد فی سبیل اللہ نہ تھیں، لیکن پوری بارہ سو سال کی تاریخ میں یہ دو اللہ کے بندے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے تمام نفسانی اور ملکی اغراض سے اور تمام جاہلی تعصبات وخواہشات سے پاک ہوکر صرف اس لئے جنگ کی کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون جاری ہو،

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

(۶)

بجائے خود یہ تحریک جو کچھ بھی ہو، لیکن اس کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہلحدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے، عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا،

(مولانا مناظر احسن گیلانی) (برہان اگست ۱۹۵۸ء صلا)

(۷)

آپ (سید احمد شہید) نے تھوڑے زمانہ میں ایک دینی فضا قائم کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہ کا نمونہ تھے، ایک رنگ میں رنگے ہوئے

ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے، بدعت سے نفور، شرک کے دشمن، جہاد کے نشہ میں سرشار، متقی و عبادت گذار اور بڑی بات یہ ہے کہ یک رنگ وہم آہنگ، تاریخ اسلام میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں اس پختگی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہ و تابعین کے بعد مشکل سے ملے گی،

ان آخری صدیوں میں ہم کو دنیائے اسلام میں کسی ایسی تحریک کا علم نہیں ہوا جو ہندوستان کی اس تحریک احیائے سنت اور جہاد سے زیادہ منظم اور وسیع ہو، اور جس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر اور دور رس ہوں،

ہندوستان کی کوئی اصلاحی اور اسلامی تحریک ایسی نہیں جو اس تحریک سے متاثر نہ ہو، اور ہندوستان میں موجودہ اسلامی زندگی، مذہبی اصلاح، مسلمانوں کی بیداری اور ملک میں مسلمانوں کے وجود کی اہمیت اور ان کا سیاسی وزن بڑی حد تک اس طویل جہاد کا رہین منت ہے،

(سیرت احمد شہید ص ۱۸٫۱۷) (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

• • •

بقیہ ص ۵۱ کا:

وزیرآباد، گجرانوالہ

مولانا عبدالمنان محدث وزیرآبادی	متوفی ۱۳۳۴ھ
مولانا حافظ عنایت اللہ اثری وزیرآبادی	" ۱۴۰۰ھ
مولانا محمد اسماعیل محدث گجرانوالہ	" ۱۳۸۷ھ
مولانا حافظ محمد صاحب (گوندلانوالہ)	

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رح) کی زندگی اور کارناموں پر

سہ روزہ عالمی سیمینار

بتاریخ : ۲۲ / ۲۳ / ۲۴ / نومبر ۱۹۸۷ء

بروز : اتوار ، سوموار ، منگل

زیر صدارت

عزت مآب جناب ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف حفظہ اللہ

سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ)

مہمان خصوصی

عزت مآب جناب ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی حفظہ اللہ

مدیر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ (ریاض)

افتتاح

عزت مآب جناب ضیاء الرحمن انصاری حفظہ اللہ

وزیر مملکت برائے جنگلات و ماحولیات (حکومت ہند)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مسلمانوں کا اصل دینی سرمایہ کتاب و سنت ہے ہماری بہبودی و نجات کا راز بھاری بھرکم اصطلاحات اور پرپیچ عبارتوں سے بچ کر اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی سادی پیروی میں مضمر ہے، اسی کے ذریعہ ہمارے ایمان میں قوت اور ہماری صفوں میں اتحاد پیدا ہوسکتا ہے، اور ہم شرک و بدعت کی پگڈنڈیوں سے نکل کر کتاب و سنت کی شاہراہ پر آسکتے ہیں۔

اس منہج فکر و عمل کو واضح کرنے میں **شیخ الاسلام ابن تیمیہ** رحمہ اللہ کے کارنامے بیمثال ہیں، آپ کی زندگی تجدید دین کے لئے جہد مسلسل اور راہ حق میں صبر و استقامت کا حسین مرقع ہے.

اسلامی تاریخ کی اس عظیم تجدیدی شخصیت کے حالات زندگی اور علمی کارناموں سے موجودہ نسل کو روشناس کرانے کیلئے **جامعہ سلفیہ** بنارس کے زیر اہتمام ایک سہ روزہ « **عالمی سیمینار** » منعقد ہو رہا ہے، جس میں ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علماء و محققین شرکت فرما رہے ہیں۔

ان کے افکار و خیالات کو سننے اور مستفید ہونے کے لئے آپ تمام حضرات سے شرکت کی پرخلوص درخواست ہے۔

[اراکین جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس]

سیمینار جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۷ء

موضوع (شیخ الاسلام ابن تیمیہ : زندگی اور کارنامے)

بعض منتخب عناوین

۱ — ابن تیمیہ کے دور کے دینی ، سیاسی اور معاشرتی حالات.

۲ — ابن تیمیہ کی علمی شخصیت کی تشکیل کے عناصر.

۳ — ابن تیمیہ کا سیاسی شعور.

۴ — اسلامی فقہ اور ابن تیمیہ.

۵ — ابن تیمیہ اور علم حدیث.

۶ — ابن تیمیہ کے تجدیدی و اصلاحی کارنامے.

۷ — ابن تیمیہ اور تصوف

۸ — ابن تیمیہ اور تردید بدعت.

۹ — ابن تیمیہ اپنے مخالفین کے آئینہ میں.

۱۰ — ابن تیمیہ اور ان کے معروف معاصرین (علمی حیثیت اور خدمات کا تقابل):

۱۱ — موجودہ دور کے مسلمانوں کو ابن تیمیہ کی زندگی اور کارناموں سے کیا سبق مل سکتا ہے؟

۱۲ — مذہبی فرقہ پرستی اور ابن تیمیہ.

۱۳ — ابن تیمیہ اور تفسیر.

۱۴ — ابن تیمیہ اور علم منطق .

۱۵ — ابن تیمیہ اور یونانی فلسفہ و علوم .

۱٦ — ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ کے آئینہ میں .

۱۷ — ابن تیمیہ کا امت کے مختلف طبقوں پر اثر (علماء ، دعاۃ ، عوام وغیرہ)

۱۸ — ابن تیمیہ کی جملہ تصانیف کا اجمالی تعارف .

۱۹ — ابن تیمیہ سے متعلق مؤلفات و مضامین کا تعارف .

۲۰ — ابن تیمیہ اور مذاہب اربعہ .

۲۱ — ابن تیمیہ اور ان کے مشاہیر شیوخ و تلامذہ .

۲۲ — سلفی عقیدہ اور ابن تیمیہ

۲۳ — ابن تیمیہ اور عربی زبان و ادب .

۲۴ — ابن تیمیہ اور علم کلام .

۲۵ — فتاوی ابن تیمیہ کا ایک تفصیلی جائزہ .

۲٦ — ابن تیمیہ اور یہودیت و نصرانیت .

گذارش | ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی اور زمانہ وغیرہ کا تذکرہ ہر مضمون میں تمہیدی طور پر نہ کیا جائے اسکے لئے علیحدہ عنوانات مقرر ہیں .

NOVEMBER 1987

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

ہماری اردو مطبوعات

(۱) اہلحدیث اور سیاست	۴۰/—
(۲) قادیانیت اپنے آئینہ میں	۲۰/—
(۳) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	۲۰/—
(۴) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	۱۸/—
(۵) " " " (حصہ دوم)	۱۵/—
(۶) کتاب الکبائر	۳۵/—
(۷) رسالت کے سایے میں	۱۶/—
(۸) اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	۳۵/—
(۹) " " " " (جلد دوم)	۳۵/—
(۱۰) " " " " (جلد سوم)	۵۰/—
(۱۱) " " " " (جلد چہارم)	۵۴/—
(۱۲) سیرت ابن حزم اندلسی	۴۰/—
(۱۳) کمیونزم اور مذہب	۱۶/—
(۱۴) محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے	۵/—
(۱۵) اسلامی تربیت	۳۰/—
(۱۶) آپ بیتی	۳۰/—
(۱۷) حجیت حدیث	۳۵/—
(۱۸) عقیدۃ المؤمن	۲۰/—
(۱۹) نماز میں سورہ فاتحہ	۲۰/—
(۲۰) سلفی عقائد	۳۰/—
(۲۱) عظمت رفتہ	۲۰/—

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب، بنارس

PRINTED BY: ABDUL AUWAL ANSARI
AT SALAFIA PRESS, REORI TALAB, VARANASI.